كشف الباري
عما في صحيح البخاري

جلد چہارم

كتاب العلم

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب
مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی

مكتبه فاروقيه
شاہ فیصل کالونی کراچی

کتاب العلم جلد چہارم

كشف الباری (جلد چہارم)

افادات

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان

ترتیب وتحقیق

نور البشر نور الحق

1431ھ / 2010ء

مطبوعات مکتبہ فاروقیہ کراچی 75230 پاکستان

مرکز جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی نمبر 4

کراچی 75230، پاکستان

فون 021-4575763

m_farooqia@hotmail.com

بسم الله الرحمن الرحيم

فهرس إجمالی لأبواب صحیح البخاري
في المجلد الرابع من كشف الباري

فہرست مضامین کتاب العلم

فهرس أسماء المترجم لهم على ترتيب حروف الهجاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

اللهم لك الحمد لا أحصي ثناءً عليك، أنت كما أثنيت على نفسك.

اللهم لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطانك.

اللهم ما أصبح بي من نعمة أو بأحد من خلقك فمنك وحدك لاشريك لك، اللهم لك الحمد ولك الشكر۔

اللهم صل وسلم وبارك على سيدنا وحبيبنا ومولانا محمد النبي الأمي وعلى آله وصحبه وتابعيهم ومن تبعهم أجمعين۔

امابعد:

اللہ رب العزت کا بے نہایت کرم اور اس کی انتہائی نوازش ہے کہ اس نے محض اپنے فضل سے توفیق ارزانی فرمائی کہ آج ہم آپ کے ہاتھوں میں بخاری شریف کی شرح ''کشف الباری'' کی چوتھی جلد جو''کتاب العلم'' کے نصف آخر کی تشریحات وتوضیحات پر مشتمل ہے، پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔

حضرات اہل علم کو اس جلد کے انتظار کی جو شدید زحمت اٹھانی پڑی، اس پر ہم معذرت خواہ ہیں، اس کی تاخیر میں جو اعذار کارفرما رہے، ان کا ذکر طول لاطائل کا باعث ہے، تاہم اس میں احقر کی علمی بے بضاعتی اور مختلف امراض واسقام کے ہجوم کا دخل بے حد رہا ہے، لیکن کوشش کی گئی ہے کہ مباحث میں کوئی تشنگی نہ رہنے پائے، معیارِ تحقیق سابق

جلدوں کی طرح، بلکہ ان سے بہتر رہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم نے اپنی پیرانہ سالی، ہجوم امراض، اشغال اور مختلف ومتنوع ذمہ داریوں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اس جلد کے ایک ایک حرف پر بھی نظر فرمائی، قابل اصلاح امور کی نشاندہی فرمائی، تشنہ مباحث کی تکمیل کی طرف توجہ دلائی، توضیح طلب امور کی توضیح کا حکم فرمایا، بحمد اللہ تعالی ان تمام امور کی تعمیل کردی گئی، اللہ تعالی حضرت دامت ظلہم کو عافیت تامہ نصیب فرمائے اور حضرت کے اس علمی کاوش کو آپ کی حیات مبارکہ ہی میں مکمل کرادے۔ وما ذلك على الله بعزيز۔

ہم ان حضرات اہل علم کے شکر گذار ہیں جنہوں نے گذشتہ جلدوں کے مباحث اور انداز ترتیب وتحقیق کو سراہا اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائی، اسی طرح ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے کتاب کے مضامین کے سلسلہ میں مراسلت فرمائی۔ اللہ تعالی سب کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔

****

گذشتہ جلدوں میں بھی ہم نے اہل علم سے گذارش کی تھی اور اب بھی یہی گذارش ہے کہ یہ ایک خالص علمی کام ہے، جو متنوع فنون میں مہارت اور صلاحیت کا متقاضی ہے، ان صلاحیتوں اور مہارتوں سے عاری ہونے کی وجہ سے عین ممکن ہے کہ اس کی ترتیب وتحقیق میں نادانستہ فروگذاشتیں رہ گئی ہوں۔ حضرات اہل علم کے ذمہ لازم ہے کہ وہ ان کی نشاندہی فرمائیں، ان شاء اللہ تعالی ہمیں اپنی غلطیوں کی اصلاح سے خوشی ہوگی اور ہم ان کے نہایت شکر گذار ہوں گے۔

اس جلد کی پروف ریڈنگ اور اسے جلد از جلد منظر عام پر لانے کا سہرا عزیز گرامی مولانا حبیب اللہ زکریا سلمہ اللہ تعالی کے سر جاتا ہے، اگر ان کی تن دہی، محنت اور جدوجہد نہ ہوتی تو نہ معلوم مزید کتنی تاخیر ہوتی! اللہ تعالی ان کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے علم وعمل میں برکت دے اور ان کو علمی وعملی صلاحیتوں میں ترقیات سے نوازے۔

ان کے علاوہ عزیزان گرامی مفتی سید زاہد حسین الحسینی سلمہ (فاضل جامعہ دار العلوم کراچی) اور مفتی عبد الغنی سلمہ (فاضل جامعہ فاروقیہ ورفیق دار التصنیف جامعہ فاروقیہ کراچی) کا بھی ممنون ہوں کہ ان دونوں حضرات نے خصوصی طور پر پروف ریڈنگ کے سلسلہ میں احقر کی کافی معاونت کی۔ جزاهما الله تعالى خير الجزاء و وفقهما لما يحبه ويرضاه۔

****

آخر میں تمام قارئین سے درخواست ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے لئے خصوصی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے، حضرت شیخ الحدیث صاحب حفظہم اللہ تعالیٰ ورعاہم کی زندگی کا ہر باب اور خاص طور پر شیخوخت کے زمانے کے کارنامے جن میں تدریس واہتمام جامعہ فاروقیہ سے لے کر وفاق المدارس العربیہ، واتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ملک کے اندر آئے دن اٹھنے والے اسلام کے خلاف شور وشغب کا عزیمت اور متانت کے ساتھ مقابلہ بھی شامل ہے، یہ سب امور جوانوں کے لئے قابل صد رشک نمونے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت والا کو تمام ذمہ داریوں سے احسن طور پر عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

نیز احقر مرتب اور اس کے معاونین کے لئے بھی خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو آسان فرمائے، جلد مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازے۔

اس کام کو احقر کے لئے، احقر کے اساتذہ ومشائخ اور والدین ومتعلقین کے واسطے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

وکتبہ

نور البشر محمد نور الحق

استاذ حدیث وعلوم اسلامیہ بالجامعۃ الفاروقیہ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق یکم اپریل ۲۰۰۷ء

ایک وضاحت

اس تقریر میں ہم نے صحیح بخاری کا جو نسخہ متن کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس پر ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا نے تحقیقی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے احادیث پر نمبر لگانے کے ساتھ ساتھ احادیث کے مواضع متکررہ کی نشاندہی کا بھی التزام کیا ہے۔ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں نمبرات سے اس کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس نمبر پر یہ حدیث آرہی ہے اور اگر حدیث گزری ہے تو نمبر سے پہلے (ر) لگادیتے ہیں۔ یعنی اس نمبر کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۲ - باب : عِظَةِ الْإِمَامِ النِّسَاءَ وتَعْلِيمِهِنَّ .

بابِ سابق سے مناسبت

سابق باب میں آدمی کا اپنے گھر والوں کو علم سکھانا مذکور ہے اور اس باب میں امام کا عام عورتوں کو تعلیم دینا مذکور ہے، اس طرح دونوں ابواب میں مناسبت پائی گئی۔(۱)

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے ساتھ خلوت اور ان کے ساتھ اجتماع چونکہ ممنوع ہے، اس لئے اس باب کو قائم فرما کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرما دی کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ فتنہ کا اندیشہ ہو، اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو ان کو نصیحت کی جا سکتی ہے۔(۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے اس سے پہلے کے دو ابواب کی طرح ضرورتِ تعلیم اور تعمیمِ تعلیم مقصود ہے۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے تو یہ بتایا تھا کہ آدمی کو خود اپنی بیوی اور باندی کی تعلیم کا اہتمام کرنا چاہئے، اب ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین یا اس کے نائب کو چاہئے کہ عام عورتوں کے لئے وعظ و تذکیر اور ان کی تعلیم کا انتظام اور اہتمام کرے، خلاصہ

(۱) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ ص۱۲۲)۔

(۲) لامع الدراري (ج۲ ص۱۳۱ و ۱۳۲)۔

(۳) الأبواب والتراجم (ص۵۳)۔

یہ کہ پہلا ترجمہ خاص ہے جو تعلیم اہل اور امۃ کے متعلق ہے اور یہ ترجمہ عام ہے، جو عام عورتوں سے متعلق ہے، پہلے ترجمہ کا تعلق ازواج اور آقاؤں سے ہے اور اس ترجمہ کا تعلق امام سے ہے۔(۱)

۹۸ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ أَيُّوبَ قَالَ . سَمِعْتُ عَطَاءً قَالَ : سَمِعْتُ ٱبْنَ عَبَّاسٍ(۲) قَالَ : أَشْهَدُ عَلَى ٱلنَّبِيِّ ﷺ – أَوْ قَالَ عَطَاءٌ : أَشْهَدُ عَلَى ٱبْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ رَسُولَ ٱللهِ ﷺ – خَرَجَ وَمَعَهُ بِلَالٌ ، فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعْ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ ، فَجَعَلَتِ ٱلْمَرْأَةُ تُلْقِي ٱلْقُرْطَ وَٱلْخَاتَمَ ، وَبِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ .

وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَطَاءٍ . وَقَالَ عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ : أَشْهَدُ عَلَى ٱلنَّبِيِّ ﷺ .

[۸۲۵ ، ۹۲۱ ، ۹۳۲ ، ۹۳۴ ، ۹۳۶ ، ۹۴۵ ، ۱۳۶۴ ، ۱۳۸۱ ، ۴۶۱۳ ، ۴۹۵۱ ، ۵۵۴۱ ، ۵۵۴۲ ، ۵۵۴۴ ، ۶۸۹۴]

---

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج۱ص۱۹۲)۔

(۲) قوله: "ابن عباس رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج۱ص۱۱۹) كتاب الأذان، باب وضوء الصبيان ومتى يجب عليهم الغسل والطهور؟ وحضورهم الجماعة والعيدين والجنائز وصفوفهم، رقم (۸۶۳)، و(ج۱ص۱۳۱) كتاب العيدين، باب الخطبة بعد العيد، رقم (۹۶۲) و(۹۶۴)، وباب خروج الصبيان إلى المصلى، رقم (۹۷۵)، وباب العلم الذي بالمصلى، رقم (۹۷۷)، وباب موعظة الإمام النساء يوم العيد، رقم (۹۷۹)، و(ج۱ص۱۳۵) باب الصلاة قبل العيد وبعدها، رقم (۹۸۹) و(ج۱ص۱۹۲) كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقة والشفاعة فيها، رقم (۱۴۳۱)، و(ج۱ص۱۹۵) كتاب الزكاة، باب العرض في الزكاة، رقم (۱۴۴۹)، و(ج۲ص۷۲۷) كتاب التفسير، سورة الممتحنة، باب ﴿إذا جاءك المؤمنات يبايعنك﴾، رقم (۴۸۹۵)، و(ج۲ص۷۸۹) كتاب النكاح، باب: ﴿والذين لم يبلغوا الحلم﴾، رقم (۵۲۴۹)، و(ج۲ص۸۷۳) كتاب اللباس، باب الخاتم للنساء، رقم (۵۸۸۰)، وباب القلائد والسخاب للنساء، رقم (۵۸۸۱)، و(ج۲ص۸۷۴) كتاب اللباس، باب القرط، رقم (۵۸۸۳)، و(ج۲ص۱۰۸۹) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما ذكر النبي صلى الله عليه وسلم وحض على اتفاق أهل العلم، رقم (۷۳۲۵)۔ وأخرجه مسلم في صحيحه، في فاتحة كتاب صلاة العيدين، رقم (۲۰۴۴-۲۰۴۶)، وباب ترك الصلاة قبل العيد وبعدها في المصلى، رقم (۲۰۵۷ و۲۰۵۸)۔ والنسائي في سننه في كتاب صلاة العيدين، باب الخطبة في العيدين بعد الصلاة، رقم (۱۵۷۰)، وباب موعظة الإمام النساء بعد الفراغ من الخطبة، رقم (۱۵۸۷ و۱۵۸۸)، وأبو داود في سننه، في كتاب الصلاة، باب الخطبة يوم العيد، رقم (۱۱۴۲-۱۱۴۴)، وباب ترك الأذان في العيد، رقم (۱۱۴۶ و۱۱۴۷)۔ وابن ماجه في سننه، في كتاب إقامة الصلاة، باب ما جاء في صلاة العيدين، رقم (۱۲۷۳)۔

تراجم رجال

(۱) سلیمان بن حرب

یہ ابوایوب سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب من کرہ أن یعود في الکفر کما یکرہ أن یلقی في النار من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۳) ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، "باب حلاوۃ الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۴) عطاء

یہ ابومحمد عطاء بن ابی رباح مکی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے والد ابورباح کا نام اسلم ہے، ان کا تعلق موالی سے تھا۔(۴)

---

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج۲ص۱۰۵)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج۱ص۶۷۸)۔

(۳) دیکھئے کشف الباری (ج۲ص۲۶)۔

(۴) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۰ص۶۹، ۷۰)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے سال یمن کے علاقہ "جند" میں پیدا ہوئے اور مکہ مکرمہ میں پرورش پائی۔(۱)

یہ حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام ہانیؓ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت حکیم بن حزام، حضرت رافع بن خدیج، حضرت زید بن ارقم، حضرت زید بن خالد الجہنی، حضرت صفوان بن امیہ، حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت جابر، حضرت معاویہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام مجاہد، ابواسحاق سبیعی، ابوالزبیر، عمرو بن دینار، زہری، قتادہ، عمرو بن شعیب، ایوب سختیانی، منصور بن المعتمر اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔(۲)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان ثقة فقيهاً عالماً كثير الحديث"۔(۳)

امام ابوجعفر الباقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عليكم بعطاء، هو والله خير مني"۔(۴)

نیز وہ فرماتے ہیں "خذوا من عطاء ما استطعتم"۔(۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان أسود، أعور، أشل، أعرج، ثم عمي في آخر عمره، وكان من سادات التابعين فقهاً، وعلماً، وورعاً، وفضلاً"۔(۶)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما رأيت فيمن لقيت أفضل من عطاء بن أبي رباح"۔(۷)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۲۰ ص۷۰)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۰ ص۷۰-۷۵)، وسير أعلام النبلاء (ج۵ ص۷۹ و ۸۰)۔

(۳) الطبقات لابن سعد (ج۵ ص۴۶۸)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج۲۰ ص۷۷)، وسير أعلام النبلاء (ج۵ ص۸۱)۔

(۵) حوالہ جات بالا۔

(۶) الثقات لابن حبان (ج۵ ص۱۹۸ و ۱۹۹)۔

(۷) تهذيب الكمال (ج۲۰ ص۷۹، ۸۰)، وسير أعلام النبلاء (ج۵ ص۸۳)۔

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "تابعي ثقة"۔(۱)

امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۲)

عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہاں ہم نے معدودے چند اقوال ذکر کئے ہیں، جبکہ اصحاب سیر ورجال نے ان کے حالات بہت تفصیل سے قلم بند کئے ہیں، چنانچہ ان کی جلالت شان اور امامت وتفقہ پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

البتہ امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "كان عطاء اختلط بأخرة، تركه ابن جريج وقيس بن سعد"۔ (۳)

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس "ترك" سے اصطلاحی "ترك" مراد نہیں، کہ وہ "متروك الحديث" قرار دیے گئے ہوں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے پہلے ان سے خوب استفادہ کیا تھا، ان ہی کے پاس رہ کر فقہ کی مہارت حاصل کی تھی، لیکن جب وہ زیادہ معمر ہوگئے، ان کے حواس میں کمزوری آنے لگی تو انہوں نے ان سے کچھ لکھنا چھوڑ دیا تھا، چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

"لم يعن عليٌّ بقوله: "تركه هذان" الترك العرفيَّ، ولكنه كبر، وضعفت حواسه، وكانا قد تكفيا منه وتفقها وأكثرا عنه، فبطلا، فهذا مراده بقوله: تركاه"۔ (٤)

نیز وہ فرماتے ہیں "لم يعن الترك الاصطلاحي، بل عنى أنهما بطلا الكتابة عنه، وإلا فعطاء ثبت رضي"۔(۵)

(۱) تعليقات تهذيب الكمال (ج۲۰ ص۸۵) نقلا عن ثقات العجلي (ص۳۸)۔

(۲) تعليقات تهذيب الكمال (ج۲۰ ص۸۶) نقلا عن الجرح والتعديل (٦)، رقم (١٨٣٩)۔

(۳) سير أعلام النبلاء (ج۵ ص۸٦، ۸۷)، وميزان الاعتدال (ج۳ ص۷۰)۔

(٤) سير أعلام النبلاء (ج۵ ص۸۷)۔

(۵) ميزان الاعتدال (ج۳ ص۷۰)۔

اسی طرح امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "إن ابن عون ترك عطاءً وطاوساً من أجل فتیاهم في الصرف"۔ (۱) یعنی "ابن عون نے عطاء اور طاؤس کو ان کے عقد صرف کے سلسلے میں فتوے کی وجہ سے چھوڑ دیا"۔

لیکن یہ جرح بھی مضر نہیں، اس لئے کہ یہاں سبب ترک ایک اجتہادی امر ہے، اس میں اختلاف کی وجہ سے یہ کلام کیا گیا ہے۔ (۲)

البتہ یہاں ایک بات واضح رہے کہ عطاء بن ابی رباح کثرت سے مرسلاً روایت کرتے ہیں اور علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ ہر قسم کے رواۃ سے ارسال کرتے ہیں، اس لئے ان کی مراسیل ضعیف سمجھی جاتی ہیں۔ (۳)

عطاء بن ابی رباح کا انتقال ۱۱۴ھ یا ۱۱۵ھ میں ہوا۔ (۴) رحمه الله تعالى رحمةً واسعة

(۵) ابن عباس

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث اور کتاب الإیمان، "باب کفران العشیر وکفر بعد کفر" کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۵)

قال: أشهد على النبي صلى الله عليه وسلم أو قال عطاء: أشهد على ابن عباس

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتا ہوں یا عطاء کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس پر گواہی دیتا ہوں۔

---

(۱) عیون الکاشف (ج۲ص۲۲) نقلاً عن سؤالات الآجری (۲۵۷)۔

(۲) دیکھئے معیات الکاشف (ج۲ص۲۲)۔

(۳) تهذیب الکمال (ج۲۰ص۸۳)۔

(۴) تهذیب الکمال (ج۲۰ص۸۵)۔

(۵) دیکھئے کشف الباری (ج۱ص۴۳۵)، و(ج۲ص۲۰۵)۔

حاصل یہ ہے کہ لفظ "أشهد" کے بارے میں تردد ہے کہ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے یا عطاء کا۔

اس سلسلہ میں شعبہ کے تلامذہ میں اختلاف ہے:-

سلیمان بن حرب تو تردد نقل کرتے ہیں کما فی حدیث الباب، ابوداؤد طیالسی یہی روایت ''شعبہ عن ایوب'' کے طریق سے نقل کرتے ہیں اور وہ جزماً اس کو عطاء کا قول قرار دیتے ہیں (۱)، جبکہ شعبہ کے تلامذہ میں سے محمد بن جعفر غندر نے اس کو بغیر تردد کے جزماً دونوں کے قول کے طور پر نقل کیا ہے۔ (۲)

پھر شعبہ کے رفقاء یعنی ایوب سختیانی کے تلامذہ میں تھوڑا سا اختلاف ہے، اسماعیل بن علیہ، (۳) سفیان (۴) اور وهیب (۵) یہ تینوں حضرات اس کو حضرت ابن عباس کا قول قرار دیتے ہیں، جبکہ حماد بن زید ایوب سے نقل کرتے ہوئے تردد نقل کرتے ہیں۔ (۶)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت باب کے آخر میں اسماعیل بن علیہ کی تعلیق لاکر غالباً اپنا رجحان ظاہر فرمادیا ہے کہ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔

---

(۱) "حدثنا أبو داود قال: حدثنا شعبة عن أيوب قال: سمعت عطاء يقول: أشهد على ابن عباس أنه قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ..." مسند أبي داود الطيالسي (ص۳٤٦) أحاديث عطاء بن أبي رباح عن ابن عباس، رقم (۲٦٥٥)۔

تنبیہ: ابوداود طیالسی کی مذکورہ روایت سے واضح ہے کہ یہ "أشهد" کا قول عطاء کا ہے، نہ کہ ابن عباس کا، جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وأراد بهذا التعليق أنه جزم عن أيوب بأن لفظ "أشهد" من كلام ابن عباس فقط، وكذا جزم به أبو داود الطيالسي في مسنده عن شعبة ..." دیکھئے فتح الباري (ج۱ص۱۹۳) یہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا تسامح ہے۔ واللہ اعلم

(۲) دیکھئے مسند أحمد (ج۱ص۲۸٦)۔

(۳) أخرج البخاري طريقه تعليقا تحت حديث الباب، وأخرجه موصولاً في صحيحه (ج۱ص۱۹٥) في كتاب الزكاة، باب العرض في الزكاة، رقم (۱٤٤۹)، وأخرجه أحمد في مسنده (ج۱ص۲۲٦)۔

(٤) أخرج حديثه أحمد في مسنده (ج۱ص۲۲۰)۔

(٥) ذكره الإسماعيلي، كذا في الفتح (ج۱ص۱۹۳)۔

(٦) أخرجه أبو نعيم في المستخرج، كذا في الفتح (ج۱ص۱۹۳)۔

لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک کو ترجیح دینے کے بجائے یوں کہا جائے کہ یہ قول دونوں سے ثابت ہے، جس کی دلیل محمد بن جعفر غندر کی روایت ہے، پھر بعض رواۃ نے اس کو تردد کے ساتھ نقل کر دیا اور بعض نے حضرت ابن عباس کا قول قرار دیا اور بعض نے عطاء کا۔ واللّٰہ أعلم۔

أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خرج ومعه بلال فظن أنه لم يُسْمِع النساء

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے، آپ کے ساتھ حضرت بلال بھی تھے، آپ نے گمان فرمایا کہ آپ عورتوں کو خطبہ نہیں سنا پائے۔

آپ کو یہ خیال ہوا کہ عورتوں تک آپ کی آواز نہیں پہنچ سکی، اس لئے آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو نصیحت فرمائی۔

فوعظهن وأمرهن بالصدقة

آپ نے انہیں نصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

ترجمۃ الباب اسی سے ثابت ہو رہا ہے کہ "وعظهن" سے عظة الإمام اور "أمرهن بالصدقة" سے تعلیم سمجھ میں آ رہی ہے۔(۱)

آپ نے نصیحت فرمائی کہ "إني رأيتكن أكثر أهل النار؛ لأنكن تكثرن اللعن وتكفرن العشير" اور صدقہ کا حکم دیا، تعلیم دی کہ ان کے گناہوں کا کفارہ صدقات کے ذریعہ ہوگا۔(۲)

واللّٰه أعلم

فجعلت المرأة تلقي القرط والخاتم، وبلال يأخذ في طرف ثوبه

---

(۱) فیض الباری (ج ۱ ص ۱۹۳)۔

(۲) حوالہ بالا۔

عورت بالی اور انگوٹھی ڈالنے لگی اور حضرت بلال اپنے کپڑے کے ایک کنارے میں ان کو لے رہے تھے۔

کیا عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں تصرف کرسکتی ہے؟

اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں سے صدقہ کرسکتی ہے یا نہیں؟

جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اسے اپنے مال میں تصرف کرنے کا پورا اختیار ہے۔

جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے صرف ثلث مال کی حد تک تصرّف کی اجازت ہے، اس سے زائد میں اجازت نہیں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت یہی ہے، جبکہ ان کی دوسری روایت جمہور کے مطابق ہے۔(۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال سنن نسائی، سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت سے ہے "لایجوز لامرأة أمر في مالها إذا ملك زوجها عصمتها"۔ (۲) یعنی عورت کو خود اپنے مال میں اختیار نہیں رہتا جب اس کا شوہر اس کی عصمت کا مالک بن جاتا ہے۔ دوسرے طریق میں ہے "لاتجوز لامرأة عطية إلا بإذن زوجها"۔ (۳)

(۱) دیکھئے المغني لابن قدامة (ج۴ ص۲۹۹ و ۳۰۰) کتاب الحجر، رقم المسألة (۳۴۷۴)۔

(۲) سنن أبي داود، کتاب البیوع، باب في عطية المرأة بغیر إذن زوجها، رقم (۳۵۴۶)، وسنن ابن ماجه، کتاب الهبات، باب عطية المرأة بغیر إذن زوجها، رقم (۲۳۸۸)۔

(۳) سنن أبي داود، کتاب البیوع، باب عطية المرأة بغیر إذن زوجها، رقم (۳۵۴۷)، وسنن النسائي، کتاب الزکاة، باب عطية المرأة بغیر إذن زوجها، رقم (۲۵۴۱)۔

اسی طرح ان کا استدلال سنن ابن ماجہ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ ان کی اہلیہ خیرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا زیور لے کر آئیں اور صدقہ کرنا چاہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لایجوز للمرأة في مالها إلا بإذن زوجها، فهل استأذنت كعباً؟" یعنی عورت کیلئے اپنے مال میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں، مگر یہ کہ اس کا شوہر اجازت دے، تو کیا تم نے کعب سے اجازت لی؟ انہوں نے کہا "نعم" پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق کے لئے حضرت کعب کے پاس پیغام بھیجا، جب انہوں نے تصدیق کی تو آپ نے ان کے صدقہ کو قبول فرمایا۔ (۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ثلث مال میں تصرف کا اختیار ہونے پر کوئی صریح دلیل موجود نہیں، البتہ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ایک "مریض" کے مال میں ورثہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اسی طرح عورت کے مال میں شوہر کا حق متعلق ہو جاتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تنكح المرأة لأربع: لمالها، ولحسبها، وجمالها، ولدينها ...."۔ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے مال میں شوہر کا حق ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عورت مالدار ہوتی ہے تو شوہر اس کے مال سے منتفع ہونے کے لئے مہر میں اضافہ کر کے اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ (۳) لہذا مریض کی طرح عورت کو بھی ثلثِ مال میں تصرف کا حق دیا جائے گا، مریض جس طرح ثلث مال میں وصیت کر سکتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی ثلث مال میں ہی تصرف کر سکتی ہے۔

اس کے مقابلہ میں جمہور کے دلائل یہ ہیں:-

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَإِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْداً فَادْفَعُوْا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾ (۴) یعنی جب تم ان میں عقل ورشد پاؤ تو ان کو ان کا مال دو۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے اوپر پابندی نہیں ہے اور یہ کہ وہ تصرف میں آزاد ہیں۔

---

(۱) سنن ابن ماجه، كتاب الهبات، باب عطية المرأة بغير إذن زوجها، رقم (۲۳۸۹)۔

(۲) صحيح البخاري (ج۲ ص۷٦۱) كتاب النكاح، باب الأكفاء في الدين، رقم (۵۰۹۰)۔

(۳) دیکھئے الوععي (ج۴ ص۳۰۰)۔

(٤) النساء /٦۔

۲۔ حدیث باب جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صدقہ کا حکم دیا، انہوں نے صدقہ کیا اور آپ نے صدقہ قبول فرمایا، آپ نے کسی سے بھی شوہر کی اجازت کے بارے میں دریافت نہیں فرمایا۔ (۱)

۳۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "یا معشر النساء، تصدقن"۔ (۲) یہاں بھی صدقہ کا حکم مطلق ہے، کسی قسم کی اجازت کا ذکر نہیں ہے۔

جہاں تک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کا تعلق ہے سو ان میں سے حضرت کعب والی روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں یحیی الانصاری ہیں، جو مجہول ہیں۔ (۳)

باقی دونوں روایتیں "عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده" کے طریق سے مروی ہیں اور محدثین نے اس سند پر کلام کیا ہے۔ (۴)

اور اگر بالفرض یہ سند قابل احتجاج ہو تب بھی اولاً جمہور کی صحیح احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

ثانیاً ایسی تمام احادیث کے بارے میں امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ "غیر رشیدہ" پر محمول ہیں۔ (۵)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم بر بنائے حسن معاشرت اور از قبیل آداب ہے، یعنی یہ مناسب نہیں ہے کہ میاں بیوی ایک ساتھ رہتے ہوں اور بیوی خاوند کا منشا معلوم کئے بغیر اپنے مال کو خرچ کر دے اور اپنے شوہر سے نہ پوچھے۔ (۶) واللہ أعلم۔

وقال إسماعيل عن أيوب عن عطاء، وقال عن ابن عباس: أشهد على النبي صلى الله عليه وسلم

(۱) دیکھئے المعني (ج ٤ ص ٣٠٠)، وعمدة القاري (ج ٢ ص ١٢٤)۔
(۲) صحیح البخاري (ج ١ ص ٤٤) كتاب الحيض، باب ترك الحائض الصوم، رقم (٣٠٤)۔
(۳) دیکھئے تقريب التهذيب (ص ٥٩٩)، رقم (٧٦٨١)، وخلاصة الخزرجي (ص ٤٣٠)۔
(٤) تفصیل کے لئے دیکھئے تعلیقات الکاشف (ج ٢ ص ٧٩ و ٨٠)۔
(٥) دیکھئے شرح الكرماني (ج ٢ ص ٩٢)۔
(٦) دیکھئے عمدة القاري (ج ٢ ص ١٢٤)۔

اسماعیل سے مراد اسماعیل بن علیہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱) ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب حب الرسول من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۲)

مذکورہ تعلیق کی تخریج

مذکورہ تعلیق کی خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزکوۃ میں موصولاً تخریج کی ہے۔ (۳)

مذکورہ تعلیق کا مقصد

اس تعلیق کو ذکر کر کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسماعیل بن علیہ کے اس طریق میں جزم کے ساتھ "أشهد" کے اس جملہ کی نسبت حضرت ابن عباس کی طرف کی گئی ہے۔ (۴)
یہ جملہ کس کا ہے؟ اس کی تفصیل ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔

تنبیہ

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً یہی بات ذکر کی، پھر ایک احتمال یہ بھی بیان فرمایا کہ "قال إسماعيل" کا عطف "حدثنا شعبة" پر ہو، گویا سلیمان بن حرب جس طرح شعبہ کے شاگرد ہیں، اسی طرح اسماعیل بن علیہ سے بھی روایت کرتے ہیں، اس طرح یہ تعلیق نہیں رہے گی۔ (۵)
لیکن یہ احتمال درست نہیں کیونکہ اسماعیل بن علیہ سے سلیمان بن حرب کوئی روایت نہیں کرتے۔ (۶) والله سبحانه وتعالى أعلم۔

---

(۱) فتح الباري (ج ۱ ص ۱۹۳)، وعمدة القاري (ج ۲ ص ۱۲۵)۔
(۲) دیکھئے كشف الباري (ج ۲ ص ۱۲)۔
(۳) دیکھئے صحيح البخاري (ج ۱ ص ۱۹۵) كتاب الزكاة، باب زكاة العرض، رقم (۱۴۴۹)۔
(۴) دیکھئے فتح الباري (ج ۱ ص ۱۹۳)، وعمدة القاري (ج ۲ ص ۱۲۵)۔
(۵) شرح الكرماني (ج ۲ ص ۹۲)۔
(۶) فتح الباري (ج ۱ ص ۱۹۳)، وعمدة القاري (ج ۲ ص ۱۲۵)۔

۳۳ – باب : اَلْحِرْصِ عَلَى الْحَدِيثِ .

بابِ سابق کے ساتھ مناسبت

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گذشتہ باب میں جس طرح تعلیم خاص کا ذکر ہے، اس باب میں بھی تعلیم خاص ہی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوال پر ان ہی کو خطابِ خاص کر کے آپ نے جواب دیا، جو تعلیم ہی ہے۔(۱)

مقصدِ ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے حرص علی الحدیث کی فضیلت اور تحسین بیان کرنی منظور ہے اور حدیث سے حدیثِ رسول علیہ الصلاۃ والسلام مراد ہے، ابوابِ سابقہ اور احادیثِ ماضیہ میں مطلقِ علم کا ذکر تھا، اب حدیث کی تصریح اور تخصیص مقصود معلوم ہوتی ہے۔(۲)

واللّٰہ أعلم

مطلب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے علم کی فضیلت، اس کے حاصل کرنے کے طریقے، اس کے آداب اور تعلیم وتبلیغ کے متعلق اب تک بہت سے تراجم منعقد کئے ہیں، اب خاص طور سے امام بخاری حدیث کے متعلق ترجمہ منعقد کرتے ہیں اور یہ تنبیہ کرتے ہیں کہ سب سے اہم فنِ حدیث ہے، جس کے حاصل کرنے کے لئے طالب کو حریص ہونا چاہئے۔

---

(۱) عمدة القاري (ج۲ص ۱۲۵)۔

(۲) الأبواب والتراجم (ص ۵۳)۔

حدیث کے لغوی، عرفی اور اصطلاحی معنی

''حدیث'' لغت میں ''جدید'' کو کہتے ہیں، عرف میں یہ لفظ ''کلام'' پر بولا جاتا ہے۔(۱)

اہلِ شریعت کے ہاں ''حدیث'' کہتے ہیں ہر اس چیز کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، خواہ اقوال ہوں یا افعال، خواہ تقاریر ہوں یا احوال، بیداری سے تعلق رکھتے ہوں یا خواب سے۔(۲)

حدیث کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ہم مقدمہ میں تفصیلاً بیان کرآئے ہیں۔(۳)

۹۹ : حدّثنا عَبْدُ ٱلْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ ٱللهِ قَالَ : حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو بْنِ أَبِي سَعِيدٍ ٱلْمَقْبُرِيِّ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ(۴) : قِيلَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ : مَنْ أَسْعَدُ ٱلنَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ ٱلْقِيَامَةِ ؟ قَالَ رَسُولُ ٱللهِ ﷺ : (لَقَدْ ظَنَنْتُ - يَا أَبَا هُرَيْرَةَ - أَنْ لَا يَسْأَلُنِي عَنْ هٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ ، لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى ٱلْحَدِيثِ . أَسْعَدُ ٱلنَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ ٱلْقِيَامَةِ ، مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللهُ ، خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ ، أَوْ نَفْسِهِ) . [۶۲۰۱]

تراجم رجال

(۱) عبدالعزیز بن عبداللہ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن یحییٰ بن عمرو بن اویس بن سعد بن ابی سَرح قرشی عامری اویسی مدنی

(۱) عمدة القاري (ج۲ص۱۲۵)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) دیکھئے کشف الباري (ج۱ص۸-۹)۔

(۴) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري في صحيحه (ج۲ص۹۷۲) كتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، رقم (۶۵۷۰)، والنسائي في سننه الكبرى (ج۳ص۴۲۶) كتاب العلم، باب الحرص على العلم، رقم (۵۸۴۲)۔

رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابوالقاسم ہے۔(۱)

یہ ابراہیم بن سعد زہری، سلیمان بن بلال، عبدالرحمٰن بن ابی الزناد، عبدالرحمٰن بن ابی الموال، عبدالعزیز بن ابی حازم، عبدالعزیز بن ابی سلمہ الماجشون، لیث بن سعد، مالک بن انس اور محمد بن جعفر بن ابی کثیر رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، ہارون الحمّال، محمد بن یحیی ذہلی، ابو زرعہ، ابوحاتم، عبداللہ بن شبیب اور محمد بن اسماعیل ترمذی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔(۲)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صدوق"۔(۳)

یعقوب بن شیبہ سدوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۴)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حجة"۔(۵)

امام خلیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة متفق علیه"۔(۶)

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة" (۷)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة مکثر"۔(۸)

نیز وہ فرماتے ہیں "الإمام الحجة ...... من نبلاء الرجال"۔(۹)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۱۸ص۱۶۰و۱۶۱)، وسير أعلام النبلاء (ج۱۰ص۳۸۹)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۱۸ص۱۶۱و۱۶۲)، وسير أعلام النبلاء (ج۱۰ص۳۸۹)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۱۸ص۱۶۳)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) تهذيب التهذيب (ج۶ص۳٤٦)۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) تهذيب الكمال (ج۱۸ص۱۶۲)، وسير أعلام النبلاء (ج۱۰ص۳۸۹)، وحاشية سبط ابن العجمي على الكاشف (ج۱ص۶٥٦)، رقم (۳۳۹۷)۔

(۸) الكاشف (ج۱ص۶٥٦)، رقم (۳۳۹۷)۔

(۹) سير أعلام النبلاء (ج۱۰ص۳۸۹)۔

اسی طرح وہ فرماتے ہیں "ثقة حجة"۔ (۱)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "کتاب الثقات" میں ذکر کیا ہے۔ (۲)

تنبیہ

ان کے بارے میں امام ابوداود کی توثیق ہم نقل کر چکے ہیں، لیکن امام ابوداود ہی سے حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ نے ان کی تضعیف نقل کی ہے۔ (۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "هدي الساري" میں جرح کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وقع في سؤالات أبي عبيد الآجري عن أبي داود، قال: عبد العزيز الأويسي ضعيف، فإن كان على هذا، ففيه نظر، لأنه وثقه في موضع آخر، وروى عن هارون الحمال عنه، ولعله ضعف رواية معينة له وهم فيها، أو ضعف آخر اتفق معه في اسم، وفي الجملة فهو جرح مردود"۔ (٤)

مطلب یہ ہے کہ "سؤالات ابی عبید الآجری میں ہے کہ امام ابوداود نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، اگر امام ابوداود کی مراد یہی عبدالعزیز اویسی ہیں تو یہ قابل نظر ہے، کیونکہ دوسرے مقام پر وہ خود ان کی توثیق کر چکے ہیں اور ہارون الحمال کے واسطے سے ان سے روایت بھی کی ہے، ممکن ہے اس تضعیف کی وجہ کوئی معین روایت ہو، جس میں انہیں وہم ہوا ہو یا اس سے کوئی اور عبدالعزیز مراد ہے کہ نام کے اشتراک کی وجہ سے اشتباہ ہو گیا ہو، بہر حال یہ جرح مردود ہے، قابل قبول نہیں"۔

---

(۱) میزان الاعتدال (ج۲ص ۶۳۰)۔

(۲) کتاب الثقات لابن حبان (ج۸ص۳۹۶)۔

(۳) دیکھئے میزان الاعتدال (ج۲ص ۶۳۰)، وتهذیب التهذیب (ج٦ص٣٤٦)۔

(٤) هدي الساري (ص ٤٢٠)۔

ان کا سالِ وفات معلوم نہیں ہوا، غالبًا ۲۲۰ھ تک حیات رہے۔(۱)

رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۲) سلیمان

یہ ابومحمد سلیمان بن بلال تیمی قرشی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان "باب أمور الإیمان" کے تحت مختصرًا اور کتاب العلم "باب طرح الإمام المسألة علی أصحابه لیختبر ماعندهم من العلم" کے تحت تفصیلاً گذر چکے ہیں۔(۲)

(۳) عمرو بن ابی عمرو

یہ عمرو بن ابی عمرو میسرہ مولی المطلبِ بن عبداللہ بن حنطبِ قرشی مخزومی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابوعثمان ان کی کنیت ہے۔(۳)

یہ اپنے مولی مطلب بن عبداللہ بن حنطب، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر، سعید بن ابی سعید المقبری، عاصم بن عمر بن قتادہ، عبدالرحمٰن بن ہرمز الأعرج اور عکرمہ مولی ابن عباس رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن سوید، اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر، سلیمان بن بلال، عبدالرحمٰن بن ابی الزناد، عبدالعزیز بن محمد دراوردی، یزید بن عبداللہ بن الہاد اور یعقوب بن عبد الرحمٰن اسکندرانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔(۴)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لیس به بأس"۔(۵)

---

(۱) سیر أعلام النبلاء (ج ۱۰ ص ۳۸۹)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۸) و (ج ۳ ص ۱۱۷)۔

(۳) تهذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۶۸)۔

(۴) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۶۸ و ۱۶۹)۔

(۵) تهذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۶۹)۔

امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۱)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لابأس به"۔ (۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "کتاب الثقات" میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "ربما أخطأ، يعتبر حديثه من رواية الثقات عنه"۔ (۳)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة ينكر عليه حديث البهيمة"۔ (۴)

ساجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صدوق إلا أنه يهم"۔ (۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة، ربما وهم"۔ (۶)

ان توثیقات کے مقابلہ میں ان کے بارے میں علمائے جرح و تعدیل سے جرح بھی منقول ہے۔

چنانچہ امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لا يحتج بحديثه"۔ (۷)

نیز وہ فرماتے ہیں "كان مالك يروي عن عمرو بن أبي عمرو، وكان يستضعفه"۔ (۸)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں "عمرو بن أبي عمرو الذي يروي عن عكرمة: ليس بالقوي"۔ (۹)

اسی طرح ان سے منقول ہے "عمرو بن أبي عمرو ليس بحجة"۔ (۱۰)

---

(۱) تہذیب الکمال (ج۲۲ص۱۱۰)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج۵ص۱۸۵)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج۸ص۸۳)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) تقریب التہذیب (ص۴۲۵) رقم (۵۰۸۳)۔

(۷) الضعفاء الکبیر للعقیلی (ج۳ص۲۸۹) رقم (۱۲۸۹)۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) حوالہ بالا۔

(۱۰) الکامل لابن عدی (ج۵ص۱۱۶)۔

جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مضطرب الحدیث"۔ (۱)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عمرو بن أبي عمرو ليس بالقوي في الحديث وإن كان قد روى عنه مالك"۔ (۲)

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ليس هو بذاك"۔ (۳)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ عمرو بن ابی عمرو پر یہ تنقید ان کی عام احادیث کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ انہوں نے عکرمہ سے ایک حدیث نقل کی ہے، اس کی تردید کے ذیل میں ان پر محدثین نے کلام کیا ہے۔

چنانچہ امام یحیی بن معین سے ابن ابی مریم نقل کرتے ہیں: "عمرو بن أبي عمرو ثقة، ينكر عليه حديث عكرمة عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اقتلوا الفاعل والمفعول به"۔ (۴)

اسی طرح امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة ينكر عليه حديث البهيمة"۔ (۵)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے "ليس بالقوي في الحديث"۔ اس سے مطلق تضعیف نہ سمجھی جائے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے جملے ایسے راوی کے بارے میں فرماتے ہیں جو "حافظ" نہ ہوں، مطلقاً ضعیف قرار دینا مقصود نہیں۔ (۶)

اسی طرح امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کی تنقید بھی اسی "حديث البهيمة" کی بنا پر ہے، چنانچہ جہاں انہوں نے "ليس هو بذاك" فرمایا وہیں اس کے بعد بطور علت اس بات کی تصریح کردی "روى

---

(۱) الکامل (ج ۵ ص ۱۱۶)، و میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۲۸۲)، رقم (۶۴۰۴)۔

(۲) [illegible] (۲۰۲۹)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج ۲۲ ص ۱۷۰)۔

(۴) الکامل لابن عدی (ج ۵ ص ۱۱۶)۔

(۵) تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۸۳)۔

(۶) چنانچہ امام نسائی نے اسی طرح کا جملہ "ليس بالقوي" [illegible] کے حق میں بھی نقل کیا ہے، اس کے تحت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فهذا تضعيف نسبي [illegible]" دیکھئے ہدی الساری (ص ۳۰۶)۔

عن عكرمة عن ابن عباس من أتى بهيمة فاقتلوه"۔(۱)

اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں "تروي عن عكرمة في قصة البهيمة، فلا أدري سمع أم لا"۔(۲)

یہی وجہ ہے کہ امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے اکثر اقوال کو اپنی سند سے نقل کرنے کے بعد فرمایا:

"عمرو بن أبي عمرو له أحاديث عن أنس غير ما ذكرت، وروى عنه مالك، وهو عندي لا بأس به؛ لأن مالكا لا يروي إلا عن ثقة أو صدوق"۔(۳)

یعنی "عمرو بن ابی عمرو کی حضرت انس سے مذکورہ روایات کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، ان سے امام مالک نے بھی روایت کی ہے، وہ میرے نزدیک "لا بأس بہ" ہیں، کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ثقہ یا صدوق ہی سے روایت کرتے ہیں"۔

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء کو اصل کلام ان کی عکرمہ سے روایت پر ہے، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ کے طریق سے ان کی کوئی روایت نہیں لی، صحیح بخاری میں ان سے کل چھ حدیثیں مروی ہیں، چار حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے، ایک حدیث "سعید بن جبیر عن ابن عباس" کے طریق سے اور ایک حدیث "سعید بن ابی سعید مقبری عن ابی ہریرۃ" کے طریق سے۔ "عكرمة عن ابن عباس" کے طریق سے کوئی حدیث امام بخاری نے نہیں لی۔(۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے مجموعی اقوال کو پیش نظر رکھ کر ان کے بارے میں فیصلہ کیا ہے "حديثه صالح حسن منحط من الدرجة العليا من الصحيح"۔(۵) یعنی "ان کی حدیثیں حسن

(۱) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۲ص۱۱۰)۔

(۲) تہذیب التہذیب (ج۸ص۸۳)۔

(۳) الکامل لابن عدی (ج۵ص۱۱۷)۔

(۴) دیکھئے ہدی الساری (ص۴۳۲)۔

(۵) میزان الاعتدال (ج۳ص۲۸۲)۔

ہیں، تاہم صحیح کے اعلی درجہ سے کمتر ہیں"۔

اگرچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے "غلبا" کا لفظ حذف کر دینا چاہئے۔(۱)

اسی طرح ابن القطان رحمۃ اللہ علیہ نے جب فرمایا "الرجل مستضعف وأحاديثه تدل على حاله"۔ (۲) یعنی "اس شخص کی تضعیف کی گئی ہے، ان کی حدیثیں ان کے حال پر دال ہیں"۔ تو حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ماهو بمستضعف ولابضعيف، نعم! ولا هو في الثقة كالزهري وذويه"۔ (۳) یعنی "ان کی نہ تو تضعیف کی گئی ہے اور نہ فی الواقع ضعیف ہیں، البتہ وہ امام زہری اور ان کے طبقہ کے راویوں جیسے نہیں ہیں"۔

گویا ان کے بارے میں معتدل رائے یہ ہے کہ یہ بہت قوی تو نہیں ہیں لیکن ان کی احادیث قابل رد بھی نہیں ہیں، بلکہ احتجاج واستشہاد کے قابل ہیں، چنانچہ اصول ستہ کے تمام مصنفین نے ان کی روایات لی ہیں۔(۴) والله أعلم۔

ابوجعفر منصور کی خلافت کے اوائل میں ان کی وفات ہوئی۔(۵)

رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۴) سعید بن ابی سعید المقبری

ابوسعد سعید بن ابی سعید کیسان مقبری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإیمان، باب الدین یسر" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۶)

---

(۱) تهذيب التهذيب (ج۸ص۴۰۱)۔

(۲) ميزان الاعتدال (ج۳ص۲۰۸)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(۴) دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲۲ص۱۷۱)، وهدى الساري (ص۴۳۲)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۲۲ص۱۷۱)۔ ان کے بارے میں تفصیلی اقوال کے لئے دیکھئے التذييل على كتب تهذيب التهذيب (ص۳۰۵-۳۰۷)۔

(۶) دیکھئے کشف الباری (ج۲ص۳۳۶)۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات "کتاب الإیمان" "باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

أنه قال: قیل: یا رسول اللّٰه

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ پوچھا گیا یا رسول اللہ...

ابوذر اور کریمہ کے نسخوں میں "قیل" ہے، جبکہ دوسرے نسخوں میں "قیل" نہیں ہے اور یہی صحیح ہے کہ یہاں "قیل" نہیں ہونا چاہئے، غالبًا "قلت" تھا، کسی راوی یا کاتب کے تصرف سے "قیل" ہو گیا(۲) کیونکہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت آگے "کتاب الرقاق" میں ذکر کی ہے، اس میں ہے "أنه قال: قلت: یا رسول اللّٰه ..." (۳) اسی طرح سنن نسائی کبریٰ میں بھی "قلت" ہے(۴)، اسماعیلی کی روایت میں ہے "أنه سأل ..." (۵)، ابونعیم کی روایت میں ہے "أن أبا هريرة قال: یا رسول اللّٰه ..."۔(۶)

لہذا یہ طے ہے کہ "قیل" تصحیف ہے۔ واللّٰه أعلم

من أسعد الناس بشفاعتك یوم القیامة؟

قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق کون سعادت مند ہوگا؟

---

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج۱ص۶۵۹)۔

(۲) فتح الباری (ج۱ص۱۹۳)۔

(۳) صحیح البخاري (ج۲ص۹۷۲) کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، رقم (۶۵۷۰)۔

(۴) سنن الکبریٰ للنسائي (ج۳ص۴۲۶) کتاب العلم، باب الحرص علی العلم، رقم (۵۸۴۲)۔

(۵) فتح الباري (ج۱ص۱۹۳)۔

(۶) حوالہ بالا۔

شفاعت کے بارے میں

اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ کا اختلاف

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن بہت سے لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے۔ خوارج اور بعض معتزلہ شفاعت کا انکار کرتے ہیں۔(۱)

خوارج ومعتزلہ قرآن کریم کی آیات ﴿فما تنفعهم شفاعة الشافعين﴾ (۲) اور ﴿ما للظالمين من حميم ولا شفيع يطاع﴾ (۳) سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث باب اور اس جیسی دوسری تمام احادیث شفاعت کی تاویل کرتے ہیں کہ ان سے مراد رفع درجات اور زیادت ثواب ہے۔(۴)

لیکن ان کا اول تو آیت سے استدلال کرنا اس لئے درست نہیں کہ ان میں کفار کی شفاعت کی نفی ہے، جبکہ اہل السنۃ مذنبین اور گنہگاروں کی شفاعت کے قائل ہیں۔(۵)

اور پھر احادیث شفاعت صریح ہونے کے ساتھ ساتھ متواتر ہیں۔(۶) لہذا نہ ان کی بے جا تاویل کی جا سکتی ہے اور نہ ان کا انکار کیا جا سکتا ہے۔

شفاعت کی اقسام

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شفاعت کی پانچ قسمیں ہیں:-

---

(۱) دیکھئے شرح العقائد النسفیۃ مع شرحہ النبراس (ص۲۳۸، ۲۳۹)، وعمدۃ القاری (ج۲ص۱۲۷)۔

(۲) المدثر/۴۸۔

(۳) المؤمن/۱۸۔

(۴) دیکھئے عمدۃ القاری (ج۲ص۱۲۷)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

۱ سب سے پہلی شفاعت "شفاعتِ عظمیٰ" ہے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو محشر کی ہولناکیوں سے خلاصی کے لئے اور حساب کتاب کے شروع کرنے کے لئے فرمائیں گے۔

۲ دوسری شفاعت آپ کی چہیتوں کو بلا حساب جنت میں داخل کرنے کے لئے ہوگی۔

۳ تیسری شفاعت ان لوگوں کے حق میں ہوگی جو اپنے اعمال کے سبب مستحقِ نار ہو چکے ہوں گے، شفاعت کے بعد ان کو بغیر عذاب کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

۴ چوتھی شفاعت ان گنہگاروں کے حق میں ہوگی جو جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے اور سفارش کے بعد ان کو وہاں سے نکالا جائے گا۔

۵ پانچویں شفاعت اہل جنت کی جنت میں زیادتِ درجات کے لئے ہوگی، اس کا معتزلہ انکار نہیں کرتے۔

ان میں سے پہلی اور دوسری شفاعت صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک "چھٹی شفاعت" کا مزید استدراک کیا ہے اور وہ ابو طالب کے عذاب میں تخفیف ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک "ساتویں شفاعت" کا اضافہ کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے حق میں یہ سفارش فرمائیں گے کہ ان کو تمام لوگوں سے پہلے جنت میں داخل کیا جائے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تتبع سے مجھے ایک "آٹھویں شفاعت" بھی مل گئی، وہ یہ کہ جن لوگوں کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں گے، ان کے دخول جنت کے لئے سفارش کی جائے گی۔

اسی طرح ایک اور شفاعت ان لوگوں کے حق میں ہوگی جن کے پاس "لا إلــه إلا اللّٰه" کے بعد کوئی نیکی نہیں ہوگی۔(۱) واللّٰه أعلم

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے شرح النووی لصحیح مسلم (ج۱ ص۱۰۴) کتاب الإیمان، باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحدین من النار، وفتح الملہم (ج۱ ص۳۶۱)، وعمدۃ القاری (ج۲ ص۱۲۷ و۱۲۸)۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد ظننت يا أبا هريرة، أن لا يسألني عن هذا الحديث أحد أول منك؟ لما رأيت من حرصك على الحديث

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا خیال یہی تھا کہ اس چیز کے بارے میں تم سے پہلے کوئی نہیں پوچھے گا، کیونکہ میں تمہارا شوق حدیث دیکھ رہا ہوں۔

"أول" رفع اور نصب دونوں طرح پڑھا گیا ہے، رفع "أحد" کی صفت یا اس سے بدل قرار دے کر اور نصب یا تو "ظننت" کا مفعول ثانی قرار دے کر یا "أحد" کا حال قرار دے کر۔ "أحد" اگرچہ نکرہ ہے لیکن سیاق نفی میں ہونے کی وجہ سے اس کو ذو الحال بنانا درست ہے، جیسے کہا جاتا ہے "ما كان أحد مثلك"۔ اسی طرح "أول" کو ظرفیت کی بنا پر بھی منصوب قرار دے سکتے ہیں۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

أسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال: لا إله إلا الله، خالصا من قلبه أو نفسه

میری شفاعت کا قیامت کے دن سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہوگا جس نے خالص طور پر دل سے "لا إله إلا الله" کہا ہو۔

"قلبه أو نفسه" میں "أو" شک کے لئے ہے، لیکن مراد اور مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔(۲)

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ "أسعد" اسم تفضیل ہے، جو اس بات کا مقتضی ہے کہ مفضل اور

(۱) دیکھئے عمدة القاری (ج ۲ ص ۱۲۶) وفتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۳)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۳)۔

مفضل علیہ نفس فضیلت میں شریک ہوں، لہٰذا یہاں یہ معنی نکلیں گے کہ جو "لا إلـه إلا الله" کا قائل ہوگا وہ مطلقاً آپ کی شفاعت کا مستحق ہوگا اور جو خلوص دل سے قائل ہوگا وہ زیادہ حق دار ہوگا، حالانکہ جو خلوص دل سے نہ کہے، محض زبان سے کہے اور اس کے دل میں یہ بات نہ ہو تو وہ قطعاً آپ کی شفاعت کا مستحق نہیں ہوگا، کیونکہ وہ تو منافق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں "أسعد" سعید کے معنی میں ہے، جیسے کہا جاتا ہے "الناقص والأشج أعدلا بني مروان" أي عادلا بني مروان "ناقص" یزید بن الولید بن عبدالملک کا لقب ہے اور "أشج" حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے ہیں، یہاں "أعدلا" "عادلا" کے معنی میں ہے، ورنہ باقی بنو مروان تو سب ظلم کرتے تھے۔(۱)

دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں "لا إلـه إلا الله" خلوص سے کہنے والوں کے مختلف درجات ہیں، ایک تو خلوص کا ابتدائی درجہ ہے، جس سے نفاق کی نفی ہوتی ہے، وہ تو نجات پانے کے لئے ہر شخص کے حق میں شرط ہے، اگر وہ مفقود ہو تو آدمی مومن ہے ہی نہیں، اس کے بعد خلوص کے مختلف درجات ہیں بعض کا خلوص پہلے درجے سے اونچا ہوتا ہے اور بعض کا دوسرے درجے سے اونچا ہوتا ہے، وھکذا، اب جس شخص کا خلوص "لا إلـه إلا الله" کہنے میں اعلیٰ درجہ میں ہوگا وہ سب سے زیادہ حق دار ہوگا اور اگر کسی کا کم ہوگا تو اس کے بعد اس کا نمبر آئے گا۔(۲)

حدیث باب میں "من قال لا إله إلا الله خالصا من قلبه" میں خلوص کی جو نسبت "قلبه" کی طرف کی گئی ہے، اس سے بھی مبالغہ سمجھ میں آتا ہے۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ جس عضو سے جو فعل صادر ہوتا ہے اگر اس فعل کی نسبت اس عضو کی طرف کردی جائے تو یہ مفید مبالغہ ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے "هذا مما أبصرته عيني ومما سمعته أذني ومما عرفه قلبي"۔(۳) یہاں بھی خلوص کی اضافت "قلب" کی طرف کی گئی ہے، اس میں بھی

---

(۱) دیکھئے عمدۃ القاری (ج۲ص۱۲۲)۔

(۲) دیکھئے [illegible] (ج۱ص۱۹۵)۔

(۳) دیکھئے الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الأقاویل في وجوه التأویل (ج۱ص۳۲۹) تحت تفسیر قوله تعالیٰ: ﴿فإنه آثم قلبه﴾ (البقرة/۲۸۳)۔

مبالغہ ہوگا اور مبالغہ زیادت فعل کو مستلزم ہے۔ واللہ أعلم۔

تنبیہ

حدیثِ باب میں اگرچہ صرف "لاإلہ إلا اللہ" مذکور ہے، لیکن یہ پورے کلمہ کا عنوان اور شعار بن گیا ہے، لہذا "من قال: لاإلہ إلا اللہ" کے ساتھ "محمد رسول اللہ" بھی ملحوظ ہے۔(١) . واللہ تعالی أعلم۔

نکتہ

اس حدیث میں "من قال: لا إلہ إلا اللہ" کی قید سے مشرک سے احتراز ہوگیا اور "خالصا من قلبہ" سے منافق یقینی طور پر خارج ہوگیا۔(٢)

واللہ سبحانہ وتعالی أعلم وعلمہ أتم وأحکم

٣٤ – باب : كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ .

یہ دوسرا باب ہے، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اصالۃ "کیف" سے شروع کیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب کے تحت جو روایات وآثار ذکر کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے اٹھنے کی صورت یہ ہوگی کہ علماء اٹھتے جائیں گے اور ان کا علم ان کے ساتھ ساتھ اٹھتا جائے گا، کیونکہ ان کے نائبین پیدا نہیں ہوں گے۔(٣)

(١) صحیح البخاري (ج١ص١٩٤)۔

(٢) حوالۂ بالا۔

(٣) الکنز المتواري (ج٢ص٣٢٣)۔

بابِ سابق سے مناسبت

سابق باب میں حرصِ حدیث کا ذکر ہے اور مذکورہ باب میں رفعِ علم کا ذکر ہے، دونوں میں ضدیت کی نسبت ہے، وبضدھا تتبین الأشیاء۔ نیز اس باب کو سابق باب کے بعد اس بات پر تنبیہ کے لئے لایا گیا ہے کہ تحصیل علوم کا اہتمام کیا جائے کیونکہ علم اٹھالیا جائے گا، لہذا اس کے اٹھائے جانے سے قبل اس کو حاصل کرنا اور فائدہ اٹھانا چاہئے۔(۱)

مقصدِ ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد تعلیم وتذکیر کے اہتمام پر تنبیہ ہے، گویا یہ بتانا مقصود ہے کہ لوگوں کو علماء سے علم حاصل کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اس لئے کہ علم کا اٹھ جانا قیامت کے قائم ہونے کا سبب ہے اور قیامت قائم ہوگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے وقت، جب ضلال عام ہوجائے گا، لہذا ضلال کا سبب اختیار کرنے سے بچنا ضروری ہے۔

گو صورۃً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ علم کے ضائع ہونے کی صورت کیا ہوگی، روایت سے بتادیا کہ علماء اٹھ جائیں گے اور رفتہ رفتہ ان کے ساتھ ان کا علم بھی اٹھ جائے گا۔ لیکن حقیقۃً امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ علم حاصل کرنا چاہئے اور علماء کو تعلیم وتبلیغ کا اہتمام کرنا چاہئے، اس لئے کہ جب علم کے اٹھ جانے کا سبب علماء کا اٹھ جانا ہے تو اب لوگوں کو یہ چاہئے کہ علماء کے اٹھنے سے پہلے ان کے علوم کو حاصل کرلیں اور علماء کو یہ چاہئے کہ اپنے علوم دوسروں تک پہنچادیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات ارشاد فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا:

> ''مؤلف رحمۃ اللہ علیہ قبض علم کی کیفیت دکھلانا چاہتے ہیں، سو حدیث میں صاف موجود ہے ''لایقبض انتزاعاً ولکن یقبض بقبض العلماء'' جس سے بالبداہت معلوم ہوگیا کہ عالم سے ذہابِ علم کا منشا عدمِ اشاعت اور عدمِ تبلیغ ہوگی، اگر سلسلۂ تعلیم

(۱) عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۲۸)۔

واشاعت برابر جاری رہے تو یہ نوبت کیسے آئے؟ کما مر فی باب رفع العلم۔ بالجملہ مؤلف کی غرض بلکہ حدیث کا منشا اشاعت علم کی تاکید اور تعمیم ہے، عمر بن عبد العزیز کے ارشاد سے ترجمہ کی غرض صاف ظاہر ہوگئی اور ترجمۂ سابق کی بھی تشریح ہوگئی، اول باب کی تکمیل دوسرے باب میں مؤلف کی عادت ہے اور ارشاد مذکور سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اشاعتِ علم کے لئے علماء کے ذمہ علانیہ علمی مجالس قائم کرنا ضروری ہے، اس میں متعلمین کے لئے سہولت ہے اور ان کے واسطے کافی ترغیب وتحریص ہے، اس کے مقابلہ میں کسی مجلس کی تخصیص ہو یا اور کسی قسم کی قید لگا دی جائے تو اس صورت میں صحیح طور پر استفادہ اور افادہ نہیں ہوسکتا اور یہ علم کی ہلاکت ہے۔ فانحذر الحذر"۔(۱)

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ ٱلْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ : ٱنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ ٱللَّهِ ﷺ فَٱكْتُبْهُ ، فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ ٱلْعِلْمِ وَذَهَابَ ٱلْعُلَمَاءِ ، وَلَا تَقْبَلْ إِلَّا حَدِيثَ ٱلنَّبِيِّ ﷺ ، وَلْتُفْشُوا ٱلْعِلْمَ ، وَلْتَجْلِسُوا حَتَّى يُعَلَّمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ ، فَإِنَّ ٱلْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونَ سِرًّا

حضرت عمر بن عبد العزیز

یہ الإمام العادل الحافظ العلامة المجتهد الزاهد العابد أمير المؤمنين عمر بن عبد العزيز بن مروان بن الحكم بن أبي العاص بن أمية بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصي بن كلاب رحمة الله عليه ہیں۔(۲)

یہ عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب، سائب بن یزید، سہل بن سعد رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان کے پیچھے نماز ادا فرمائی اور فرمایا "ما رأيت أحدا أشـ

(۱) دیکھئے الابواب والتراجم (ص ۵۳، ۵۴)۔

(۲) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۱ ص ۴۳۲، ۴۳۳) وسیر اعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۱۴)۔

صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا الفتى"۔(۱)

یعنی "نماز میں اس نوجوان سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت اختیار کرنے والا میں نے کسی کو نہیں دیکھا"۔

ان کے علاوہ سعید بن المسیب، عروہ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عامر بن سعد، یوسف بن عبداللہ بن سلام رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے ابوسلمہ (وهم شيخه أيضاً) ابوبکر بن حزم، رجاء بن حیوۃ، امام زہری، ایوب سختیانی، حمید الطویل اور یحییٰ بن سعید الانصاری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات روایت کرتے ہیں۔(۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔(۳) ان کی والدہ کا نام بعض حضرات نے ام عاصم حفصہ بنت عاصم بن عمر بن الخطاب بتایا ہے اور بعض حضرات نے لیلیٰ بنت عاصم بن عمر بن الخطاب۔(۴)

بچپن میں ایک مرتبہ اصطبل میں گئے، وہاں کسی گھوڑے نے لات ماردی جس سے پیشانی پہ زخم آیا، اُس وقت سے "أشج" کا لقب پڑ گیا، چنانچہ انہیں "أشج بني أمية" بھی کہا جاتا ہے۔(۵)

منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا "إن من ولدي رجلاً بوجهه شتر، (۶) يملأ الأرض عدلاً"۔ (۷) "میری اولاد میں ایک شخص ایسا ہوگا جس کے چہرے پر زخم ہوگا، وہ پوری

---

(۱) تهذيب الكمال (ج ۲۱ ص ۴۳۴)، وسير أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۱۴)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج ۲۱ ص ۴۳۴ - ۴۳۶)، وسير أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۱۴، ۱۱۵)

(۳) تهذيب الكمال (ج ۲۱ ص ۴۳۶)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج ۲۱ ص ۴۳۳)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج ۲۱ ص ۴۳۷)، وسير أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۱۵ و ۱۱۶)۔

(۶) شتر (س) شتراً: پھٹنا۔ القاموس الوحيد (ص ۸۴۱)۔

(۷) سير أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۱۱۶)۔

زمین کو عدل سے بھر دے گا''۔

یہ ابھی بچے ہی تھے کہ قرآن کریم یاد کرلیا، ایک مرتبہ اسی بچپن میں رو پڑے، والدہ نے پوچھا تو بتایا کہ مجھے موت کی یاد آ گئی تھی، اس لئے رو پڑا۔ (۱)

ان کے والد کو جب مصر کی ولایت ملی تو یہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے، وہ جب وہاں اپنے کنبہ سمیت جانے لگے تو انہوں نے کہا کہ آپ مجھے مدینہ بھیج دیں، میں وہاں کے علماء وفقہاء کی خدمت میں رہوں گا، ان کے آداب سیکھوں گا۔ چنانچہ ان کو وہاں بھیج دیا، وہ مدینہ منورہ میں علم حاصل کرتے رہے اور بچپن ہی سے ان کے اندر علمی نبوغ ورسوخ کے آثار ظاہر ہو گئے۔ (۲)

داود بن ابی ہند کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب عمر بن عبدالعزیز مسجد نبوی کے ایک دروازہ سے داخل ہوئے تو ایک شخص نے کہا کہ دیکھو! فاسق (عبدالعزیز بن مروان) نے اپنے اس بیٹے کو ہمارے پاس بھیجا ہے، تاکہ فرائض وسنن سیکھے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کے بعد یہی خلیفہ بنے گا اور عمر بن الخطاب کی سیرت پر چلے گا! داود بن ابی ہند کہتے ہیں کہ بخدا! ہم نے یہ تمام باتیں مرنے سے پہلے دیکھ لیں۔ (۳)

والد کے انتقال کے بعد عبدالملک بن مروان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بلا لیا اور اپنی اولاد کی طرح رکھا اور پھر اپنی بیٹی فاطمہ بنت عبدالملک کا نکاح ان کے ساتھ کردیا، جن کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے۔

بنتُ الخليفة، والخليفة جدّها أخت الخلائف، والخليفة زوجها (٤)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ کوئی خاتون جو مذکورہ اوصاف کی مالک ہوں اور کوئی نہیں۔ (۵)

(١) تهذيب الكمال (ج٢١ ص٤٢٧)، وسير أعلام النبلاء (ج٥ ص١١٦)۔

(٢) سير أعلام النبلاء (ج٥ ص١١٧)۔

(٣) تهذيب الكمال (ج٢١ ص٤٣٨)، وسير أعلام النبلاء (ج٥ ص١١٦)۔

(٤) دیکھئے البداية والنهاية (ج٦ ص٢٣٢)، وسير أعلام النبلاء (ج٥ ص١١٧)۔

(٥) البداية والنهاية (ج٦ ص٢٣٢)۔

ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ۸۶ھ سے ۹۳ھ تک مدینہ منورہ کے گورنر رہے، اس دوران وہاں کے علماء وفقہاء: عروہ، عبیداللہ، سلیمان بن یسار، قاسم، سالم، خارجہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کی رائے اور مشورہ سے کام کرتے رہے۔(۱)

ولید بن عبدالملک کے بعد سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کو انہوں نے اپنا خصوصی مقرب اور وزیر بنایا، چنانچہ انہی کے مشورے کے مطابق حجاج بن یوسف کے مقرر کردہ عمال کو معزول کیا گیا، نماز کے اوقات کو بہت مؤخر کردیا گیا تھا، ان کو اپنے اوقات میں پڑھنے کی پابندی کرائی گئی۔(۲)

جب سلیمان مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور آخر وقت آپہنچا تو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے، ان کا ایک بیٹا قسطنطنیہ کی مہم میں گیا ہوا تھا، دوسرا بیٹا چھوٹا تھا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کے محسن کبیر عالم ربانی رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ (۳) کے ذریعہ کام لیا، انہوں نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا نام پیش کردیا اور وہ خلیفہ مقرر ہوگئے (۴)، اس طرح ایک مرتبہ پھر خلافت راشدہ قائم ہوگئی۔

خلیفہ بننے کے بعد انہوں نے اپنے خاندان کے تمام اموال کو بیت المال میں جمع کروایا (۵) اور پھر وہ تدبیر مملکت کی کہ حقیقۃً شیر اور بکری ایک گھاٹ سے پانی پینے لگے۔(۶)

حدیث اور علم میں ان کا پایہ کیا تھا؟ اس کا اندازہ علماء کے درج ذیل اقوال سے کیا جا سکتا ہے:-

---

(۱) سیر أعلام النبلاء (ج۵ص۱۱۶ و ۱۱۸)، وتہذیب الکمال (ج۲۱ص۴۳۹)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج۵ص۱۲۰)۔

(۳) رجاء بن حیوۃ رحمہ اللہ کے حالات کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۹ص۱۵۱-۱۵۷)، وسیر أعلام النبلاء (ج۴ص۵۵۷-۵۶۱)۔

(۴) دیکھئے سیر أعلام النبلاء (ج۵ص۱۲۳-۱۲۶)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج۵ص۱۲۶)۔

(۶) دیکھئے البدایۃ والنہایۃ (ج۶ص۳۴۲)۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان ثقة مأموناً، له فقه، وعلم، وورع، وروى حديثاً كثيراً، وكان إمام عدل، رحمه الله ورضي عنه"۔(۱)

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أتيناه نُعلمه فما برحنا حتى تعلمنا منه"۔(۲)

ایوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لا نعلم أحداً ممن أدركنا كان آخذ عن نبي الله صلى الله عليه وسلم منه، يعني عمر بن عبد العزيز"۔(۳)

یعنی "ہم نے جتنے علماء دیکھے ان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا طالب نہیں پایا"۔

عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما كانت العلماء عند عمر بن عبد العزيز إلا تلامذة"۔(۴)

میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أتينا عمر بن عبد العزيز ونحن نرى أنه يحتاج إلينا، فما كنا معه إلا تلامذة"۔ (۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حیات پر ایک جامع تبصرہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"قد كان هذا الرجل حسن الخلق والخُلق، كامل العقل، حسن السمت، جيد السياسة، حريصاً على العدل بكل ممكن، وافر العلم، فقيه النفس، ظاهر الذكاء والفهم، أواهاً منيباً، قانتاً لله، حنيفاً، زاهداً مع الخلافة، ناطقاً بالحق، مع قلة المعين وكثرة الأمراء الظلمة الذين ملوه، وكرهوا محاققته لهم، ونقصه أعطياتهم وأخذه كثيراً مما في أيديهم مما أخذوه

(۱) تهذيب الكمال (ج۲۱ص۴۳۶)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۲۱ص۴۴۰)۔

(۳) التاريخ الكبير (ج۶ص۱۷۵)، رقم الترجمة (۲۰۷۹)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج۲۱ص۴۴۰)، وسير أعلام النبلاء (ج۵ص۱۲۰)۔

(۵) سير أعلام النبلاء (ج۵ص۱۲۰)۔

بغير حق، فما زالوا به حتى سقوه السم، فحصلت له الشهادة والسعادة، وعُدّ عند أهل العلم من الخلفاء الراشدين والعلماء العاملين"۔(۱)

یعنی "یہ شخص صورت اور سیرت کے اچھے، عقل میں کامل، آداب کے عمدہ، سیاست کے اعتبار سے جید، ہر ممکن عدل وانصاف کے حریص، علم میں وافر حصہ رکھنے والے، فقیہ النفس، فہم وذکاوت کے اعتبار سے ممتاز، آہ وبکا اور رجوع الی اللہ کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے مطیع، ہر قسم کی بے دینی سے بیزار، خلافت کے باوجود دنیا سے بے رغبت تھے، باوجود مددگاروں کی قلت اور ظالم امراء کی کثرت کے حق بولنے والے تھے، یہ ظالم امراء ان سے اکتا چکے تھے، ان کے ساتھ تعاون سے گریز کرتے تھے، انہوں نے ان کے وظائف میں کمی کی اور جو کچھ انہوں نے ناحق لوگوں سے لیا تھا وہ واپس لے لیا، اس وجہ سے وہ لوگ ان کے درپے آزار رہے، یہاں تک کہ انہیں زہر دے دیا، اس طرح انہیں شہادت اور سعادت حاصل ہوئی، اہل علم کے نزدیک ان کا شمار خلفائے راشدین اور باعمل علماء میں ہوا"۔

علماء کی ایک جماعت نے جن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ان مجددین دین میں سے تھے(۲) جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إن اللّٰه يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدّد لها دينها"۔(۳) یعنی "اللہ جل شانہ اس امت کے واسطے ہر صدی کے شروع میں ایسے شخص کو بھیجے گا، جو اس کے دین کی تجدید کرے گا"۔

آپ کی خلافت کی مدت تقریباً ڈھائی سال تھی۔(۴)

---

(۱) سير أعلام النبلاء (ج۵ص۱۲۰)۔

(۲) دیکھئے البداية والنهاية (ج۶ص۳٤۷)۔

(۳) سنن أبي داود، فاتحة كتاب الملاحم، باب مايذكر في قرن المائة، رقم (٤۲۹۱)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۲۱ص٤٤۱)۔

آپ کی وفات مرضِ سل میں ہوئی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حاسدین نے آپ کے ایک غلام کو ایک ہزار دینار دیے اور اس کے ذریعہ ان کو زہر کھلادیا، جس سے وہ بیمار ہوگئے، جب بتایا گیا کہ انہیں زہر دیا گیا ہے تو فرمایا کہ جس دن زہر دیا گیا مجھے اسی دن معلوم ہوگیا تھا، اس کے بعد انہوں نے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے صاف صاف بتادیا کہ مجھے ایک ہزار دینار ملے ہیں، فرمایا کہ وہ دینار لے آؤ، اس سے ان دینار کو لے کر بیت المال میں جمع کروادیا اور فرمایا کہ اب تم کسی ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں پکڑے نہ جاؤ۔(۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک عظیم ترین کارنامہ حفاظت حدیث کا انتظام واہتمام ہے، چنانچہ جمع حدیث اور کتابت حدیث کا باقاعدہ اور منظم اہتمام ان ہی کے حکم اور سرپرستی میں ہوا۔(۲)

۱۰۱ھ یا ۱۰۲ھ میں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا۔(۳)

رحمه الله تعالى ورضي عنه وأجزل مثوبته وأكرمه في دار الكرامة والرضوان۔

ابوبکر بن حزم

یہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری خزرجی نجاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابوبکر ان کا نام ہے، بعض حضرات نے ان کی کنیت ابومحمد ذکر کی ہے۔(۴)

یہ اپنے والد کے علاوہ عباد بن تمیم، سلمان الاغر، عبداللہ بن قیس بن مخرمہ، عمرو بن سلیم زرقی، ابوحبہ بدری رضی اللہ عنہ اور اپنی خالہ عمرہ رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے دو بیٹے عبداللہ اور محمد کے علاوہ امام اوزاعی، یحییٰ بن

(۱) البداية والنهاية (ج۹ ص۲۴۹)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج۱ ص۲۸)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۲۱ ص۴۴۶)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات کے لئے مذکورہ مراجع کے علاوہ دیکھئے تاریخ الاسلام للذهبي (ج۷ ص۱۸۷-۲۰۶)۔

(۴) دیکھئے تهذيب الكمال (ج۳۳ ص۱۳۷)۔

سعید الانصاری اور اسامہ بن زید لیثی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔(۱)

امام یحیی بن سعید رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالرحمن بن یوسف بن خراش وغیرہ کہتے ہیں "ثقة"۔(۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۳)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وهو أنصاري مدني من تابعي التابعين وثقات المسلمين وأئمتهم"۔(۴)

واقدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان ثقة كثير الحديث"۔(۵)

ابوبکر بن حزم رحمۃ اللہ علیہ سلیمان بن عبدالملک اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں مدینہ منورہ کے امیر بھی رہے اور قاضی بھی، اسی طرح وہ موسمِ حج کے امیر بھی رہے ہیں۔(۶)

ان کے سالِ وفات میں بہت سے اقوال ہیں،(۷) حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۰ھ کو راجح قرار دیا ہے۔(۸)

تنبیہ

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ ان کا نام ابوبکر ہے اور کنیت ابو محمد ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی کنیت ابوعبدالملک نقل کی ہے(۹) جو سبقتِ قلمی ہے، ابوعبدالملک ان کے والد کی کنیت ہے نہ کہ ابوبکر کی۔(۱۰)

رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۳۳ص۱۳۷ و ۱۳۸)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج۳۳ص۱۳۹)۔

(۳) کتاب الثقات لابن حبان (ج۵ص۵٦١)۔

(۴) تہذیب الأسماء واللغات (ج۲ص۱۹٦)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج۳۳ص۱٤٢)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج۳۳ص۱۳۷)۔

(۷) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۳۳ص۱٤٢ و ۱٤٣)۔

(۸) دیکھئے الکاشف (ج۲ص٤١٢) رقم (٦٥٣٧)۔

(۹) دیکھئے فتح الباری (ج۱ص۱۹٤)۔

(۱۰) دیکھئے تقریب التہذیب (ص٦٢٤) رقم (٧٩٨٢) ترجمة محمد بن عمرو بن حزم الأنصاري ... على هذه المسامحة الشيخ محمد عوامة في تعليقاته على الكاشف (ج۲ص٤١٢) رقم (٦٥٣٧)۔

انظر ما کان من حدیث رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاکتبه، فإني خفت دروس العلم وذهاب العلماء.

دیکھو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیثیں تم کو ملیں ان کو لکھ لو، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں دین کا علم مٹ جانے اور علماء چل بسیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ اثر کی تخریج

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اثر یہاں تو معلّق ذکر کیا ہے اور آگے اس کی سند ذکر فرمائی ہے، اس طرح اسے موصول کر دیا ہے۔
یہ اثر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں نقل کیا ہے:

"أخبرنا مالك، أخبرنا يحيى بن سعيد أن عمر بن عبد العزيز كتب إلى أبي بكر بن عمرو بن حزم أن: انظر ما كان من حديث رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أو سنته أو حديث عمر، أو نحو هذا، فاكتبه لي، فإني خفت دروس العلم وذهاب العلماء"۔(۱)

یعنی "حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بکر بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث، آپ کی سنت یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنتوں کو تلاش کرو، ان کو میرے واسطے لکھ لو، کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے"۔

(۱) الموطأ للإمام محمد (ص ۳۹۱) أبواب السير، باب اكتتاب العلم، رقم (۹۳۴)۔

اسی طرح امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "سنن" میں اس کو موصولاً نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

"كتب عمر بن عبد العزيز إلى أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، أن: اكتب إلي بما ثبت عندك من الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، وبحديث عمر؛ فإني قد خشيت دروس العلم وذهابه".(۱)

اسی طرح دارمی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

"كتب عمر بن عبدالعزيز إلى أهل المدينة، أن: انظروا حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبوه، فإني خفت دروس العلم وذهاب أهله".(۲)

رامہرمزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی سند سے نقل کیا ہے:

"كتب عمر بن عبد العزيز إلى أهل المدينة: انظروا ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبوه، فإني خفت دروس العلم وذهاب العلماء".(۳)

علامہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے "ذم الکلام" میں عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

"لم يكن الصحابة ولا التابعون يكتبون الحديث، إنما كانوا يؤدونها لفظاً، ويأخذونها حفظاً، إلا كتاب الصدقات، والشيء اليسير الذي يقف عليه الباحث بعد الاستقصاء، حتى خيف عليه الدروس، وأسرع في العلماء الموت، فأمر أمير المؤمنين عمر بن عبد العزيز أبا بكر الحزمي فيما كتب إليه أن: انظر ما كان من سنة أو حديث عمر فاكتبه".(٤)

---

(۱) سنن الدارمي (ج۱ ص۱۳۶) المقدمة، باب من رخص في كتابة العلم، رقم (٤٨٧)۔

(۲) حوالہ بالا، رقم (٤٨٨)۔

(۳) المحدث الفاصل بين الراوي والواعي (ص٣٧٣ و٣٧٤) باب الكتاب، رقم (٣٤٦)۔

(٤) مقدمة تنوير الحوالك شرح على موطأ مالك (ص٤) الفائدة الثانية۔

یعنی ''صحابہ کرام اور تابعین حدیثیں لکھا نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کو لفظوں میں بیان کرتے اور حافظہ میں محفوظ کرتے تھے، البتہ کتاب الصدقات اور کچھ اور معمولی احادیث جن کا علم بحث وتتبع کے بعد ڈھونڈنے والے کو ہوسکتا ہے، حتی کہ علم کے مٹ جانے کا خوف لاحق ہوا، علماء تیزی سے رخصت ہونے لگے، چنانچہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو ایک فرمان میں حکم دیا کہ سنت یا حضرت عمر کی احادیث، جو مل جائیں، لکھ لو''۔

امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ اصبہان میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

''کتب عمر بن عبدالعزیز إلی الآفاق: انظروا حدیث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاجمعوہ واحفظوہ، فإني خفت دروس العلم وذهاب العلماء''۔ (۱)

تدوین کی ابتداء اور ایک شبہ کا ازالہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سے تدوین حدیث کی ابتداء معلوم ہوتی ہے، (۲) یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے تدوین شروع ہوئی۔

مقدمہ میں تفصیل گذر چکی ہے کہ کتابت حدیث کا کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی شروع ہو چکا تھا، صحابۂ کرام نے اس سلسلہ میں مستقل نوشتے تیار کئے تھے، البتہ باقاعدہ اس سلسلہ میں سرکاری اہتمام حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ (۳)

بعض لوگوں نے یہاں یہ سمجھ لیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اثر لاکر اس بات کی طرف

(۱) [illegible] (ج۲ص۸۹)۔

(۲) فتح الباری (ج۱ص۱۹۵)۔

(۳) دیکھئے کشف الباری (ج۱ص۲۶-۳۷)۔

اشارہ کیا ہے کہ ابوبکر بن حزم سب سے پہلے مدون حدیث ہیں۔(۱)

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ نسبت کرنا صحیح نہیں ہے، انہوں نے اول مدون کے مسئلہ سے تعرض ہی نہیں کیا۔

تحقیقی طور پر دیکھا جائے تو ہم مقدمہ میں بیان کرچکے ہیں کہ سب سے پہلے مدون ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أول من دون العلم ابن شهاب"۔(۳)

عبدالعزیز بن محمد دراوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أول من دوّن العلم وكتبه ابن شهاب"۔(۴)

اسی طرح امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أمرنا عمر بن عبد العزيز بجمع السنن، فكتبناها دفتراً دفتراً فبعث إلى كل أرض له عليها سلطان دفتراً"۔(۵)

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أول جامع الحديث والأثر ابن شهاب آمر له عمر(۶)

صاحب نیل الأمانی فرماتے ہیں "لعل ابن شهاب أول من جمع على الإطلاق وتبعه هؤلاء"۔(۷)

البتہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقام پر کلام سے ترشح ہوتا ہے کہ اول مدون ابوبکر بن

---

(۱) دیکھئے مقدمۂ إرشاد الساری (ج ۱ ص ۲)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۲۱۶ و ۲۰۰)۔

(۳) جامع بیان العلم وفضله (ج ۱ ص ۹۱)۔

(۴) جامع بیان العلم وفضله (ج ۱ ص ۸۸)۔

(۵) جامع بیان العلم وفضله (ج ۱ ص ۹۱ و ۹۲)۔

(۶) ألفية الحديث للسيوطي (ص ۲)۔

(۷) مقدمة أوجز المسالك (ج ۱ ص ۱۶)۔

حزم ہیں(۱)، یہی بات علامہ قسطلانی نے بھی مقدمہ ارشاد الساری میں لکھی ہے۔(۲)

لیکن ان دونوں ہی حضرات نے آگے "باب كتابة العلم" میں جاکر اعتراف اور صراحت کی ہے کہ سب سے پہلے جامعِ حدیث اور مدوّن زہری ہی ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وأوّل من دوّن الحديث ابن شهاب الزهري على رأس المائة بأمر عمر ابن عبدالعزيز، ثم كثر التدوين، ثم التصنيف، وحصل بذلك خير كثير، فلله الحمد"۔ (۳)

یعنی "پہلی صدی کے آخر میں سب سے پہلے حدیث کو عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے مدون کرنے والے ابن شہاب زہری تھے، پھر تدوین وتصنیف کثرت سے ہوئی اور اس سے الحمد للہ بہت خیر پھیلی"۔

بعینہ ایسی ہی عبارت قسطلانی نے بھی نقل کی ہے۔(۴)

علامہ حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے خود امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے "لم يدوّن هذا العلم أحد قبل تدويني"۔(۵)

جہاں تک ابوبکر بن حزم کا تعلق ہے، سو اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو جمع حدیث کا حکم دیا تھا، بلکہ صرف ان کو ہی نہیں، اس دور میں اہل مدینہ اور اہل آفاق کو بھی لکھا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو مدوّن کرلو، جیسا کہ یہ نصوص ہم پیچھے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اثر کی تخریج کے ضمن میں ذکر کرچکے ہیں، اس حکم کے نتیجہ میں ابن شہاب نے بھی

---

(۱) چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں: "يستفاد منه ابتداء تدوين الحديث النبوي" فتح الباری (ج۱ص۱۹٤)۔

(۲) دیکھیے مقدمة إرشاد الساري للقسطلاني (ص۲)۔

(۳) فتح الباري (ج۱ص۲۰۸) كتاب العلم، باب كتابة العلم۔

(٤) إرشاد الساري (ج۱ص۲۰۷) كتاب العلم، باب كتابة العلم۔

(٥) الاعتبار في الناسخ والمنسوخ من الآثار (ص٤٥)۔

حدیثیں جمع کیں اور ابوبکر بن حزم نے بھی، البتہ ابن شہاب کی حدیثیں حضرت عمر بن عبدالعزیز تک پہنچ گئیں اور ابن حزم کی حدیثیں نہیں پہنچ پائیں، چنانچہ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "فتوفي عمر وقد كتب ابن حزم كتباً، قبل أن يبعث بها إليه" ۔ (۱)

اس پوری تقریر سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ علی الاطلاق اول مدون ہیں، جبکہ اسی زمانہ میں تدوین کرنے والوں میں ابوبکر بن حزم رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

واللّٰه أعلم بالصواب

ولاتقبلْ إلا حديثَ النبي صلى الله عليه وسلم، ولْتُفشُوا العلم، ولتَجلسوا حتى يُعَلَّم من لايعلم، فإن العلم لايهلك حتى يكون سرّاً

سوائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے کوئی اور چیز قبول نہ کرو اور علم کو پھیلاؤ اور تعلیم کے لئے بیٹھو، تاآنکہ جو نہیں جانتا اس کو سکھایا جائے کیونکہ علم اس وقت تک ضائع نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو خفیہ نہ رکھا جائے۔

ایک روایت کے مطابق "لاتقبل" تاء مثناۃ مفتوحہ کے ساتھ نہی واحد حاضر معروف کا صیغہ ہے، اسی طرح "لتفشوا" "إفشاء" سے امر حاضر معروف کا صیغہ ہے، جس پر "لام" داخل ہے اور "لتجلسوا" بھی "جلوس" سے امر حاضر معروف کا صیغہ ہے، اس پر بھی "لام" داخل ہے۔

ان تینوں افعال کو "لایقبل" "لیُفشوا" اور "لیَجلسوا" بھی پڑھا گیا ہے۔ (۲)

یہ عبارت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اثر کا جزء ہے یا امام بخاری کا اپنا کلام ہے؟

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے، کیونکہ وہ فرماتے ہیں:

"في أمر عمر بن عبد العزيز بكتاب حديث النبي صلى الله عليه وسلم،

---

(۱) التمهيد لابن عبدالبر (ج۱ص۸۱)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج۱ص۱۹۵) وإرشاد الساري (ج۱ص۱۹۶)۔

خاصة، وأن لایقبل غیرہ: الحض علی اتباع السنن وضبطها ....." (۱)

یعنی "خاص طور پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو لکھنے کا حکم دینے اور ان کے علاوہ کو قبول نہ کرنے کے حکم میں اتباع سنت اور اس کے ضبط کی ترغیب ہے"۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے آگے جو سند ذکر کی، اس میں تصریح ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول "ذهاب العلماء" تک ہے۔

اس کے علاوہ پیچھے ہم اس اثر کو مختلف حوالوں سے نقل کر چکے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی اس کلام کو ذکر نہیں کیا۔

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "مستخرج ابی نعیم" کے حوالہ سے تصریح کی ہے کہ یہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا کلام نہیں ہے، ان کا کلام "ذهاب العلماء" پر ختم ہو گیا۔ (۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لی جائیں گی، باقی آثار صحابہ وغیرہ نہیں لئے جائیں گے۔

یہ مطلب یا تو اس بات پر مبنی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر عمر بن عبدالعزیز کا مختصر اثر ہے، جس میں مذکور ہے "انظروا ما کان من حدیث رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاکتبوہ، فإني خفت دروس العلم وذهاب العلماء"۔ اس میں صرف آپ کی احادیث کا ذکر ہے، اس وجہ سے امام بخاری نے "لایقبل إلا حدیث النبي صلی اللّٰه علیه وسلم" فرما دیا، ورنہ

---

(۱) شرح صحیح البخاري لابن بطال (ج۱ص۱۷۷)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج۱ص۱۹۵)۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا یہ اثر بعض حضرات نے مزید تفصیل سے ذکر کیا ہے، جس میں بعض طرق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایات کو بھی جمع کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض میں عمرہ بنت عبد الرحمٰن (جو ابوبکر بن حزم کی خالہ تھیں اور حضرت عائشہ کی خادمہ) کی روایات کو جمع کرنے کا بھی حکم موجود ہے، اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تفصیلی روایت کو پیش نظر رکھتے تو "ولا یقبل إلا حدیث النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم" نہ فرماتے۔

یا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ مقام احتجاج واستدلال میں صرف مرفوع احادیث لی جائیں گی، جہاں تک دوسرے آثار صحابہ وتابعین کا تعلق ہے سو ان کو مقام استشہاد واستیناس میں لیا جائے گا، نہ کہ بطور استدلال واحتجاج۔ یہی توجیہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سینکڑوں آثار صحابہ وتابعین کے نقل کر دیے ہیں۔ واللہ اعلم

فإن العلم لایھلك حتی یکون سرًّا

علم کو جب راز بنا دیا جاتا ہے، خاندانی بیاضوں میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کی تعمیم نہیں کی جاتی تو ضائع ہو جاتا ہے۔

اسی طرح علماء کو چاہئے کہ علمی مسائل و دقائق کو چھپا کر نہ رکھیں، بلکہ عمومی طور پر پھیلائیں، اس کے لئے ایسی جگہوں میں بیٹھیں جہاں لوگ آ سکتے ہوں، جیسے مساجد، مدارس وغیرہ۔ (۱) واللّٰہ أعلم

حدَّثنا ٱلْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ ٱلْجَبَّارِ قَالَ : حَدَّثَنا عَبْدُ ٱلْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ ، عَنْ عَبْدِ ٱللهِ بْنِ دِينارٍ : بِذٰلِكَ ، يَعْنِي حَدِيثَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ ٱلْعَزِيزِ ، إِلَى قَوْلِهِ : ذَهَابَ ٱلْعُلَمَاءِ .

---

(۱) دیکھئے إرشاد الساري (ج۱ص۱۹۶) والکنز المتواري في معادن لامع الدراري وصحیح البخاري (ج۲ص۳۳٤)۔

تراجم رجال

العلاء بن عبد الجبار

یہ ابوالحسن العلاء بن عبد الجبار عطار بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ولاءً انصاری کہلاتے ہیں، مکہ مکرمہ میں بھی رہے ہیں۔(۱)

یہ جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، عبداللہ بن جعفر مخزومی، عبدالعزیز بن مسلم اور ابوعوانہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے امام بخاری، ابراہیم بن یعقوب جوزجانی، ابوخیثمہ زہیر بن حرب، عبداللہ بن الزبیر الحمیدی، ان کے اپنے بیٹے عبدالجبار بن العلاء اور ابن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں۔(۲)

امام بخاری نے ان سے صرف دو حدیثیں لی ہیں، (۳) جبکہ صحیح بخاری میں صرف اسی جگہ ان کے واسطے سے موقوف اثر مروی ہے اور کسی جگہ ان کا تذکرہ نہیں۔(۴)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقۃ" (۵)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صالح الحدیث"۔(۶)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لیس به بأس"۔(۷)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وکان کثیر الحدیث"۔(۸)

---

(۱) تہذیب الکمال (ج۲۲ ص۵۱۷)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۲ ص۵۱۷ و۵۱۸)، وتہذیب التہذیب (ج۸ ص۱۸۵ و۱۸۶)۔

(۳) وفی "الزهرة" روى عنه البخاري حديثين، تهذيب التهذيب (ج۸ ص۱۸۶)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج۸ ص۱۸۵)، وعمدۃ القاری (ج۲ ص۱۳۰)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج۲۲ ص۵۱۹)۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) حوالۂ بالا۔

(۸) الطبقات الکبری لابن سعد (ج۵ ص۵۰۱)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۱)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لیس به بأس"۔(۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۳)

۲۱۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(۴)

رحمه اللّٰه تعالی رحمةً واسعةً

(۲) عبدالعزیز بن مسلم

یہ ابوزید عبدالعزیز بن مسلم قَسْمَلی (۵) مروزی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۶)

یہ حصین بن عبدالرحمٰن، امام اعمش، سہیل بن ابی صالح، عبداللہ بن دینار، یحیی بن سعید انصاری اور ابوہارون عبدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والے حرمی بن حفص، شیبان بن فرّوخ، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبدالصمد بن عبدالوارث، العلاء بن عبدالجبار، یونس بن محمد المؤدب اور ابو عامر عقدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات ہیں۔(۷)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۸)

---

(۱) تقريب التهذيب (ص٤٣٥)، رقم (٥٢٤٦)۔

(۲) تعليقات تهذيب الكمال (ج٢٢ص٥١٩)۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج٨ص٥٠٣)۔

(٤) خلاصة الخزرجي (ص٣٠٠)۔

(٥) ضبطه بعض العلماء بفتح القاف وسكون السين المهملة وفتح الميم بعدها لام، وقال بعض العلماء: بكسر القاف۔ انظر تعليقات الكاشف (ج١ص٣١٧)، ترجمة حرمي بن حفص القسملي، رقم (٩٧٩)۔

(٦) تهذيب الكمال (ج١٨ص٢٠٢)۔

(۷) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج١٨ ص٢٠٢ و ٢٠٣)۔

(٨) تهذيب الكمال (ج١٨ ص٢٠٤)، وتاريخ الدارمي (ص١٨٥)، رقم (٦٦٦) و(٦٦٧)۔

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صالح الحدیث ثقة"۔(۱)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "بصري، ثقة"۔(۲)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لیس به بأس"۔(۳)

ابن نمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۴)

ابن خراش کہتے ہیں "صدوق"۔(۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة عابد یعد من الأبدال"۔(۶)

ابوعامر عقدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وکان من العابدین"۔(۷)

یحییٰ بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وکان من الأبدال"۔(۸)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۹)

ان تمام توثیقات کے باوجود امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے "في حدیثه بعض الوهم"۔(۱۰)

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جرح کو رد کیا ہے اور فرمایا "هذه الكلمة صادقة الوقوع على مثل مالك وشعبة"۔(۱۱)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۱۸ص۲۰٤)۔

(۲) تعليقات تهذيب الكمال (ج۱۸ ص۲۰٤)، وتهذيب التهذيب (ج٦ص۳٥۷)۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج٦ص۳٥۷)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(٦) الكاشف (ج۱ص٦٥۸)، رقم (۳٤۱۰)۔

(۷) تهذيب الكمال (ج۱۸ص۲۰٤)۔

(۸) حوالۂ بالا۔

(۹) الثقات لابن حبان (ج۷ص۱۱٦)۔

(۱۰) الضعفاء للعقيلي (ج۳ص۱۷)، رقم (۹۷۳)۔

(۱۱) ميزان الاعتدال (ج۲ص٦۳٥)، رقم (٥۱۳۰)۔

امام عقیلی نے "وھم" ثابت کرنے کے لئے ان کی ایک حدیث بھی نقل کی ہے، جس میں دوسرے حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے۔(۱) لیکن حافظ ذہبی فرماتے ہیں "ثم ساق العقیلی له حديثا وهذا محفوظاً قد خالفه فيه من هو دونه في الحفظ"۔(۲) یعنی "پھر عقیلی نے ان کی ایک "محفوظ حدیث" نقل کی ہے، جس میں ان سے کمتر حافظہ والے شخص نے ان کی مخالفت کی ہے"۔

لہذا یہ متفق علیہ طور پر ثقہ ہیں اور کبھی کبھار جو "وھم" ہوتا ہے اس کی وجہ سے ان کی ثقاہت اور ضبط میں کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۱۶۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۳) — رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۳) عبداللہ بن دینار

یہ مشہور محدث ابوعبدالرحمن عبداللہ بن دینار قرشی عدوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب أمور الإيمان" کے تحت مختصراً(۴) اور كتاب العلم، "باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا" کے ذیل میں تفصیلاً گذر چکے ہیں۔(۵)

۱۰۰ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ(۶) قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: (إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا، اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا).

---

(۱) الضعفاء للعقيلي (ج۳ص۱۸)۔

(۲) ميزان الاعتدال (ج۲ص۶۳۵)، رقم (۵۱۳۰)۔

(۳) تهذيب الكمال (۱۸) ص۲۰۴)۔

(۴) كشف الباري (ج۱ص۶۰۰)۔

(۵) كشف الباري (ج۳ص۱۰۶)۔

(۶) قوله: "عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه" الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج۲ص۱۰۸۶) في كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يذكر من ذم الرأي وتكلف القياس، رقم (۷۳۰۷)۔ ومسلم في صحيحه، في كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه، رقم (۶۷۹۶-۶۷۹۹)۔ والترمذي في جامعه، في كتاب العلم، باب ما جاء في ذهاب العلم، رقم (۲۶۵۲)۔ وابن ماجه في سننه، في المقدمة، باب اجتناب الرأي والقياس، رقم (۵۲)، والنسائي في سننه الكبرى (ج۳ص۴۵۶) كتاب العلم، باب كيف يرفع العلم؟، رقم (۵۹۰۷)، (۵۹۰۸)۔

تراجم رجال

(۱) اسماعیل بن ابی اویس

یہ ابوعبداللہ اسماعیل بن ابی اویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر اصبحی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب تفاضل أهل الإیمان في الأعمال" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) مالک

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بھی کتاب الإیمان، "باب من الدین الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۳) ہشام بن عروہ

یہ ہشام بن عروۃ بن الزبیر بن العوام رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے ذیل میں مختصراً(۳) اور کتاب الإیمان، "باب أحب الدین إلی اللّٰه أدومه" کے تحت تفصیلاً آچکے ہیں۔(۴)

(۴) عروۃ

حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بھی بدء الوحي کی دوسری حدیث کے ذیل میں اختصار کے ساتھ(۵) اور کتاب الإیمان، "باب أحب الدین إلی اللّٰه أدومه"

---

(۱) دیکھئے کشف الباري (ج۲ص۱۱۳)۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۸۰)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ص۲۹۱)۔

(٤) کشف الباري (ج۲ص٤۳۲)۔

(۵) کشف الباري (ج۱ص۲۹۱)۔

کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ گذر چکے ہیں۔(۱)

(۵) عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

فائدہ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث هشام بن عروہ کے طریق سے بہت مشہور ہے، حتی کہ ان سے ستر سے زیادہ افراد نے یہ حدیث سنی۔(۳) جبکہ اس حدیث میں عروہ سے روایت کرنے میں هشام کی موافقت ابوالاسود مدنی نے کی ہے، جن کی روایت کی تخریج صحیحین میں کی گئی ہے۔(۴) اسی طرح امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عروہ سے روایت کرکے هشام کی موافقت کی ہے اوران کی یہ روایت امام نسائی نے تخریج کی ہے(۵)، اسی طرح یحیی بن ابی کثیر نے بھی هشام کی موافقت کرتے ہوئے اس حدیث کو عروہ سے نقل کیا ہے، ان کی یہ روایت صحیح ابی عوانہ میں ہے۔(۶)

پھر اس روایت کو جس طرح حضرت عبداللہ بن عمرو سے عروہ نقل کرتے ہیں اسی طرح عمر بن

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص۴۳٦)۔

(۲) کشف الباري (ج۱ص٦٧٩)۔

(۳) فتح الباري (ج۱ص۱۹٥)۔

(٤) دیکھئے صحیح البخاري (ج۲ص۱۰۸٦)، کتاب الاعتصام، باب ما یذکر من ذم الرأي وتکلف القیاس، رقم (۷۳۰۷)، وصحیح مسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن في آخر الزمان، رقم (٦۷۹۹)۔

(٥) سنن النسائي الکبری (ج۳ص٤٥٦) کتاب العلم، باب کیف یرفع العلم؟، رقم (٥۹۰۸)۔

(٦) دیکھئے فتح الباري (ج۱ص۱۹٥)، وعمدة القاري (ج۲ص۱۲۰)۔

الحکم بن ثوبان بھی نقل کرتے ہیں، ان کی یہ روایت صحیح مسلم میں ہے۔(۱)

سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: إن اللّٰه لايقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من العباد، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ اللہ تعالیٰ علم کو یوں ہی بندوں کے سینوں سے چھین نہیں لیں گے، البتہ علماء کو اٹھا کر علم کو اٹھائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو حجۃ الوداع کے موقع پر فرمائی تھی، چنانچہ امام احمد اور امام طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت نقل کی ہے:

"عن أبي أمامة الباهلي قال: لما كان في حجة الوداع قام رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وهو يومئذ مردف الفضل بن عباس على جمل آدم، فقال: يا أيها الناس، خذوا من العلم قبل أن يقبض العلم، وقبل أن يرفع العلم ...... قال: فأتينا أعرابيا ...... قال: ثم قلنا له: سل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، قال: فقال له: يا نبي اللّٰه، كيف يرفع العلم منا وبين أظهرنا المصاحفُ، وقد تعلمنا ما فيها وعلّمناها نساء نا وذراريّنا وخدمَنا ؟! فرفع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم رأسه وقد علت وجهه حمرةٌ من الغضب، قال: فقال: أي، ثكلتك أمك، هذه اليهود والنصارى بين أظهرهم المصاحفُ لم يصبحوا يتعلقوا بحرف مما جاء تهم به أنبياؤهم، ألا، وإن ذهاب العلم أن يذهب حملته ثلاث مرار "۔ (اللفظ لأحمد) (۲)

یعنی "حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور

(۱) صحيح مسلم، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن في آخر الزمان، رقم (٦٧٩٨)۔

(۲) المسند لأحمد (ج۵ص۲٦٦)، مسند أبي أمامة الباهلي رضي اللّٰه عنه، وانظر مجمع الزوائد (ج۱ص۱۹۹و ۲۰۰)، حاشية كتاب العلم، باب ذهاب العلم۔

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گندمی رنگ کے اونٹ پر سوار ہو کر خطبہ دینے لگے، آپ کے پیچھے اس روز فضل بن عباس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! علم کو اٹھا لئے جانے سے پہلے اسے حاصل کرلو...... ہم ایک اعرابی کے پاس آئے ...... ہم نے اس سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو، اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! علم کو کیسے اٹھایا جائے گا، جبکہ ہمارے پاس قرآن کریم کے نسخے ہیں، قرآن کریم میں جو کچھ ہے ہم سیکھ چکے ہیں، اپنی عورتوں، بچوں اور خادموں کو بھی سکھا چکے ہیں؟! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا، آپ کے چہرۂ مبارک پر غصہ کی سرخی ظاہر ہونے لگی تھی، آپ نے فرمایا اے! تیری ماں تجھے گم کرے! یہ یہود و نصاری ہیں، ان کے پاس بھی کتاب ہے، ان کے انبیاء جو کچھ تعلیمات لے کر آئے تھے یہ یہود و نصاری کسی ایک حرف پر بھی عامل نہیں ہیں، سنو! علم کا اٹھ جانا حاملینِ علم کا اٹھ جانا ہے، یہ آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا"۔

رفع علم کی کیا صورت ہوگی؟

پھر رفع علم کی صورت حدیث باب میں جو بیان کی گئی ہے، وہ واضح ہے کہ علماء کو اٹھا لیا جائے گا اور ان کے اٹھائے جانے کے ساتھ ساتھ علم اٹھتا جائے گا۔

جبکہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کو اور قرآن کریم کو لوگوں کے سینوں سے ہی محو کردیا جائے گا۔ پیچھے "باب رفع العلم وظهور الجهل" کے تحت ہم ایسی روایات کو بھی تفصیلاً ذکر کرچکے ہیں۔

ان دونوں قسم کی احادیث کے درمیان تعارض کو دور کرنے کے لئے یا تو ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے اور کہا جائے کہ صحیحین کی روایت راجح ہے اور دیگر کتب کی روایات مرجوح۔ یا یوں کہا جائے کہ دونوں صورتیں ہوں گی، پہلے علماء کو اٹھایا جائے گا اور ان کے ساتھ ساتھ علم اٹھتا جائے گا اور پھر آخر میں ایک دم لوگوں کے سینوں سے بھی علم کو محو کردیا جائے گا۔ واللہ أعلم بالصواب۔

حتى إذا لم يُبْقِ عالِماً اتخذ الناس رؤوساً جهالاً، فأفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا

یہاں تک کہ جب اللہ تعالی کسی عالم کو باقی نہیں رکھیں گے تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، سو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

"لم يُبْقِ عالماً" إبقاء سے ہے، اصیلی کے سوا باقی دوسرے نسخوں میں یہاں "لم يبق عالم" مجرد سے وارد ہے۔

اسی طرح یہاں "رؤوساً" (رأس کی جمع) مروی ہے، جبکہ ابوذر کے نسخہ میں "رؤساء" (رئیس کی جمع) منقول ہے۔(۱)

قَالَ الْفِرَبْرِيُّ : حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ قَالَ : حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ . [٦٨٧٧]

فربری کہتے ہیں کہ ہمیں عباس نے حدیث سنائی، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں ہمیں جریر نے حدیث سنائی، وہ ھشام سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔

یہ علامہ فربری راوی صحیح بخاری کا اضافہ ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ حدیث مجھے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ عباس سے بھی ملی ہے، وہ قتیبہ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، وہ جریر سے اور جریر ھشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں۔

تراجم رجال

(۱) فربری

یہ راوی صحیح بخاری محمد بن یوسف بن مطر الفربری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات مقدمۃ الکتاب میں گزر چکے ہیں۔

---

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۱۹۵)۔

(۲) عباس

عباس سے مراد کون ہیں؟

عمدۃ القاری میں ''عباس'' کے ترجمہ میں بیاض ہے، ناشرین نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نقل کر دی، جو انہوں نے تقریب التہذیب میں لکھی ہے۔(۱)

اس عبارت کی رُو سے یہ ''عباس بن الفضل بن زکریا ھروی بصری ہیں، ثقہ اور مشہور رواۃ میں سے ہیں، بارھویں طبقہ یا اُس کے بعد کے طبقہ سے ان کا تعلق ہے، صاحب "الكمال في أسماء الرجال" کو وہم ہوا ہے کہ انہوں نے یہ لکھ دیا کہ ابن ماجہ نے ان سے روایت لی ہے، اس لئے کہ ان کی ولادت ہی ابن ماجہ کے انتقال کے بعد ہوئی ہے''۔(۲) ابن ماجہ کا انتقال ۲۷۳ھ میں ہوا(۳)، جبکہ عباس بن الفضل کی ولادت اس کے بعد ہوئی اور وفات ۳۷۲ھ میں ہوئی ہے۔(۴)

لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ آیا یہی عباس یہاں مراد ہیں؟!

بظاہر یہاں فربری کے شیخ عباس بن الفضل نہیں ہیں کیونکہ فربری ان سے عمر میں بڑے ہیں، کیونکہ فربری کی ولادت ۲۳۱ھ میں ہوئی اور وفات ۳۲۰ھ میں (۵)، جبکہ عباس بن الفضل ابن ماجہ کی وفات یعنی ۲۷۳ھ کے بعد پیدا ہونے اور ان کا انتقال ۳۷۲ھ میں ہوا، گویا عباس فربری سے چالیس سال بلکہ اس سے بھی زیادہ چھوٹے ہیں، اگرچہ روایۃ الأکابر عن الأصاغر ناممکن نہیں ہے، لیکن یہاں اس کی کوئی صراحت یا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں عباس کے استاذ قتیبہ ہیں، قتیبہ کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوگئی تھی،(۶)

---

(۱) دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۳۲)۔

(۲) دیکھئے تقریب التہذیب (ص ۲۹٤) رقم (۳۱۸٤)۔

(۳) تقریب التہذیب (ص ۵۱٤) رقم (٦٤۰۹)۔

(٤) تقریب (ص ۲۹٤) رقم (۳۱۸٤)۔

(۵) الأنساب للسمعانی (ج ٤ ص ۳۵۹) الفربری۔

(٦) دیکھئے تقریب التہذیب (ص ٤۵٤) رقم (۵۵۲۲)۔

جبکہ عباس کی ولادت ہی ۲۷۳ھ کے بعد ہے، لہذا یہاں "عباس" سے عباس بن الفضل بن زکریا مرادنہیں ہیں۔

راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عباس سے عباس بن عبدالعظیم عنبری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، جو اصحاب اصول ستہ کے استاذ ہیں(۱)، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی روایت تعلیقاً نقل کی ہے(۲)، یہ قتیبہ کے شاگردوں میں سے ہیں(۳) اوران کی تاریخ وفات راجح قول کے مطابق ۲۴۶ھ ہے۔(۴) واللّٰہ أعلم بالصواب.

(۳) قتیبہ

یہ امام قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب إفشاء السلام من الإسلام" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۵)

(۴) جریر

یہ جریر بن عبدالحمید ضبّی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة" کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۵) ہشام

ہشام بن عروۃ بن الزبیر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث اور کتاب الإیمان، "باب أحب الدين إلى الله أدومه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۶)

امام قتیبہ کی یہ روایت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔(۷)

---

(۱) دیکھئے الكاشف (ج۱ص۵۳۵)، رقم (۲۶۰۱)۔

(۲) انظر صحيح البخاري (ج۲ص۹٤۹) فاتحة كتاب الرقاق، باب ما جاء في الرقاق وأن لا عيش إلا عيش الآخرة، رقم (٦٤١٢)۔

(۳) دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲۳ص۵۲۷)، ترجمة قتيبة بن سعيد، رقم (٤٨٥٢)۔

(٤) دیکھئے تهذيب الكمال (ج١٤ص٢٢٥) ترجمة عباس بن عبد العظيم العنبري رقم (٣١٢٨)۔

(۵) دیکھئے کشف الباری (ج۲ص۱۸۹)۔

(٦) كشف الباري (ج١ص٢٩١) و(ج٢ص٤٣٢)۔

(٧) صحيح مسلم، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه، رقم (٦٧٩٦)۔

۳۵ - باب : هَلْ يُجْعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمٌ عَلَى حِدَةٍ فِي الْعِلْمِ .

کریمہ اور اصیلی کے نسخوں میں "یجعل" کا صیغہ مجہول ہے اور "یوم" مرفوع نائب فاعل ہے۔ جبکہ باقی نسخوں میں "یجعل" معروف کا صیغہ ہے، اس کا فاعل "الإمام" ہے اور "یوماً" منصوب ہے۔ (۱)

"علی حدةٍ" أي علی انفراد۔

حِدَة: حاء کے کسرہ اور دال مفتوحہ مخفف کے ساتھ ہے، اصل میں "وحد" تھا، جس طرح "وعد" سے "عدة" بنا، اسی طرح "وحد" سے "حِدَة" بن گیا۔ (۲)

باب سابق سے ربط ومناسبت

گذشتہ باب میں قبض علم کی کیفیت کا بیان تھا اور اس کا فائدہ یہ تھا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو علم کے حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی تھی، اس باب کے فوائد میں سے بھی یہ بات ہے کہ اس میں حفظ علم کی ترغیب ہے کیونکہ عورتوں نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ مرد آپ کو ہر وقت گھیرے رہتے ہیں، ان کو ہم وقت استفادے کا موقع ملتا ہے، ہمارے لئے آپ کوئی دن مخصوص فرمادیں، آپ نے وعدہ فرمایا اور اس مخصوص دن میں آپ تشریف لائے اور انہیں نصیحت فرمائی۔ (۳)

مقصد ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد مذکورہ ترجمہ سے یہ ہے کہ جو

---

(۱) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ص۱۳۲) وفتح الباري (ج۱ص۱۹۶)۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) عمدة القاري (ج۲ص۱۳۲)۔

اشخاص مجالس عامہ علمیہ کی شرکت سے معذور ہوں، جیسے نساء، ان کی تعلیم وتبلیغ کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے، ان کی حالت کے مناسب خاص اوقات میں علمی باتیں ان کو پہنچائی جائیں، تعمیم تعلیم چونکہ ضروری امر ہے، عام وخاص، خواندہ وناخواندہ، مرد وعورت سبھی کو حصہ پہنچانا چاہئے۔ (۱) واللہ أعلم۔

دوسرے لفظوں میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ آیا عورتوں کے واسطے مستقل دن مقرر کیا جاسکتا ہے؟ حدیث باب کے ذریعہ ثابت ہوگیا کہ یہ جائز ہے۔

"ھل" کے ساتھ
''ترجمہ'' منعقد کرنے کی وجہ

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب روایت سے عورتوں کی مخصوص مجلس جائز ہے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "ھل" کے ذریعہ کیوں باب منعقد کیا، جو تردد پر دال ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل حدیث باب کا یہ واقعہ ایک جزئی واقعہ ہے، ہوسکتا ہے یہ کہا جائے کہ یہ واقعہ تو ایک وقت کی بات تھی، اس سے کوئی عمومی قاعدہ اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "ھل" کے ساتھ باب قائم فرمایا ہے۔ (۲)

یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "ھل" کا لفظ ذکر کرکے تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر واقعۃً عورتوں کے لئے مستقل دن مقرر کرنے کی ضرورت ہو اور مقرر کرنے میں کسی فتنہ کا خوف نہ ہو تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں اور اگر ضرورت نہیں ہے یا فتنے کا خطرہ ہے تو احتراز کرنا چاہئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے ان کی درخواست پر بضرورت ایک دن مقرر فرمادیا تھا، یہ کوئی دائمی چیز نہیں تھی، پھر آپ کے حق میں کسی طرح کا خطرہ دور دور کا بھی نہیں تھا۔ واللہ سبحانہ وتعالی أعلم۔

---

(۱) الأبواب والتراجم (ص ٥٤)۔

(۲) دیکھئے تکملۃ المنذری (ج ۲ ص ۳۳۵)۔

١٠٢/١٠١ : حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ : حَدَّثَنِي ٱبْنُ ٱلْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ ذَكْوَانَ : يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ٱلْخُدْرِيِّ[١] : قَالَتِ ٱلنِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ ﷺ : غَلَبَنَا عَلَيْكَ ٱلرِّجَالُ . فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ . فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ . فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ . فَكَانَ فِيمَا قَالَ لَهُنَّ : (مَا مِنْكُنَّ ٱمْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَلَدِهَا . إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ ٱلنَّارِ) . فَقَالَتِ ٱمْرَأَةٌ : وَٱثْنَيْنِ ؟ فَقَالَ : (وَٱثْنَيْنِ) .

تراجم رجال

(۱) آدم

یہ ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمن العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۲) شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ کتاب؛ باب کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

(۳) ابن الأصبہانی

یہ عبدالرحمن بن عبداللہ بن الأصبہانی کوفی جُہنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی اقامت کوفہ میں تھی اور اصبہان

---

(١) قوله: "عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه" الحديث، أخرجه البخاري في صحيحه (ج١ص١٦٧) كتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب، رقم (١٢٤٩)، و(١٢٥٠)، و(ج٢ص١٠٨٧) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب تعليم النبي صلى الله عليه وسلم أمته من الرجال والنساء مما علمه الله ليس برأي ولا تمثيل، رقم (٧٣١٠)۔ ومسلم في صحيحه، في كتاب البر والصلة، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، رقم (٦٦٩٩)۔

(٢) كشف الباري (ج١ص٦٧٨)۔

(٣) حوالہ بالا۔

تجارت کی غرض سے آنا جانا ہوتا تھا۔(۱)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ اصلاً اصبہان ہی کے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب اسے فتح کیا اس وقت وہ لوگ وہاں سے نکلے تھے۔(۲)

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ ذکوان ابوصالح السمان، زید بن وھب جُہنی، سعید بن جُبیر، ابوحازم سلمان الأشجعی، عامر شعبی، عبداللہ بن معقل، عکرمہ مولی ابن عباس اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں اسماعیل بن ابی خالد، زکریا بن ابی زائدہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شعبۃ بن الحجاج، ابوعوانہ اور ابوحمزہ سُکّری رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔(۳)

امام یحیی بن معین، ابوزرعہ اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۴)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لابأس به، صالح الحدیث"۔(۵)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۶)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثبت"۔(۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۸)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۱۷ص۲۴۲)۔

(۲) عمدة القاري (ج۲ص۱۳۳)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۱۷ص۲۴۲، ۲۴۳)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج۱۷ص۲۴۳)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) تهذيب التهذيب (ج۶ص۲۱۷)۔

(۷) الكاشف (ج۱ص۶۳۴)، رقم (۳۲۴۶)۔

(۸) تقريب التهذيب (ص۳۴۵)، رقم (۳۹۲۶)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ”کتاب الثقات“ میں ذکر کیا ہے۔(۱)

اصحاب اصولِ ستہ نے ان سے روایتیں لی ہیں۔(۲)

رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً۔

(۴) ابوصالح ذکوان

یہ ابوصالح ذکوان السمان رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب من الدین الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

قالت النساء للنبي صلى الله عليه وسلم: غلبَنا عليك الرجالُ، فاجعل لنا يوماً من نفسك، فوعدهن يوماً لقيهن فيه، فوعظهن وأمرهن

عورتوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مرد حضرات آپ کے پاس آنے میں ہم پر غالب ہیں، سو آپ اپنی طرف سے ہمارے لئے ایک دن مقرر کردیجئے، آپ نے ان کے ساتھ ایک دن ملنے کا وعدہ فرمالیا، اس دن آپ نے ان کو نصیحت فرمائی اور شریعت کے حکم بتلائے۔

مطلب یہ ہے کہ مرد تو ہر وقت آپ کے پاس رہتے ہیں، جبکہ ہم پہنچ نہیں پاتے، لہذا اپنی طرف سے ہمارے لئے مستقل دن مقرر کردیجئے۔

(۱) الثقات لابن حبان (ج۷ص۶۷)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۱۷ص۲٤۳)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ص٦٥٨)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ص۸۲)۔

فكان فيما قال لهن: ما منكن امرأة تقدم ثلاثة من ولدها إلا كان لها حجاباً من النار

آپ نے ان سے جو باتیں ارشاد فرمائیں ان میں یہ بات تھی کہ تم میں سے کوئی بھی عورت تین بچوں کو آگے بھیجے تو وہ اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گے۔

"كان لها حجابا من النار" میں "کان" کا اسم "التقديم" ہے، یعنی "إلا كان التقديم لها حجابا من النار" آگے "جنائز" میں یہ روایت آرہی ہے، اس میں "کنّ" کا لفظ ہے، جس کی ضمیر "أنفس" کی طرف لوٹے گی، جبکہ کتاب الاعتصام میں "کانوا" ہے، ضمیر جمع "أولاد" کی طرف راجع ہوگی۔(۱)

فقالت امرأة: واثنين؟ فقال: واثنين

ایک عورت نے کہا کہ اور کوئی دو بچے آگے بھیجے تو اسے بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی؟ آپ نے فرمایا ہاں! دو پر بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

یہاں "امرأة" سے مراد کون ہے؟

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ام سلیم ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے یہ ام مبشر انصاریہ ہیں، بعض روایات میں سائلہ کا نام ام ایمن ہے، بعض میں حضرت عائشہ کا نام آتا ہے اور بعض روایات میں ام ھانی کا نام آیا ہے۔(۲)

"واثنين" میں واو عطف کے لئے ہے اور یہ عطف تلقینی ہے، گویا اُس عورت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کی کہ یا رسول اللہ! "ثلاثة" کے ساتھ "واثنين" بھی فرما دیجئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "واثنين"۔ (۳)

---

(۱) دیکھئے فتح الباري (ج ۱ ص ۱۹۶)، وعمدة القاري (ج ۲ ص ۱۳٤)۔

(۲) دیکھئے فتح الباري (ج ۳ ص ۱۲۱ و ۱۲۲) كتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب۔

(۳) دیکھئے عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۳٤)، وشرح الكرماني (ج ۲ ص ۹۹)۔

جامع ترمذی کی بعض روایات میں ایک کا بھی ذکر وارد ہے۔(۱)

گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تین کا ذکر کیا، پھر دو کا، پھر ایک کا، اس میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ مفہومِ عدد حدیث میں معتبر نہیں، ایک عدد کے ذکر کرنے سے دوسرے عدد کی نفی لازم نہیں آتی۔(۲)

دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوماً فیوماً علمِ مزید عطا ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ کا آپ پر مسلسل احسان بڑھتا جاتا تھا۔ لہذا بہت ممکن ہے کہ پہلے تو یہ بشارت دی گئی ہو کہ تین بچوں کے مرجانے پر صبر کرنا حجاب من النار کا سبب ہے اور یہ بچے حجاب من النار بن جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے مزید انعام فرمایا، ایک عدد کم کردیا، دو کو کافی قرار دے دیا، پھر مزید انعام فرمایا اور ایک ہی کو کافی قرار دے دیا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تین کو ذکر کیا، عورت کے کہنے پر آپ پر وحی ہوئی، آپ کو دو کے متعلق علم ہوا اور پھر کسی وقت ایک کے متعلق علم ہوگیا، تو جس جس وقت وحی کے ذریعہ جو معلوم ہوا آپ نے وہ بیان فرمادیا۔(۳) لہذا اس میں کوئی تعارض نہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اختلاف مختلف عورتوں کے اعتبار سے ہو، اصل میں احتجاب من النار کے لئے صبر کا ایک مخصوص مرتبہ شرط ہے، اس کی ایک خاص مقدار ضروری ہے، اب بعض عورتیں تو ایسی ہیں کہ ان کے ایک بچے ہی پر ان کو وہ مقدار حاصل ہوجاتی ہے، ایسا غم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور بعض عورتوں کے لئے دو پر صبر کرنا اس مقدار تک پہنچاتا ہے اور بعض کے لئے تین پر صبر کرنا۔ والعلم عند اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

---

(۱) عن عبداللہ بن مسعود قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "من قدم ثلاثة لم یبلغوا الحنث كانوا له حصناً حصيناً من النار۔ قال أبوذر: قدمت اثنين؟، قال: واثنين، فقال أبي بن كعب سيد القراء: قدمت واحداً؟ قال: وواحداً، ولكن إنما ذاك عند الصدمة الأولى"۔

عن ابن عباس أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من كان له فرطان من أمتي أدخله اللہ بهما الجنة، فقالت له عائشة: فمن كان له فرط من أمتك؟ قال: ومن كان له فرط يا موفقة، فقالت: فمن لم يكن له فرط من أمتك؟ قال: فأنا فرط أمتي لن يصابوا بمثلي"۔ جامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما جاء في ثواب من قدم ولداً، رقم (۱۰۶۱) و (۱۰۶۲)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج۳ص۱۲۲) كتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب۔

(۳) حوالہ بالا۔

فائدہ

واضح رہے کہ فوت ہوجانے والے بچوں کے ساتھ مؤنث یا مذکر ہونے کی قید ملحوظ نہیں ہے، بلکہ یہ فضیلت ہر بچہ پر حاصل ہوگی، خواہ مذکر ہو یا مؤنث ہو۔ (۱)

پھر حدیث باب میں اگرچہ عورتوں سے خطاب کرکے یہ فضیلت بیان کی گئی ہے، لیکن یہ صرف ان کے ساتھ مختص نہیں بلکہ مردوں کو بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی، کیونکہ کتاب الجنائز میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے "ما من الناس من مسلم يتوفى له ثلاث لم يبلغوا الحنث إلا أدخله الله الجنة بفضل رحمته إياهم"۔ (۲) یعنی "جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہوجائیں تو اسے اللہ تعالیٰ ان بچوں پر رحم فرماتے ہوئے جنت میں داخل کریں گے"۔

حجاب بننے کے لئے ایک شرط عدم بلوغ ہے

اس کے بعد سمجھئے کہ دوزخ کی آگ سے حجاب بننے کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں:

ایک شرط اگلی روایت میں مذکور ہے "لم يبلغوا الحنث" حنث کے زمانہ کو نہ پہنچے ہوں، حنث سے مراد بلوغ ہے، اصل میں حنث کے معنی "گناہ" کے ہیں اور بلوغ سے پہلے گناہ نہیں لکھا جاتا، تو گویا بلوغ کا زمانہ گناہ کا ہوا، اس لئے گناہ بول کر بلوغ مراد لیا جاتا ہے۔ (۳)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ "بلوغ حنث" سے مراد یہ ہے کہ ایسے زمانے کو پہنچ جائے کہ جس میں قسم توڑنے اور حانث ہونے پر مواخذہ ہو، ظاہر ہے کہ ایسا بلوغ کے بعد ہوتا ہے۔ (۴)

لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں حنث کے معنی "گناہ" ہی کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ

---

(۱) شرح کرمانی (ج۲ص۹۹)۔

(۲) صحيح البخاري (ج۱ص۱٦۷) كتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب، رقم (۱۲٤۸)۔

(۳) قال ابن الأثير: "الحنث: الذنب والإثم، المعنى: أنهم لم يبلغوا حتى تكتب عليهم الذنوب التي يعملونها"۔ جامع الأصول (ج۹ص۵۸۹) كتاب الفضائل، فضل المرض والنوائب والموت، الفصل الثاني في موت الأولاد، رقم الحديث (۷۳۵۹)۔

(٤) فتح الباری (ج۳ص۱۲۰) كتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب۔

جس نے کوئی گناہ نہیں کیا اگر وہ مرجائے، اس کے مرنے پر والدین صبر کریں تو ان کو اجر وثواب ملے گا، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ اکملی ہے، چونکہ چھوٹے بچوں کی موت زیادہ صبر کی متقاضی ہے اور ان کی شفاعت کی بھی زیادہ امید ہے، اس لئے یہ قید لگائی گئی ہے، ورنہ بڑوں کے انتقال پر بھی یہ فضیلت حاصل ہوگی، چنانچہ جس طرح چھوٹے بچوں پر صبر کرنا جنت تک پہنچانے والا اور نار سے حجاب ہے، ایسے ہی بڑے بچوں پر صبر کرنا بھی حاجب ہوگا۔ (۱)

لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ قید اکملی نہیں بلکہ احترازی ہے، کیونکہ حاجب تو وہ بن سکتا ہے جو اپنے بارے میں مطمئن ہو اور بالغ کو تو اپنی فکر ہوتی ہے، وہ دوسروں کے لئے کیا حاجب ہوگا؟!

تنبیہ

ابن قرقول نے علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ لفظ "خبث" بفتح الخاء المعجمة والباء الموحدة بھی پڑھا گیا ہے، اس کا مطلب انہوں نے "لم يبلغوا أن يعملوا المعاصي" بتایا ہے، ابن قرقول کہتے ہیں کہ یہ ضبط داودی کے سوا اور کسی نے ذکر نہیں کیا، بہر حال محفوظ "حنث" (بالحاء المهملة والنون) ہے نہ کہ "خبث"۔ (۲) واللّٰہ أعلم۔

حجاب بننے کی دوسری شرط احتساب ہے

حجاب بننے کے لئے دوسری شرط جو یہاں مذکور نہیں وہ احتساب ہے، یہ شرط دوسری حدیثوں میں وارد ہے کہ وہ احتساب کرے، یعنی راضی بالقضاء ہو اور اپنے صبر پر ثواب کی امید رکھے، بغیر احتساب کے اجر وثواب نہیں ملا کرتے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول:

(۱) دیکھئے مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح (ج ۴ ص ۹۲) كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، آخر الفصل الأول۔

(۲) فتح الباري (ج ۳ ص ۱۲۰) كتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب۔

من مات له ثلاثة من الولد، فاحتسبهم دخل الجنة..."۔(۱) یعنی "جس کے تین بچے فوت ہوجائیں اور وہ ثواب کی امید رکھے تو وہ جنت میں داخل ہوگا"۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لنسوة من الأنصار: لایموت لإحداکن ثلاثة من الولد فتحتسبه إلا دخلت الجنة..."۔(۲)

یعنی "آپ نے انصار کی عورتوں سے فرمایا کہ تم میں کسی کے اگر تین بچے فوت ہوجائیں اور وہ اس پر ثواب کی امید رکھے تو جنت میں داخل ہوگی"۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احتساب کی شرط یوں بھی ضروری ہے کیونکہ شریعت کا یہ عام قاعدہ ہے کہ بغیر نیت کے ثواب نہیں ملتا، لہذا احادیث میں وارد فضیلت حاصل ہونے کے لئے "احتساب" کی شرط ہے، چنانچہ وہ احادیث جن میں یہ شرط مذکور نہیں ان کو بھی مقید احادیث پر محمول کیا جائے گا۔(۳) واللہ أعلم

(۱۰۲) : حدَّثنا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ : حَدَّثنا غُنْدَرٌ قَالَ : حَدَّثنا شُعْبَةُ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ ، عَنْ ذَكْوَانَ ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهٰذَا (٤)

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : (ثَلَاثَةً لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ) . [١١٩٢ ، ٦٨٨٠ وانظر : ١١٩٣]

---

(۱) رواه أحمد ورجاله ثقات، قاله الهيثمي في مجمع الزوائد (ج۳ص۷) كتاب الجنائز، باب فيمن مات له ثلاث۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، رقم (٦٦٩٨)۔

(۳) "وقد عرف من القواعد الشرعية أن الثواب لا يترتب إلا على النية، فلا بد من قيد الاحتساب، والأحاديث المطلقة محمولة على المقيدة"۔ فتح الباري (ج۳ص۱۱۹) كتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب۔

(٤) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري في صحيحه (ج۱ص۱٦۷) كتاب الجنائز، باب فضل من مات له ولد فاحتسب، رقم (١٢٥٠) و(١٢٥١)، و(ج۲ص۹۸٥) كتاب الأيمان والنذور، باب قول الله تعالى: ﴿وأقسموا بالله جهد أيمانهم﴾، رقم (٦٦٥٦)۔ ومسلم في صحيحه، في كتاب البر والصلة، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، رقم (٦٦٩٦-٦٦٩٨)، و(٦٧٠٠)۔ والنسائي في سننه، في كتاب الجنائز، باب من يتوفى له ثلاثة، رقم (١٨٧٦) و(١٨٧٧)۔ والترمذي في جامعه، في أبواب الجنائز، باب ما جاء في ثواب من قدم ولدا، رقم (١٠٦٠)، وابن ماجه في سننه، في كتاب الجنائز، باب ما جاء في ثواب من أصيب بولده، رقم (١٦٠٣)۔

تراجم رجال

(۱) محمد بن بشار

یہ مشہور محدث محمد بن بشار بندار رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم ہی میں "باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) غندر

یہ مشہور محدث ابوعبداللہ محمد بن جعفر ہذلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو غندر کے لقب سے معروف ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۳) شعبہ

امام شعبۃ بن الحجاج کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۴) عبدالرحمٰن بن الأصبهانی

ان کے حالات پچھلی حدیث کے ذیل میں آ چکے ہیں۔

(۵) ذکوان

ابوصالح ذکوان السمان کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

---

(۱) کشف الباری (ج۳ص۲۲۱)۔

(۲) کشف الباری (ج۲ص۲۵۰)۔

(۳) کشف الباری (ج۱ص۶۷۸)۔

(۴) کشف الباری (ج۱ص۶۵۸)۔

(۶) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب من الدین الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۷) ابو حازم

یہ سلمان الأشجعی الکوفی مولی عزۃ الأشجعیۃ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

یہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت سعید بن العاص، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابو مالک سعد بن طارق اشجعی، سلیمان الأعمش، سیار ابوالحکم، طلحہ بن مصرف، عبدالرحمن بن الأصبہانی، عدی بن ثابت الأنصاری، منصور بن المعتمر اور یزید بن کیسان رحمہم اللہ تعالی وغیرہ ہیں۔(۳)

امام احمد، امام یحیی بن معین اور امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۴)

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وکان ثقة وله أحاديث صالحة"۔(۵)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۶)

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أجمعوا على أنه ثقة"۔(۷)

---

(۱) کشف الباری (ج۲ ص۸۲)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج۱۱ ص۲۵۹)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۱۱ ص۲۵۹، ۲۶۰)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج۱۱ ص۲۶۰)۔

(۵) الطبقات لابن سعد (ج۶ ص۲۹۶)۔

(۶) تہذیب التہذیب (ج۴ ص۱۴۰)۔

(۷) حوالہ بالا۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۱)

ابو حازم کا انتقال حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ خلافت میں ہوا۔(۲)

فائدہ

ابو حازم کنیت کے ایک اور راوی سلمۃ بن دینار الأعرج ہیں، ان دونوں راویوں میں اشتباہ ہو جاتا ہے، کیونکہ کنیتوں میں اشتراک ہے، دونوں تابعی ہیں، دونوں صحابۂ کرام سے روایت کرتے ہیں اور دونوں ہی ثقہ ہیں۔

البتہ ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ ابو حازم سلمان الأشجعی کا انتقال پہلی صدی ہجری کے اختتام پر، یعنی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ خلافت میں ہوا، جبکہ ابو حازم سلمۃ بن دینار کا انتقال ۱۳۹ھ میں ہوا۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ ابو حازم سلمان الأشجعی کی روایتیں صحیحین میں صرف حضرت ابو ہریرہ سے ہیں، جب کہ ابو حازم سلمۃ بن دینار نے سوائے سہل بن سعد کے کسی اور صحابی سے روایت نہیں لی۔(۳) واللہ أعلم

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

مذکورہ دونوں طرق کو ذکر کرنے کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مذکورہ دو طرق سے لاکر دو اہم فائدوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ایک یہ کہ باب کی پہلی حدیث میں "ابن الأصبهاني" مبہم تھا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ شیخ کی

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج۵ص۸)۔

(۳) دیکھئے هدی الساری (ج۲ص۱۳۵)۔

(٤) کشف الباری (ج۱ص٦٥٩)۔

حفاظت کی غرض سے اسی طرح برقرار رکھا تھا، اس دوسرے طریق میں "ابن الأصبهاني" کے نام کی تصریح آگئی کہ وہ "عبدالرحمن" ہیں۔

دوسرا فائدہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں "لم يبلغوا الحنث" کی قید کا ہے، جو پہلی روایت میں نہیں ہے۔(۱)

تنبیہ

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وهذا تعليق من البخاري عن عبد الرحمن" یعنی "امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں "وعن عبدالرحمن بن الأصبهاني قال: سمعت أبا حازم عن أبي هريرة" کی سند سے جو روایت نقل کی ہے وہ تعلیق ہے"۔(۲)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات درست نہیں، بلکہ یہ موصول روایت ہے اور "وعن عبد الرحمن" کا عطف اس سے پہلے جو روایت آئی ہے اس میں "عن عبدالرحمن" پر ہے، یعنی امام شعبہ اس کو عبدالرحمن بن الاصبہانی کے واسطے سے دو طریق سے نقل کرتے ہیں، ایک طریق "شعبة عن عبدالرحمن بن الأصبهاني عن ذكوان عن أبي سعيد الخدري" ہے اور دوسرا طریق "شعبة عن عبدالرحمن بن الأصبهاني قال: سمعت أبا حازم عن أبي هريرة" ہے۔(۳) مسلم شریف میں یہ روایت "محمد بن بشار عن غندر" کے طریق سے موصولاً مروی ہے۔(۴)

پھر امام بخاری ان حدیثوں کو دو طرق سے نقل کرتے ہیں، ایک میں ان کے اور شعبہ کے درمیان ایک واسطہ ہے یعنی آدم بن ابی ایاس اور دوسرے طریق میں دو واسطے ہیں، ایک محمد بن بشار بندار اور دوسرے محمد بن جعفر غندر۔ پہلا طریق چونکہ عالی ہے اس لئے اسے پہلے لے کر آئے ہیں۔ واللہ أعلم۔

---

(۱) دیکھیے عمدۃ القاری (ج۲ص۱۳۵)، وفتح الباری (ج۱ص۱۹۶)۔

(۲) شرح الکرمانی (ج۲ص۹۸)۔

(۳) عمدۃ القاری (ج۲ص۱۳۵)، وفتح الباری (ج۱ص۱۹۶)۔

(۴) "حدثنا محمد بن المثنى وابن بشار قالا: حدثنا محمد بن جعفر ح وحدثنا عبيد الله بن معاذ حدثنا أبي قالا: حدثنا شعبة عن عبدالرحمن بن الأصبهاني في هذا الإسناد بمثل معناه... وحدثنيه ... عن شعبة عن عبدالرحمن بن الأصبهاني قال: سمعت أبا حازم يحدث عن أبي هريرة قال: ثلاثة لم يبلغوا الحنث" صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، رقم (٦٦٤٠)۔

۳۶ – باب : مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَرَاجَعَ حَتَّى يَعْرِفَهُ .

باب سابق کے ساتھ مناسبت

سابق باب میں عورتوں کے وعظ اور ان کی تعلیم کا ذکر تھا، چونکہ ان کی فہم میں قصور ہوتا ہے اس لئے مراجعت عالم کی ضرورت پڑسکتی ہے، اس باب میں عدم فہم کی وجہ سے مراجعت مذکور ہے، اس طرح دونوں ابواب کے درمیان مناسبت واضح ہوجاتی ہے۔(۱)

مقصد ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس باب کی غرض وہ ہے جو ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ نے "باب من أعاد الحديث ثلاثا" کی غرض کے طور پر بیان کی ہے کہ اگر طالب علم کی سمجھ میں استاذ کی تقریر نہ آئے اور طالب علم اعادہ کی درخواست کرے تو یہ کوئی بلادت اور حماقت نہیں ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض ان لوگوں کی تردید ہے جو اعادۂ حدیث کو ناپسند کرتے اور اس کو بلادت اور غباوت سمجھتے ہیں۔(۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے مصنف کی غرض سے جو مراجعت ہو اس کی فضیلت بیان کرنا منظور ہے، یا یہ مطلب ہے کہ مراجعت میں عالم کی سوء ادبی اور متعلم کی تحقیر نہیں، اس لئے نہ عالم کو تنگ دل ہونا چاہئے، نہ متعلم کے لئے حیا کرنا مناسب ہے۔ والله تعالى أعلم۔(۳)

---

(۱) عمدة القاری ج ۲ ص ۱۳۶۔

(۲) [illegible] (ج ۲ ص ۳۳۶)۔

(۳) الأبواب والتراجم (ص ۵۹)۔

لیکن ترجمۃ الباب کا واضح مقصد جو سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر طالب علم استاذ کی کوئی بات نہ سمجھ سکے، یا وہ سمجھ تو گیا لیکن اس پر اسے کوئی اشکال پیش آیا ہے تو اس بات کو سمجھنے اور اپنے اشکال کو رفع کرنے کی غرض سے مراجعت کر سکتا ہے، بلکہ مراجعت کرنی چاہئے، تاکہ آدمی اشکال میں پھنسا نہ رہے، دیکھئے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارشاد فرمایا "من حوسب عذب" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً سوال کیا "أولیس یقول اللہ تعالی: ﴿فسوف یحاسب حساباً یسیراً﴾؟" مطلب یہ ہے کہ یا رسول اللہ! آپ تو علی الاطلاق "من حوسب عذب" فرما رہے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سے حساب لیا جائے گا وہ معذّب ہوگا، حالانکہ قرآن پاک کی آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حساب یسیر والے مفلحین اور فائزین ہوں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ آیت میں حساب سے مراد اور ہے اور میرے کلام میں اور، آیت میں حساب سے مراد عرض یعنی پیشی ہے، اعمال نامہ کھول کر اوراق گردانی کردی جائے گی اور اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور میں نے جو "من حوسب عذب" کہا ہے یہاں "حساب" سے "مناقشہ" مراد ہے، یعنی ہر ہر بات کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ یہ کیوں ہوا؟ ایسا کیوں ہوا؟ واللہ أعلم

۱۰۳ : حدّثنا سعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَال : أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ قَالَ : حَدَّثَنِي ٱبْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ : أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ ٱلنَّبِيِّ ﷺ [1] : كَانَتْ لَا تَسْمَعُ شَيْئًا لَا تَعْرِفُهُ ، إِلَّا رَاجَعَتْ فِيهِ حَتَّى تَعْرِفَهُ ، وَأَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ قَالَ : (مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ) . قَالَتْ عَائِشَةُ : فَقُلْتُ : أَوَ لَيْسَ يَقُولُ ٱللّٰهُ تَعَالَى : «فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا» . قَالَتْ : فَقَالَ : (إِنَّمَا ذَٰلِكَ ٱلْعَرْضُ ، وَلٰكِنْ : مَنْ نُوقِشَ ٱلْحِسَابَ يَهْلِكْ) . [٤٦٥٥ ، ٦١٧١ ، ٦١٧٢]

(١) قوله: "عائشة رضي الله عنها": الحديث، أخرجه البخاري أيضا في (ج٢ص٧٣٦) كتاب التفسير، سورة إذا السماء انشقت، باب ﴿فسوف يحاسب حساباً يسيراً﴾، رقم (٤٩٣٩)، وفي (ج٢ص٩٦٧و٩٦٨) كتاب الرقاق، باب من نوقش الحساب عذب، رقم (٦٥٣٦)، و(٦٥٣٧)، ومسلم في صحيحه في كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب إثبات الحساب، في أبواب صفة القيامة، باب منه (من نوقش هلك)، رقم (٢٤٢٦)۔

تراجمِ رجال

(۱) سعید بن ابی مریم

یہ سعید بن الحکم بن محمد بن سالم جمحی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، کنیت ابومحمد ہے اور سعید بن ابی مریم کے نام سے معروف ہیں۔(۱)

یہ عبداللہ بن عمر عمری، اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ، سلیمان بن بلال، ابراہیم بن سوید، امام مالک، لیث بن سعد، عبدالعزیز بن محمد دراوردی، عبدالعزیز بن ابی حازم، ابوغسان محمد بن مطرِّف، مغیرہ بن عبدالرحمن حزامی اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، ابراہیم بن یعقوب جوزجانی، ابوحاتم، ابوعبید القاسم بن سلّام، عثمان بن سعید الدارمی، اسحاق بن منصور الکوسج، محمد بن یحییٰ ذہلی اور یحییٰ بن معین رحمہم اللہ وغیرہ حضرات ہیں۔(۲)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "سعيد بن عفير صالح وسعيد بن الحكم لابأس به، وهو أحب إليّ من ابن عفير"۔(۳)

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ابن أبي مريم عندي حجة"۔(۴)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۵)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۶)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۱۰ص۳۹۱)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۱۰ص۳۹۲-۳۹۴)، وتهذيب التهذيب (ج٤ص۱۷، ۱۸)۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج٤ص۱۸)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۱۰ص۳۹٤)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(٦) حوالۂ بالا۔

ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة من الثقات"۔(۱)

اصولِ ستہ کے مصنفین نے ان کی روایات قبول کی ہیں۔(۲)

۲۲۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۳)

رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

(۲) نافع بن عمر

یہ نافع بن عمر بن عبداللہ جُمحی قرشی مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

یہ عبداللہ بن ابی ملیکہ، امیہ بن صفوان جُمحی، بشر بن عاصم ثقفی، عبدالملک بن ابی محذورہ، عمرو بن دینار، سعید بن حسّان اور سعید بن ابی ہند رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ بن المبارک، یحیی القطان، ابواسامہ حماد بن اسامہ، عبدالرحمٰن ابن مہدی، امام وکیع، یزید بن ہارون، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، سعید بن ابی مریم، محمد بن یوسف فریابی اور ابوسلمہ تبوذکی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات ہیں۔(۵)

عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان من أثبت الناس"۔(۶)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثبت ثبت صحيح الحديث"۔(۷)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں "نافع بن عمر أحب إليّ من عبد الجبار بن الورد، وهو أصح حديثاً،

---

(۱) تهذيب التهذيب (ج٤ ص١٨)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج١٠ ص٣٩٥)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) تهذيب الكمال (ج٢٩ ص٢٨٧)۔

(٥) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج٢٩ ص٢٨٧و ٢٨٨)، وسير أعلام النبلاء (ج٧ ص٤٣٣)۔

(٦) تهذيب الكمال (ج٢٩ ص٢٨٩)۔

(٧) حوالۂ بالا۔

وهو في الثقات، ثقة"۔(۱)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۲)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۳)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "سئل أبي عنه، فقال: ثقة، وسألت أبي عنه: يحتج بحديثه؟ قال: نعم"۔ (۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کا تذکرہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں "الإمام الحافظ الثبت"۔ (۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الثقات میں ان کو ذکر کیا ہے۔(۶)

البتہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان ثقة قليل الحديث فيه شيء"۔ (۷)

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں "هذا نوع من التعنت، والرجل فكما قال الإمام أحمد، وكما قال ابن مهدي فيه: كان من أثبت الناس، وقال ابن معين والنسائي وأبو حاتم: ثقة"۔ (۸)

یعنی ایسے ثقہ شخص کے بارے میں "فيه شيء" کہہ کر تضعیف کرنا ایک نوع کا تشدد ہے جبکہ ان کی توثیق تمام ائمہ نے کی ہے۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ابن سعد کے کلام کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں "احتج به الأئمة، وقد قدمنا أن تضعيف ابن سعد فيه نظر؛ لاعتماده على الواقدي"۔ (۹)

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(۴) حوالۂ بالا، نیز دیکھئے الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم (ج۸ص۶۲)، رقم (۲۰۰۸/۱۵۳۹۵)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج۷ص۴۳۳)۔

(۶) الثقات لابن حبان (ج۷ص۵۳۳)۔

(۷) الطبقات لابن سعد (ج۵ص۴۹۴)۔

(۸) میزان الاعتدال (ج۴ص۲۴۱)، رقم (۸۹۹۴)۔

(۹) هدي الساري (ص۴۴۷)۔

یعنی "ان سے تمام ائمہ نے احتجاج کیا ہے، ہم بتا چکے ہیں کہ ابن سعد کی اس تضعیف میں نظر ہے، کیونکہ انہوں نے واقدی پر اعتماد کیا ہے"۔

لہذا ابن سعد کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں، نافع بن عمر ثقہ، ثبت اور حجت ہیں۔

نافع بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا۔(۱)

(۳) ابن ابی ملیکہ

یہ عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ تیمی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإيمان، "باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لايشعر" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۴) عائشہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۳)

أن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم كانت لاتسمع شيئا لا تعرفه إلا راجعت فيه حتى تعرفه

حضرت عائشہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ جب کبھی کوئی ایسی بات سنتیں جس کے بارے میں انہیں علم نہیں ہوتا تو اس کے بارے میں مراجعت فرماتی تھی، تا آنکہ اسے اچھی طرح جان لیتیں۔

وأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من حوسب عذب، قالت عائشة:

---

(۱) الكاشف (ج۲ص۳۱۵)، رقم (۵۷۸۵)۔

(۲) کشف الباری (ج۲ص۵۴۸)۔

(۳) کشف الباری (ج۱ص۲۹۱)۔

فقلت: أوليس يقول الله تعالى: ﴿فسوف يحاسب حساباً يسيراً﴾؟، قالت: فقال: إنما ذلك العرض، ولكن من نوقش الحساب يهلك۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا محاسبہ کیا جائے گا وہ معذّب ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتے کہ ''ان لوگوں کا آسان محاسبہ ہوگا؟'' حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ وہ تو محض پیشی ہے، البتہ جس سے حساب کتاب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ ایک دن یہ قصہ پیش آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "من حوسب عذب" فرمایا یعنی جس کا محاسبہ کیا جائے گا اس کو عذاب ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اشکال پیش آیا کہ ایک طرف تو آپ یہ فرمارہے ہیں کہ جس کا بھی حساب ہوگا وہ معذّب ہوگا، دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ان خوش نصیبوں کا تذکرہ کیا جن کو دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا، وہ کامیاب لوگ ہوں گے، ان کے بارے میں آیا ہے کہ ان کا بھی محاسبہ ہوگا، اگرچہ وہ آسان ہوگا ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيرًا ۝ وَّ يَنْقَلِبُ إِلَى أَهْلِهِ مَسْرُوْرًا﴾ (۱) گویا ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اشکال کا یہ جواب دیا کہ آیت میں ''حساب'' سے مراد عرض اور پیشی ہے اور میرے کلام میں حساب سے مراد مناقشہ ہے کہ ایسا کیوں کیا؟ یہ کیوں ہوا؟ ایسا کیوں نہیں کیا؟ وغیرہ۔

والله أعلم بالصواب

---

(۱) الانشقاق/۷۔۹۔

۳۷ – باب : لِيُبَلِّغِ ٱلْعِلْمَ ٱلشَّاهِدُ ٱلْغَائِبَ .

ماقبل کے باب کے ساتھ مناسبت

ماقبل کے باب میں یہ مذکور تھا کہ عالم سے جب کوئی بات سنے تو متعلم یا سامع مراجعت کرسکتا ہے، اس کے نتیجے میں عالم متعلم اور سامع کو سمجھائے گا اور یہ تبلیغ ہے، گویا کہ مراجعت کرنے والا غائب تھا، اس لئے سن نہیں سکا تھا اور اب مراجعت کرکے سن اور سیکھ رہا ہے، اس باب میں بھی حاضر کا غائب کو پہنچانا اور سکھانا ہے، اس طرح دونوں ابواب میں مناسبت ہوگئی۔(۱)

مقصدِ ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ حدیث پاک میں آتا ہے "بلغوا عني ولو آية" (۲) تو اس سے تبلیغ آیت قرآنی کی تخصیص معلوم ہوتی ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم فرما کر اشارہ فرمادیا کہ تبلیغ آیت قرآنی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ مقصود تبلیغ علم ہے، خواہ وہ آیت قرآنی ہو یا حدیث پاک ہو۔(۳)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں تبلیغِ علم کی صریح تاکید اور تعمیم ہے، جو مجلسِ علم میں حاضر ہو اس کو چاہئے کہ جو احکام سنے وہ غائبین کو سنادے، اہل علم پر تبلیغ بالاستقلال لازم ہے، جس میں

---

(۱) عمدة القاري (ج۲ص۱۳۸)۔

(۲) صحيح البخاري (ج۱ص۴۹۱) كتاب أحاديث الأنبياء، باب ما ذُكر عن بني إسرائيل، رقم (۳۴۶۱)۔

(۳) دیکھئے الكنز المتواري (ج۲ص۳۳۹)، وتقریر بخاری شریف (ج۱ص۱۹۵و۱۹۶)۔

سوال سائل یا کسی حاجت مند کے انتظار کی ضرورت نہیں اور قلیل یا کثیر جتنا معلوم ہو اُتنے ہی کی تبلیغ کا ذمہ دار ہے۔ (۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس باب سے یہ بھی ممکن ہے کہ اگر کسی مسئلے کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آنے اور حاضرین کو معلوم نہ ہو تو سوال کا انتظار نہ کرے، بلکہ مسئلہ بیان کردے، دیکھئے! حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا کہ عمرو بن سعید مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرنا اور لشکر کشی کرنا چاہتا ہے، اس نے حضرت ابوشریح سے کوئی سوال نہیں کیا تھا، چونکہ ان کو حدیث معلوم تھی اس لئے انہوں نے سوال کا انتظار کئے بغیر جاکر اُسے حدیث سنادی۔ واللہ اعلم

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

حضرت ابن عباس نے اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جو ترجمہ قائم فرمایا ہے وہ حدیثِ پاک ہے، اس کا حوالہ انہوں نے تعلیقاً "قاله ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم" کہہ کردیا ہے۔

خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو کتاب الحج میں موصولاً ذکر کیا ہے۔ (۲)

لیکن اس روایت کے کسی طریق میں "العلم" کا لفظ موجود نہیں ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ مقصود اور مراد یہی "علم" کی تبلیغ ہے، اس لئے یہ قید بڑھادی۔ (۳)

(۱) الأبواب والتراجم (ص٥٤ و٥٥)۔

(۲) دیکھئے صحیح البخاري (ج١ص٢٣٤) كتاب الحج، باب الخطبة أيام منى، رقم (١٧٣٩)۔

(۳) فتح الباري (ج١ص١٩٨)۔

١٠٤ : حَدَّثَنَا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ : حَدَّثَنِي ٱللَّيْثُ قَالَ : حَدَّثَنِي سَعِيدٌ ، عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ [١] : أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ – وَهُوَ يَبْعَثُ ٱلْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ – ٱئْذَنْ لِي أَيُّهَا ٱلْأَمِيرُ ، أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ ٱلنَّبِيُّ ﷺ ٱلْغَدَ مِنْ يَوْمِ ٱلْفَتْحِ ، سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي ، وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ : حَمِدَ ٱللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ : (إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا ٱللهُ ، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا ٱلنَّاسُ ، فَلَا يَحِلُّ لِٱمْرِئٍ يُؤْمِنُ بِٱللهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ فِيهَا دَمًا ، وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً ، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ فِيهَا ، فَقُولُوا : إِنَّ ٱللهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ ، وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ، ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا ٱلْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِٱلْأَمْسِ ، وَلْيُبَلِّغِ ٱلشَّاهِدُ ٱلْغَائِبَ) .

فَقِيلَ لِأَبِي شُرَيْحٍ : مَا قَالَ عَمْرٌو ؟ قَالَ : أَنَا أَعْلَمُ مِنْكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ ، لَا يُعِيذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ . [١٧٣٥ ، ٤٠٤٤]

تراجم رجال

(۱) عبداللہ بن یوسف [۲]

یہ مشہور امام و محدث ابو محمد عبداللہ بن یونس تنّیسی کلاعی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

یہ سعید بن عبدالعزیز، سعید بن بشیر، امام مالک، امام لیث بن سعد، صدقۃ بن خالد اور بکر بن مضر رحمہم اللہ

---

(١) قوله: "عن أبي شريح": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج١ص٢٤٧) في كتاب الحج (جزاء الصيد)، باب لا يعضد شجر الحرم، رقم (١٨٣٢)، وفي (ج٢ص٦١٥) كتاب المغازي، باب (بلا ترجمة، بعد باب منزل النبي صلى الله عليه وسلم يوم الفتح)، رقم (٤٢٩٥)۔ ومسلم في صحيحه في كتاب الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها وشجرها ولقطتها إلا لمنشد على الدوام، رقم (٣٣٠٤)۔ والنسائي في سننه، في كتاب المناسك، باب تحريم القتال فيه، رقم (٢٨٧٩)۔ والترمذي في جامعه، في فاتحة أبواب الحج، باب ما جاء في حرمة مكة، رقم (٨٠٩)، وفي كتاب الديات، باب ما جاء في حكم ولي القتيل في القصاص والعفو، رقم (١٤٠٦)۔

(۲) ان کے مختصر حالات کتاب بدء الوحی کی دوسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں، دیکھئے کشف الباری (ج۱ص۲۸۹)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج١٦ص٣٣٣)۔

تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام یحییٰ بن معین، امام محمد بن یحییٰ ذہلی، ابواسحاق جوزجانی، ربیع بن سلیمان مرادی رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے اجلۂ محدثین ہیں۔(۱)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان من أثبت الشاميين"۔(۳)

ابومسہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عبد الله بن يوسف الثقة المقنع"۔(۴)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مابقي على أديم الأرض أحد أوثق في الموطأ من عبد الله بن يوسف التنيسي"۔(۵)

یعنی "سطح زمین پر مؤطا کی روایت میں عبداللہ بن یوسف تنیسی (رحمۃ اللہ علیہ) سے بڑھ کر مضبوط کوئی باقی نہیں رہا"۔

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "هو أتقن من مروان الطاطري، وهو ثقة"۔(۶)

ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان ثقة حسن الحديث"۔(۷)

امام خلیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة متفق عليه"۔(۸)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة متقن من أثبت الناس في الموطأ"۔(۹)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۱۶ص۳۳۳و۳۳۴)، وسير أعلام النبلاء (ج۱۰ص۳۵۷و۳۵۸)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۱۶ص۳۳۵)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) تهذيب التهذيب (ج۶ص۸۷)۔

(۸) حوالۂ بالا۔

(۹) تقريب التهذيب (ص۳۳۰)، رقم (۳۷۲۱)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۱)

ان تمام توثیقات کے مقابلہ میں ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ ضعفاء کے لئے لکھی گئی مخصوص کتاب ''الکامل'' میں کیا ہے۔(۲) اس کی وجہ یہ ہے کہ یحیی بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں کہتے تھے "متی سمع من مالك؟ ومن رآه عند مالك؟"۔(۳)

لیکن خود ابن عدی نے یہ واقعہ نقل کیا تو ساتھ ہی محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کا یہ واقعہ بھی ذکر کیا کہ وہ ابومسہر سے ملے تو انہوں نے بتایا کہ عبداللہ بن یوسف نے مؤطا میرے ساتھ ۱۶۶ھ میں امام مالک سے سنی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کہتے ہیں کہ میں نے ابن بکیر سے یہ بات ذکر کی، اس کے بعد سے انہوں نے پھر کچھ نہیں کہا۔(۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أساء ابن عدي بذكره في الكامل"۔(۵)

نیز وہ فرماتے ہیں:

"ابن یوسف أثبت في الموطإ من ابن بكير وأوثق بكثير، وناهيك أن يحيى بن معين قال: مابقي على أديم الأرض أوثق من ابن يوسف في الموطإ"۔(۶)

یعنی ''ابن یوسف مؤطا میں ابن بکیر کے مقابلے میں اثبت اور بہت زیادہ ثقہ ہیں، یہی کافی ہے کہ ابن معین کہتے ہیں زمین کی سطح پر ابن یوسف سے بڑھ کر ثقہ مؤطا کے بارے میں کوئی باقی نہیں رہا''۔

خود ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(۱) الثقات لابن حبان (ج۸ص۳۴۹)۔

(۲) الکامل لابن عدي (ج۴ص۲۰۵)۔

(۳) حوالۂ بالا۔ نیز دیکھئے میزان الاعتدال (ج۲ص۵۲۸)، رقم (۴۷۱۲)۔

(۴) الکامل (ج۴ص۲۰۵)۔

(۵) میزان الاعتدال (ج۲ص۵۲۸)، رقم (۴۷۱۲)۔

(۶) حوالہ بالا۔

"وعبد الله بن يوسف، هو صدوق لابأس به، والبخاري مع شدة استقصائه اعتمد عليه في مالك وغيره، ومنه سمع الموطأ، وله أحاديث صالحة، وهو خير فاضل"۔ (۱)

یعنی "عبداللہ بن یوسف "صدوق لابأس به" ہیں، امام بخاری باوجود شدید استقصا کے امام مالک کی روایتوں میں ان پر اعتماد کرتے ہیں، ان ہی سے انہوں نے مؤطا کا سماع کیا، ان کی اچھی خاصی احادیث ہیں، وہ صاحبِ خیر اور فاضل ہیں"۔

عبداللہ بن یوسف تنیسی کا انتقال ۲۱۸ھ میں ہوا۔(۲) رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

(۲) الليث

یہ مشہور امام لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۳)

(۳) سعید

یہ ابوسعد سعید بن ابی سعید مقبری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإيمان، "باب الدين يسر" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

(۴) ابوشریح رضی اللہ عنہ

یہ حضرت ابوشریح خزاعی عدوی کعبی رضی اللہ عنہ ہیں۔(۵)

(۱) الكاشف (ج ٤ ص ٢٠٥)۔

(۲) الكاشف (ج ١ ص ٦١٠)، رقم (٣٠٦٩)۔

(۳) كشف الباري (ج ١ ص ٣٢٤)۔

(۴) كشف الباري (ج ٢ ص ٣٣٦)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج ٣٣ ص ٤٠٠)۔

ان کے نام کے بارے میں بڑا اختلاف ہے، خویلد بن عمرو، عبدالرحمٰن بن عمرو، عمرو بن خویلد وغیرہ کئی نام وارد ہیں، لیکن مشہور خویلد بن عمرو ہے۔(۱)

یہ فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے، فتح مکہ کے موقع پر بنی کعب کے تین پرچموں میں سے ایک پرچم ان کے ہاتھ میں تھا۔(۲)

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں ابوسعید مقبری، سعید بن ابی سعید مقبری، سفیان بن ابی العوجاء اور نافع بن جبیر بن مطعم رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔(۳)

امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان أبو شريح الخزاعي من عقلاء أهل المدينة ..."۔(۴)

حضرت ابوشریح سے تقریباً بیس حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے دو حدیثیں متفق علیہ ہیں، ایک حدیث میں امام بخاری متفرد ہیں۔(۵)

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ کا انتقال مدینہ منورہ میں ۶۸ھ میں ہوا۔(۶)

رضي الله تعالى عنه وأرضاه

أنه قال لعمرو بن سعيد - وهو يبعث البعوث إلى مكة -

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید سے فرمایا اس وقت جب وہ مکہ مکرمہ فوج بھیج رہا تھا۔

---

(۱) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۳۳ص۴۰۰)، والاستیعاب بہامش الإصابة (ج۱ص۴۴۱، ۴۴۲)، حرف الخاء، و(ج۴ص۱۰۱، ۱۰۲) کنی، والإصابة (ج۴ص۱۰۱، ۱۰۲)۔

(۲) دیکھئے طبقات ابن سعد (ج۴ص۲۹۵) والمراجع مذکورہ بالا۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۳۳ص۴۰۱)۔

(۴) الاستیعاب بہامش الإصابة (ج۴ص۱۰۲)۔

(۵) دیکھئے عمدة القاری (ج۲ص۱۳۹)، خلاصۃ الخزرجی (ص۴۵۲) میں ہے "له عشرون حديثا، اتفقا على حديثين، وانفرد (خ) بحديث" اس میں "خ" کا لفظ صحیح نہیں ہے، دیکھئے تحفة الأشراف (ج۹ص۲۲۳-۲۲۶)۔

(۶) دیکھئے الکاشف (ج۲ص۴۳۶) رقم (۶۶۷۴)۔

حضرت ابوشریح کی نصیحت کا تاریخی پس منظر

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۵ر رجب ۶۰ھ میں ہوئی ہے، انہوں نے اپنی زندگی کے آخر میں یزید بن معاویہ کو اپنا ولی عہد بنادیا تھا اور سارے لوگوں سے اس کے لئے بیعت لے لی تھی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کو اپنا وصی بنایا، اس وقت یزید شکار کے لئے گیا ہوا تھا، اُن سے یہ کہا کہ جب یزید آئے تو اس کو میرا اسلام کہنا اور یہ کہہ دینا کہ اہل حجاز اور اہل شام کا خیال رکھے، ابن عمر سے کوئی ڈر نہیں، البتہ حسین اور عبداللہ بن الزبیر کی بیعت کا اہتمام کرے۔

جب یزید آیا تو اس کو پیغام پہنچایا گیا، یزید نے مدینہ منورہ کے والی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا، اس نے حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو بلا بھیجا، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے فوری طور پر ٹال دیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے حشم وخدم کی ایک فوج لے کر پہنچ گئے، ان کو باہر بٹھادیا اور فرمایا کہ اگر کوئی خطرے کی بات سنو تو اندر آجاؤ اور خود اندر تشریف لے گئے۔

ولید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کا پیغام سنایا، حضرت حسین نے فرمایا کہ مجھ جیسے آدمی کی بیعت اور یوں تنہائی میں! مجھ سے مجمع عام میں بیعت کرالو، ولید آشتی پسند آدمی تھا، اس نے کہہ دیا بہت اچھا! وہیں مروان بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا کہ ان سے ابھی یہیں بیعت لے لو، اگر بیعت نہیں کرتے تو ان کو قتل کردو، اس وقت اگر یہ یہاں سے چلے گئے تو تمہارے اور ان کے درمیان بڑی خونریزی ہوگی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ گئے اور فرمایا "ابن الزرقاء! أأنت تقتلني أم هو؟ كذبت والله ولؤمت"۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر واپس آگئے۔

ان کے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا کہ تم نے میری بات نہیں مانی، اب تم ان پر زندگی بھر قابو نہیں پاسکوگے، ولید نے کہا کہ:

"ويح غيرك يا مروان، والله ما أحب أن لي ما طلعت عليه الشمس وغربت عنه من مال الدنيا وملكها، وأني قتلت حسينا إن قال: لا أبايع، والله إني لأظن أن امرأ يحاسب بدم الحسين لخفيف الميزان عند الله يوم القيامة"۔

یعنی "اے مروان! افسوس! بخدا! میرے پاس دنیا کے اموال میں سے سب کچھ ہو جس پر سورج طلوع وغروب ہوتا ہے، مجھے یہ پسند نہیں کہ اس کے مقابلہ میں حسین کے بیعت کے انکار کرنے پر حسین کو قتل کر ڈالوں، بخدا! میں سمجھتا ہوں کہ جس شخص سے حسین کے خون کا حساب لیا جائے گا وہ اللہ کے نزدیک قیامت میں بہت ہلکا وزن والا ہوگا"۔

مروان نے بھی ظاہری طور پر ولید کی تائید کی۔

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کو حالات سے آگاہی ہوتی رہی، ان کے پیچھے ولید اپنے آدمیوں کو بھیجتا رہا، لیکن وہ موقع دیکھ کر چپکے سے مکہ مکرمہ چلے گئے۔

دوسری طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے احباب سے مشورہ کیا اور مکہ مکرمہ نکل گئے۔

ولید نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا، انہوں نے کہلا بھیجا کہ جب سب لوگ بیعت کریں گے تو میں بھی کرلوں گا، ارباب اقتدار کو ان کی طرف سے کوئی خاص خطرہ بھی نہیں تھا، ایک روایت کے مطابق انہوں نے بیعت کرلی تھی۔

یزید کو جب ان ساری باتوں کا علم ہوا تو اس نے سمجھ لیا کہ ولید نے کوتاہی کی ہے، چنانچہ اس کو معزول کر کے مکہ کے گورنر عمرو بن سعید کو مدینہ کا گورنر بنادیا۔

عمرو بن سعید رمضان ۶۰ھ میں مدینہ طیبہ پہنچا اور ذوالقعدہ ۶۰ھ سے امور امارت انجام دینے شروع کئے۔

ادھر یہ ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ نے خط لکھا اور اپنے یہاں بلایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر احباب نے ان کو منع کیا، لیکن چونکہ مقدر غالب تھا، کوفہ تشریف لے گئے اور پھر وہاں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو ان کی شہادت کا واقعۂ فاجعہ پیش آیا۔

دوسری طرف حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کی بنیاد پر لوگوں کو شامیوں کا ظلم وستم بتا کر بھڑکا دیا، بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

عمرو بن سعید نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کے مقابلہ اور محاصرہ کے لئے ایک لشکر تیار کیا، جب مروان کو

اطلاع ہوئی تو وہ آیا اور اس نے کہا دیکھو! مکے پر چڑھائی کے لئے لشکر مت بھیجو، عمرو بن سعید کی سمجھ میں بات آگئی، وہ رک گیا، لیکن عمرو بن الزبیر جو عبداللہ بن الزبیر کا باپ شریک بھائی تھا، وہ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا دشمن تھا اور وہ عمرو بن سعید کے شرطیوں کا سردار تھا، اس نے کہہ دیا "واللہ لنغزونہ في جوف الکعبة علی رغم أنف من رغم" یعنی "کوئی کتنا ہی جلے بھنے، ہم تو ضرور بالضرور کعبہ شریف کے اندر بھی لڑنا پڑے تو لڑیں گے"۔

حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ کو جب اس لشکرکشی کے مقصد کا علم ہوا تو وہ تشریف لائے، اس سے اجازت چاہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث سنائی جو آگے آرہی ہے، عمرو بن سعید کو یزید نے تاکیدی حکم بھیجا کہ عمرو بن الزبیر کو مکہ بھیجا جائے، چنانچہ یہ لشکر مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔

اُدھر مکے والوں نے تیاری کی، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن صفوان کی سرکردگی میں فوج کو مقابلہ کے لئے بھیجا، دونوں لشکروں کا ٹکراؤ ہوا، عمرو بن الزبیر کی فوج کو شکست ہوئی، اس کا بیٹا مارا گیا اور خود گرفتار ہو گیا، گرفتاری کے بعد کوڑوں کی سزا ہوئی، اسی میں وہ مر گیا۔

اسی سال ۶۱ھ میں یزید نے عمرو بن سعید کو معزول کر کے دوبارہ ولید بن عتبہ کو گورنر مقرر کر دیا، اس نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کو قابو کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن کامیاب نہیں ہو سکا، دوسری طرف ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے ایک اور تدبیر کی اور یزید کے پاس لکھ بھیجا کہ یہ ولید ایک احمق شخص ہے، جو کسی اچھی بات کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اس کی جگہ کوئی نرم اخلاق کا آدمی ہوتا تو مشکلات دور ہو سکتی تھیں، چنانچہ یزید نے ولید بن عتبہ کو معزول کر کے عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو گورنر بنا دیا، یہ ایک ناتجربہ کار نوجوان تھا، اس نے مدینہ منورہ سے یزید کے پاس اشراف پر مشتمل ایک وفد بھیجا، یزید نے وفد کا خوب اکرام کیا، لیکن یہ وفد جب واپس آیا تو اس نے لوگوں کو بتایا کہ یزید شرابی کبابی آدمی ہے، نماز نہیں پڑھتا۔ چنانچہ لوگوں نے اس کی بیعت توڑ دی، اس طرح دوسرے لوگ بھی متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی شامیوں سے تعلق توڑ دیا، عثمان بن محمد کو نکال کر عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ واقعہ ۶۲ھ کا ہے۔

یزید کو جب اہل مدینہ کے فسخِ بیعت کے بارے میں پتہ چلا تو وہ بہت طیش میں آیا اور پیچ وتاب کھانے لگا،

اس نے اپنے خواص سے مشورہ کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی پہلے وصیت کی تھی کہ اہل مدینہ کے سلسلہ میں اگر ضرورت پڑے تو مسلم بن عقبہ المری کو استعمال کرنا، چنانچہ طے پایا مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں مدینہ منورہ لشکر بھیجا جائے، یہ سن رسیدہ اور بیمار شخص تھا، یزید نے ہدایت کی کہ اگر یہ مر جائے تو اس کی جگہ حصین بن نمیر کو امیر بنایا جائے اور یہ کہہ دیا کہ اہل مدینہ کو تین دن کی مہلت دی جائے، اگر وہ مان جائیں فبہا ورنہ مدینہ طیبہ نعوذ باللہ مباح ہے۔

یہ لشکر مدینہ طیبہ پہنچا، اہل مدینہ کو تین دن کی مہلت دی گئی، وہ نہیں مانے، طرفین میں جنگ ہوئی، اہل مدینہ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن ہوا یہ کہ بنو حارثہ نے شامیوں کو مدینہ میں داخل ہونے کا موقع دے دیا، جب قلب شہر سے تکبیر کی آواز بلند ہوئی تو اہل مدینہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، وہ بیچارے مجبور ہو گئے، پھر تو شامیوں نے زبردست خونریزی کی، ساتھ سو کے قریب مہاجرین وانصار شہید ہوئے اور دس ہزار کے قریب موالی کہا جاتا ہے کہ شامیوں نے زنا اور فجور کا بازار گرم کیا، حتی کہ ایک ہزار باکرہ عورتیں حاملہ ہوئیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

اس کے بعد اس نے اہل مدینہ سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں، چاہے آزاد کرے، چاہے بیچ ڈالے اور پھر مکہ کو روانہ ہو گیا، یہ ۶۳ھ کا واقعہ ہے۔

ابھی راستہ ہی میں تھا کہ مقام "مشلل" یا "ثنیة هرشی" پہنچ کر وہ مر گیا، مرتے مرتے اس نے حصین بن نمیر سکونی کو بلایا اور کہا کہ اگر معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو تمہیں کبھی اپنا جانشین نہ بناتا، لیکن چونکہ یزید کا حکم ہے، اس لئے تمہیں اپنی جگہ چھوڑ رہا ہوں، اس کے بعد اسے کچھ مزید وصیتیں کیں اور مر گیا۔

اس کے مرنے کے بعد حصین بن نمیر ۶۴ھ محرم کے مہینہ کے اواخر میں مکہ پہنچا، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور ان کے ساتھیوں کا محاصرہ کر لیا، مقابلہ شروع ہوا، حتی کہ ربیع الاول کے شروع ہوتے ہی بیت اللہ شریف پر منجنیق کے ذریعہ پتھر برسانے لگے اور اسی طرح انہوں نے بیت اللہ شریف پر آگ بھی برسائی، جس سے غلاف کعبہ جل گیا، یہاں تک کہ ربیع الاول ہی میں یزید کی موت واقع ہوگئی، ربیع الثانی میں یہ خبر شامیوں سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی، انہوں نے شامیوں سے کہا کہ تم کیوں لڑ رہے ہو، تمہارا طاغیہ تو مر چکا؟ ابتداء انہوں نے تسلیم نہیں کیا، لیکن بعد میں یقین ہو گیا، اس طرح یہ لشکر واپس ہو گیا۔

اب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا اور بہت سے لوگوں نے ان سے بیعت کی، لیکن ادھر شام میں پہلے معاویہ بن یزید بن معاویہ کی بیعت ہوئی۔ چند مہینوں میں وہ انتقال کرگیا، اس کے بعد مروان بن الحکم خلیفہ بنا، مروان کے بعد عبدالملک خلیفہ بنا، یہ بڑا باا عتماد خلیفہ تھا، اس نے آہستہ آہستہ دارالاسلام کے تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا اور ۷۳ھ میں اپنے سپہ سالار حجاج بن یوسف ثقفی کے ذریعہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کرادیا۔(۱)

یہ سارا قصہ اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ ایک دوسرے سے مربوط ہے، ورنہ مقصود تو ابتدائی قصہ تھا، جس میں عمرو بن سعید کے مکہ پر لشکر بھیجنے کا قصہ تھا۔

ائذن لي أيها الأمير أحدثك قولاً قام به النبي صلى الله عليه وسلم الغد من يوم الفتح، سمعته أذناي ووعاه قلبي وأبصرته عيناي حين تكلم به

اے امیر! آپ مجھے ایک بات سنانے کی اجازت دیجئے، جس پر آپ نے فتح مکہ کے دوسرے دن کھڑے ہوکر خطبہ دیا تھا، میرے دونوں کانوں نے وہ بات سنی، میرے دل نے اسے محفوظ کیا اور جس وقت آپ نے وہ بات ارشاد فرمائی تھی میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں۔

حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید کو متاثر کرنے کے لئے تلطف کا راستہ اختیار کیا اور فرمایا "ائذن لي أيها الأمير ..."۔

"أحدثك" جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

"قام به النبي صلى الله عليه وسلم" کا مطلب ہے "قام به خطيباً"۔

"سمعته أذناي ووعاه قلبي وأبصرته عيناي" کہہ کر حدیث سنانے سے مقصد یہ باور کرانا ہے کہ مجھے کسی قسم کا ذہول نہیں ہوا اور نہ ہی سنتے ہوئے مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

(۱) تمام تفصیلات کے لئے دیکھئے الکامل لابن الأثیر (ج۳ص۲۵۹-۳۵۰ وما بعدها)، والإصابة (ج۳ص۴۹۳ و۴۹۴) القسم الثالث، ترجمة مسلم بن عقبة، رقم (۸۴۱۰)، ووفيات الأعيان لابن خلكان (ج۶ص۲۷۶) ترجمة يزيد بن المفرغ الحميري۔

حمد الله، وأثنى عليه، ثم قال:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان فرمائی اور پھر فرمایا۔

إن مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس

بے شک مکہ کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے، لوگوں نے حرام قرار نہیں دیا۔

آگے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث آرہی ہے(۱)، اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی آرہی ہے، جس میں تصریح ہے کہ "إن إبراهيم حرم مكة" اور اس روایت میں "إن مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس" آیا ہے، دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے۔

دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اصل تحریم اللہ تعالی کے حکم سے ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے اجتہاد سے نہیں، گویا "إن إبراهيم حرم مكة" کا مطلب ہے "إن إبراهيم حرم مكة بأمر الله تعالى لا باجتهاده"۔

یا یہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طوفان نوح کے بعد جب مکہ کی تحریم مخفی ہوگئی تھی تو پھر مکہ کی تحریم کا اعلان فرمایا۔

یا یوں کہا جائے کہ "أن الله قضى يوم خلق السماوات والأرض أن إبراهيم سيحرم مكة"۔

یا یہ مطلب ہے "أن إبراهيم أول من أظهر تحريمها بين الناس وكانت قبل ذلك عندالله حراماً"۔ (۲)

فلا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفك بها دماً

سو کسی شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو حلال نہیں ہے کہ وہ وہاں خون بہائے۔

یہاں ایمان کی قید لگائی گئی ہے، اس سے اس مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے کہ کفار فروع کے مخاطب نہیں۔

---

(۱) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۲۸۶)، كتاب البيوع، باب بركة صاع النبي صلى الله عليه وسلم ومدهم، رقم (۲۱۲۹)، و (ج ۱ ص ۴۷۷) كتاب أحاديث الأنبياء، باب (يزفون) النسلان في المشي، رقم (۳۳۶۷)۔

(۲) دیکھئے فتح الباري (ج ۴ ص ۴۳) كتاب جزاء الصيد، باب لا يعضد شجر الحرم۔

کفار فروع کے مخاطب ہیں یا نہیں؟

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، حنفیہ کے یہاں کئی اقوال ہیں:-

ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے شرح المنار میں لکھا ہے کہ کفار ایمان کے تو مخاطب ہیں، اسی طرح سوائے حد شرب کے باقی عقوبات کے بھی مخاطب ہیں، اسی طرح معاملات کے بھی مخاطب ہیں۔

البتہ عبادات کے مخاطب ہیں یا نہیں؟

علماء سمرقند کہتے ہیں کہ کفار عبادات کے نہ اعتقاداً مخاطب ہیں اور نہ اداءً۔

علماء بخارا کہتے ہیں کہ وہ اعتقاداً تو مخاطب ہیں، البتہ اداءً مخاطب نہیں ہیں۔

جبکہ فقہاء عراق کہتے ہیں کہ وہ عبادات کے اعتقاداً بھی مخاطب ہیں اور اداءً بھی، لہذا آخرت میں دونوں کا سوال ہوگا، مشائخ بخارا کے نزدیک صرف ترک اعتقاد پر مؤاخذہ ہوگا، ترک اداء پر مؤاخذہ نہیں ہوگا، جبکہ مشائخ سمرقند کے نزدیک صرف ترک ایمان پر تو مؤاخذہ ہوگا، باقی عبادات کے ترک پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، نہ ترک اعتقاد پر اور نہ ترک اداء پر۔ (۱)

البتہ حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفار کو جو ہم معاملات میں مکلف ٹھہراتے ہیں اس کا مطلب اگر یہ ہو کہ آخرت میں اس پر ثواب اور عقاب مرتب ہوگا تو اس کے درست ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر یہ مطلب ہو کہ دنیوی احکام میں صحت وفساد کا حکم لگے گا، یعنی جس طرح ایک مسلمان کے معاملات کے بارے میں ہم صحت وفساد کا حکم لگاتے ہیں اسی طرح کفار کے معاملات پر بھی دنیا میں صحت وفساد کا حکم لگے گا تو اس میں یہ عموم درست نہیں، کیونکہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کوئی کافر بغیر گواہوں کے یا کسی دوسرے کافر کی معتدہ عورت سے نکاح کرلے اور اس طرح کرنا ان کے دین میں جائز ہو، پھر یہ دونوں مسلمان ہوجائیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کو اسی نکاح پر برقرار رکھا جائے گا، اس کی وجہ صاحب ہدایہ نے یہ بیان کی کہ یہاں بطور حق شرع حرمت ثابت کرنا ممکن نہیں، کیونکہ حقوق شرع کے کفار مخاطب نہیں ہوتے اور نہ ہی بطور حق

(۱) دیکھئے فیض الباری (ج۳ص۲۴۴) کتاب [illegible] ... نیز دیکھئے کشف الأسرار شرح [illegible] (ج۱ص۹۶۰، ۹۶۱) و کشف الأسرار علی أصول البزدوی (ج۴ص۲۴۳-۲۴۴) [illegible]

زوج مدت واجب کی جاسکتی ہے، کیونکہ زوج اس کا معتقد ہی نہیں ہے۔

اسی طرح ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان حربی کو مردار، خنزیر یا چوہا فروخت کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں مال کماتا ہے تو یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالی کے نزدیک حلال ہے۔ اگر کفار معاملات کے صحت وفساد کی بنیاد پر مکلف ہوتے تو پہلی صورت میں نکاح درست نہ ہوتا اور دوسری صورت میں مال حلال نہ ہوتا، ایسی اور بھی نظیریں موجود ہیں جو تتبع اور تلاش سے مل سکتی ہیں، لہذا جس طرح عقوبات سے حد شرب کا استثنا کیا گیا ہے اسی طرح معاملات میں بھی کوئی ایسی قید لگائی جائے جس سے کتب فقہ میں مذکورہ اور بیان شدہ فروع کا استثناء ہوسکے۔(۱) واللہ أعلم

شافعیہ کے یہاں تین اقوال ہیں:

ایک قول کے مطابق کفار منہیات کے مخاطب ہیں، مامورات کے نہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ کسی چیز کے مخاطب نہیں۔

تیسرا قول جو محققین کا قول ہے اور اکثر حضرات اسی کے قائل ہیں کہ مامورات ومنہیات سب کے مخاطب ہیں۔(۲)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دونوں اقوال میں تطبیق دی ہے کہ کفار دنیا میں مخاطب نہیں ہیں کہ ان سے بحالت کفر نماز روزے وغیرہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو ان پر قضا واجب نہیں اور آخرت میں مخاطب ہیں، یعنی ترک پر آخرت میں ان سے مؤاخذہ ہوگا۔(۳)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی دو روایتیں منقول ہیں، ایک یہ کہ وہ مخاطب ہیں، دوسری یہ کہ مخاطب نہیں ہیں۔(۴)

---

(۱) دیکھئے فتح الملہم (ج۱ ص۵۴۱و۵۴۲) کتاب الإیمان، باب الدعاء إلی الشہادتین وشرائع الإسلام۔

(۲) دیکھئے شرح النووي علی صحیح مسلم (ج۱ ص۳۷) کتاب الإیمان، باب الدعاء إلی الشہادتین وشرائع الإسلام۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) "واختلف أهل العلم في خطابه بفروع الإسلام في حال كفره مع إجماعهم على أنه لا يلزمه قضاؤها بعد إسلامه، فحكي عن أحمد في هذا روايتان" المغني لابن قدامة (ج۱ ص۲۳۹)۔

کیا حدیثِ باب کفار کے
مخاطب بالفروع نہ ہونے پر دلیل ہوسکتی ہے؟

لیکن حدیثِ باب کفار کے غیر مخاطب ہونے کی دلیل نہیں، اس لئے کہ یہاں ایمان کی قید ممکن ہے اس لئے لگائی گئی ہو کہ اہل ایمان ہی احکام شریعت کو مانتے ہیں، یا یہ کہا جائے کہ یہ قید برانگیختہ کرنے کے لئے ہے اور یہ بتانے کے لئے ہے کہ ایمان اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کے حلال ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔

فائدہ

"یؤمن باللّٰه والیوم الآخر" میں صرف مبدأ اور معاد کا تذکرہ کیا، ایمان باللہ سے مبدأ کی طرف اشارہ فرمایا اور ایمان بالیوم الآخر سے معاد کی طرف، اس کے ضمن میں باقی سب ایمانیات خود داخل ہوگئیں۔

أن یسفك بها دماً

کہ وہاں خون بہایا جائے۔

"یسفك" باب "ضرب" سے ہے، اس کو معروف بھی پڑھا گیا ہے اور مجہول بھی۔(۱)

حرمِ مکہ میں قتال کا حکم

مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرنا، وہاں کے رہنے والوں سے جنگ وقتال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

علامہ ماوردی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ اہلِ مکہ پر چڑھائی نہ کی جائے، ان کے ساتھ قتال نہ کیا جائے، اگر اہلِ مکہ بغاوت کر بیٹھیں اور بغیر قتال کے ان کو راہِ راست پر لانا ممکن ہو تو قتال درست نہیں۔

اگر بغیر قتال کے وہ بغاوت سے باز نہ آئیں تو جمہور علماء کہتے ہیں کہ ان سے قتال کیا جائے گا، کیونکہ اہلِ بغی کے ساتھ قتال حقوق اللہ میں سے ہے، جس کو تلف کرنا درست نہیں۔

---

(۱) فتح الباری (ج۱ص۱۹۸)۔

کچھ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں بھی ان کے ساتھ قتال درست نہیں، البتہ ان کے اوپر اس طرح تنگی کی جائے گی کہ وہ اطاعت کی طرف لوٹ آئیں اور بغاوت سے باز آجائیں۔(۱)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول جمہور کے مطابق ہے۔(۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول تحریم القتال فی مکہ کا بھی ہے، جس کو قفال رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور بعض علماء شافعیہ و مالکیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، چنانچہ ابن المنیر، ابن دقیق العید، امام طبری اور ابن العربی رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے،(۳) حنفیہ میں سے علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے(۴)، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے۔(۵)

جمہور علماء، جو قتال کے جواز کے قائل ہیں، وہ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں قتال کے حرام ہونے سے مراد مخصوص کیفیت قتال ہے، مثلاً منجنیق وغیرہ نصب کرکے قتال نہ کیا جائے، جس کی ایذا رسانی عام ہوتی ہے، جبکہ حرمتِ قتال کے قائلین کہتے ہیں کہ حدیث مطلق ہے، اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قتال کی اجازت دی گئی تھی وہ مطلق قتال کی اجازت تھی نہ کہ مخصوص قتال کی، لہذا مذکورہ تاویل نہیں چل سکتی، اس کے علاوہ سیاقِ حدیث دلالت کررہا ہے کہ حرمت قتال اس بقعہ کی حرمت کے اظہار کے لئے ہے کہ اس میں مطلقاً سفکِ دماء حرام ہے، ظاہر ہے کہ سفکِ دماء عام ہے، اس کو عمومی ضرر رساں آلات کے ساتھ مخصوص کرنے کے کوئی معنی نہیں۔(۶)

واللّٰہ سبحانہ وتعالی أعلم۔

---

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج۴ص۴۸) کتاب جزاء الصید، باب لایحل القتال بمکۃ، وإعلاء السنن (ج۱۲ص۵۳۲ و ۵۳۳)، کتاب السیر، باب لایجوز قتل من لجأ إلی الحرم مسلماً کان أو ذمیا أو حربیاً، وأحکام القرآن للعلامۃ ظفر أحمد العثمانی (ج۱/۱ص۷۰)۔

(۲) فتح الباری (ج۴ص۴۸)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(۴) حاشیۃ السندی علی صحیح البخاری (ج۱ص۳۳۴) کتاب جزاء الصید، باب لایحل القتال بمکۃ۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) دیکھئے فتح الباری (ج۴ص۴۸)، وإعلاء السنن (ج۱۲ص۵۳۲، ۵۳۳)، وحاشیۃ السندی علی البخاری (ج۱ص۳۳۴)۔

حرم مکہ میں قتل وقصاص کا حکم

یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی جنایت کرے تو کیا حرم میں اس سے قصاص لیا جا سکتا ہے؟

اس مسئلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی جنایت کرکے حرم میں پناہ لے لے تو اگر اس کی جنایت مادون النفس ہو تو بالاتفاق اس کا قصاص حرم میں لیا جا سکتا ہے۔

اور اگر جنایت قتل کی ہو تو دیکھا جائے گا کہ اس نے جنایت کہاں کی ہے؟ اگر جنایت قتل حرم میں کی ہے تو اس کے بارے میں بھی اتفاق ہے کہ اس سے بھی حرم ہی میں قصاص لیا جا سکتا ہے۔

اور اگر جنایت قتل کا ارتکاب حرم سے باہر کیا ہے اور پھر اس نے حرم میں پناہ لی ہے تو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

شافعیہ اور مالکیہ اس کے بارے میں بھی استیفاء قصاص کے قائل ہیں۔

جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ اس سے حدود حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ حرم سے خود ہی باہر آ جائے، پھر اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (۱)

شافعیہ اور مالکیہ اولاً اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ زانی کو کوڑے لگانے، چور کا ہاتھ کاٹنے اور اسی طرح قتل کرنے والے سے قصاص لینے کا حکم ہے، ان امور میں کسی مکان کی تخصیص نہیں ہے۔

اسی طرح ان کا استدلال "الحرم لایعید عاصیاً ولا فارًا بدم ولافارًا بخربة" سے بھی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن خطل کے قتل کا حکم دیا تھا، جبکہ وہ غلاف کعبہ سے چمٹا ہوا تھا۔ (۲)

نیز وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص جو جنایت کرکے حرم کی طرف بھاگا ہے، جس کا دم عصیان کی وجہ سے مباح ہو گیا ہے، وہ کلب عقور کی طرح ہے، جیسے کلب عقور کو حرم میں بھی مار ڈالا جاتا ہے، اسے بھی حرم میں پناہ

---

(۱) دیکھئے المغني لابن قدامة (ج۹ص۹۰-۹۲)، وأوجز المسالك (ج۸ص۱۷۶) کتاب الحج، باب جامع الحج، وأحکام القرآن لعلامة ظفر أحمد العثماني (ج۱ ص۶۹)، وبدائع الصنائع (ج۷ص۱۱٤)، وإعلاء السنن (ج۱۲ص۵۳۲-۵۳۵)، کتاب السیر، باب لایجوز قتل من لجأ إلی الحرم۔

(۲) دیکھئے موطأ امام مالک (مع أوجز المسالك ج۸ص۱۷۲) کتاب الحج، باب جامع الحج۔

نہیں ملے گی۔(۱)

حنفیہ اور حنابلہ کا استدلال آیت قرآنی ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ (۲) سے ہے، یہ اگرچہ خبر ہے لیکن مراد امر ہے۔(۳)

اسی طرح حدیث باب سے بھی استدلال کرتے ہیں:

"إن مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس، فلا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفك بها دماً، ولا يعضد بها شجرة، فإن أحد ترخص لقتال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها فقولوا: إن الله قد أذن لرسوله ولم يأذن لكم، وإنما أذن لي فيها ساعة من نهار، ثم عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس، وليبلغ الشاهد الغائب"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "هذا بلد حرمه الله يوم خلق السموات والأرض ......"۔(۴) سے بھی حنفیہ وحنابلہ استدلال کرتے ہیں۔

جہاں تک شوافع و مالکیہ کے اس استدلال کا تعلق ہے کہ زانی کو کوڑے لگانے، چور کا ہاتھ کاٹنے اور قاتل سے قصاص لینے کا حکم ہے اور ان کے لئے کسی مکان کی تخصیص نہیں ہے۔ سو یہ بات تو مسلّم ہے کہ ان امور کے اجراء کے لئے امکنہ وازمنہ کا عموم ہے، کسی بھی جگہ کسی بھی زمانہ میں ان کا اجراء ہوسکتا ہے، اس کے لئے غیر متعین طور پر کوئی بھی مکان کافی ہے، لہذا اس کا اجراء غیر حرم میں ہوسکتا ہے۔

پھر اگر عموم امکنہ مراد لے کر حدود و حرم میں اجراء قصاص کا جواز ثابت کریں، تب بھی ہماری مذکورہ روایات سے اس میں تخصیص ضروری ہوگی، خاص طور پر اس لئے کہ خود یہ حضرات حاملہ اور وہ مریض جس کی صحت کی توقع ہو، کی سزا کو مؤخر کرتے ہیں، حالانکہ عموم کا تقاضا تو یہ ہے کہ بغیر تاخیر کے سزا جاری کی جائے،

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے المغني لابن قدامة (ج۹ص۹۰، ۹۱)۔

(۲) آل عمران: ۹۷۔

(۳) المغني (ج۹ص۹۱)۔

(۴) صحيح البخاري (ج۱ص۲۴۷) كتاب جزاء الصيد، باب لا يحل القتال بمكة، رقم (۱۸۳۴)۔

جب وہ ان کی تخصیص کر سکتے ہیں تو دلائل کی روشنی میں ہم مذکورہ صورت کی بھی تخصیص کر سکتے ہیں۔

شافعیہ کا "الحرم لا یعیذ عاصیاً ... الخ" سے استدلال کرنا بھی درست نہیں، کیونکہ یہ کوئی حدیث نہیں، بلکہ یہ تو عمرو بن سعید کا قول ہے۔

جہاں تک ابن خطل کے قتل کا تعلق ہے، سو وہ اس رخصت میں داخل ہے جس کا ذکر حدیث باب میں آیا ہے "وإنما أذن لي فيها ساعة من نهار، ثم عادت حرمتها اليوم كحرمتها أمس"۔

شافعیہ نے اس پر یہ کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ پر وہاں داخل ہوتے ہی مکمل قبضہ کرا لیا تھا اور سب مطیع ہو گئے تھے، وہ وقت (یعنی ایک ساعت) حرمت سے مستثنیٰ تھا، اس کے بعد دوبارہ حرمت آ چکی تھی کہ بعد میں ابن خطل کے قتل کا حکم دیا گیا، معلوم ہوا کہ آپ نے حرم میں اقامت حد کا حکم دیا ہے۔(۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ایک "ساعت" تک قتال کی اجازت دی گئی تھی، اس سے مراد اصطلاحی گھنٹہ نہیں، بلکہ صبح سے لے کر عصر تک کا پورا وقت ہے، اس وقت کے اندر اندر ابن خطل کو قتل کیا گیا ہے، چنانچہ "عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ" کے طریق سے امام احمد نے روایت نقل کی ہے کہ یہ اجازت عصر تک تھی۔(۲)

پھر کلب عقور پر قیاس بھی درست نہیں، کیونکہ اس کی طبیعت میں ایذا رسانی ہے، اس لئے حرم نے اس کی ایذا سے بچانے کے لئے اسے پناہ نہیں دی، جبکہ آدمی کے اندر اصل حرمت ہے اور اس کی حرمت بھی بہت عظیم ہے لہذا یہ قیاس مع الفارق ہے، پھر آدمی نے جنایت باہر کی ہے اور اس نے حرم کے اندر کسی قسم کا انتہاک نہیں کیا، بلکہ حرم کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی پناہ لی ہے۔(۳)

جہاں تک حدود حرم میں قتل یا موجب حد گناہ کے ارتکاب کا تعلق ہے، سو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ تمام علماء کے نزدیک بالاتفاق اس سے وہیں قصاص لیا جائے گا اور اس پر حد جاری کی جائے گی۔

---

(۱) دیکھئے شرح النووی علی صحیح مسلم (ج۱ص۴۳۹)، کتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام۔

(۲) دیکھئے مسند أحمد (ج۲ص۱۷۹)، وفتح الباري (ج۱ص۱۹۸)، وكنز العمال (ج۸ص۱۷۵و۱۷۶)، كتاب الحج، باب جمع الحج۔

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے المغني لابن قدامة (ج۹ص۹۱)، وزاد المعاد (ج۳ص۴۴۲-۴۴۹)۔

وجہ یہ ہے کہ جس طرح ''حِل'' والوں کو ارتکاب جرائم سے روکنے کی ضرورت ہوتی ہے، ''حرم'' والوں کے لئے بھی زاجر کی ضرورت ہے، اگر ان کے حق میں حدود نافذ نہ ہوں تو اللہ تعالی کے حقوق معطل ہوکر رہ جائیں گے۔

اس کے علاوہ یہ وجہ بھی ہے کہ اس نے ارتکاب جنایت کر کے حرم کی حرمت کا انتہاک کیا ہے، لہذا حرم اس کی صیانت کا ذمہ نہیں لے گا، برخلاف اُس صورت کے کہ اُس نے قتل کا ارتکاب حدودِ حرم سے باہر کر کے وہاں جاکر پناہ لی ہو تو چونکہ حرم کی حرمت کا انتہاک نہیں ہوا، اس لئے حرم اسے اپنی حفاظت میں لے لے گا۔(۱)

جہاں تک مادون النفس جنایات کا تعلق ہے سو اس کی سزا وہاں نافذ ہوگی، خواہ جنایت غیر حرم میں ہوئی ہو، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہاں قتل کی نہی تو ثابت ہے، چنانچہ فرمایا "فلا یحل لامرئ یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر أن یسفك بھا دما" سفکِ دم قتل ہی سے کنایہ ہے، ظاہر ہے کہ مادون النفس کا مرتبہ نفس سے بہر حال کم ہے۔(۲)

پھر مادون النفس اور اطراف کا معاملہ اموال کی طرح ہے، جس طرح مالی معاملات کا وہاں تصفیہ ہوسکتا ہے مادون النفس کا تصفیہ بھی وہاں ہوسکے گا۔ واللّٰہ أعلم

ایک اشکال اور اس کا جواب

بعض حضرات نے حنفیہ کی دلیل "أن یسفك بھا دما" جو مطلق خونریزی کی حرمت پر دال ہے، کی یہ تاویل کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس سے ناجائز خونریزی مراد ہے، لہذا جو شخص جنایت قتل کر کے حرم میں داخل ہوگیا ہو اس کا خون بہانا ناجائز نہیں ہے، لہذا اس سے وہاں قصاص لیا جاسکتا ہے۔

لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ پھر اس میں حرم کی کیا تخصیص؟ ناجائز خونریزی تو جہاں کہیں بھی ہو جائز نہیں ہے، نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے فرماتے ہیں "فإن أحد ترخص لقتال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ

(۱) حوالہ جات بالا۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

وسلم فیہا۔" اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قتال اور سفک دم کیا ہے، ظاہر ہے کہ آپ نے ناجائز خون ریزی نہیں کی ہے، آگے اسی قتال جائز کی تخصیص بیان کی گئی ہے "فقولوا: إن اللہ قد أذن لرسولہ ولم یأذن لکم" تو جب جائز قتال اور جائز سفک دم آپ کے ساتھ خاص ہو گیا تو آگے دوسروں کے لئے جواز کی کیا صورت رہ جاتی ہے؟! ان کے لئے تو ناجائز ہی ہوگا۔(۱) واللہ سبحانہ وتعالی أعلم

ولا یعضد بہا شجرۃ

اور وہاں کسی درخت کو نہ کاٹا جائے۔

عضد یعضد باب ضرب سے ہے، اس کے معنی ہیں کاٹنا۔ مِعضَد کاٹنے کا آلہ۔(۲)

حرم مکہ کی نباتات واشجار کے قطع کا حکم

مکہ مکرمہ کے اشجار ونباتات کی تین قسمیں ہیں:-

ایک وہ جو کسی شخص نے اپنی محنت سے اُگائے ہوں، ان کو کاٹنا یا اکھیڑنا بالاتفاق جائز ہے۔

دوسرے وہ جن کو کسی نے اُگایا تو نہیں لیکن وہ ان ہی نباتات کی جنس میں سے ہیں، جنہیں لوگ عام طور سے اُگاتے ہیں۔

اس دوسری قسم کی نباتات کو بھی کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے۔

تیسری قسم خودرو پودوں اور گھاس وغیرہ کی ہے، اس قسم میں سے صرف "اذخر" گھاس کا کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے، باقی کسی چیز کا اکھیڑنا یا کاٹنا جائز نہیں، البتہ خودرو گھاس یا پودوں اور درختوں میں سے اگر کوئی پودا وغیرہ مرجھا گیا ہو، یا جل گیا ہو، یا ٹوٹ گیا ہو تو اس کو کاٹنا بھی جائز ہے۔

حاصل یہ کہ "ولا یعضد بہا شجرۃ" میں شجرہ سے مراد وہ گھاس اور پودے وغیرہ ہیں جو خود اُگے ہوں، وہ نہ تو "ما أنبتہ الناس" کی جنس میں سے ہوں، نہ ٹوٹے ہوئے ہوں، نہ جلے ہوئے ہوں اور نہ

(۱) دیکھئے المغني (ج۹ص۹۱)۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص۱۹۸)۔

مرجھائے ہوئے ہوں، نیز "اذخر" بھی نہ ہو، ایسے پودوں اور گھاس وغیرہ کا کاٹنا جائز نہیں اور کاٹنے کی صورت میں جزاء واجب ہوگی۔(۱) واللّٰہ أعلم

فإن أحد ترخص لقتال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فیہا فقولوا: إن اللّٰہ قد أذن لرسولہ، ولم یأذن لکم

اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں قتال کی وجہ سے رخصت حاصل کرنے کی کوشش کرے تو تم کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اجازت دی ہے، تمہیں اجازت نہیں دی۔

یعنی اگر کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کرنے سے استدلال کرے اور یہ کہے کہ حضور نے چڑھائی کی ہے لہذا ہم بھی چڑھائی کرتے ہیں، ہمارے لئے بھی جائز ہے تو تم یہ کہہ دو کہ اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی تھی، تمہیں اجازت نہیں دی، لہذا تم چڑھائی نہیں کر سکتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مکہ پر چڑھائی کر کے جانا اور وہاں قتال کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے، یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے، کما سبق تفصیلہ۔

مکہ مکرمہ عنوۃً فتح ہوا یا صلحاً؟

پھر یہ روایت اس بات پر صراحۃً دلالت کر رہی ہے کہ مکہ مکرمہ عنوۃً فتح ہوا تھا، یہی جمہور علماء کی رائے ہے، اس کے مقابلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ صلحاً فتح ہوا تھا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں، ایک قول امام شافعی کے مطابق ہے اور ایک قول جمہور کے موافق۔

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے فتح القدیر (ج۳ص۳۳)، کتاب الحج، فصل في جزاء الصيد ... وبدائع الصنائع (ج۲ص۲۱۰)، کتاب الحج، فصل: وأما الذي يرجع إلى النبات ... نیز مذاہب کی تفصیل کے لئے دیکھئے المغني لابن قدامة (ج۳ص۱۶۸-۱۷۱)، کتاب الحج، تحريم قطع شجر الحرم ونباته إلا الإذخر، والمجموع شرح المهذب (ج۷ص۴۴۷-۴۵۳)، وزاد المعاد في هدي خير العباد (ج۳ص۴۴۹-۴۵۲)، والحاوي الكبير للماوردي (ج۵ص۴۱۲-۴۱۷)، کتاب الحج، باب جزاء الصيد۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ کے صلحاً فتح ہونے کے قول کو مستحسن سمجھتے ہوئے اپنی کتاب "وسیط" میں امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ عنوۃً فتح ہوا ہے اور فرمایا کہ یہی ان کا مذہب ہے۔(۱)

وإنما أذن لي فيها ساعة من نهار

میرے لئے بھی تو وہاں صرف دن کی ایک ساعت تک قتال کی اجازت دی تھی۔

"أذن" معروف بھی پڑھا گیا ہے أی أذِن اللہ لي۔اور مجہول بھی مروی ہے۔(۲)

"ساعت" وقت کی ایک مقدار کو کہتے ہیں،اس سے مراد یوم الفتح ہے۔(۳)

یوم الفتح میں صبح طلوع شمس سے لے کر عصر تک کا وقت مستثنیٰ تھا،جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کی اجازت دی گئی تھی۔(۴)

ثم عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس

پھر آج اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی جیسی حرمت کل تھی۔

یعنی جیسی حرمت آج سے پہلے تھی اسی طرح اس کی حرمت دوبارہ لوٹ آئی۔

وليبلغ الشاهد الغائب

اور چاہئے کہ حاضر غائب کو پہنچادے۔

یہی مقصود بالترجمۃ ہے۔

---

(۱) بحث کی تفصیل کے لئے دیکھئے زاد المعاد في هدي خير العباد (ج۳ص۴۲۹-۴۳۲) فصل في الإشارة إلى ما في الغزوة من الفقه واللطائف۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص۱۹۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔ مسند أحمد (ج۲ص۱۷۹) میں ہے "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: لما فتحت مكة على رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كفوا السلاح إلا خزاعة عن بني بكر، فأذن لهم حتى صلى العصر، ثم قال: كفوا السلاح ..."۔

فقيل لأبي شريح: ما قال عمرو؟

ابوشریح رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عمرو نے کیا کہا؟

مطلب یہ ہے کہ کسی نے حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس حدیث کے سنانے کے بعد عمرو بن سعید نے کیا جواب دیا؟

قال: أنا أعلم منك يا أبا شريح

اس نے کہا کہ اے ابوشریح! میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔

لايعيذ عاصيًا ولا فارًّا بدم، ولا فارًّا بخربة

حرم کسی عاصی کو پناہ نہیں دیتا، نہ کسی ایسے شخص کو جو قتل کر کے بھاگا ہو اور نہ اس شخص کو جو چوری کر کے بھاگا ہو۔

عاصی: عصیان سے ہے، خروج عن الطاعۃ کو عصیان کہتے ہیں، گویا عاصی سے باغی مراد ہے۔

"فار بالدم" سے مراد قتل کر کے بھاگنے والا ہے۔(۱)

"خربۃ" خاء معجمہ اور راء مہملہ کے فتحہ کے ساتھ ہے، اس کے بعد باء موحدہ ہے۔(۲)

ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "خربہ" دراصل عیب کو کہتے ہیں، یہاں "خربہ" کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو اس طرح اپنے ساتھ مختص کرنا اور اس پر غالب ہونا چاہتا ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔(۳)

اسی طرح "خربہ" کے معنی "سرقہ" کے بھی ہیں، خاص طور پر اونٹوں کی چوری پر "خربہ" کا اطلاق ہوتا تھا،

---

(۱) فتح الباری (ج۴ص۴۴و۴۵) کتاب جزاء الصید، باب: لایعضد شجر الحرم۔

(۲) عمدۃ القاری (ج۲ص۱۴۰)۔ فتح الباری (ج۱ص۱۹۸)۔

(۳) جامع الأصول (ج۹ص۲۸۷)۔

بعد میں توسعاً عام چوری پر بھی اس کا اطلاق کیا جانے لگا۔(۱) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر ''جنایت'' سے کی ہے۔(۲)

بعض حضرات نے اس کو "خُربة" (بفتح الخاء المعجمة وسکون الراء المهملة وبعدها باء موحدة) بتایا ہے(۳)، ابن بطّال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ''فساد'' کے ہیں(۴)، صحیح بخاری میں ایک جگہ اس کے معنی "بلية" مذکور ہے۔(۵)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ویروی: ولا فارًّا بخزية"۔(۶) یعنی اس لفظ کو خائے معجمہ مکسورہ اور زای معجمہ ساکنہ اور اس کے بعد یاء مثناۃ کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے، جس کے معنی رسوائی اور باعث عار امر کے ہیں۔(۷)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو ''جیم'' اور ''زای'' کے ساتھ ''جزية'' بھی نقل کیا ہے(۸)، لیکن یہ روایۃً ثابت نہیں(۹)۔ واللہ اعلم

ابن بطّال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے، لیکن عمرو بن سعید نے گریز کیا اور یہ کہہ دیا کہ تم اس کو عام سمجھ رہے ہو، حالانکہ یہ حدیث خاص ہے، مجرم اور عاصی جو جرم کر کے حرم میں پناہ لے تو اُسے وہاں پناہ نہیں ملتی۔(۱۰)

---

(۱) جامع الأصول (ج۹ص۲۸۸)۔

(۲) جامع الترمذي، مع تحفه، أبواب الحج، باب ما جاء في حرمة مكة۔

(۳) فتح الباري (ج۱ص۱۹۸)۔

(۴) شرح صحيح البخاري لابن بطال (ج۱ص۱۸۲)۔

(۵) صحيح البخاري (ج۱ص۲۴۷)، كتاب جزاء الصيد، باب: لا يعضد شجر الحرم، رقم (۱۸۳۲)۔

(۶) جامع الترمذي، مع تحفه، أبواب الحج، باب ما جاء في حرمة مكة، رقم (۸۰۹)۔

(۷) جامع الأصول (ج۹ص۲۸۸)۔

(۸) شرح الكرماني (ج۲ص۱۰۵)۔

(۹) فتح الباري (ج۴ص۴۴)۔

(۱۰) شرح صحيح البخاري لابن بطال (ج۱ص۱۸۰)۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمرو بن سعید کا کلام قول بالموجب کی قبیل سے ہے، گویا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ آپ نے یہ حدیث سنی ہے اور آپ کو یاد ہے، لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اس کے خلاف نہیں ہے، حدیث کا تعلق مکہ پر عنوۃً فتح کی نیت سے چڑھائی کرنے سے ہے، یہ میرا مقصود نہیں بلکہ میرا مقصود ایسے شخص کے خلاف لشکر کشی ہے جو باغی اور خطا کار ہے اور حرم کسی عاصی اور خطا کار کو پناہ نہیں دیتا۔ (۱)

لیکن عمرو بن سعید کا یہ جواب غلط ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن الزبیر نہ تو باغی تھے، نہ عاصی تھے اور نہ انہوں نے کسی کا قتل کیا تھا۔

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وابن الزبير عند علماء أهل السنة أولى بالخلافة من يزيد وعبد الملك؛ لأنه بويع لابن الزبير قبل هؤلاء، وهو من أصحاب رسول الله ﷺ"۔ (۲) والله سبحانه أعلم

یعنی "علمائے اہل سنت کے نزدیک عبداللہ بن زبیر یزید اور عبدالملک کے مقابلے میں خلافت کے زیادہ حق دار تھے، کیونکہ ان لوگوں سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تھی، پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے"۔

۱۰۵ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ قَالَ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ مُحَمَّدٍ ، عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرَةَ ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ(۳) ذُكِرَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ : (فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ – قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَحْسِبُهُ قَالَ – وَأَعْرَاضَكُمْ ، عَلَيْكُمْ حَرَامٌ ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا ، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا ، أَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ) . وَكَانَ مُحَمَّدٌ يَقُولُ : صَدَقَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ، كَانَ ذٰلِكَ : (أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ) . مَرَّتَيْنِ . [ر : ٦٧]

---

(۱) الكاشف عن حقائق السنن (ج۶ ص۳۶۲)، كتاب المناسك، باب حرم مكة حرسها الله تعالى۔

(۲) شرح صحيح البخاري لابن بطال (ج۱ ص۱۸۰)۔

(۳) قوله: "عن أبي بكرة رضي الله عنه": قد سبق تخريج هذا الحديث تحت كتاب العلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: رب مبلغ أوعى من سامع۔

تراجمِ رجال

(۱) عبداللہ بن عبدالوہاب

یہ ابومحمد عبداللہ بن عبدالوہاب حجبی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

یہ بشر بن المفضل، حماد بن زید، حاتم بن اسماعیل، عبدالعزیز بن ابی حازم، عبدالعزیز بن محمد دراوردی، امام مالک اور ابوعوانہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، یعقوب بن شیبہ، امام محمد بن یحییٰ ذہلی، علی بن عبدالعزیز بغوی اور عمرو بن منصور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات ہیں۔(۲)

امام یحییٰ بن معین اور امام ابوداود رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۳)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة صدوق"۔(۴)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الثقات میں ان کو ذکر کیا ہے۔(۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۶)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثبت"۔(۷)

۲۲۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(۸) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۱۵ ص۲٤٦)۔

(۲) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۱۵ ص۲٤٦ و۲٤٧)، و تهذيب التهذيب (ج٥ ص٣٠٤ و٣٠٥)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۱۵ ص۲٤٧ و۲٤٨)۔

(٤) حوالۂ بالا، وتهذيب التهذيب (ج٥ ص٣٠٥)۔

(٥) الثقات لابن حبان (ج٨ ص٣٥٣)۔

(٦) تقريب التهذيب (ص٣١٢)، رقم (٣٤٤٩)۔

(٧) الكاشف (ج١ ص٥٧٠)، رقم (٢٨٣٤)۔

(٨) حوالۂ بالا۔

(۲) حماد

یہ حماد بن زید بن درہم بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب: ﴿وإن طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فأصلحوا بینهما﴾ کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۳) ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، "باب حلاوة الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۴) محمد

یہ امام محمد بن سیرین بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، "باب اتباع الجنائز من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۵) ابن ابی بکرۃ

یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم ہی میں "باب قول النبي صلی اللہ علیه وسلم: رب مبلَّغ أوعی من سامع" کے تحت گذ چکے ہیں۔(۴)

(۶) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب: ﴿وإن طائفتان من المؤمنین

(۱) کشف الباري (ج۲ص۲۱۹)۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۲٦)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ص٥٢٤)۔

(٤) کشف الباري (ج۳ص١٩٤)۔

افتتدا فأصلحوا بینهما ہ کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

سندِ حدیث سے متعلق ایک تنبیہ

یہاں اس حدیث کی سند میں مستملی اور کشمیہنی کے نسخوں میں محمد کے بعد ''ابن ابی بکرۃ'' کا واسطہ ہے، بعینہ یہی سند کتاب التفسیر، سورۂ براءۃ میں بھی وارد ہوئی ہے(۲)، جبکہ کتاب العلم میں "عبد الرحمن بن أبي بكرة" کی تصریح موجود ہے(۳)، جبکہ باقی نسخوں میں "ابن أبي بكرة" ساقط ہے، اس صورت میں یہ سند منقطع ہو جائے گی کیونکہ محمد بن سیرین کو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل نہیں ہے۔

بعض نسخوں میں "عن محمد بن أبي بكرة عن أبي بكرة" آیا ہے، جو غلط ہے، اس نسخہ میں محمد کے بعد "عن" کا لفظ ساقط ہو گیا ہے۔(۴)

حاصل یہ کہ "محمد بن أبي بكرة" غلط ہے، "عن محمد عن ابن أبي بكرة عن أبي بكرة" صحیح ہے، جبکہ کتاب العلم کے طریق میں اس "ابن أبي بكرة" کی تعیین بھی کر دی گئی ہے کہ وہ عبد الرحمن بن ابی بکرہ ہیں۔ واللہ اعلم

ذُکر النبيُّ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا

یعنی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا کہ آپ اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک شخص نے نکیل تھام لی اور آپ نے خطبہ دیا، اس میں فرمایا۔

(۱) کشف الباری (ج۲ص۲۲۵)۔

(۲) صحیح البخاری (ج۲ص۶۶۲)، کتاب التفسیر، سورۃ براءۃ، باب قوله: إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا ... ، رقم (۴۶۶۲)۔

(۳) صحیح البخاری (ج۱ص۱۶)، کتاب العلم، باب قول النبي صلی الله علیه وسلم: رب مبلغ أوعى من سامع، رقم (۶۷)۔

(۴) فتح الباری (ج۱ص۱۹۹)، وعمدة القاري (ج۲ص۱۴۵)۔

فإن دماء كم وأموالكم - قال محمد: وأحسبه قال: وأعراضكم - عليكم حرام كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا

بلاشبہ تمہارا خون اور تمہارے اموال -محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے تمہاری آبرو کا لفظ بھی فرمایا تھا- تمہارے اوپر حرام ہے، تمہارے اس دن کی اور اس مہینے کی حرمت کی طرح۔

مطلب یہ ہے کہ محمد بن سیرین کو شک ہے کہ ابن ابی بکرہ نے بھی اپنی روایت میں "فإن دماء كم وأموالكم" کے بعد "وأعراضكم" بھی فرمایا یا نہیں۔(۱)

لیکن پیچھے "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: رب مبلغ أوعى من سامع" کے ذیل میں حدیث گذر چکی ہے، اس میں جزم کے ساتھ بغیر شک کے "وأعراضكم" بھی مذکور ہے۔(۲)

ألا ليبلغ الشاهد منكم الغائب

سنو! تم میں سے جو حاضر ہیں وہ غائب کو پہنچادیں۔

ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خبرِ واحد کو قبول کرنا جائز ہے، اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو تبلیغ کا حکم دیا تھا، اگر ہر ہر فرد کی خبر الگ الگ معتبر نہ ہوتی تو آپ کا ہر فرد کو تبلیغ کا مکلف بنانے کا فائدہ کیا ہوتا؟! (۳)

وكان محمد يقول: صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم، كان ذلك

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا اور یہ واقع ہو چکا۔

---

(۱) فتح الباري (ج۱ ص۱۹۹)۔

(۲) صحيح البخاري (ج۱ ص۱۶)، كتاب العلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: رب مبلغ أوعى من سامع، رقم (۶۷)۔

(۳) فتح الباري (ج۴ ص۴۴) كتاب جزاء الصيد، باب: لا يعضد شجر الحرم۔

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مختلف توجیہات

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کس چیز کی تصدیق کررہے ہیں؟ خاص طور پر یہ سوال اس لئے بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہاں "یبلغ" امر کا صیغہ ہے اور تصدیق یا تکذیب خبر کی ہوتی ہے، امر، نہی، وغیرہ جو ازقبیلِ انشاء ہیں ان کی تصدیق یا تکذیب نہیں ہوتی، نیز یہ کہ "کان ذلك" میں "ذلك" کا اشارہ کس چیز کی طرف ہے؟

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں مختلف احتمالات ذکر کئے ہیں، ہر احتمال گویا ایک مستقل قول ہے:-

۱ ایک احتمال یہ ہے کہ یہاں ممکن ہے کہ روایت امر کے صیغہ کے ساتھ نہ ہو، بلکہ "لیبلغ" کے شروع میں لام مفتوحہ ہو، گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے رہے ہیں "لَیبلغ الشاهد منکم الغائب" تم میں سے جو حاضر ہے وہ غائب کو پہنچائے گا۔

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اس خبر کی تصدیق کررہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ خبر دی ہے درست خبر دی ہے "کان ذلك" واقعی تبلیغ ہوئی ہے۔

۲ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں "لیبلغ" امر کا صیغہ ہی ہے، لیکن یہ بمعنی الخبر ہے، گویا آپ فرمارہے ہیں "سیقع التبلیغ بعد" امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اسی خبر کی تصدیق اور اس کے وقوع کی خبر دے رہے ہیں۔

۳ ...تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس کے بعد جو "ألا هل بلغت" آیا ہے، اس کے ضمن میں جو "تبلیغ" کا مفہوم ہے اس کی طرف اشارہ مقصود ہے، اب ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت کو تبلیغ ہوچکی۔

۴...... چوتھا احتمال یہ ہے کہ "ذلك" سے اشارہ تتمۂ حدیث کی طرف ہو، کیونکہ اس حدیث کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے "فإن الشاهد عسی أن یبلغ من هو أوعی له منه"۔ (۱) گویا ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ یہ

(۱) صحیح البخاري (ج ۱ ص ۱۶) کتاب العلم، باب قول النبي صلی اللہ علیه وسلم: رب مبلغ أوعی من سامع، رقم (۶۷)۔

فرمارہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ شاہد کو آگے دوسروں تک علم کی بات پہنچانی چاہئے، کیونکہ عین ممکن ہے کہ جس کو پہنچایا جائے وہ اس علم کی بات کو پہنچانے والے کی بنسبت زیادہ حفاظت کرسکے، یہ بات آپ نے بالکل درست فرمائی، چنانچہ شاہدین کی طرف سے بعد والوں کو جب تبلیغ ہوئی تو ان میں بہت سے حضرات ''اوعیٰ'' اور ''احفظ'' نکلے۔(۱)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلا احتمال وجیہ ہے، لیکن یہ اس صورت میں معتبر ہے جب محمد بن سیرین سے لام کے فتحہ کی روایت ثابت ہوجائے۔

جہاں تک دوسرے احتمال کا تعلق ہے، سو امر کے بمعنی الخبر ہونے کے لئے قرینہ ہونا چاہئے، جو یہاں نہیں ہے۔(۲)

نیز وہ فرماتے ہیں کہ یہ عین امکان ہے کہ "ذلك" کا اشارہ اس "تبلیغ" کی طرف ہو جو "لیبلغ" کے ضمن میں سمجھ میں آرہا ہے، اب "کان ذلك" کا مطلب ہوجائے گا "وقع ذلك التبليغ المأمور به من الشاهد إلى الغائب"۔(۳)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "صدق" کا مطلب ہے "وقع ما أمر به" یعنی جو آپ نے حکم دیا تھا اس کی تعمیل ہوگئی اور اہلِ عرب ایسے موقعوں پر "صدق" کا استعمال کرتے ہیں، میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ یہ تتمۂ حدیث "رب مبلغ أوعى من سامع" کی طرف اشارہ ہے۔(۴)

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی مطلقاً تصدیق ہے، دیگر حضرات نے جو بات کہی ہے کہ یہ جزءِ اخیر "ألاهل بلغت" سے متعلق ہے، یا تتمۂ محذوف "فإن الشاهد عسى أن يبلغ من هو أوعى له منه" سے متعلق ہے، اس کے مقابلہ میں یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے۔(۵)

---

(۱) دیکھئے شرح الکرمانی (ج۲ص۱۰۸)۔

(۲) عمدة القاري (ج۲ص۱٤٦)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) شرح تراجم أبواب البخاري (مطبوعہ مع صحیح بخاري ج۱ص۱٥)۔

(٥) شرح شیخ الإسلام فارسی (مطبوعہ بر حاشیہ تیسیر القاري ج۱ص۱٦٧)۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"صدق رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أي فیما کان یخاف علی قومہ وأمتہ من رفعة سیوفھم فیھم ویؤکد حرمات دمائھم وأعراضھم فکان کما أخبر"۔(۱)

گویا ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے "صدق" کہہ کر جو تصدیق کی ہے، اس کا تعلق اس قتل ونہب اور سفک دماء سے ہے جن کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا اور جن کی حرمت کی تاکید آپ نے کی تھی، "کان ذلك" آپ نے جس طرح تاکید کی تھی اور آپ کو جس کا خوف لگا ہوا تھا آخر وہ ہو کر رہا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ باب میں اگرچہ سفکِ دماء کی صراحۃً خبر نہیں دی لیکن "قتل وسفك" کے باب میں آپ کی تاکیدات سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس چیز کے وقوع کا اندیشہ ہے، کیونکہ کسی معاملہ میں تاکید اس وقت کی جاتی ہے جب اس کی عدمِ تعمیل کا اندیشہ ہو، اسی طرح کسی چیز سے تاکیداً اس وقت روکا جاتا ہے جب اس کے ارتکاب کا دھڑکا لگا رہے۔(۲) واللّٰہ أعلم

ألا ھل بلّغت؟ مرّتین

سنو! کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ آپ نے دو مرتبہ فرمایا

یہ حدیث ہی کا جز ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اور "وکان محمد یقول" سے لے کر "کان ذلك" تک حدیث کے درمیان میں ابن سیرین کا قول جملہ معترضہ ہے۔(۳)

واللّٰہ أعلم بالصواب

نوٹ: یہ حدیث "باب قول النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: رب مبلّغ أوعی من سامع" کے تحت گزر چکی ہے، تفصیلی تشریح کیلئے مذکورہ باب کی مراجعت کریں۔

---

(۱) لامع الدراري مع الکنز المتواري (ج۲ص۳۴۱و۳۴۲)۔

(۲) دیکھئے لامع الدراري (ج۲ص۳۴۲)۔

(۳) فتح الباري (ج۱ص۱۹۹)۔

۳۸ - باب . إثم من كذب على النبي ﷺ .

بابِ سابق سے مناسبت

گذشتہ باب میں یہ مذکور تھا کہ جو نہیں جانتا اس کو سکھانا اور اس تک علم کو پہنچانا چاہئے اور اس باب میں کذب فی التبلیغ سے تحذیر ہے کہ اس علم کو پہنچانے میں جھوٹ سے مکمل احتراز کیا جائے، اس طرح دونوں ابواب میں مناسبت ظاہر ہوگئی۔ (۱)

مقصدِ ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابواب سابقہ متعددہ سے تبلیغ و تعلیم و تفہیم و تکثیر معلوم ہوئی اور اس میں خطرۂ کذب ضرور ہے، بالارادہ ہو خواہ بلاارادہ، اس لئے یہ ترجمہ بیان کر کے متنبہ کر دیا کہ تبلیغ و تعلیم میں نہایت احتیاط و اہتمام لازم ہے، تخمین و مجازفت سے کام نہ لیا جائے۔ واللّٰہ تعالی أعلم (۲)

حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنا بالاتفاق حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم و تبلیغ کی ترغیب کے لئے متعدد ابواب منعقد کئے تھے، اب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلاتے ہیں کہ تعلیم و تبلیغ کا اگرچہ اہتمام کرنا چاہئے، لیکن احتیاط بھی بہت ضروری ہے، اس لئے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی نے کوئی غلط بات منسوب کردی اور اس طرح بے احتیاطی کی تو وہ "من كذب" کی وعید کے تحت داخل ہو جائے گا، اس لئے دروغ گوئی سے بچنا بہت ضروری ہے۔

---

(۱) عمدة القاري (ج۲ ص۱٤٧)۔

(۲) الأبواب والتراجم (ص٥٥)۔

۱۰۶ : حدثنا عليُّ بْنُ الْجَعْدِ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ : أَخْبَرَنِي مَنْصُورٌ قَالَ : سَمِعْتُ رِبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ يَقُولُ : سَمِعْتُ عَلِيًّا(١) يَقُولُ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ ، فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ) .

تراجمِ رجال

(۱) علی بن الجعد

یہ ابوالحسن علی بن الجعد بن عبید جوہری بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب أداء الخمس من الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۲) شعبہ

یہ امیر المؤمنین شعبۃ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۳) منصور

یہ مشہور محدث منصور بن المعتمر السلمی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم ہی میں "باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة" کے تحت گذر چکے ہیں۔

---

(۱) قوله: "علياً": وهو ابن أبي طالب رضي الله عنه، والحديث، أخرجه مسلم في صحيحه، في المقدمة، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۲)، والترمذي في جامعه، في أبواب العلم، باب ماجاء في تعظيم الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۲۶۶۰)، وفي أبواب المناقب، باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه، رقم (۳۷۱۵)، وابن ماجه، في سننه، في المقدمة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۳۱)۔

(۲) دیکھئے کشف الباري (ج۲ص۶۹۷)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ص۶۷۸)۔

(۴) ربعی بن حراش

راء مہملہ مکسورہ باء، ساکن، عین مہملہ مکسورہ، اس کے بعد یاء مشددہ ہے۔ (۱)

اسی طرح ''حراش'' حاء مہملہ مکسورہ اور راء مہملہ کے ساتھ ہے۔ (۲)

یہ مشہور تابعی بزرگ ربعی بن حراش بن جحش بن عمرو غطفانی عبسی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۳)

ابو الربیع ان کی کنیت ہے، ربیع بن حراش اور مسعود بن حراش ان کے بھائی ہیں۔ (۴)

یہ حضرت حذیفہ، حضرت ابوموسی اشعری، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابومسعود بدری، حضرت علی، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالی عنہم وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے ابراہیم بن مہاجر، سعد بن طارق اشجعی، عامر شعبی، ابوالنضر کثیر بن ابی کثیر، منصور بن المعتمر اور نعیم بن ابی ہند رحمہم اللہ تعالی وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ (۵)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "تابعي ثقة من خيار الناس، لم يكذب كذبة قط"۔ (۶)

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان ثقة له أحاديث صالحة"۔ (۷)

لالکائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مجمع على ثقته"۔ (۸)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حجة قانت لله لم يكذب قط"۔ (۹)

---

(۱) المغني (ص۳۲)۔

(۲) المغني (ص۲۰)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۹ص۵۴و۵۵)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تہذیب الکمال (ج۹ص۵۵و۵۶)۔

(۶) تهذيب الكمال (ج۹ص۵۶)۔

(۷) الطبقات الكبرى لابن سعد (ج۶ص۱۲۷)۔

(۸) تهذيب التهذيب (ج۳ص۲۳۷)۔

(۹) الكاشف (ج۱ص۳۹۰) رقم (۱۵۲۱)۔

حافظ ذہبی ایک جگہ لکھتے ہیں "الإمام القدوة الولي الحافظ الحجة..."۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة عابد مخضرم"۔(۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۳)

ربعی بن حراش رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ان کے اوپر بڑی آزمائشیں آئیں لیکن سچ کی بدولت اللہ تعالی نے ان کو سرخ رو کیا۔

ایک واقعہ لکھا ہے کہ ان کے دو بیٹے حجاج بن یوسف کے معتوب تھے اور انہیں سزا دینے کے لئے حجاج ان کے درپے تھا اور وہ ہاتھ نہیں آرہے تھے۔ کسی نے حجاج کو سمجھایا کہ ان کے والد کبھی جھوٹ نہیں بولتے، ان سے پوچھو کہ ان کے بیٹے کہاں ہیں؟ حجاج نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بلاتامل کہہ دیا "هما في البيت، والله المستعان" حجاج بن یوسف دنگ رہ گیا اور باپ کی عظیم صداقت کی وجہ سے بیٹوں کو معاف کر دیا۔(۴)

اللہ تعالی نے انہیں فکرِ آخرت کی عظیم دولت عطا فرمائی تھی، کبھی ہنستے نہیں تھے، حتی کہ انہوں نے قسم کھالی کہ میں جب تک یہ معلوم نہ کرلوں کہ میرا انجام کیا ہوگا اس وقت تک ہنسوں گا نہیں، پھر زندگی بھر نہیں ہنسے، حتی کہ جب ان کا انتقال ہوگیا تو ان کے غسل دینے والے کہتے ہیں کہ وہ مسلسل تبسم کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم غسل سے فارغ ہوگئے۔(۵)

ربعی بن حراش کے ایک بھائی ربیع بن حراش تھے، کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ہوگیا، انہیں سیدھا کرکے لٹا دیا گیا اور اوپر سے چادر اڑھا دی گئی، کچھ دیر بعد انہوں نے چہرے سے چادر سرکائی اور سلام کیا، لوگوں نے سلام کا

(۱) سیر أعلام النبلاء (ج٤ص٣٥٩)۔

(۲) تقریب التهذیب (ص۲۰۵) رقم (۱۸۷۹)۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج٤ص۲٤۰و۲٤۱)۔

(٤) دیکھئے سیر أعلام النبلاء (ج٤ص٣٦٠و٣٦١) وتهذیب الکمال (ج٩ص٥٢)۔

(۵) حوالہ جات بالا۔

جواب دیا اور پوچھا کہ کیا موت کے بعد بھی بات چیت ہوتی ہے؟ اس پر انہوں نے کہا:

"إني لقيت ربي بعدكم، فلقاني بروح وريحان، ورب غير غضبان، وكساني ثيابا خضرا من سندس وإستبرق، ووجدت الأمر أيسر مما في أنفسكم، ولا تغتروا، وإني استأذنت ربي لأبشركم، فاحملوني إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فإنه وعدني أن لا يسبقني حتى أدركه"۔

"تمہارے بعد جب میں اپنے رب سے ملا تو میرا استقبال خوشبوؤں اور رحمتوں سے کیا اور مجھے میرا رب ملا جو ناراض نہیں تھا، اس نے مجھے سبز ریشم کے باریک اور موٹے لباس پہنائے اور مجھے معلوم ہو گیا کہ معاملہ کو تم اپنے دل میں جس قدر مشکل سمجھتے ہو اس سے کہیں آسان ہے، البتہ تم دھوکے میں نہ رہنا، میں نے اپنے رب سے تمہیں خوشخبری سنانے کی اجازت لی تھی، اب مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو، کیونکہ آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ مجھے چھوڑ کر آگے نہیں چلے جائیں گے"۔

یہ کہہ کر پھر خاموش ہو گئے"۔(۱)

ربعی بن حراش رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۰۰ھ یا ۱۰۱ھ یا ۱۰۴ھ میں ہوا۔(۲)

رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۵) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

یہ امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب بن ہاشم بن عبد مناف ہاشمی مکی مدنی رضی اللہ عنہ ہیں، ابو الحسن کنیت

---

(۱) دیکھئے طبقات ابن سعد (ج۶ص[illegible])، وسیر اعلام النبلاء (ج۴ص۳۶[illegible])، وتہذیب الکمال [illegible] (ج۹ص۲۲۷)۔

واضح رہے کہ تکلم بعد الموت کا یہ واقعہ [illegible] (ج۴ص[illegible]) اور عمدۃ القاری (ج۲ص۱۴[illegible]) میں [illegible]

[illegible]

(۲) سیر اعلام النبلاء (ج۴ص۳۶۲)۔

ہے(۱)، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوتراب کی کنیت سے پکارا تھا۔(۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی، آپ کے داماد یعنی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔

بہت سے اہل علم کے نزدیک سب سے پہلے اسلام لانے والے آپ ہی تھے، اس وقت آپ کی عمر آٹھ سے لے کر پندرہ سال کے درمیان تھی، مختلف حضرات سے مختلف اقوال مروی ہیں۔(۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب بے شمار ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس قدر مناقب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقل کئے گئے ہیں اتنے کسی کے بھی نقل نہیں کئے گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بنوامیہ کے لوگ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض کا اظہار کیا کرتے تھے، اس لئے جس کے پاس جو روایت بھی تھی اس نے وہ روایت نقل کردی، چنانچہ جس قدر ان کے فضائل کو مٹانے کی کوشش کی گئی اُسی قدر ان کے مناقب ومزایا پھیلتے اور منتشر ہوتے گئے۔(۴) اگرچہ روافض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں بہت سی خرافات اور بے سروپا باتیں ذکر کی ہیں، لیکن ان کے جو حقیقی فضائل ہیں وہ کم نہیں ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے "خصائص علی" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جس کی اکثر روایات جید ہیں۔(۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں نسبی شرافت اور نبوی قرابت سے نوازا تھا، وہیں وہ علم وعرفان اور شجاعت وبسالت میں بھی بے مثال تھے۔

عبداللہ بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إن عليا كان له ما شئت من ضرس قاطع في العلم، وكان له السّطة(٦) في

---

(۱) تهذيب الكمال (ج ۲۰ ص ۴۷۲)۔

(۲) دیکھئے صحیح البخاري (ج ۱ ص ۶۳)، کتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد، رقم (۴۴۱)۔

(۳) دیکھئے الإصابة في تمييز الصحابة (ج ۲ ص ۵۰۸)، وتهذيب الكمال (ج ۲۰ ص ۴۸۰-۴۸۲)۔

(۴) الإصابة (ج ۲ ص ۵۰۷ و ۵۰۸)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) السطة في النسب: الوسط ... تهذيب الكمال (ج ۲۰ ص ۴۸۷)۔

العشيرة، والتقدم في الإسلام، والصهر برسول الله صلى الله عليه وسلم، والفقه في السنة، والنجدة في الحرب، والجود في الماعون"۔ (۱)

یعنی "حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انتہائی مضبوط علم حاصل تھا، انہیں حسب ونسب کے اعتبار سے بڑا مرتبہ حاصل تھا، اسلام میں ان کو بڑا مقام ملا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا شرف ملا، فقہ حدیث کا وافر حصہ حاصل ہوا، وہ حالت جنگ میں شجاعت وبسالت اور لوگوں کو ضروریات کی چیزیں دینے میں سخاوت سے متصف تھے"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بنی ہاشم کے پہلے خلیفہ تھے، آپ کو أحد العشرة المبشرة بالجنة، أحد الستة أصحاب الشورى، أحد الخلفاء الراشدين، أحد العلماء الربانيين، أحد الشجعان المشهورين اور أحد السابقين إلى الإسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ (۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات ومشاہد میں شریک رہے، البتہ غزوۂ تبوک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنے نائب کے طور پر چھوڑا تھا، اس لئے اس میں عملاً شرکت نہیں کی۔ (۳)

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے ہاتھ پر امت نے بیعت کی اور آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا، اس کے مابعد حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کیا، اس کے نتیجے میں واقعۂ جمل پیش آیا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہل شام کو لے کر یہی مطالبہ کرنے لگے، جس کے نتیجہ میں واقعۂ صفین پیش آیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان تمام حضرات کو چاہئے تھا کہ پہلے بیعت کر لیتے اور طاعت میں داخل ہو جاتے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اولیاء قصاص کا مطالبہ کرتے تو اس وقت حکم شریعت پر عمل کیا جاتا، جبکہ ان کے مخالفین کا کہنا تھا کہ قاتلین کا پہلے پیچھا کرو اور ان کو کیفر کردار تک پہنچاؤ، حضرت علی رضی اللہ

(۱) تهذیب الکمال (ج۲۰ص۴۸۷)۔

(۲) عمدة القاری (ج۲ص۱۴۷)۔

(۳) تهذیب الکمال (ج۲۰ص۴۸۳)۔

عنہ کا موقف یہ تھا کہ قصاص بغیر دعوی اور بغیر اقامت بینہ کے درست نہیں۔ ہر فریق اس سلسلے میں مجتہد تھا، کچھ حضرات صحابہ بالکل دونوں فریقوں سے الگ تھلگ رہے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے، چنانچہ ابتدائی اختلاف کے بعد اہل السنۃ والجماعۃ کا اسی پر اتفاق ہو گیا۔ (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے موقع پر فرمایا "لأدفعن الراية غداً إلى رجل يحب الله ورسوله، ويحبه الله ورسوله، يفتح الله على يديه"۔ یعنی "کل صبح میں یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کرنے والے ہیں، اس کے ہاتھوں فتح ہوگی"۔

جب صبح ہوئی تو بہت سے حضرات اس امید میں تھے کہ ممکن ہے علم میرے ہاتھ میں آجائے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے، وہ آئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور دعا کی، وہ ٹھیک ہو گئے، ان کو آپ نے جھنڈا مرحمت فرمایا۔ (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے امارت کی کبھی خواہش نہیں ہوئی، البتہ اس دن ان فضائل کی وجہ سے میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! یہ شرف مجھے حاصل ہو جائے۔ (۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی کو حج کے موقع پر اعلان برات کے لئے بھیجا تھا اور فرمایا "لا يذهب بها إلا رجل مني وأنا منه"۔ (۴)

جب آیت کریمہ ﴿فقل تعالوا ندع أبناءنا وأبناءكم ونساءنا ونساءكم وأنفسنا وأنفسكم﴾ (۵) نازل ہوئی تو آپ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بلایا اور فرمایا

---

(۱) دیکھئے الإصابة (ج ۲ ص ۵۰۸)۔

(۲) الإصابة (ج ۲ ص ۵۰۸)، نیز دیکھئے صحیح البخاري (ج ۱ ص ۵۲۵)، کتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب علي بن أبي طالب۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه، رقم (۶۲۲۲)۔

(۴) مسند أحمد (ج ۱ ص ۳۳۱)، مسند عبد الله بن عباس رضي الله عنهما۔

(۵) آل عمران/۶۱۔

"اللهم هؤلاء أهلي"۔(۱)

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اپنا نائب بنا کر مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "خلفتني مع النساء والصبيان؟" یعنی آپ نے مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ پیچھے چھوڑ دیا؟ آپ نے فرمایا "أما ترضى أن تكون مني بمنزلة هارون من موسى، إلا أنه لا نبوة بعدي؟"۔(۲) یعنی "کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت اور مقام حاصل ہو جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت حاصل تھی، یہ اور بات ہے کہ میرے بعد نبوت کا سلسلہ نہیں ہے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے واقعات ومعضلات سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے جن کے حل کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ہوں۔

علمی مقام کا یہ حال تھا کہ خود فرماتے تھے "سلوني، سلوني عن كتاب الله، فوالله ما من آية إلا وأنا أعلم أنزلت بليل أو نهار"۔(۳) یعنی "مجھ سے اللہ کی کتاب کے بارے میں خوب پوچھو، بخدا! کوئی بھی آیت ایسی نہیں کہ جس کے بارے میں مجھے علم نہ ہو کہ آیا وہ رات کو نازل ہوئی یا دن میں"۔

امام مسروق بن الاجدع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وجدت علم أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم ينتهي إلى ستة: إلى علي، وعبد الله، وعمر، وزيد بن ثابت، وأبي الدرداء، وأبي بن كعب، ثم وجدت علم هؤلاء الستة انتهى إلى علي وعبد الله"۔(۴)

یعنی "میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے علم کو چھ حضرات پر ختم پایا، یعنی علی، عبداللہ، عمر، زید بن ثابت، ابوالدرداء اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم، پھر ان چھ کے علوم دو حضرات میں سمٹ گئے، ایک حضرت علی اور دوسرے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما"۔

---

(۱) صحیح مسلم، [illegible]
(۲) حوالہ بالا۔
(۳) [illegible]
(۴) [illegible]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت مقداد بن الاسود اور اپنی اہلیہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم سے روایت حدیث کی ہے۔

ان سے بعض صحابۂ کرام کے علاوہ بہت سے تابعین نے روایت کی ہے، چنانچہ صحابہ میں سے آپ کے صاحبزادوں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابورافع، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت صہیب رومی، حضرت زید بن ارقم، حضرت جریر بن عبداللہ بجلی، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوجحیفہ، حضرت براء بن عازب اور حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں۔

تابعین مخضرمین یا جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت حاصل ہے ان میں سے عبداللہ بن شداد بن الہاد، طارق بن شہاب، عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام، عبداللہ بن الحارث بن نوفل، مسعود بن الحکم اور مروان بن الحکم وغیرہ آپ سے روایت کرتے ہیں، ان کے علاوہ تابعین کا ایک جم غفیر آپ سے روایت کرتا ہے۔ (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تقریباً پانچ سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے متفق علیہ بیس احادیث ہیں، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نو حدیثوں میں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پندرہ احادیث میں متفرد ہیں۔ (۲)

رمضان ۴۰ھ میں ایک شقی القلب شخص عبدالرحمن بن ملجم مرادی نے آپ پر حملہ کیا اور اس واقعہ میں آپ شہید ہوگئے۔ (۳)

آپ کی خلافت مدت [illegible] تین ماہ پانچ سال رہی۔ (۴)

---

(۱) تہذیب التہذیب [illegible]
(۲) دیکھئے [illegible]
(۳) [illegible]
(۴) [illegible]

قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لاتکذبوا عليّ، فإنه من کذب عليّ فیلج النار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر جھوٹ مت باندھو، اس لئے کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

مطلب یہ کہ میری طرف کسی بھی قسم کے جھوٹ کی نسبت نہ کرو، اس لئے کہ جو آدمی میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے گا جو آپ نے ارشاد نہ فرمائی ہو، وہ جہنم میں جائے گا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنا حرام ہے، چاہے وہ دین کی تائید میں ہو یا تردید میں۔

اس روایت میں "لاتکذبوا علي" جو فرمایا ہے، اس "علي" کا مفہوم مخالف مقصود اور معتبر نہیں ہے، کیونکہ "کذب لہ" کا کوئی تصور یہاں نہیں، اس لئے یہ نہی مطلق کذب کی ہے۔

کیا تائید شریعت کے لئے وضع حدیث جائز ہے؟

کچھ جاہل صوفیہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "کذب علی النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم" سے منع فرمایا ہے "کذب للنبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم" سے نہیں، لہذا اگر کوئی دین کی تائید کے لئے احادیث وضع کرلے تو یہ جائز ہے۔(۱)

اسی طرح کرامیہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ قرآن وسنت میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے اگر ترغیب وترہیب کے باب میں کوئی جھوٹ بول کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردے تو جائز ہے، کیونکہ یہ "کذب لہ" ہے، "کذب علیہ" نہیں ہے۔(۲)

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج۱ص۱۹۹)، وفتح الملہم (ج۱ص۳۰۶)۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

لیکن یہ دلیل درست نہیں اس لئے کہ "کذب علیہ" اور "کذب لہ" میں کوئی فرق ہے ہی نہیں، کیونکہ "کذب" خلافِ واقعہ بات کو کہتے ہیں، پھر اگر کوئی شخص کسی کی طرف کوئی بات منسوب کرے اور منسوب الیہ نے وہ بات کہی نہ ہو تو چاہے اس کی تائید میں ہو یا تردید میں تو وہاں "کذب علیہ" (۱) کہا جاتا ہے اور تائید کی صورت میں "کذب لہ" کا استعمال لغت میں کہیں موجود نہیں، لہذا "کذب لہ" کہہ کر اپنے لئے جواز فراہم کرنے کی کوشش بے اصل اور بے بنیاد ہے، یہ فرق ان مدعین کا خود ساختہ ہے، لغت سے اس کی کوئی تائید نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے جہل کی دلیل ہے، کیونکہ انہوں نے ترغیب و ترہیب میں جو حدیثیں وضع کیں اور ان سے "ندب" جو ثابت کیا تو وہ "مندوب" بھی چونکہ احکامِ شرع سے ہے، اس لئے اس نے گویا وضعِ احکام میں اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات منسوب کی، اسی طرح اس حکم میں وہ تمام اخبار اور روایات داخل ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص عمل پر مخصوص ثواب کا وعدہ نقل کیا جاتا ہے، جبکہ وہ ثابت نہیں۔ (۲)

ان جہلاء کا ایک استدلال ایک روایت سے بھی ہے، جس میں ہے کہ "من کذب علی متعمدا لیضل به الناس فلیتبوأ مقعده من النار"۔ (۳)

اس روایت میں "کذب متعمدا" کو مذموم اور باعثِ عذاب اس صورت میں قرار دیا گیا ہے جبکہ لوگوں کو گمراہ کرنے کی نیت سے جھوٹ بولا گیا ہو، جس سے معلوم ہوا کہ اگر لوگوں کو گمراہ کرنے کی نیت نہ ہو تو جھوٹ بولا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو روایات اس قید سے مطلق ہیں ان کو بھی اسی مقید روایت پر محمول کیا جائے گا۔ (۴)

---

(۱) دیکھئے [illegible] (ج ۱ ص [illegible]) [illegible] (ص ۱۳۴)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری کتاب العلم (ج ۱ ص ۱۹۹ و ۲۰۰)۔

(۳) کشف الأستار عن زوائد البزار (ج ۱ ص ۱۱۴)، کتاب العلم، باب فیمن کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۲۰۹)، وشرح مشکل الآثار (ج ۱ ص ۳۷۱)، باب بیان مشکل ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من [illegible]

(۴) فتح الباری کتاب العلم (ج ۱ ص ۲۰۰)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ زیادتی ضعیف ہے، اس کا سب سے قوی ترین طریق وہ ہے جو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "المدخل" میں نقل کیا ہے اور پھر اس کی تضعیف کی ہے، وہ طریق ہے "یونس بن بکیر عن الأعمش عن طلحة بن مصرف عن عمرو بن شرحبیل عن ابن مسعود" اسی طریق سے امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔

امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہاں یونس بن بکیر سے دو مقام پر غلطیاں ہوئی ہیں۔

ایک غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے طلحہ بن مصرف اور عمرو بن شرحبیل کے درمیان ابوعمار کے واسطہ کو ساقط کر دیا۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لے کر اسے موصول کر دیا، جبکہ یہ مرسل ہے۔(۱)

اور اگر یہ زیادتی ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس سے استدلال درست نہیں، کیونکہ لام کو تعلیل کے بجائے عاقبت کے لئے قرار دیا جائے گا، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ﴿فالتقطه آل فرعون ليكون لهم عدوا وحزنا﴾ (۲) میں "لیکون" کا لام لام عاقبت ہے، کیونکہ لام تعلیل ہونے کی صورت میں اس کے معنی ہوں گے کہ آل فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا التقاط اس لئے کیا کہ وہ ان کے لئے دشمن اور باعث پریشانی ہوں، ظاہر ہے اس غرض کے لئے انہوں نے ان کا التقاط نہیں کیا تھا، اس لئے لام عاقبت کے لئے ہوگا اور آیت کا مطلب ہوگا کہ آل فرعون نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا التقاط کیا تو اس کا انجام اور مآل یہ ہوا کہ وہ ان کے لئے دشمن اور باعث پریشانی ثابت ہوئے۔

اسی طرح "من کذب علیّ متعمدا لیضل به الناس..." میں بھی لام عاقبت کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، جس کا انجام اور مآل یہ ہے کہ لوگوں میں گمراہی پھیلے گی، سو ایسا شخص جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔

(۱) دیکھئے النکت علی کتاب ابن الصلاح (ج۲ص۸۵۵، ۸۵۶)، نیز دیکھئے شرح مشکل الآثار (ج۱ص۳۷۱، ۳۷۲)، باب بیان مشکل ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قوله: "من کذب علی متعمدا..."

(۲) القصص: ۸۔

"لیضل به الناس" کے دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ یہ جملہ یہاں بطور تاکید لایا گیا ہے، جس کا نہ مفہوم مخالف مقصود ہے اور نہ معتبر اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ﴿فمن أظلم ممن افترى على الله كذبا لِيُضِلَّ النَّاسَ بغيرِ علمٍ﴾۔ (۱) میں "لیضل ..." تاکید کے لئے ہے، اگر اس کا مفہوم مخالف معتبر اور مقصود ہوتا تو مطلب یہ ہوتا کہ افترا علی اللہ کرنے والا ظالم نہیں ہے، حالانکہ "افتراء الکذب علی اللہ" بہر صورت حرام ہے، خواہ اس سے اضلال مقصود ہو یا نہ ہو۔ واللہ أعلم (۲)

اس توجیہ کی وضاحت کے طور پر سمجھ لیجئے کہ یہ جاہل حدیث وضع کرنے کا جواز لیضل به الناس میں مفہوم مخالف نکال کر کرتے ہیں کہ اگر گمراہ کرنے کے لئے حدیث وضع کی جائے تو گناہ ہے۔ لیکن اگر نیت اچھی ہو اور مقصود دین پر عمل کے لئے آمادہ کرنا ہو تو پھر وضعِ حدیث گناہ نہیں، ثواب کی حدیثیں وضع کی جائیں، تاکہ عمل خیر کی تحریک ہو اور عذاب کی حدیثیں وضع کی جائیں، تاکہ گناہوں سے بچایا جا سکے تو اس کذب علی النبی میں گناہ نہیں۔

جبکہ ہم کہتے ہیں کہ یہاں مفہوم مخالف نہ مقصود ہے اور نہ معتبر، کذب علی النبی بہر صورت حرام اور گناہ ہے، لیضل به الناس کا جملہ کذب علی النبی کی قباحت اور برائی کی تاکید کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے، یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں ﴿فمن أظلم ممن افترى على الله كذباً لِيُضِلَّ النَّاسَ بغير علم﴾ فرمایا گیا ہے، آیت میں ﴿لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ کا مفہوم مخالف ہرگز مقصود اور معتبر نہیں، چونکہ مفہوم مخالف کا اعتبار کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ بغرض خیر (نیک کام کی ترغیب اور گناہ سے نفرت دلانے کے لئے) اگر افترا علی اللہ کا ارتکاب کیا جائے تو افتراء کرنے والا ظالم نہیں، حالانکہ افترا علی اللہ بہر صورت ظلم ہے اور حرام ہے، اس لئے آیت میں ﴿ليضل الناس بغير علم﴾ کو تاکید کے لئے قرار دیا جائے گا، گویا اس جملے سے افترا علی اللہ کی شناعت وقباحت کو مؤکد اور مضبوط کرنا مقصود ہے، اسی طرح حدیث میں بھی لیضل به الناس تاکید پر محمول ہے، اس کا مفہوم مخالف نہ مقصود ہے، نہ معتبر۔ والله تعالى أعلم وعلمه أحكم

(۱) الأنعام: ۱٤٤۔

(۲) النكت على كتاب ابن الصلاح (ج ۲ ص ۸٥٦)، وتوضيح الأفكار (ج ۲ ص ٦۳)، وفتح المغيث (ج ۲ ص ۳۰۷)، وشرح مشكل الآثار (ج ۱ ص ۳۷۲)۔

فلیلج النار

یہ "وُلوج" سے امر غائب کا صیغہ ہے۔

یہ امر یا تو بمعنی الدعاء ہے۔ گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے لئے جو کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارتکاب کرے بددعا فرما رہے ہیں کہ وہ جہنم میں ڈال دیا جائے۔ یا یہ امر بمعنی الخبر ہے، جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں "من یکذب علي یلج النار" آیا ہے(۱) اور ابن ماجہ کی روایت میں "الکذب عليّ یولج النار"(۲) کے الفاظ ہیں۔(۳)

١٠٧ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ : قُلْتُ لِلزُّبَيْرِ(٤) إِنِّي لَا أَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ كَمَا يُحَدِّثُ فُلَانٌ وَفُلَانٌ ؟ قَالَ : أَمَا إِنِّي لَمْ أُفَارِقْهُ ، وَلٰكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ : (مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ) .

تراجم رجال

(۱) ابوالولید

یہ مشہور محدث امام ابوالولید هشام بن عبدالملک باہلی طیالسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

یہ ابراہیم بن سعد، اسحاق بن سعید قرشی، عکرمہ بن عمار، جریر بن حازم، مهدی بن میمون، امام شعبہ، امام

---

(١) صحيح مسلم، المقدمة، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٢)۔

(٢) سنن ابن ماجه، المقدمة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٣١)۔

(٣) دیکھئے فتح الباري (ج١ ص٢٠٠)۔

(٤) قوله: "قلت للزبير" الحديث، أخرجه أبو داود في سننه، في كتاب العلم، باب التشديد في الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٣٦٥١)، وابن ماجه في سننه، في المقدمة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٣٦)۔

(٥) تهذيب الكمال (ج٣٠ ص٢٢٦)۔

مالک، امام لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، ہشام الدستوائی اور زائدۃ بن قدامہ رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام ابوداود، ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی، اسحاق بن راہویہ، ابوحاتم رازی اور محمد بن یحیی ذہلی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔(۱)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أبو الولید متقن"۔(۲)

نیز وہ فرماتے ہیں "أبو الولید الیوم شیخ الإسلام، ما أقدم علیه الیوم أحدا من المحدثین"۔(۳)

ابن وارہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حدثني أبو الولید وما أراني أدركت مثله"۔(۴)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أبو الولید بصري، ثقة ثبت في الحدیث، وكان یروي عن سبعین امرأة"۔(۵)

احمد بن سنان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حدثنا أبو الولید أمیر المحدثین"۔(۶)

امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أدرك نصف الإسلام، وكان إماما في زمانه، جلیلا عند الناس"۔(۷)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أبو الولید إمام، فقیه، عاقل، ثقة، حافظ، ما رأیت في یده كتابا قط"۔(۸)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج: ۳۰، ص: ۲۲۷-۲۲۹)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج: ۳۰، ص: ۲۲۹)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب الکمال (ج: ۳۰، ص: ۲۳۰)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) حوالہ بالا۔

معاویہ بن عبدالکریم زیادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أدركت البصرة، والناس يقولون: ما بالبصرة أعقل من أبي الوليد، وبعده أبو بكر بن خلاد"۔(۱)

یعنی "میں نے بصرہ کو اس حال میں پایا کہ لوگ کہتے تھے کہ بصرہ میں ابوالولید سے بڑھ کر کوئی عقل مند نہیں، ان کے بعد ابوبکر بن خلاد ہیں"۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان ثقة حجة ثبتا"۔(۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا "وكان من عقلاء الناس"۔(۳)

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة مأمون ثبت"۔(۴)

۲۲۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۵) رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً۔

(۲) شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۶)

(۳) جامع بن شداد

یہ ابوصخرہ جامع بن شداد محاربی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۷)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۳۰ص۲۳۱)۔

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد (ج۷ص۳۰۰)۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج۷ص۵۷۱)۔

(۴) تهذيب التهذيب (ج۱۱ص۴۷)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) كشف الباري (ج۱ص۶۷۸)۔

(۷) تهذيب الكمال (ج۴ص۴۸۶)۔

یہ صفوان محرز، طارق بن عبداللہ محاربی، عبدالرحمٰن بن یزید نخعی، ابو بردہ بن ابی موسیٰ اور عامر بن عبداللہ بن الزبیر رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام اعمش، مسعر بن کدام، شعبہ، سفیان ثوری، عبدالرحمٰن بن عبداللہ المسعودی اور عمر بن ابی زائدہ رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔(۱)

امام یحییٰ بن معین، امام ابوحاتم اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۲)

یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة متقن"۔(۳)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وهو شيخ عال ثقة ..... من قدماء شيوخ سفيان، وكان شيخا عاقلا ثقة ثبتا كوفيا"۔(۴)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کا تذکرہ شروع کرتے ہوئے لکھتے ہیں "الإمام، الحجة، أبو صخرة المحاربي، أحد علماء الكوفة"۔(۶)

ان کا سن وفات بعض حضرات نے ۱۱۸ھ، بعض نے ۱۲۷ھ اور بعض نے ۱۲۸ھ بیان کیا ہے۔(۷)

رحمه الله تعالى رحمة واسعة۔

(۴) عامر بن عبداللہ بن الزبیر

یہ عامر بن عبداللہ بن الزبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابوالحارث ان کی

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۴ ص۴۸۶ و ۴۸۷)، وتهذيب التهذيب (ج۲ ص۵۶)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۴ ص۴۸۷)۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج۲ ص۵۶)۔

(۴) تهذيب التهذيب (ج۲ ص۵۶)، وتعليقات تهذيب الكمال (ج۴ ص۴۸۷)۔

(۵) تهذيب التهذيب (ج۲ ص۵۷)۔

(۶) سير أعلام النبلاء (ج۵ ص۲۰۵)۔

(۷) دیکھئے سير أعلام النبلاء (ج۵ ص۲۰۶)، وتهذيب التهذيب (ج۲ ص۵۶ و ۵۷)، وتهذيب الكمال (ج۴ ص۴۸۷ و ۴۸۸)۔

کنیت ہے۔(۱)

یہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت انس، حضرت صالح بن خوات بن جبیر، عمرو بن سُلیم زرقی، عوف بن الحارث بن الطفیل اور اپنے ماموں ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ھشام سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں جامع بن شداد محاربی، ان کے بھائی عمر بن عبداللہ بن الزبیر، عمرو بن دینار، مالک بن انس، محمد بن عجلان، مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیر اور یحییٰ بن سعید انصاری رحمہم اللہ وغیرہ حضرات ہیں۔(۲)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة من أوثق الناس"۔(۳)

امام یحییٰ بن معین اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۴)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة صالح"۔(۵)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مدني تابعي ثقة"۔(۶)

حضرت ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان عابداً فاضلاً، وكان ثقة مأموناً، وله أحاديث يسيرة"۔(۷)

خلیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أحاديثه كلها يحتج بها"۔(۸)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان عابداً فاضلاً مجمعا على توثيقه وجلالته"۔(۹)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج ١٤ ص ٥٧)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج ١٤ ص ٥٧ و ٥٨)، وتهذيب التهذيب (ج ٥ ص ٧٤)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج ١٤ ص ٥٨)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) تهذيب التهذيب (ج ٥ ص ٧٤)۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) حوالۂ بالا۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) تهذيب الأسماء واللغات (ج ١ ص ٢٥٦)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "کان عالما فاضلا"۔(۱)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مجمع علی ثقته"۔(۲)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی وفات کا قابلِ رشک واقعہ لکھا ہے کہ عین موت کے وقت مغرب کی اذان کی آواز سنائی دی تو انہوں نے کہا کہ مجھے ہاتھ سے پکڑو اور اٹھا کر مسجد لے چلو، لوگوں نے کہا کہ آپ بیمار ہیں! فرمانے لگے "أسمع داعي الله ولا أجيبه؟!" کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی آواز سنوں اور لبیک نہ کہوں؟! چنانچہ لوگوں نے سہارا دیا اور مغرب کی جماعت میں شریک ہوگئے، ابھی ایک ہی رکعت ادا کی تھی کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔(۳)

عبادت اور دعا کا ایسا ذوق تھا کہ کچھ ہوش نہیں رہتا تھا اور بعض اوقات عشاء سے لے کر فجر تک دعا میں مشغول رہتے تھے۔(۴)

۱۳۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۵) رحمه الله تعالی رحمة واسعة۔

(۵) عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی، امیر المؤمنین عبداللہ بن الزبیر بن العوام بن خویلد بن اسد القرشی الاسدی المدنی رضی اللہ عنہ ہیں، ابوبکر ان کی کنیت ہے اور بعض حضرات نے کنیت ابوخبیب بتائی ہے۔(۶)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات وفضائل سے نوازا تھا۔ آپ کے والد حضرت زبیر بن العوام ہیں، جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

(۱) الثقات لابن حبان (ج ۶ ص ۱۸۶)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج ۵ ص ۲۲۰)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) الثقات لابن حبان (ج ۶ ص ۱۸۷)۔

(۶) تہذیب الکمال (ج ۱۴ ص ۵۰۸ و ۵۰۹)۔

حواری کے نام سے معروف تھے، آپ کی والدہ حضرت اسماء ذات النطاقین بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما ہیں. آپ کی دادی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا ہیں، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے والد کی پھوپھی تھیں، آپ کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔(۱)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہجرت کے بعد ہوئی، بعض نے ۲ھ میں ولادت بتائی ہے، جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اھ کو راجح قرار دیا ہے۔(۲)

آپ کو "أول مولود في الإسلام بعد الهجرة" ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، آپ کی ولادت اہل اسلام کے لئے زبردست خوشی اور مسرت کا باعث ہوئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ ہم نے ان مہاجرین پر جادو کر دیا ہے، اس لئے ان کے ہاں ولادت نہیں ہوگی، چنانچہ جب یہ پیدا ہوئے تو یہود کی تردید اور ذلت پر مسلمانوں کو طبعاً خوشی ہوئی۔(۳)

جب یہ پیدا ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کو لایا گیا، آپ نے کھجور چبائی اور اس کھجور سے تحنیک کی، چنانچہ آپ کے پیٹ میں سب سے پہلے جو چیز پہنچی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک تھا۔(۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت آپ کی عمر آٹھ نو سال کی تھی، جب یہ سات سال کی عمر کو پہنچے تو اپنے والد کے اشارہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت کے لئے حاضر ہوئے، آپ ان کو آتے ہوئے دیکھ کر مسکرائے اور پھر بیعت فرمالی۔(۵)

اللہ جل جلالہ نے ان کو جہاں نسبی شرافت عطا فرمائی تھی وہیں ذاتی قابلیت اور صلاحیت سے بھی نوازا

---

(۱) دیکھئے تہذیب الأسماء واللغات للنووي (ج۱ص۲۶۶)۔

(۲) دیکھئے تہذیب التہذیب (ج۵ص۲۱۳و۲۱۴)، والإصابۃ (ج۲ص۳۰۹)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (ج۳ص۳۶۵)، والإصابۃ (ج۲ص۳۰۹)۔

(۴) تہذیب الأسماء واللغات (ج۱ص۲۶۶)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج۳ص۳۶۴، ۳۶۵)۔

تھا، زبردست بہادر تھے، دس سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ یرموک کی لڑائی میں شریک ہوئے اور گھڑ سواری کی۔(۱)

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن الزبیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ اس وقت سینگی لگوا رہے تھے، فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا اے عبداللہ! یہ خون لے جاؤ اور اسے ایسی جگہ ڈال آؤ جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھ پائے، جب وہ وہاں سے چلے تو اُس خون کو پی لیا، واپس لوٹنے پر آپ نے پوچھا کہ خون کا کیا کیا؟ عرض کیا کہ مجھے مخفی ترین جگہ معلوم تھی، وہاں چھپا آیا ہوں، آپ نے فرمایا کہ شاید تم نے اُسے پی لیا ہے؟ عرض کیا کہ جی ہاں! آپ نے فرمایا "ولم شربت الدم؟! ویل للناس منك، وویل لك من الناس"۔ یعنی "تم نے یہ خون کیوں پیا؟! اب تمہاری طرف سے لوگوں پر مصیبت آئے گی اور لوگوں سے تمہیں تکلیف ہوگی"۔

موسیٰ تبوذکی راوی حدیث نقل کرتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابوعاصم کو سنائی تو انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ان کے اندر جو غیر معمولی قوت تھی وہ اسی خون کی بدولت تھی۔(۲)

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جہادِ افریقہ میں شریک ہوئے، ایک موقع پر بیس ہزار مسلمانوں کا مقابلہ ایک لاکھ بیس ہزار کفار سے تھا، حضرت عبداللہ بن الزبیر اس موقع پر بے مثال بہادری اور نہایت ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے عین قلبِ دشمن پر حملہ آور ہوئے اور لمحوں میں کفار کے سردار کا سر اپنے نیزے پر اٹھا کر واپس آگئے، دیگر مسلمانوں نے اس موقع پر بے جگری سے یکبارگی جو حملہ کیا تو لشکر کفار ٹھہر نہ سکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔(۳)

واقعۂ جمل کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوکر شریک ہوئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ چالیس سے زیادہ زخم آئے۔(۴)

---

(۱) صحیح البخاری (ج۲ص۵۶۶) کتاب المغازی، باب قتل أبي جهل، رقم (۳۹۷۵)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج۳ص۳۶۶) و الإصابة (ج۲ص۳۱۰)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (ج۳ص۳۷۱) و تهذيب الأسماء واللغات (ج۱ص۲۶۶)۔

(٤) سیر أعلام النبلاء (ج۳ص۳۷۱)۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ عبادت کا خاص ذوق رکھتے تھے، حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے "ما رأیت مصلیاً قط أحسن صلاۃ من عبد اللہ بن الزبیر"۔(۱)

ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا "إن فی قلبك من ابن الزبیر" تو میں نے اس خدشہ کا ازالہ کرتے ہوئے کہا "لو رأیتہ ما رأیت مناجیا ولا مصلیا مثلہ"۔(۲) یعنی "تم اگر انہیں دیکھ لیتے تو سمجھ لیتے کہ ان سے بڑھ کر کوئی مناجات کرنے والا اور نماز پڑھنے والا نہیں"۔

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سات سات ایام صوم وصال رکھا کرتے تھے، پھر بھی سب سے مضبوط رہتے تھے۔(۳)

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن الزبیر نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ایسے دکھائی دیتے تھے گویا کہ آپ کوئی لکڑی ہیں۔(۴)

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی راتوں کو اس طرح منقسم کر رکھا تھا کہ ایک رات فجر تک صرف قیام کی حالت میں عبادت کرتے تھے، ایک رات صرف رکوع کی حالت میں اور ایک رات صرف سجدہ کی حالت میں عبادت میں مشغول ہوتے تھے۔(۵)

پیچھے "باب لیبلغ العلمَ الشاهد الغائب" کے تحت حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سعید کو جو نصیحت کی تھی اس کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے بعض حالات آ چکے ہیں، وہ بھی ملاحظہ کر لئے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ یزید کی خلافت کے اوائل میں ہی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف

---

(۱) سیر أعلام النبلاء (ج۳ص۳۶۷)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (ج۳ص۳۶۸)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج۳ص۳۶۹)۔

آ چکے تھے، یہیں ان کے ساتھ کشمکش جاری رہی، تا آنکہ ۶۴ھ میں یزید کا انتقال ہوگیا۔ اب حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر لوگوں نے بیعت کرلی، چنانچہ شام کے تھوڑے سے علاقہ کے سوا باقی تمام ممالک میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوگئی۔

سب سے پہلے مروان بن الحکم نے بغاوت کرتے ہوئے شام کے علاقہ پر قبضہ کرلیا اور پھر مصر پر قابض ہوگیا، اس کے بعد مروان کا انتقال ہوگیا اور عبدالملک بن مروان نے زمام کار سنبھال کے پیش قدمی کی، حتی کہ حجاج بن یوسف نے مکہ مکرمہ کا شدید محاصرہ کیا، بیت اللہ شریف پر منجنیق کے ذریعہ حملہ کیا، اس موقع پر حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نہایت بے جگری کے ساتھ لڑتے رہے، حتی کہ ۱۷ر جمادی الاولی ۷۳ھ کو شہید ہوگئے (۱) والحدیث ذو شجون۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اپنے والد حضرت زبیر بن العوام، سفیان بن ابی زہیر، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عمر بن الخطاب، اپنے نانا حضرت ابوبکر الصدیق اور اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ثابت بُنانی، ابوالشعثاء جابر بن زید، ابوذُبیان خلیفۃ بن کعب تمیمی، عامر بن عبداللہ بن الزبیر، عباد بن عبداللہ بن الزبیر، عامر بن شراحیل شعبی، عروۃ بن الزبیر، عمرو بن دینار، ابوالزبیر مکی، ابواسحاق سبیعی، ہشام بن عروہ اور فاطمۃ بنت المنذر بن الزبیر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔(۲)

حضرت عبداللہ بن الزبیر سے تقریباً تینتیس حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے متفق علیہ صرف ایک حدیث ہے، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ چھ حدیثوں میں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ دو حدیثوں میں متفرد ہیں۔(۳)

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے الکامل لابن الأثیر (ج۳ص۲۵۹-۳۶۰)، وتهذیب الأسماء واللغات (ج۱ص۲۶۷)، والإصابة (ج۲ص۳۱۱)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذیب الکمال (ج۱٤ص۵۰۹-۵۱۰)، وسیر أعلام النبلاء (ج۳ص۳٦٤)۔

(۳) دیکھئے سیر أعلام النبلاء (ج۳ص۳٦۳)، وخلاصة الخزرجي (ص۱۹۷)۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ ''عبادلۂ اربعہ'' میں سے ایک ہیں، عبادلۂ اربعہ کی تفصیل ہم "بدء الوحی" کی چوتھی حدیث کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حالات کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔(۱)

رضي الله تعالى عنه وأرضاه

(۵) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

یہ حواریِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قُصَی قرشی اسدی مدنی رضی اللہ عنہ ہیں، ابوعبداللہ ان کی کنیت ہے۔(۲)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں(۳)، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔(۴)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بالکل ابتداء ہی میں مشرف باسلام ہوگئے تھے، بلکہ وہ چوتھے یا پانچویں شخص تھے۔(۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لئے سب سے پہلے تلوار نکالنے والے یہی تھے، ایک مرتبہ یہ افواہ اڑ گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے گرفتار کرلیا ہے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً تلوار سونت لی اور اسی حال میں نکل کھڑے ہوئے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچے، آپ نے ان کو جب اس حال میں دیکھا تو وجہ پوچھی، انہوں نے ساری صورتحال بتائی، آپ نے ان کے لئے اور ان کی تلوار کے لئے دعا فرمائی، اس وقت ان کی عمر صرف بارہ سال تھی۔(۶)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے کے بعد کافی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کا چچا انہیں کسی چٹائی میں

---

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج۱ص۴۳۶)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۹ص۳۱۹و۳۲۰)۔

(۳) تهذيب الأسماء واللغات (ج۱ص۱۹۴)۔

(۴) "وعمته خديجة بنت خويلد" فإنه الزبير رضي الله عنه، انظر تهذيب الكمال (ج۹ص۳۲۰)۔

(۵) تهذيب الأسماء واللغات (ج۱ص۱۹۴)۔

(۶) سير أعلام النبلاء (ج۱ص۴۱)۔

لپیٹ کر لٹکا دیا کرتا تھا اور پھر نیچے سے آگ جلا کر دھواں دیا کرتا تھا، لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو عزم کے پکے تھے، کہتے جاتے تھے "لاأكفر أبداً"۔ (۱)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان دس خوش نصیب حضرات میں سے ہیں جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت جنت کی خوشخبری دی تھی۔ (۲)

اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان چھ اصحاب شوریٰ میں سے تھے جن میں سے کسی ایک کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لئے منتخب فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ یہ وہ حضرات ہیں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک راضی رہے۔ (۳)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف دونوں ہجرتیں کیں، لیکن وہاں زیادہ عرصہ نہیں رہے، پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ (۴)

مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو آپس میں بھائی بنادیا تھا۔ (۵) اور جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے تو وہاں حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مواخات کا رشتہ قائم فرمادیا تھا۔ (۶)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فدائیانہ کارروائیوں کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "فداك أبي وأمي"۔ (۷) آپ نے اس طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی فرمایا تھا۔ (۸)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۹ص۳۲۱)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۹ص۳۲۰)۔

(۳) تهذيب الأسماء واللغات (ج۱ص۱۹٤)۔

(٤) الطبقات الكبرى لابن سعد (ج۳ص۱۰۲)۔

(٥) انظر الطبقات (ج۳ص۱۰۲)، وقيل: آخى بينه وبين طلحة كما في الطبقات۔

(٦) تهذيب الأسماء (ج۱ص۱۹٤)، وقيل: آخى بينه وبين كعب بن مالك، انظر الطبقات (ج۳ص۱۰۲)۔

(۷) صحيح البخاري (ج۱ص۵۲۷) كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الزبير بن العوام رضي الله عنه، رقم (۳۷۲۰)۔

(۸) دیکھئے صحيح البخاري (ج۱ص۵۲۷) كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب سعد بن أبي وقاص الزهري رضي الله عنه، رقم (۳۷۲۵)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کی خبر لانے کے سلسلہ میں پوچھا تھا "من یأتینا بخبر القوم؟" آپ نے اس طرح تین مرتبہ پوچھا، تینوں دفعہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا نام پیش کیا، آپ خوش ہوگئے اور فرمایا "إن لکل نبي حواریا وحواري الزبیر"۔ (۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ حضرت زبیر کو خلیفہ بنا دیجئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "أما والذي نفسي بیده، إنه لخیرهم ما علمت، وإن کان لأحبهم إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم"۔ (۲) یعنی "اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، میرے علم کے مطابق وہ ان سب سے افضل ہیں اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے محبوب تھے"۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بدر واحد سمیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں شریک رہے، غزوات میں اس بے جگری سے لڑتے تھے کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ زخم سے خالی نہیں تھا۔ (۳)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فکم کربة ذبّ الزبیرُ بسیفه عن المصطفی واللّهُ یعطي فیُجزلُ
فما مثلُه فیهم ولا کان قبله ولیس یکون الدهر مادام یذبُلُ
ثناؤك خیر من فعال معاشر وفعلك یا ابن الهاشمیة أفضلُ (۴)

(کتنی ہی اذیتیں ہیں جن کو زبیر نے اپنی تلوار کے ذریعہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیا، اللہ تعالیٰ اس کا صلہ دے گا اور خوب دے گا، ان جیسا نہ ان میں ہے اور نہ ان سے پہلے تھا اور یہ زمانہ گزرتا جائے گا لیکن کوئی ان جیسا نہیں ہوگا، بہت سے لوگوں کے عملی اقدام کے مقابلہ میں تمہاری زبانی تعریف بہتر ہے اور اے ابن الہاشمیہ! تمہارا عملی اقدام تو سب سے افضل ہے)۔

(۱) سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضائل أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم، فضل الزبیر رضي الله عنه، رقم (۱۲۲)۔

(۲) صحیح البخاري (ج۱ ص۵۲۷)، کتاب فضائل أصحاب النبي صلی الله علیه وسلم، باب مناقب الزبیر بن العوام رضي الله عنه، رقم (۳۷۱۷)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (ج۱ ص۵۲)، وتهذیب الأسماء (ج۱ ص۱۹٤)۔

(٤) تهذیب الکمال (ج۹ ص۳۲۲)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے باوجود طول صحبت کے زیادہ حدیثیں منقول نہیں ہیں، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے جب ان سے اس سلسلہ میں استفسار کیا تو فرمایا:

"يا بني، كانت عندي أمك، وعند رسول الله صلى الله عليه وسلم خالتك عائشة، وبيني وبينه من القرابة والرحم ما قد علمت، وعمتي أم حبيبة بنت أسد جدته، وعمته أمي، وأمه آمنة بنت وهب بن عبد مناف، وجدتي هالة بنت أهيب بن عبد مناف، وزوجته خديجة بنت خويلد عمتي، ولقد نلت من صحابته أفضل ما نال أحد، ولكني سمعته يقول: "من قال علي ما لم أقل فليتبوأ مقعده من النار" فلا أحب أن أحدث عنه"۔(۱)

یعنی "انہوں نے فرمایا کہ بیٹے! میرے پاس تمہاری والدہ تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تمہاری خالہ عائشہ تھیں اور مجھے آپ سے جو قرابت اور رشتہ داری ہے وہ تمہیں معلوم ہے، میری پھوپھی ام حبیبہ بنت اسد ان کی جدہ ہیں، ان کی پھوپھی میری والدہ ہیں، ان کی والدہ آمنہ بنت وہب بن عبدمناف ہیں اور میری جدہ ہالہ بنت اہیب بن عبدمناف ہیں، ان کی اہلیہ خدیجہ بنت خویلد میری پھوپھی ہیں۔ آپ کے صحابہ میں سے جس کسی نے آپ سے کچھ حاصل کیا میں نے سب سے بہتر حاصل کیا، لیکن میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا "جو شخص مجھ پر ایسی بات باندھے جو میں نے نہ کہی ہو تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے" سو میں اس وجہ سے نہیں چاہتا کہ آپ سے حدیثیں زیادہ بیان کروں"۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے تقریباً اڑتیس حدیثیں مروی ہیں، ان میں متفق علیہ دو حدیثیں ہیں، سات احادیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ متفرد ہیں۔(۲) واللہ أعلم

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ واقعۂ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے شریک ہوئے تھے،

---

(۱) تہذیب الکمال (ج۹ ص۳۲۵ و۳۲۶)۔

(۲) [illegible] (ج۱ ص[illegible]) وخلاصۃ الخزرجی (ص۱۲۱)۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک حدیث یاد دلائی، اس پر وہ وہاں سے لوٹ پڑے(۱) راستے میں عمرو بن جرموز نامی بدبخت اور اس کے ساتھیوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا(۲)، یہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے۔(۳)

قتل کے بعد ابن جرموز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس خیال سے آیا کہ وہ اس ''کارنامہ'' سے خوش ہوں گے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لیدخل قاتل الزبیر النار"۔(۴)

اس کے بعد ابن جرموز کو سکون نہیں مل سکا، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ ان کے گورنر مصعب بن الزبیر کے پاس آیا اور اپنی گرفتاری پیش کرتے ہوئے کہا کہ مجھ سے قصاص لےلو، مصعب نے حضرت عبداللہ بن الزبیر کو لکھا، انہوں نے جواب دیا کہ میں بنوتمیم کے ایک اعرابی سے زبیر کا قصاص لوں گا؟ نہیں ہرگز نہیں! بلکہ ان کے جوتے کے تسمہ کے برابر بھی میں اُسے نہیں سمجھتا، اسے فوراً چھوڑ دو۔(۵)

چنانچہ اسے چھوڑ دیا گیا، وہاں سے وہ کسی اونچے محل میں چلا گیا اور خودکشی کرلی۔ کہتے ہیں کہ وہ اس قتل پر از حد پریشان ہوگیا تھا، کیونکہ اسے ڈراؤنے خواب دکھائی دے رہے تھے۔(۶)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، جبکہ ان سے روایت کرنے والے حضرت عبداللہ بن الزبیر، مالک بن اوس بن الحدثان، عبداللہ بن عامر، حضرت حسن بصری، مسلم بن

---

(۱) عن أبي جرو المازني قال: شهدت عليا والزبير حين توافقا، فقال له علي: يا زبير، أنشدك الله أسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنك تقاتل عليا وأنت ظالم له؟ قال: نعم، ولم أذكر ذلك إلا في موقفي هذا، ثم انصرف. رواه أبو يعلى، انظر المطالب العالية (ج٤ص٣٠٣)، بغية كتاب الفتن، باب وقعة الجمل، رقم (٤٤١٦)۔

(۲) دیکھئے سیر أعلام النبلاء (ج١ص٦٠و٦١)، وتهذيب الكمال (ج٩ص٣٢٦و٣٢٧)۔

(۳) سير أعلام النبلاء (ج١ص٦٤)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج٩ص_٣٢٨)۔

(٥) سير أعلام النبلاء (ج١ص_٦٤)۔

(٦) حوالۂ بالا وتهذيب الكمال (ج٩ص_٣٢٨و٣٢٩)۔

جندب، میمون بن مہران، نافع بن جبیر بن مطعم، ابوجرو المازنی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔(۱)

آپ جمادی الاولی یا رجب ۳۶ھ میں شہید ہوئے۔(۲) رضي الله تعالى عنه وأرضاه

اسنادی لطائف

اس سند میں دو لطائف ہیں:-

ایک یہ کہ اس سند میں دو تابعی ہیں، جامع بن شداد محاربی اور عامر بن عبداللہ بن الزبیر اور دو صحابی ہیں حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما۔

یہ سند اگرچہ سداسی ہے، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک چھ واسطے ہیں لیکن معنی رباعی ہے، کیونکہ دو تابعی ہم طبقہ ہونے کی وجہ سے گویا ایک واسطہ ہے، اسی طرح دو صحابی ہم طبقہ ہونے کی وجہ سے ایک واسطہ ہے۔ والله أعلم۔

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ اس میں "رواية الأبناء عن الآباء بخصوص رواية الأب عن الجد" کی خصوصیت ہے۔(۳)

قال: قلت للزبير: إني لا أسمعك تحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كما يحدث فلان وفلان

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت زبیر سے عرض کیا کہ میں آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے نہیں سنتا، جیسا کہ فلاں اور فلاں صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کثرت سے روایت کرتے ہیں

سنن ابن ماجہ اور مسند احمد کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نام کی تصریح بھی

(۱) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۹ ص۳۲۰)۔

(۲) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۹ ص۳۲۹)، وسیر أعلام النبلاء (ج۱ ص۶۴)۔

(۳) دیکھئے صحیح البخاری (ج۱ ص۲۰۰)۔

موجود ہے(۱)، یعنی جس طرح حضرت ابن مسعود اور فلاں فلاں حضرات روایت کرتے ہیں اس طرح آپ بھی کثرت سے روایت کیوں نہیں کرتے؟!

قال: أما إني لم أفارقه

فرمایا، سنو! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں رہا۔

مطلب یہ ہے کہ روایت بیان نہ کرنے کا منشا یہ نہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں کثرت سے رہنے کا موقع نہ ملا ہو، میں نے آپ کی حدیثیں نہ سنی ہوں، بلکہ میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے خوف کی وجہ سے احتیاطاً حدیث بیان نہیں کرتا اور وہ آپ کا ارشاد "من کذب علي فلیتبوأ مقعده من النار" ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے صحابہ احتیاط کی وجہ سے احادیث بیان نہیں کرتے تھے، انہیں یہ خیال ہوتا تھا کہ کہیں نقل میں کمی بیشی نہ ہو جائے۔

اور جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حدیثیں بیان کیں یا تو ان کو اپنے آپ پر وثوق و یقین تھا کہ جو کچھ وہ بیان کر رہے ہیں پورا پورا بے کم وکاست بیان کر رہے ہیں اور یا اس لئے بیان کیا کہ ان کی عمریں طویل ہوئیں، ان سے سوالات کئے گئے اور مجبوراً انہیں جواب دینا پڑا۔(۲) واللّٰہ أعلم

پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جو یہاں فرمایا ہے "أما إني لم أفارقه" ابن ماجہ اور مسند احمد کی روایت میں اس کے بعد "منذ أسلمت" بھی مذکور ہے(۳)، اس کا ظاہری مطلب تو یہ بنتا ہے کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں اُس وقت سے کبھی آپ سے جدا نہیں ہوا، لیکن یہ ظاہری مطلب مقصود نہیں، کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرتیں کی تھیں۔ اسی طرح جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت

---

(۱) سنن ابن ماجه، المقدمة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۳٦)، ومسند أحمد (ج۱ص۱٦۵) مسند الزبير بن العوام رضي الله عنه۔

(۲) عمدة القاري (ج۲ص۱۰۲)۔

(۳) مسند أحمد (ج۱ص۱٦۵)، وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۳٦)۔

کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے اس وقت بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ نہیں تھے۔ لہذا اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مجھے عام احوال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی ہے، میں آپ سے جدا نہیں رہا۔(۱)

ولكن سمعته يقول: من كذب عليّ فليتبوأ مقعده من النار

البتہ میں نے آپ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے تو اسے چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنا لے۔

بخاری شریف کی یہ روایت "ابو الوليد عن شعبة" کے طریق سے مروی ہے، جس میں "من كذب علي" کے ساتھ "متعمداً" کی قید نہیں ہے، اسی طرح یہ روایت اسماعیلی نے "غندر عن شعبة" کے طریق سے بھی نقل کی ہے، جس میں یہ قید مذکور نہیں ہے۔(۲)

نیز زبیر بن بکار نے اپنی "کتاب النسب" میں اپنے طریق سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی یہ قید موجود نہیں ہے(۳)، اسی طرح امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک اور طریق سے یہ حدیث نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں "من حدث عني كذباً" اس میں بھی "تعمد" کی قید موجود نہیں ہے۔(۴)

جبکہ ان روایات کے مقابلہ میں ابن ماجہ نے "غندر عن شعبة" کے طریق سے روایت نقل کی ہے، جس میں "متعمداً" کا اضافہ بھی ہے(۵)، نیز اسماعیلی نے "معاذ عن شعبة" کے طریق سے حدیث ذکر کی ہے، اس میں بھی یہ قید موجود ہے۔(۶)

حاصل یہ ہے کہ اکثر طرق و روایات میں تعمد کی قید نہیں ہے، جبکہ بعض طرق میں یہ قید موجود ہے۔

---

(۱) فتح الباری (ج۱ص۲۰۰)، وعمدة القاري (ج۲ص۱۴۱)۔

(۲) فتح الباری (ج۱ص۲۰۰)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) سنن الدارمي (ج۱ص۸۸) المقدمة، باب اتقاء الحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم والتثبت فيه، رقم (۲۳۳)۔

(٥) سنن ابن ماجه، المقدمة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۳٦)۔

(٦) فتح الباری (ج۱ص۲۰۱)۔

کیا "کذب" کی تعریف میں "عمد" کی قید ملحوظ ہے؟

اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ "کذب" کے اندر "عمداً" کی قید لازمی ہے، یا یہ کہ "کذب" عام ہے عمداً ہو یا عمداً نہ ہو؟

صحیح اور مختار قول اہل سنت کا ہے کہ "کذب": الإخبار بالشيء على خلاف ما هو عليه سواء كان عمداً أو خطأً" کو کہتے ہیں، جبکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے اکثر طرق میں "عمد" کا اضافہ نہیں ہے۔(۱)

حدیث شریف کا اطلاق تو عامد و خاطی اور ساہی وناسی سب کو شامل ہے، البتہ اس بات پر اجماع ہے کہ عامد کے علاوہ باقی لوگوں پر گناہ نہیں ہے۔(۲)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خطأ ونسیان کی صورت میں گناہ نہیں ہے تو پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کیوں مذکورہ وعید کا خوف ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل ان کو اکثار فی الروایۃ سے خوف محسوس ہوا ہے کہ کہیں وہ لاشعوری طور پر غلطی میں واقع نہ ہو جائیں، اگرچہ مخطی گناہ گار نہیں ہوتا لیکن چونکہ اکثار مظنۂ خطا ہے، اس لئے وہ اکثار کی وجہ سے گناہ گار ہو سکتا ہے اور جب کوئی ثقہ شخص خطأً غلط روایت بیان کر دے تو اس کی نقل پر وثوق ہونے کی وجہ سے لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس پر عمل کرتے رہیں گے، اس طرح وہ ثقہ شخص ایسے عمل کا سبب بن جائے گا جو شارع سے ثابت نہیں۔

لہذا جس شخص کو اکثار کی وجہ سے وقوع فی الخطا کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص پر تعمد اکثار کی صورت میں اطمینان نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اکثار

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج۱ص۲۰۱)۔

(۲) فتح الباری (ج۱ص۲۰۱) وعمدۃ القاری (ج۲ص۱۵۲)۔

سے احتراز کیا ہے۔ (۱) واللّٰہ أعلم

فليتبوأ مقعده من النار

تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سے بنالے۔

یہ صیغہ اگرچہ امر کا ہے لیکن اس کے معنی خبر کے ہیں، گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ جو شخص میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں ٹھکانہ دیں گے۔

یہ بھی امکان ہے کہ اس سے تہدید اور تہکّم مقصود ہو، گویا اس میں خبر مقصود نہیں، بلکہ سزا کا بیان مقصود ہے کہ اس کو اس فعل کے بدلہ میں جہنم کی سزا ملے گی۔

اسی طرح اس معنی کا امکان بھی ہے کہ جس طرح اس نے بالقصد کذب کا ارتکاب کیا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بالقصد اپنے لئے ٹھکانہ بھی خود تلاش کرے۔

نیز بمعنی دعا بھی مراد لے سکتے ہیں، گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے بددعا فرمارہے ہیں کہ جس نے کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل شنیع کا ارتکاب کیا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ٹھکانہ دے۔ (۲)

واللّٰہ أعلم

۱۰۸ : حدّثنا أبو معمر قال : حدّثنا عبدُ الْوارث ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ : قَالَ أَنَسٌ (۳) : إِنَّهُ لَيَمْنَعُنِي أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : (مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ) .

---

(۱) حوالہ جات بالا۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج۱ ص۲۰۱)، وعمدة القاری (ج۲ ص۱۵۱)۔

(۳) قوله: "قال أنس رضي الله عنه": الحديث، أخرجه مسلم في صحيحه، في المقدمة، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۳)، والترمذي في جامعه، في أبواب العلم، باب ماجاء في تعظيم الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۲٦٦۱)، وابن ماجه في سننه، في المقدمة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۳۲)۔

تراجمِ رجال

(۱) ابو معمر

یہ ابو معمر عبداللہ بن عمرو بن ابی الحجاج منقری بصری المعروف بالمقعد ہیں، ان کے حالات کتاب العلم ہی میں "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: اللهم علمه الكتاب" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۱)

(۲) عبدالوارث

یہ ابوعبیدہ عبدالوارث بن سعید بن ذکوان تمیمی عنبری تنوری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب العلم ہی میں "باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: اللهم علّمه الكتاب" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۲)

(۳) عبدالعزیز

یہ عبدالعزیز بن صہیب بُنانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات کتاب الإیمان، "باب حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۳)

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۴)

---

(۱) كشف الباري (ج۳ص۳۰۸)۔

(۲) كشف الباري (ج۳ص۳۰۹)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ص۱۲)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ص٤)۔

إنه ليمنعني أن أحدثكم حديثا كثيراً أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من تعمد عليّ كذبا فليتبوأ مقعده من النار۔

میں جو تم سے بہت سی حدیثیں بیان نہیں کرتا اس سلسلہ میں میرے لئے مانع یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

"إنه" میں ضمیر شان ہے۔

"یمنع" دو مفعولوں کو چاہتا ہے، اس کا ایک مفعول تو "لیمنعني" میں ضمیر متکلم ہے اور دوسرا مفعول "أن أحدثكم حديثا كثيرا" ہے، پھر "حديثا" چونکہ جنس ہے اس لئے اس کی صفت "كثيرا" لانا درست ہے، اور یہ "أحدثكم" کا مفعول مطلق ہے، آگے "أن النبي صلى الله عليه وسلم قال ... إلخ" "یمنع" کا فاعل ہے۔(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا مقصد واضح ہے، وہ یہ کہ میں کثرت سے احادیث بیان کرنے سے اس لئے اجتناب کرتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید ارشاد فرمائی ہے، چنانچہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف کی وجہ سے میں کثرت سے حدیث بیان نہیں کرتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کذب مطلقاً خلافِ واقعہ بات کو کہتے ہیں، نیز یہ تو یقینی بات ہے کہ صحابۂ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہیں کر سکتے، اب جو وہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرتے تھے اور جس ڈر کی وجہ سے وہ کثرت سے احادیث بیان نہیں کرتے تھے وہ محض اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک کذب خلافِ واقعہ بات کو کہتے ہیں، چاہے وہ عمداً کہی جائے یا سہواً۔ واللہ أعلم

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ میں زیادہ حدیثیں روایت نہیں کرتا کیونکہ مجھے اس وعید کا

(۱) دیکھئے عمدۃ القاری (ج۲ ص۱۵۲)۔

خوف ہے۔ جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا شمار مکثرین صحابہ میں ہوتا ہے۔(۱)

ان کا جواب یہ ہے کہ دراصل حضرت انس رضی اللہ عنہ شروع میں زیادہ حدیثیں بیان نہیں کرتے تھے، لیکن ان کو اللہ تعالیٰ نے عمرِ طویل عطا فرمائی تھی، لوگوں نے ان سے سوالات کئے، اس لئے ان کے واسطے کتمان کی گنجائش نہیں رہی، چنانچہ اس کے بعد سوالات کے مطابق انہوں نے حدیثیں بیان کیں۔(۲)

یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا وہ ان احادیث کے مقابلہ میں جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں بہت قلیل ہو، اگر سب کی روایت کرتے تو ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد موجودہ روایت کے مقابلے میں کئی گنا ہو جاتی۔(۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم

١٠٩ - حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ(۴) قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: (مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ).

تراجم رجال

(۱) مکی بن ابراہیم

یہ مشہور امام حدیث مکی بن ابراہیم بن بشیر تمیمی حنظلی بلخی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم

(۱) مکثرین من الصحابہ سے مراد اصولِ حدیث کے نزدیک وہ حضرات صحابہ ہیں جن کی روایتیں ایک ہزار سے متجاوز ہوں، ان کی ترتیب اور حدیثوں کی تعداد یوں ہے: (۱) حضرت ابو ہریرہ ۵۳۷۴ (۲) حضرت عبداللہ بن عمر ۲۶۳۰ (۳) حضرت انس بن مالک ۲۲۸۶ (۴) حضرت عائشہ صدیقہ ۲۲۱۰ (۵) حضرت عبداللہ بن عباس ۱۶۶۰ (۶) حضرت جابر بن عبداللہ ۱۵۴۰ (۷) حضرت ابو سعید خدری ۱۱۷۰ ... دیکھئے فتح المغیث للسخاوی (ص ۳۶۰) و فتح المغیث للعراقی (ج ۳ ص ۱۰۲) و تدریب الراوی (ص ۴۱۳)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۱)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۱)۔

(۴) قوله "عن سلمة" هذا أول ثلاثي وقع في الصحيح ... ولم يخرجه أحد من أصحاب الأصول الستة سوى البخاري رحمه الله تعالى۔

ہی میں "باب من أجاب الفتیا بإشارة الید والرأس" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) یزید بن ابی عبید

یہ مشہور تابعی بزرگ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے مولی ابوخالد یزید بن ابی عبید اسلمی حجازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

یہ اپنے مولی حضرت سلمہ بن الأکوع رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عمیر مولی آبی اللحم رضی اللہ عنہ اور ھشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں بکیر بن الأشج، یحیی بن سعید القطان، حاتم بن اسماعیل، مغیرہ بن عبد الرحمن مخزومی، مکی بن ابراہیم اور ابوعاصم النبیل رحمہم اللہ تعالی وغیرہ ہیں۔(۳)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وکان ثقة کثیر الحدیث"۔(۴)

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۵)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۶)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حجازي تابعي ثقة"۔(۷)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "من بقایا التابعین الثقات"۔(۸)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۹)

---

(۱) کشف الباری (ج۳ص۱۶۴)۔

(۲) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۳۲ص۲۰۶)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۳۲ص۲۰۶) وتہذیب التہذیب (ج۱۱ص۳۴۹)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج۱۱ص۳۴۹)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج۳۲ص۲۰۶) وسیر أعلام النبلاء (ج۶ص۲۰۶)۔

(۶) تہذیب التہذیب (ج۱۱ص۳۴۹)۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) سیر أعلام النبلاء (ج۶ص۲۰۶)۔

(۹) تقریب التہذیب (ص۶۰۳) رقم (۷۷۹۴)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وحديثه من عوالي البخاري الثلاثيات"۔(۱)

۲۱۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۲) رحمه الله تعالى رحمةً واسعة

(۳) حضرت سلمہ بن الأکوع رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت سلمہ بن عمرو بن الأکوع اسلمی مدنی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے والد کے نام میں اور بھی کئی اقوال ہیں، جبکہ ان کے دادا اکوع کا نام سنان بن عبداللہ بن قشیر ہے۔(۳)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ایاس بن سلمۃ بن الأکوع، بُریدہ بن سفیان، الحسن بن محمد بن الحنفیۃ، زید بن اسلم، سفیان بن فروہ، عبدالرحمن بن عبداللہ بن کعب بن مالک، عطاء مولی السائب بن یزید، ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف اور یزید بن ابی عبید رحمہم اللہ تعالی وغیرہ ہیں۔(۴)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بیعت الرضوان (غزوۂ حدیبیہ) میں شریک تھے، اس روز انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر تین مرتبہ بیعت علی الموت کی۔(۵)

بہت ہی بہادر اور نڈر تھے، تیر اندازی میں زبردست مہارت رکھتے تھے،(۶) ایک جماعت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو چرانے کی کوشش کی تو حضرت سلمۃ بن الأکوع رضی اللہ عنہ نے تنہا اس پوری جماعت کو شکست سے دوچار کیا، جبکہ آپ پیادہ پا تھے، اُس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "خیر

(۱) سیر أعلام النبلاء (ج[illegible] ص[illegible])۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج[illegible] ص[illegible])۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۱۱ ص۳۰۱)، وتهذيب الأسماء واللغات (ج۱ ص۲۲۹)۔

(۴) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۱۱ ص۳۰۲)۔

(۵) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۱۱ ص۳۰۱)۔

(۶) "كان شجاعاً رامياً محسناً خيراً فاضلاً"۔ تهذيب الأسماء واللغات (ج۱ ص۲۲۹)۔

وخير رجالتنا سلمة"۔(۱) ہمارے پیادوں میں سب سے بہتر سلمہ ہیں۔

حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیہات میں سکونت اختیار کرنے کی پہلے سے اجازت لے رکھی تھی۔(۲) چنانچہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتنوں سے بچنے کی غرض سے انہوں نے مدینہ منورہ سے ربذہ میں سکونت اختیار کرلی تھی، وہیں انہوں نے نکاح کیا، اولاد ہوئی اور انتقال سے کچھ ہی پہلے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔(۳)

حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے تقریباً ستتر (۷۷) حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے متفق علیہ سولہ حدیثیں ہیں، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پانچ حدیثوں میں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نو حدیثوں میں متفرد ہیں۔(۴)

حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کا انتقال ۶۴ھ یا ۷۴ھ میں ہوا، بعض حضرات نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخر میں ان کا انتقال بتلایا ہے۔(۵)

رضي الله عنه وأرضاه

فائدہ

واضح رہے کہ یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے پہلی ثلاثی حدیث ہے۔

ثلاثیات کی بحث مقدمہ میں گذر چکی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے عالی سند ثلاثی یعنی تین واسطوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے والی حدیث ہے۔

---

(۱) واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے صحیح مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة ذي قرد وغيرها، رقم (٤٦٧٨)۔

(۲) "عن سلمة بن الأكوع أنه دخل على الحجاج فقال: يا ابن الأكوع ارتددت على عقبيك، تعربت؟ قال: لا، ولكن رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن لي في البدو" صحيح البخاري (ج٢ص١٠٥٠) كتاب الفتن، باب التعرب في الفتنة، رقم (٧٠٨٧)، وانظر صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب تحريم رجوع المهاجر إلى استيطان وطنه، رقم (٤٨٢٥)، ومسند أحمد (ج٤ص٤٧، ٥٤)۔

(۳) دیکھئے صحیح البخاري (ج٢ص١٠٥٠)، كتاب الفتن، باب التعرب في الفتنة، رقم (٧٠٨٧)۔

(۴) دیکھئے تهذيب الأسماء واللغات (ج١ص٢٢٩)، وخلاصة الخزرجي (ص١٤٨)۔

(۵) دیکھئے الإصابة (ج٢ص٦٧)۔

صحیح بخاری میں ثلاثیات کی کل تعداد بلحاظ سند بائیس ہے اور بلحاظ روایت سترہ، کیونکہ پانچ روایات مکرر ہیں۔

ان بائیس میں سے گیارہ روایات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم شیخ مکی بن ابراہیم سے مروی ہیں(۱)، چھ حدیثیں امام ابو عاصم ضحاک بن مخلد النبیل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں (۲) اور یہ دونوں حضرات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگرد ہیں (۳)، تین روایتیں محمد بن عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں(۴) اور یہ امام زفر اور امام ابو یوسف کے شاگرد ہیں (۵)، جبکہ ایک روایت عصام بن خالد حمصی رحمۃ اللہ علیہ سے (۶) اور ایک روایت خلاد بن یحییٰ کوفی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ (۷)

گویا امام بخاری کی بائیس ثلاثی روایات میں سے بیس روایات حنفی مشائخ سے مروی ہیں، جبکہ آخری

---

(۱) دیکھئے صحیح البخاري (ج۱ص۲۱)، كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۱۰۹)، و(ج۱ص۷۱) كتاب الصلاة، باب قدر كم ينبغي أن يكون بين المصلي والسترة، رقم (۴۹۷)، و(ج۱ص۷۲) كتاب الصلاة، باب الصلاة إلى الأسطوانة، رقم (۵۰۲)، و(ج۱ص۷۹) كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت المغرب، رقم (۵۶۱)، و(ج۱ص۲۶۸، ۲۶۹) كتاب [illegible] رقم (۲۰۰۷)، و(ج۱ص۳۰۵) كتاب الحوالة، باب إن أحال دين الميت على رجل جاز، رقم (۲۲۸۹)، و(ج۱ص۴۱۵) كتاب الجهاد، باب البيعة في الحرب أن لا يفروا، وقال بعضهم: على الموت، رقم (۲۹۶۰)، و(ج۱ص۴۲۷) كتاب الجهاد والسير، باب من رأى العدو فنادى بأعلى صوته: يا صباحاه حتى يسمع الناس، رقم (۳۰۴۱)، و(ج۲ص۶۰۵) كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (۴۲۰۶)، و(ج۲ص۸۲۶) كتاب الذبائح والصيد، باب آنية المجوس والميتة، رقم (۵۴۹۷)، و(ج۲ص۱۰۱۷و۱۰۱۸) كتاب الديات، باب إذا قتل نفسه خطأ فلا دية له، رقم (۶۸۹۱)۔ واضح رہے کہ یہ گیارہ کی گیارہ روایتیں ایک ہی سند یعنی "مكي بن إبراهيم عن يزيد بن أبي عبيد عن سلمة بن الأكوع" کے طریق سے مروی ہیں۔

(۲) دیکھئے صحیح البخاري (ج۱ص۲۵۷)، كتاب الصوم، باب إذا نوى بالنهار صوما، رقم (۱۹۲۴)، و(ج۱ص۳۰۶) كتاب الكفالة، باب من تكفل عن ميت دينا فليس له أن يرجع، رقم (۲۲۹۵)، و(ج۱ص۳۳۶) كتاب المظالم والغصب، باب هل تكسر الدنان التي فيها الخمر [illegible]، رقم (۲۴۷۷)، و(ج۲ص۶۱۲) كتاب المغازي، باب بعث النبي صلى الله عليه وسلم أسامة بن زيد إلى الحرقات من جهينة، رقم (۴۲۷۲)، و(ج۲ص۸۳۵) كتاب الأضاحي، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي وما يتزود منها، رقم (۵۵۶۹)، و(ج۲ص۱۰۷۰) كتاب الأحكام، باب من بايع مرتين، رقم (۷۲۰۸)۔ واضح رہے کہ یہ چھ کی چھ روایتیں ایک ہی سند یعنی "أبو عاصم الضحاك بن مخلد عن يزيد بن أبي عبيد عن سلمة بن الأكوع" کے طریق سے مروی ہیں۔

(۳) دیکھئے مقدمة إعلاء السنن (أبوحنيفة وأصحابه المحدثون ص۹۰و۹۱)۔

دونوں حضرات کو کسی نے حنفی علماء میں شمار نہیں کیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر و بیشتر روایات ثلاثی ہیں، جبکہ ان میں ثنائی روایات بھی بکثرت ہیں، بلکہ بعض وحدانیات بھی ہیں (۱)، اسی حیثیت سے بعض حضرات نے فقہ حنفی کو وحدانی قرار دیا ہے۔ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رؤیۃً تو تابعی ہیں، روایۃً تابعی ہونے میں اختلاف ہے (۲)، امام ابومعشر رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جو "وحدانیات" جمع کی ہیں ان کی اسانید معلول ہیں۔ (۳)

امام بخاری کی ثلاثیات کا بعض حضرات نے اس طرح اہتمام کیا ہے کہ ان کی مستقل شرحیں لکھی ہیں، چنانچہ صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں کہ ثلاثیات پر محمد شاہ بن الحاج حسن متوفی ۹۳۹ھ نے ایک لطیف شرح لکھی ہے۔ (۴)

اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حاشیہ لکھا ہے۔ (۵)

---

(۴) دیکھئے صحیح البخاری (ج۱ص۳۷۲) کتاب الصلح باب الصلح في الدية، رقم (۲۷۰۳)، و(ج۲ص۶۴۶) کتاب التفسیر، سورة البقرة، باب "یا أیها الذین آمنوا کتب علیکم القصاص في القتلی الحر بالحر" إلی قوله "عذاب ألیم"، رقم (۴۴۹۹)، و(ج۲ص۱۰۱۰) کتاب الدیات، باب السن بالسن، رقم (۶۸۹۴)۔

واضح رہے کہ یہ تینوں حدیثیں "محمد بن عبد الله الأنصاري عن حميد عن أنس" کے طریق سے مروی ہیں۔

(۵) دیکھئے سیر أعلام النبلاء (ج۹ص۵۳۴)۔

(۶) دیکھئے صحیح البخاری (ج۱ص۵۰۲) کتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۳۵۴۶)۔ یہ روایت "عصام بن خالد عن حريز بن عثمان عن عبد الله بن بسر رضي الله عنه" کے طریق سے مروی ہے۔

(۷) دیکھئے صحیح البخاری (ج۲ص۱۱۰۴) کتاب التوحید، باب "وکان عرشه علی الماء"، رقم (۷۴۲۱)۔ یہ روایت "خلاد بن يحيى عن عيسى بن طهمان عن أنس بن مالك رضي الله عنه" کے طریق سے مروی ہے۔

(۱) دیکھئے مقدمة لامع الدراری (ج۱ص۱۹۱) الفائدة الخامسة في خصائص الکتاب غير التراجم۔

(۲) دیکھئے ترجمان السنة (ج۱ص۲۲۵)۔

(۳) دیکھئے فتح المغیث (ج۳ص۳۴۴)، والرسالة المستطرفة (ص۸۱)۔

(۴) کشف الظنون (ج۱ص۵۲۲)۔

(۵) اس کا نام "تعلیقات القاري علی ثلاثیات البخاري" ہے، دیکھئے [illegible] (ص۸۸)، ومقدمة لامع الدراری (ج۱ص[illegible])۔

مولوی عبدالباسط قنوجی نے فارسی میں شرح تحریر کی ہے۔(۱)

نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے اردو میں شرح تحریر کی ہے۔(۲)

قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من يقَل عليَّ ما لم أقل فيتبوأ مقعده من النار۔

حضرت سلمۃ بن الأکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص مجھ پر وہ بات لگائے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

"من يقل" اصل میں "من يقول" تھا، شرطیت کی وجہ سے "يقُلْ" ہوگیا۔(۳)

"ما لم أقل" میں "ما" "شيئا" کے معنی میں ہے اور "لم أقل" کے بعد "شيئاً" کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے، گویا پورا جملہ ہوگا "من يقل عليَّ شيئا لم أقله "۔(۴)

یہاں اگرچہ صرف "قول" کا ذکر ہے، فعل کا ذکر نہیں ہے لیکن "فعل" بھی "قول" میں داخل ہے کیونکہ ممانعت کی علت میں دونوں شریک ہیں، یعنی جس علت کی وجہ سے قول کی نسبت ممنوع اور حرام ہے، بعینہ وہی علت فعل کے ممنوع ہونے کی بھی ہے، پھر پیچھے جو حضرت زبیر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی احادیث گذر چکی ہیں ان میں عموم ہے، کیونکہ ان میں "من كذب عليَّ" یا "من تعمد عليَّ كذباً" کے الفاظ ہیں، جن میں قول کے ساتھ ساتھ فعل بھی داخل ہے، اسی طرح حدیث باب کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث آرہی ہے اس میں اسی قسم کے عمومی الفاظ ہیں، لہذا اگر کوئی کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو تو اس کے بارے میں "فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم" کہنا ایسا ہی گناہ اور مستوجب وعید ہے جس طرح ایسی بات کے بارے میں "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" کہنا جو آپ نے ارشاد نہ فرمائی ہو۔(۵)

---

(۱) مقدمة لامع الدراري (ج۱ ص۲۶۰)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) فتح الباري (ج۱ ص۲۰۲)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) حوالۂ بالا۔

کیا روایت بالمعنی درست نہیں؟

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے بعض حضرات نے روایت بالمعنی کے ناجائز ہونے پر استدلال کیا ہے، جو ظاہر ہے۔

جمہور مجوزین کا کہنا یہ ہے کہ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں ایسے الفاظ لانے کی ممانعت ہے جو حکم کو بدل دیں، جہاں تک روایت باللفظ کا تعلق ہے سو اس کے اولیٰ ہونے میں کسی کا کلام نہیں۔(۱) واللہ أعلم

۱۱۰ : حدّثنا مُوسَى قَالَ : حَدَّثَنا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ أَبِي حصِينٍ ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (۲) ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي ، وَمَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ) . [۵۸۴٤]

تراجمِ رجال

(۱) موسیٰ

یہ ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی چوتھی

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج۱ص۵۰۱) كتاب المناقب، باب كنية النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۳۵۳۹)، و(ج۲ص۹۱٤) كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: سمّوا باسمي ولا تكتنوا بكنيتي، رقم (۶۱۸۸)، و(ج۲ص۹۱۵) كتاب الأدب، باب من سمّى بأسماء الأنبياء، رقم (۶۱۹۷)، و(ج۲ص۱۰۳۵) كتاب التعبير، باب من رأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، رقم (۶۹۹۳)، وأخرجه مسلم في المقدمة، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٤)، وفي كتاب الآداب، باب النهي عن التكني بأبي القاسم وبيان ما يستحب من الأسماء، رقم (۵۵۹۷)، وأبو داود في سننه، في كتاب الأدب، باب في الرجل يتكنى بأبي القاسم، رقم (٤۹۶۵)، وابن ماجه في سننه، في المقدمة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۳٤)، وفي كتاب الأدب، باب الجمع بين اسم النبي صلى الله عليه وسلم وكنيته، رقم (۳۷۳۵)، وفي كتاب تعبير الرؤيا، باب رؤية النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، رقم (۳۹۰۱)۔

حدیث کے ذیل میں (۱) اور قدرے تفصیل کے ساتھ کتاب العلم، "باب من أجاب الفتیا بإشارة الید والرأس" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) ابوعوانہ

یہ ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ یشکری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۳)

(۳) ابوحُصین

یہ ابوحُصین -بفتح الحاء المهملة وکسر الصاد المهملة- عثمان بن عاصم بن حُصین -بالتصغیر- اسدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بعض حضرات نے دادا کا نام حُصین کے بجائے زید بن کثیر بتایا ہے۔ (۴)

یہ صحابۂ کرام میں سے حضرت جابر بن سمرہ، حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس، حضرت زید بن ارقم اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ (۵)

---

(۱) كشف الباري (ج۱ص۴۳۳و٤٣٤)۔

(۲) كشف الباري (ج۳ص٤١٣)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ص٤٣٤)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۱۹ص٤٠١)۔

(٥) قال الحافظ رحمه الله تعالى في تهذيب التهذيب (ج۷ص۱۲۸): "وذكره ابن حبان في الثقات في أتباع التابعين فروايته عن الصحابة عند ابن حبان مرسلة وهو الذي يظهر لي"۔

قال الدكتور بشار عواد معروف حفظه الله تعالى في تعليقاته على تهذيب الكمال (ج۱۹ص٤٠٨)

"هذا ذلك ليس صحيحا لأن ابن حبان ذكره في طبقة أتباع التابعين بزعم أن ابن حبان لم يتكلم فيه بما يشير إلى ذلك، ولم نقف على أي قول للمتقدمين ينفي روايته عن الصحابة إلا قول يحيى بن معين أنه لم يسمع من ابن عباس... فالرجل ثقة ثبت، ... فلا يصح أن ينفي ملاقاته للصحابة لكون ابن حبان ذكره في طبقة أتباع التابعين، والله تعالى أعلم"۔

البتہ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع کا انکار کیا ہے۔(۱)

ان کے علاوہ یہ اسود بن ہلال، ابوعبدالرحمٰن سلمی، ابووائل، سوید بن غفلہ، سعد بن عبیدہ، سعید بن جبیر، عامر شعبی، ابوصالح السمان اور عمیر بن سعد رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام شعبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، قیس بن الربیع، مالک بن مغول، مسعر بن کدام، ابوعوانہ اور ابوالأحوص رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔(۲)

عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لم يكن بالكوفة أثبت من أربعة: منصور، وأبوحصين، وسلمة بن كهيل، وعمرو بن مرة"۔(۳)

نیز وہ فرماتے ہیں "لاترى حافظاً يختلف على أبي حصين"۔(۴)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب ان کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے ان کی تعریف کی۔(۵)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أبو حصين كان شيخاً عالياً، وكان صاحب سنة"۔(۶)

نیز وہ فرماتے ہیں "أبوحصين الأسدي: كوفي ثقة، وكان عثمانيا رجلاً صالحاً"۔(۷)

نیز ایک جگہ فرماتے ہیں "كان ثقة ثبتاً في الحديث..."۔(۸)

یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حدثنا أبو نعيم، قال: حدثنا سفيان عن أبي

---

(۱) انظر تعليقات تهذيب الكمال (ج۱۹ص۴۰۱) نقلاً عن تاريخ الدوري (۲/۳۹۳)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۱۹ص۴۰۱و۴۰۲)، وتهذيب التهذيب (ج۷ص۱۲۶)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۱۹ص۴۰۳)، وسير أعلام النبلاء (ج۵ص۴۱۳)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۱۹ص۴۰۳)

(۵) حوالۂ بالا۔

(٦) تهذيب الكمال (ج۱۹ص٤٠٤)۔

(۷) حوالۂ بالا۔

(۸) حوالۂ بالا۔

حنفيس أسدي، شريف، ثقة ثقة كوفي"۔(۱)

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أجمعوا على أنه ثقة حافظ"۔(۲)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة ثبت صاحب سنة"۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة ثبت سني، وربما دلس"۔(۴)

۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۵) رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

(۴) ابوصالح

یہ مشہور تابعی ابوصالح ذکوان السمان الزیات رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات کتاب الإیمان، "باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۶)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۷)

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تسموا باسمي، ولا تكتنوا بكنيتي

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۱۹ص۴۰۵)۔

(۲) تهذيب التهذيب (ج۷ص۱۲۸)۔

(۳) الكاشف (ج۲ص۸)، رقم (۳۷۰۸)۔

(۴) تقريب التهذيب (ص:۳۰۸)، رقم (۴۰۴۴)۔ قال الشيخ محمد عوامة حفظه الله: "وقول الحافظ في التقريب (۴۰۴۴) "وربما دلس" مأخوذ من كلام للأعمش فيه، [illegible] ما يكون بين المتعاصرين، فلا يسقط اعتماده، ولم يدخله الحافظ نفسه (في) رسالته "مراتب المدلسين"" انظر تعليقاته على الكاشف (ج۲ص۸)، رقم (۳۷۰۸)۔

(۵) الكاشف (ج۲ص۸)، رقم (۳۷۰۸)۔

(۶) کشف الباری (ج۱ص۶۵۰)۔

(۷) کشف الباری (ج۱ص۶۵۴)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو۔

روایتِ باب کی شانِ ورود

اس روایت کی شانِ ورود یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تھے کہ کسی نے "یا أبا القاسم!" کہہ کر پکارا، آپ متوجہ ہوئے تو اس شخص نے عرض کیا کہ میں آپ کو نہیں، فلاں کو پکار رہا تھا، اس پر آپ نے فرمایا "سموا باسمي ولا تكنوا بكنيتي"۔ (۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر نام اور آپ کی کنیت پر کنیت رکھنے کا حکم

اس مسئلہ میں علماء کے مختلف مذاہب ہیں:

۱..... پہلا مذہب امام شافعی اور اہل ظاہر کا ہے، ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ کسی بھی شخص کے لئے ''ابوالقاسم'' کنیت درست نہیں ہے، خواہ اس کا نام محمد یا احمد ہو، یا نہ ہو۔

ان حضرات کا استدلال حدیثِ باب کے ظاہر سے ہے۔ (۲)

۲..... دوسرا مذہب امام مالک اور جمہور علماء کا ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ابوالقاسم کنیت رکھنا مطلقاً جائز ہے، خواہ کسی کا نام محمد واحمد ہو، یا نہ ہو، گویا یہ حضرات حدیث نہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ساتھ مختص قرار دیتے ہیں اور آپ کے وصال کے بعد اس کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ (۳)

ان حضرات کا کہنا ہے کہ عصر اول سے لے کر آج تک لوگ ''ابوالقاسم'' کنیت رکھتے رہے اور کسی نے

---

(۱) دیکھئے صحیح البخاري (ج۱ص۲۸۵)، کتاب البیوع، باب ما ذکر في الأسواق، رقم (۲۱۲۰)، و(۲۱۲۱)، و(ج۱ص۵۰۲) کتاب المناقب، باب کنیة النبي صلی الله علیه وسلم، رقم (۳۵۳۷)۔

(۲) شرح النووي لصحیح مسلم (ج۲ص۲۰۶) کتاب الآداب، باب النهي عن التکني بأبي القاسم وبیان مایستحب من الأسماء۔

(۳) حوالہ بالا۔

نکیر نہیں کی۔(۱)

ان حضرات کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "قال علي: قلت: یا رسول اللہ، إن ولد لي من بعدك ولد أسمیه باسمك، وأکنیه بکنیتك؟ قال: نعم"۔(۲)

۳..... تیسرا مذہب ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ نہی تو منسوخ نہیں ہے، البتہ یہ نہی تنزیہ وادب کے لئے ہے، نہ کہ تحریم کے لئے۔(۳)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اجازت دینا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے کی کنیت ابوالقاسم رکھنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نہی کی روایات کراہت تنزیہی پر محمول ہیں نہ کہ تحریم پر۔ اور یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ نہی تنزیہی جواز ہی کا ایک شعبہ ہے، اس کو زیادہ سے زیادہ خلاف اولی کہا جائے گا، تاہم مقتدا اہل علم بعض اوقات عام لوگوں سے تنگی کو دفع کرنے کے لئے مکروہ تنزیہی یا خلاف اولی پر بھی عمل کر لیتے ہیں، یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر یہ نہی تحریم کے لئے ہوتی تو صحابۂ کرام اس پر ضرور نکیر کرتے اور ان کو یہ کنیت رکھنے ہی نہ دیتے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس نہی کو تنزیہ ہی پر محمول کیا ہے۔(۴)

۴..... چوتھا مذہب بعض سلف کا ہے کہ ابوالقاسم کی کنیت اس شخص کے لئے ممنوع ہے جس کا نام محمد یا احمد ہو، یعنی ابوالقاسم کی کنیت اس شخص کے واسطے جائز نہیں جس کا نام محمد یا احمد ہو اور جس کا نام ان دونوں میں سے کوئی نہ ہو اس کے لئے اس کنیت میں کوئی حرج نہیں۔(۵)

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب في الرخصة في الجمع بینهما، رقم (٤٩٦٧)، وجامع الترمذي، أبواب الأدب، باب ما جاء في کراهیة الجمع بین اسم النبي صلی اللہ علیه وسلم وکنیته، رقم (٢٨٤٣)۔

(۳) شرح النووي لصحیح مسلم (ج٢ص٢٠٦) کتاب الآداب، باب النهي عن التکني بأبي القاسم وبیان مایستحب من الأسماء۔

(٤) فتح الباري (ج١٠ص٥٧٣) کتاب الأدب، باب قول النبي صلی اللہ علیه وسلم: سمّوا باسمي ولا تکنوا بکنیتي۔

(٥) شرح النووي لصحیح مسلم (ج٢ص٢٠٦)۔

ان حضرات کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے ہے "من تسمی باسمي فلا يكتني بكنيتي ومن اكتنى بكنيتي فلا يتسمى باسمي"۔(۱)(اللفظ لأبي داود)

۵ پانچواں مذہب یہ ہے کہ ابوالقاسم کی کنیت مطلقاً ممنوع ہے، خواہ اس کا نام محمد واحمد ہو یا نہ ہو، اسی طرح کسی کا نام "قاسم" رکھنا بھی ممنوع ہے، تاکہ اس کا باپ "ابوالقاسم" نہ پکارا جائے۔

مروان بن الحکم نے اپنے بیٹے عبدالملک کا نام پہلے "قاسم" رکھا تھا، لیکن جب یہ حدیث ان کو پہنچی تو اپنے بیٹے کا نام بدل دیا اور عبدالملک رکھ دیا۔

بعض حضرات انصار کے بارے میں بھی منقول ہے کہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔(۲)

۶ چھٹا مذہب یہ ہے کہ "محمد" نام رکھنا ہی مطلقاً ممنوع ہے، اسی طرح "أبو القاسم" کنیت رکھنا بھی مطلقاً ممنوع ہے۔(۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے "لا تسموا أحداً باسم نبي"۔(۴)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے "تسمونهم محمداً ثم تلعنونهم"۔(۵)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک اور جمہور علماء کے مذہب کو راجح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وأما إطباق الناس على فعله، مع أن في المتكنين به والمكنين الأئمة الأعلام، وأهل الحل والعقد، والذين يقتدى بهم في مهمات الدين: ففيه تقوية لمذهب

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب من رأى أن لا يجمع بينهما، رقم (۴۹۶۶)، وجامع الترمذي، أبواب الأدب، باب ما جاء في كراهية الجمع بين اسم النبي صلى الله عليه وسلم وكنيته، رقم (۲۸۴۲)۔

(۲) دیکھئے شرح النووي (ج ۲ ص ۲۰۶)۔

(۳) دیکھئے شرح النووي (ج ۲ ص ۲۰۶)، وفتح الباري (ج ۱۰ ص ۵۷۲) كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: سموا باسمي ولا تكنوا بكنيتي۔

(۴) فتح الباري (ج ۱۰ ص ۵۷۲)۔

(۵) المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية (ج ۳ ص ۳۰) كتاب البر والصلة، باب إباحة التسمي بأسماء الأنبياء وما جاء في كراهية شتمه، رقم (۲۴۹۶)، وكشف الأستار عن زوائد البزار (ج ۲ ص ۴۱۲) كتاب الأدب، باب كرامة اسم النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۱۹۸۷)، ومجمع الزوائد (ج ۸ ص ۴۸) كتاب الأدب، باب ما جاء في اسم النبي صلى الله عليه وسلم وكنيته۔

مالك في جوازه مطلقاً، ويكونون قد فهموا من النهي الاختصاص بحياته صلى الله عليه وسلم ....."۔ (۱)

یعنی "مطلقاً ابوالقاسم کی کنیت رکھنا جائز ہے، تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے، نیز اس کنیت کے اختیار کرنے والے اور دوسروں کی کنیت رکھنے والے بڑے بڑے ائمہ ہیں، اہل حل وعقد ہیں اور ایسے لوگ ہیں جو مہمات دین میں مقتدیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں، اس میں امام مالک کے مذہب کی تقویت ہوتی ہے کہ مطلقاً جواز ہے، نیز یہ معلوم ہوا کہ ان تمام حضرات نے نہی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ مختص سمجھا ہے"۔ واللہ أعلم

ومن رآني في المنام فقد رآني؛ فإن الشيطان لايتمثل في صورتي

اور جس نے خواب میں مجھے دیکھا سو اس نے بیشک مجھے ہی دیکھا اس لئے کہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہوسکتا۔

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کا ذکر ہے۔

خواب کی حقیقت

تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حقیقت خواب کی یہ ہے کہ نفس انسان جس وقت نیند یا بے ہوشی کے سبب ظاہر بدن کی تدبیر سے فارغ ہوجاتا ہے تو اس کو اس کی قوتِ خیالیہ کی راہ سے کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں، اسی کا نام خواب ہے۔ (۲)

خواب کی قسمیں

پھر اس کی تین قسمیں ہیں جن میں سے دو بالکل باطل ہیں، جن کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں ہوتی اور

(۱) کتاب الأذکار مع شرحه الفتوحات الربانية (ج٦ص١٥٤) کتاب الأسماء، باب النهي عن التكني بأبي القاسم۔

(۲) دیکھئے التفسير المظهري (ج٥ص١٣٧)۔

ایک اپنی ذات کے اعتبار سے صحیح و صادق ہے، مگر اس صحیح قسم میں بھی کبھی کچھ عوارض شامل ہوکر اس کو فاسد اور ناقابل اعتبار کردیتے ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ خواب میں جو انسان مختلف صورتیں اور واقعات دیکھتا ہے کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت میں جو صورتیں انسان دیکھتا رہتا ہے وہی خواب میں متشکل ہوکر نظر آجاتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اس کے ذہن میں ڈالتا ہے، کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے، یہ دونوں قسمیں باطل ہیں، جن کی نہ کوئی حقیقت واصلیت ہے اور نہ اس کی کوئی واقعی تعبیر ہوسکتی ہے، ان میں پہلی قسم کو حدیث النفس اور دوسری کو تسویل شیطانی کہا جاتا ہے۔

تیسری قسم جو صحیح اور حق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا الہام ہے جو اپنے بندہ کو متنبہ کرنے یا خوش خبری دینے کے لئے کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے بعض چیزیں اس کے قلب ودماغ میں ڈال دیتے ہیں۔

طبرانی کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مومن کا خواب ایک کلام ہے جس میں وہ اپنے رب سے شرف گفتگو حاصل کرتا ہے''۔(۱)

اس کی تحقیق صوفیہ کرام کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ عالم میں جتنی چیزیں وجود میں آنے والی ہیں اس وجود سے پہلے ہر چیز کی ایک خاص شکل عالم مثال میں ہوتی ہے اور اس عالمِ مثال میں جس طرح جواہر اور حقائق ثابتہ کی صورتیں اور شکلیں ہوتی ہیں اسی طرح معانی اور اعراض کی بھی خاص شکلیں ہوتی ہیں، خواب میں جب نفس انسانی ظاہر بدن کی تدبیر سے فارغ ہوجاتا ہے تو بعض اوقات اس کا تعلق عالمِ مثال سے ہوجاتا

(۱) قال الحافظ في الفتح (ج۱۲ ص۳۵٤)، كتاب التعبير، باب أول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي: الرؤيا الصالحة: "ذكر ابن القيم حديثا مرفوعاً غير معزو: "إن رؤيا المؤمن كلام يكلم به العبد ربه في المنام" ووجد الحديث المذكور في نوادر الأصول للترمذي، من حديث عبادة بن الصامت، أخرجه في الأصل الثامن والسبعين، وهو من روايته عن شيخه عمر بن أبي عمر، وهو واهٍ، وفي سنده جنيد"۔ وانظر مجمع الزوائد (ج۷ص۱۷٤) كتاب التعبير، باب الرؤيا الصالحة، قال الهيثمي: "رواه الطبراني وفيه من لم أعرفه"۔ وانظر التفسير المظهري (ج۵ ص۱۳۷) قال الفاني فني رحمه الله: "رواه الطبراني بسند صحيح، والصياء"۔

ہے، وہاں جو کائنات کی شکلیں ہیں وہ اس کو نظر آ جاتی ہیں، پھر یہ صورتیں عالم غیب سے دکھائی جاتی ہیں، بعض اوقات ان میں بھی کچھ عوارض ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اصل حقیقت کے ساتھ کچھ تخیلاتِ باطلہ شامل ہو جاتے ہیں، اس لئے اہل تعبیر کو بھی اس کی تعبیر سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے اور بعض اوقات وہ تمام عوارض سے پاک صاف رہتی ہیں تو وہ اصل حقیقت ہوتی ہیں مگر ان میں بعض خواب محتاجِ تعبیر ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں حقیقت واضح نہیں ہوتی، ایسی صورت میں بھی اگر تعبیر غلط ہو جائے تو واقعہ مختلف ہو جاتا ہے، اس لئے صرف وہ خواب صحیح طور پر الہام من اللہ اور حقیقت ثابتہ ہوگی جو اللہ کی طرف سے ہو اور اس میں کچھ عوارض بھی شامل نہ ہونے ہوں اور تعبیر بھی صحیح دی گئی ہو۔

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے سب خواب ایسے ہوتے ہیں، اس لئے ان کے خواب بھی وحی کا درجہ رکھتے ہیں، عام مسلمانوں کے خواب میں ہر طرح کے احتمال رہتے ہیں، اس لئے وہ کسی کے لئے حجت اور دلیل نہیں ہوتے، ان خوابوں میں بعض اوقات طبعی اور نفسانی صورتوں کی آمیزش ہو جاتی ہے اور بعض اوقات گناہوں کی ظلمت و کدورت صحیح خواب پر چھا کر اس کو ناقابل اعتماد بنا دیتی ہے، بعض اوقات تعبیر صحیح سمجھ میں نہیں آتی۔ (۱)

خواب کی یہ تین قسمیں جو ذکر کی گئی ہیں یہی تفصیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے، آپ نے فرمایا کہ خواب کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم شیطانی ہے، جس میں شیطان کی طرف سے کچھ صورتیں ذہن میں آتی ہیں، دوسری وہ جو آدمی اپنی بیداری میں دیکھتا رہتا ہے، وہی صورتیں خواب میں سامنے آ جاتی ہیں، تیسری قسم جو صحیح اور حق ہے وہ نبوت کے اجزاء میں سے چھیالیسواں جزء ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے۔ (۲)

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر مظہری (ج ۵ ص ۱۳۷-۱۴۱)، ومعارف القرآن (ج ۵ ص ۱۸-۲۰)۔

(۲) عن عوف بن مالك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "إن الرؤيا ثلاث، منها أهاويل من الشيطان ليحزن بها ابن آدم، ومنها ما يهم به الرجل في يقظته، فيراه في منامه، ومنها جزء من ستة وأربعين جزءًا من النبوة". سنن ابن ماجه، كتاب تعبير الرؤيا، باب الرؤيا ثلاث، رقم (۳۹۰۷)۔

کیا مذکورہ حدیث کا مصداق بننے کے لئے آپ کو آپ کے اصل حلیہ میں دیکھنا ضروری ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا آپ کی تصریح کے مطابق آپ ہی کو دیکھنا ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ جس حال میں بھی دیکھنے والے نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التعبیر میں امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے "إذا رآه في صورته "۔(۱) جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی شکل وصورت اور حلیہ میں دیکھا ہو تو آپ کو دیکھا ہے۔

چنانچہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ کر کوئی شخص اگر یہ کہتا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے تو وہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حلیہ پوچھتے جو خواب میں دیکھا، اگر خلاف معہود حلیہ بتاتا تو کہہ دیتے کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔(۲)

اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہوتی ہے، عاصم بن کلیب کہتے ہیں:

"حدثني أبي قال: قلت لابن عباس: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، قال: صفه لي، قال: ذكرت الحسن بن علي فشبهته به، قال: قد رأيته"۔(۳)

یعنی "میں نے ابن عباس سے کہا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، انہوں نے فرمایا کس حلیہ میں دیکھا بیان کرو! مجھے حضرت حسن بن علی یاد آئے، میں نے ان کے ساتھ تشبیہ دی، فرمایا کہ ہاں! تم نے دیکھا ہے"۔

جبکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ دیکھنے والے نے جس شکل میں بھی دیکھا ہے حضور

---

(۱) صحيح البخاري (ج ۲ ص ۱۰۳۵)، كتاب التعبير، باب من رأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام، رقم (۶۹۹۳)۔

(۲) فتح الباري (ج ۱۲ ص ۳۸۴) كتاب التعبير، باب من رأى النبي صلى الله عليه وسلم في المنام۔

(۳) حوالہ بالا۔

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے۔(۱) البتہ اگر آپ کو اس شکل میں دیکھا جو احادیث میں وارد ہوئی ہے تو آپ کی ذات کو دیکھا اور اگر کسی اور شکل میں دیکھا تو یہ شکل تمثیل ہوگی، اگر اچھی شکل میں دیکھا ہے تو دیکھنے والے کے دین کی خوبی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دین کا آئینہ ہیں، آپ کے آئینے میں دین نظر آتا ہے اور اگر کسی ناپسندیدہ صورت میں دیکھا تو دیکھنے والے کے نقص کی علامت ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔(۲)

خواب کی حالت میں حضور ﷺ کا ارشاد حجتِ شرعیہ ہے یا نہیں؟

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو کہ آپ کسی چیز کی خبر دے رہے ہیں، یا کسی چیز سے منع فرما رہے ہیں، یا کسی چیز کا حکم دے رہے ہیں تو آیا ایسے ارشادات منامیہ شرعی حجت ہیں یا نہیں؟

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خواب میں آپ کے ارشادات شرعی حجت نہیں ہیں۔ البتہ وہ ارشاد اگر کسی حکم شرعی سے مصادم نہ ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ ذاتیہ یا صورت مثالیہ کے ساتھ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، چنانچہ ایسے حکم پر عمل کرنا مستحسن ہے۔(۳)

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جب خواب دیکھنے والے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے اور آپ کا دیکھنا برحق بھی ہے تو آپ کے ارشادات مبارکہ بھی برحق اور حجت ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کے برحق ہونے کے لئے حقیقی حلیۂ مبارکہ کے ساتھ لازمی قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک تو خواب کی حالت میں ارشادات کا حجت نہ ہونا ظاہر ہے، کیونکہ کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ جزماً یہ بات کہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصل

---

(۱) دیکھئے شرح النووی لصحیح مسلم (ج۲ص۲۴۲و۲۴۳)، کتاب الرؤیا۔

(۲) دیکھئے الکوکب الدری (ج۳ص۱۹۶) أبواب الرؤیا، باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم من رآني في المنام...

(۳) دیکھئے تکملۃ فتح الملہم (ج۴ص۴۵۲)، کتاب الرؤیا، باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم من رآني في المنام فقد رآني۔

حلیہ میں دیکھا ہے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے میں شبہہ پیدا ہو گیا تو خواب کے حجت ہونے کا کیا سوال ہے؟!

اور جو حضرات کہتے ہیں کہ آپ کو اپنے اصل حلیہ میں دیکھنا ضروری نہیں، ان کے نزدیک خواب کی عدم حجیت اس بنیاد پر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں یہ تو فرمایا ہے کہ جو شخص خواب میں مجھے دیکھے تو اس نے واقعی مجھے دیکھا ہے کیونکہ شیطان تصرف کر کے میری صورت نہیں بن سکتا۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ خواب میں میرا ارشاد بھی برحق ہوگا اور اس کی نسبت میری طرف کی جا سکے گی، ظاہر ہے کہ رؤیا کے برحق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز خواب میں دکھائی دے رہی ہے یا سنائی دے رہی ہے حقیقت میں بھی واقع ہو، بلکہ اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ خواب "أضغاث" میں سے نہیں ہے، اس کی کوئی تعبیر ہے، اس تعبیر کی نسبت سے یہ خواب برحق ہے، نہ کہ مرئی اور مسموع کی نسبت سے۔ (۱)

پھر یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے اندر شیطان کے تصرفات کا تو کوئی دخل نہیں ہوتا، تاہم دیکھنے والے کی قوت متخیلہ بعض اوقات اثر انداز ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی معروف ہیئت کے بجائے کسی اور ہیئت میں بھی دکھائی دیتے ہیں، اس لئے عین ممکن ہے کہ دیکھنے والے کے خیال میں ایسا کوئی کلام واقع ہو جائے جس کا تکلم آپ نے نہیں فرمایا، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ خواب دیکھنے والے نے خواب میں جو کچھ دیکھا وہ تو بھول چکا، تاہم جاگنے کے بعد اسے ایسی باتوں کا خیال آیا جو خواب میں پیش ہی نہیں آئیں۔

لہذا ان شبہات کے ہوتے ہوئے ہم ان احکام کو نہیں چھوڑ سکتے جو ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت یقظہ میں حاصل ہوئے، نیز اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حالتِ رؤیا اور حالت یقظہ میں اگر تعارض ہو جائے تو حالت یقظہ کو ترجیح حاصل ہوگی۔ (۲) کیونکہ یہ بھی تو معلوم ہے کہ مغفل کی روایت معتبر نہیں، جب بیداری میں غفلت کی وجہ سے روایت قبول نہیں کی جاتی تو نوم کی غفلت تو بیداری کی غفلت سے بدرجہا زائد ہے، پھر اس نائم مغفل کی روایت کو کیسے قبول کیا جائے؟!

(۱) دیکھئے تکملۃ فتح الملہم (ج ٤ ص ٤٥٢)۔

(۲) حوالۂ سابقہ

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی قاضی کے سامنے دو عادل اور ثقہ گواہوں نے کسی معاملہ کی گواہی دی، پھر جب قاضی سویا تو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس شہادت کے مطابق فیصلہ نہ کرو، یہ شہادت باطل ہے. آیا حاکم رؤیا کے مطابق فیصلہ کرے گا یا شہادت کے مطابق فیصلہ دے گا؟ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قاضی کے لئے رؤیا کے مطابق فیصلہ دینا درست نہیں، اس رؤیا کی وجہ سے شہادت پر عمل کو ترک کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس طرح خواب کو حجت قرار دیں گے تو اس سے ابطال شریعت لازم آئے گا اور یہ درست نہیں، وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کے خواب کو تو وحی کی حیثیت حاصل ہے، جبکہ ان کے سوا باقی کسی کا خواب وحی نہیں ہے اور خواب کے ذریعہ کسی غیب کا علم نہیں ہوسکتا۔ (۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں نے شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ مغرب کے فقراء میں سے ایک فقیر نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس کو شراب پینے کا حکم دے رہے ہیں، اس نے اپنے وقت کے علماء سے پوچھا، ہر شخص نے کوئی نہ کوئی محمل بتایا اور کوئی نہ کوئی تاویل کی، اس وقت مدینہ منورہ میں ایک عالم محمد بن عراقی تھے، جو نہایت متبع سنت بزرگ تھے، ان کے سامنے جب یہ واقعہ بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس شخص کی قوت سامعہ میں کچھ خلل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "لاتشرب الخمر" اس نے "لاتشرب" کو "اشرب" سمجھ لیا۔ (۲)

حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے اپنے سر پر انگریزی ٹوپی اوڑھ رکھی ہے، اس خواب کی وجہ سے اس شخص کو وحشت ہوئی، اس نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار کیا، حضرت نے فرمایا کہ یہ اس کے دین پر نصرانیت کے غلبہ کی طرف اشارہ ہے۔ (۳)

---

(۱) دیکھئے الاعتصام للشاطبی (ج۱ص۲۶۲، ۲۶۳)، الباب الرابع فی مأخذ أهل البدع بالاستدلال۔

(۲) دیکھئے أشعة اللمعات (ج۳ص۶۳۹)۔

(۳) دیکھئے فیض الباری (ج۱ص۲۰۳و۲۰۴)۔

کیا خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والا صحابی ہوگا؟

کسی نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو تو کیا وہ صحابی ہوگا؟

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ صحابی نہیں ہوگا، اس لئے کہ صحابی کی تعریف یہ ہے کہ وہ صاحب ایمان شخص جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، اس دیکھنے سے مراد معہود اور معتاد رؤیت ہے، منامی رؤیت معتاد نہیں، اسی طرح یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس رؤیت سے مراد آپ کی دنیوی حیات میں زیارت ہے۔(۱)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کی تصریح کی ہے۔(۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیداری میں زیارت ممکن ہے یا نہیں؟

اس کے بعد یہ سمجھو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر خواب میں کسی نے دیکھا تب تو آپ ہی کو دیکھا، لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھا ہے تو کیا اس کی بات معتبر ہوگی؟ اور آپ کو بیداری میں دیکھنا ممکن ہے یا نہیں؟

بعض حضرات نے اس کی نفی کی ہے (۳) اور کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رؤیت منامی تو ثابت ہے، بلکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ متواتر ہے (۴)، جبکہ رؤیت فی الیقظہ کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں ہے، البتہ "من رآني في المنام فسيراني في اليقظة" کے احتمالات میں سے ایک احتمال کے طور پر اشارہ ملتا ہے۔(۵)

(۱) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ص۱۵۶)۔

(۲) تنوير الحلك في إمكان رؤية النبي والملك [ضمن الحاوي للفتاوى (ج۲ص۲۵۵)]۔

(۳) دیکھئے المواهب اللدنية مع شرحه (ج۷ص۲۹۲) الفصل الرابع، ما اختص به صلى الله عليه وسلم من الفضائل والكرامات۔

(۴) شرح المواهب اللدنية للزرقاني (ج۷ص۲۹۲)۔

(۵) حوالہ بالا۔

اسی طرح حضرات صحابہ وتابعین میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے شدّت تعلق کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کے عالم میں دیکھا ہو، حتی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کی وجہ سے جو صدمہ لاحق ہوا تھا، وہ صدمہ ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے صرف چھ ماہ بعد ہی ان کا انتقال ہوگیا تھا، ان کا گھر روضۂ مبارک سے ملا ہوا تھا، تاہم ان سے بھی منقول نہیں ہے کہ اس پورے عرصہ میں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم بیداری میں دیکھا ہو۔(۱)

اس کے مقابلہ میں بہت سے محققین نے اس کا اثبات کیا ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کے اثبات کے لئے ایک مستقل رسالہ "تنویر الحلك في إمكان رؤية النبي والملك" لکھا ہے(۲)، علامہ بارزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "توثيق عرى الإسلام" میں، علامہ ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ نے "بهجة النفوس" میں، عفیف یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''روض الریاحین'' میں اور شیخ صفی الدین بن ابی المنصور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ''رسالہ'' میں سلف صالحین سے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں۔(۳)

علامہ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلف وخلف کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے خواب میں دیکھا، پھر بمصداق حدیث "من رآني في المنام فسيراني في اليقظة" انہوں نے آپ کو بیداری کے عالم میں بھی دیکھا، آپ سے ان حضرات نے اپنی بعض مشکلات ومسائل کا حل بھی پوچھا، آپ نے ان کا حل بتایا۔(۴)

ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات کا منکر یا تو کراماتِ اولیاء کا ماننے والا ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اگر وہ کراماتِ اولیاء کا منکر ہے تو ہماری اس سے بحث ہی نہیں ہے، کیونکہ اس نے ایسی چیز کا انکار کیا ہے جو ''سنت'' سے واضح دلائل کے ساتھ ثابت ہے۔

(۱) المواهب اللدنية للقسطلاني وشرحها للزرقاني (ج۷ص۲۹۲)۔

(۲) جو "الحاوي للفتاوى" کے ضمن میں طبع ہوا ہے۔

(۳) المواهب اللدنية (ج۷ص۲۹۳)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

اور اگر وہ کرامات اولیاء کو برحق سمجھتا ہے تو یہاں بھی وہ تسلیم کرلے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت یقظۃً بطور کرامت ہے۔(۱)

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال کے بعد بیداری کی حالت میں نہ دیکھنے اور بعد والوں کے دیکھنے میں توجیہ کی ضرورت ہے، جس سے اطمینان ہو سکے، یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ جن حضرات صالحین سے دیکھنا منقول ہے یہ سب جھوٹ اور بے اصل ہے، کیونکہ اس کے ناقلین بھی بہت زیادہ ہیں اور یہ دعوی کرنے والے بڑے جلیل القدر اللہ والے لوگ ہیں، اسی طرح یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ان حضرات نے دیکھا تو واقعی ہے لیکن یہ رؤیت منامی ہے، بیداری کے عالم میں نہیں، کیونکہ اس محمل پر حمل کرنا ایک تو بعید ہے، دوسرے بعض واقعات کو منام پر محمول کیا ہی نہیں جا سکتا۔

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ از قبیل خوارق عادت ہے، جیسے حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے معجزات اور اولیاء کرام کی کرامتیں۔

جہاں تک صدر اول میں نہ دیکھنے کا تعلق ہے، سو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت یقظہ میں دیکھنا خارق عادت کے طور پر ہے اور صدر اول میں یعنی صحابۂ کرام کے زمانہ میں خوارق کا صدور بہت کم ظاہر ہوا ہے، اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو آسمان رسالت کے آفتاب ہیں، آپ کا زمانہ بہت قریب ہے، ظاہر ہے کہ آفتاب کی روشنی میں ستارے دکھائی نہیں دیتے۔ لہذا عین ممکن ہے کہ ان حضرات کے دور میں بعض حضرات نے آپ کو عالم بیداری میں دیکھا ہو، لیکن انہوں نے خلاف مصلحت سمجھ کر اس کو ظاہر نہ کیا ہو۔ ان حضرات کے نہ دیکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق سے ان کی ابتلا و آزمائش مقصود ہو، یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس وقت اگر کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم بیداری میں دیکھ لیتا تو دوسروں کے لئے فتنہ و آزمائش کا دروازہ کھل جاتا، ایک مصلحت یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت چونکہ بہت سے حضرات ایسے تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) مواہب اللدنیہ (ج۷ص۲۹۳، ۲۹۴)۔

کے بعینہ عکس تھے، اس لئے آپ کو کسی نے یقظۃً نہیں دیکھا، نیز اس کا بھی قوی امکان ہے کہ آپ کو بیداری میں کثرت سے دیکھتے تو آپ سے اس موقع پر براہِ راست استفادہ کیا جاتا، اس طرح کتاب وسنت میں اجتہاد کا دروازہ نہ کھلتا، اب جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں اور نہ ہی عام بیداری میں کوئی آپ کو دیکھ رہا تھا، اس لئے اجتہاد کا دروازہ کھل گیا، اس طرح امت کے لئے آسانی پیدا ہوگئی۔(۱)

جہاں تک منکرین کا یہ کہنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی صحت کی ضمانت دی ہے بیداری میں نہیں، لہذا بیداری میں ممکن ہے کہ جنات وشیاطین متمثل ہوکر اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں اور رائی کو دھوکہ میں ڈال دیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ بیداری کی حالت خواب کی حالت سے اقوی ہے، جب حالت خواب میں تمثل شیطانی نہیں ہوسکتا تو بیداری میں بھی نہیں ہوسکتا۔

ممکن ہے منکرین یہ کہیں کہ "فإن الشیطان لا یتمثل بی" کا تعلق خواب سے ہے، بیداری سے نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ "فإن الشیطان لا یتمثل بی" کا تعلق خواب سے ہے، تاہم اس کی علت میں غور کریں کہ کس علت کی بنا پر آپ نے یہ فرمایا، وہ علت یہ ہے کہ آپ ہدایت محض ہیں اور شیطان ضلال محض، ضلال محض ہدایت محض کی شکل اختیار نہیں کرسکتا، لہذا جس طرح یہ علت حالت خواب میں ہے، بعینہ یہی علت بیداری کی حالت میں بھی ہے، لہذا یہ ممکن نہیں ہے کہ حالت بیداری میں شیطان متمثل ہوکر دھوکے میں ڈال دے۔ واللہ أعلم

کیا شیطان خواب میں اللہ تعالیٰ کی صورت میں متشکل ہوکر آسکتا ہے؟

کیا شیطان خواب میں آکر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں "اللّٰہ" ہوں؟

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان اس طرح کہہ سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح

---

(۱) دیکھئے روح المعانی (ج۱۲ص۳۹) تحت تفسیر قولہ تعالیٰ: ﴿ما کان محمد أبا أحد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین﴾۔

مظہر ہدایت ہیں اسی طرح مظہر ضلالت بھی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فيضل الله من يشاء ويهدي من يشاء﴾ ۔(۱) والله أعلم بالصواب (۲)۔

من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار

اور جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

یہاں حدیث باب کا یہی جزء اصالۃً اور بالذات مقصود ہے۔

"من كذب عليّ متعمداً" کا تواتر

حدیث "من كذب عليّ متعمداً" بہت سے صحابۂ کرام سے منقول ہے، خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف الفاظ کے ساتھ اسے حضرت زبیر (۳)، حضرت علی (۴)، حضرت انس (۵) اور حضرت ابو ہریرہ (۶) رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے، اسی طرح انہوں نے حضرت مغیرہ (۷)، حضرت سلمہ بن الأکوع (۸)، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (۹) اور حضرت واثلۃ بن الاسقع (۱۰) رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ البتہ اس میں وعید بالنار کی تصریح موجود نہیں ہے۔(۱۱)

---

(١) سورۂ ابراہیم: ۴۔

(٢) دیکھئے لامع الدراری وتعلیقاته (ج١ ص٢٤٠ و٢٤١) كتاب التعبير۔

(٣) دیکھئے صحيح البخاري (ج١ ص٢١) كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (١٠٧)۔

(٤) حوالۂ بالا، رقم (١٠٦)۔

(٥) حوالۂ بالا، رقم (١٠٨)۔

(٦) حوالۂ بالا، رقم (١١٠)۔

(٧) صحيح البخاري (ج١ ص١٧٢) كتاب الجنائز، باب مايكره من النياحة على الميت، رقم (١٢٩١)۔

(٨) صحيح البخاري (ج١ ص٢١) كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (١٠٩)۔

(٩) صحيح البخاري (ج١ ص٤٩١) كتاب أحاديث الأنبياء، باب ماذكر عن بني إسرائيل، رقم (٣٤٦١)۔

(١٠) صحيح البخاري (ج١ ص٤٩٨) كتاب المناقب، باب (بدون ترجمة، بعد باب نسبة اليمن إلى إسماعيل)، رقم (٣٥٠٩)۔

(۱۱) الفاظ یہ ہیں "إن من أعظم الفرى أن يدعي الرجل إلى غير أبيه أو يُري عينه مالم تر، أو يقول على رسول الله ﷺ مالم يقل"۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت علی (۱)، حضرت انس (۲)، حضرت ابوہریرہ (۳) اور حضرت مغیرہ (۴) رضی اللہ عنہم سے یہ روایت نقل کی ہے، جبکہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے صرف انہوں نے ہی روایت کی ہے (۵) امام بخاری نے نہیں کی۔

صحیحین کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں حضرت عثمان (۶)، حضرت ابن مسعود (۷)، حضرت ابن عمر (۸)، حضرت ابوقتادہ (۹)، حضرت جابر (۱۰) اور حضرت زید بن ارقم (۱۱) رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

اسی طرح سند حسن کے ساتھ حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعید بن زید، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابن عباس، حضرت سلمان فارسی، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت رافع بن خدیج، حضرت طارق الأشجعی، حضرت سائب بن یزید، حضرت خالد بن عرفطہ، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوموسیٰ غافقی، حضرت عائشہ اور حضرت ابوقرصافہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ (۱۲) یہ کل تینتیس صحابۂ کرام ہیں۔

---

(۱) صحيح مسلم، المقدمة، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٢)۔

(۲) حوالۂ بالا، رقم (٣)۔

(۳) حوالۂ بالا، رقم (٤)۔

(٤) حوالۂ بالا، رقم (١) و (٥) و (٦)۔

(٥) صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، باب التثبت في الحديث وحكم كتابة العلم، رقم (٧٥١٠)۔

(٦) مسند أحمد (ج١ ص٧٠)۔

(٧) جامع الترمذي، أبواب العلم، باب ما جاء في تعظيم الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٢٦٥٩)۔

(٨) مسند أحمد (ج٢ ص٢٢)، رقم (٤٧٤٢) و (ج٢ ص١٠٣)، رقم (٥٧٩٨) و (ج٢ ص١٤٤)، رقم (٦٣٠٩)، وشرح مشكل الآثار (ج١ ص٣٦٠)۔

(٩) سنن ابن ماجه، المقدمة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (٣٥)۔

(١٠) حوالۂ بالا، رقم (٣٣)۔

(١١) مسند أحمد (ج٤ ص٣٦٧)۔

(١٢) ان تمام روایات کے لئے ملاحظہ فرمائیں "الموضوعات" لابن الجوزي (ج١ ص٥٥-٩٢)، الباب الثاني في قوله عليه السلام: "من كذب علي متعمداً..."۔

ان کے علاوہ تقریباً بیس مزید صحابۂ کرام سے بھی یہ حدیث مروی ہے، تاہم ان کی سندیں بہت ضعیف اور ساقط الاعتبار ہیں۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حفاظِ محدثین نے اس حدیث کے طرق کو جمع کیا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی اور ان کی اتباع امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی، وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حجازی یا غیر حجازی صحابۂ کرام سے بیس طرق سے مروی ہے، پھر ابراہیم الحربی اور ابوبکر البزار رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تقریباً چالیس صحابۂ کرام سے مروی ہے۔

اسی زمانہ میں امام ابن صاعد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے طرق کو جمع کیا جو مذکورہ تعداد سے کچھ زیادہ ہی ہیں۔

امام ابوبکر الصیرفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقریباً ساٹھ صحابۂ کرام نے اس کو روایت کیا ہے، ان کے طرق کو امام طبرانی نے جمع کیا تو اس میں اضافہ ہی ہوا۔

امام ابوالقاسم بن مندہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو ستاسی صحابۂ کرام نے نقل کیا ہے، بعض نیشاپوری حضرات نے ان کی تخریج کی، جس سے مزید اضافہ ہوا۔

اسی طرح امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے طرق کو جمع کیا تو وہ نوے سے زائد نکلے، ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر جزم کیا ہے۔

امام ابوموسیٰ المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کو تقریباً سو صحابۂ کرام نقل کرتے ہیں، ان کے بعد حافظ یوسف بن خلیل اور حافظ ابوعلی بکری رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے طرق کو جمع کیا، تو دونوں کا مجموعہ تقریباً ایک سو دو تک پہنچا۔ (۲)

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حفاظ نے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث کو دو سو صحابۂ کرام نے نقل کیا ہے، لیکن میں اس کے وقوع کو مستبعد سمجھتا ہوں۔ (۳)

---

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۳)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۳)، ومختصر الأمالي (ص ۵۲-۵۴)، وفتح المغيث للعراقي (ص ۳۲۳)۔

(۳) دیکھئے فتح المغيث للعراقي (ص ۳۲۳)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غالبًا یہ "مائۃ" تھا، سبقتِ قلمی کی وجہ سے "مائتان" ہوگیا۔(۱)

لیکن یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ سو کے قریب صحابۂ کرام سے جو یہ روایت مروی ہے وہ تمام طرق صحیح نہیں ہیں، بلکہ۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔ ان میں صحیح کے علاوہ بعض حسن ہیں، بعض ضعیف ہیں، جبکہ بعض بالکل ساقط الاعتبار ہیں، پھر ان میں سے بعض روایتیں مطلق کذب کی مذمت میں ہیں، خاص کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقید نہیں ہیں۔(۲)

اس حدیث کی تفصیلی تخریج کے لئے ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الموضوعات اور علامہ عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة" ملاحظہ کریں۔(۳)

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے، اس کے علاوہ اور کوئی حدیث متواتر نہیں(۴)، جبکہ ابن حبان(۵) اور حازمی(۶) رحمہما اللہ حدیث متواتر کا مطلقًا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث متواتر کا کوئی وجود نہیں۔

ابن حبان اور حازمی رحمہما اللہ کا یہ دعوی تو بالکل باطل ہے، کیونکہ ابھی پیچھے تفصیل گذر چکی ہے کہ "من كذب علي متعمدًا" والی اس حدیث کو سو سے زائد صحابۂ کرام نے نقل کیا ہے، تو کیا پھر بھی یہ متواتر نہیں ہوگی؟!

---

(۱) فتح المغيث للسخاوي (ج٤ ص١٩) الغريب والعزيز والمشهور، أمثلة التواتر.

(۲) دیکھئے ظفر الأماني (ص٥٤) علا عن فتح الباري (ج١ ص٢٠٣).

(۳) كتاب الموضوعات لابن الجوزي (ج١ ص٥٥-٩٢)، الباب الثاني في قوله عليه السلام: من كذب علي متعمدًا...، والآثار المرفوعة (ص١١-٤٨)، ضمن مجموعة سبع رسائل للكنوي رحمه الله تعالى.

(٤) قال ابن الصلاح رحمه الله تعالى: "نعم: حديث "من كذب علي متعمدًا فليتبوأ مقعده من النار" نراه مثالًا لذلك؛ فإنه نقله من الصحابة رضي الله عنهم العدد الجم، وهو في الصحيحين مروي عن جماعة منهم..." علوم الحديث (ص٢٦٩)، النوع الموفي ثلاثين: معرفة المشهور من الحديث.

(٥) قال ابن حبان في مقدمة صحيحه: "فأما الأخبار فإنها كلها أخبار آحاد..." انظر الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان (ج١ ص١٤٥).

(٦) قال الحازمي رحمه الله تعالى: "وإثبات التواتر في الأحاديث عسير جدًا" شروط الأئمة الخمسة للحازمي (ص٤٢) ضمن ثلاث رسائل في علم مصطلح الحديث.

جہاں تک حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کے دعوے کا تعلق ہے، سو علماء نے اس تخصیص کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ "مـن كـذب" والی حدیث کے علاوہ "مـن بـنـى لله مسجداً ..."، مسح علی الخفین کی حدیث، رفع یدین کی حدیث، شفاعت کی حدیث، "حوض" اور "رؤیت باری تعالی" کی احادیث وغیرہ متواتر ہیں۔(۱)

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے "من كذب عليّ متعمداً..." والی حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

"ولا يمكن التواتر في شيء من طرق هذا الحديث، لأنه يتعذر وجود ذلك في الطرفين والوسط، بل بعض طرقه الصحيحة إنما هي أفراد من بعض رواتها، وقد زاد بعضهم في عدد هذا الحديث حتى جاوز المئة، ولكنه ليس هذا المتن، وإنما هي أحاديث في مطلق الكذب عليه صلى الله عليه وسلم، كحديث: "من حدث عني بحديث يرى أنه كذب، فهو أحد الكاذبين" ونحو ذلك". (۲)

حافظ عراقی کے قول کا حاصل یہ ہے کہ "اس حدیث کے تمام طرق کو بھی اگر ملالیں تب بھی تواتر ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ابتداء، انتہاء اور پھر وسط میں تواتر کی شرط یعنی کثرت رواۃ کا پایا جانا ممکن نہیں، بلکہ اس حدیث کے بعض طرق ایسے رواۃ سے مروی ہیں جن پر آحاد کا اطلاق کیا جاتا ہے، بعض حضرات نے اس حدیث کے طرق کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے، لیکن یہ بات صرف اس متن سے متعلق نہیں ہے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مطلقاً جھوٹ باندھنے کے ساتھ متعلق ہے، جیسے حدیث "مـن حـدث عني بحديث يرى أنه كذب، فهو أحد الكاذبين" وغیرہ ہیں"۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے اس اشکال کو (کہ متواتر کے لئے طرفین و وسط میں استواء فی الکثرۃ ضروری ہے اور اس حدیث کے ہر ہر طریق میں یہ بات نہیں ہے) ذکر کر کے اس کا جواب دیا ہے کہ متواتر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر ہر طریق میں تواتر کی ضرورت ہو، بلکہ ہر زمانہ میں

(۱) دیکھئے فتح الباري (ج۱ ص۲۰۳)، وفتح المغيث للسخاوي (ج٤ ص۲۰ و۲۱)۔

(۲) التقييد والإيضاح لما أطلق وأغلق من كتاب ابن الصلاح (ص۲۷۲)، النوع الحادي والثلاثون: معرفة الغريب والعزيز من الحديث۔

ابتداء سے انتہاء تک ایک جماعت دوسری جماعت سے روایت کرنے والی موجود ہو تو یہ افادۂ علم کے لئے کافی ہے۔(۱)

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طریق کو روایت کرنے والوں کی تعداد کافی زیادہ ہے اور ان سے یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے چھ مشہور تابعین ہیں، اسی طرح حضرت ابن مسعود، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کی احادیث کا یہ حال ہے، اگر یوں کہا جائے کہ یہ حدیث جس جس صحابی سے مروی ہے ان کے طریق سے یہ متواتر ہے تو یہ بات درست ہوگی، کیونکہ تواتر کے لئے کوئی عدد معین شرط نہیں ہے بلکہ ''علم'' کا افادہ کافی ہے۔(۲)

لیکن علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو نقل کرکے کہ یہ حدیث جو سو سے زائد صحابۂ کرام سے مروی ہے، ان میں بعینہ "مــن كــذب...." کے الفاظ کے ساتھ نہیں، بلکہ اس کے قریب قریب دوسرے الفاظ کی حدیثیں بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں:

"وبه ظهر ما في كلام الحافظ ابن حجر... فإن العلم الذي لابد منه في المتواتر هو العلم الضروري، لا مطلق العلم، وحصول العلم الضروري من طرق هذا الحديث ممنوع"۔ (۳)

یعنی ''اس سے حافظ ابن حجر کے کلام میں جو خلل ہے وہ ظاہر ہوگیا..... اس لئے کہ متواتر میں جو علم ناگزیر ہے وہ ''علم ضروری'' ہے، نہ کہ مطلقِ علم، اور علم ضروری اس حدیث کے طرق سے حاصل ہونا مسلم نہیں''۔

(۱) قال الحافظ: "وأجيب بأن المراد بإطلاق كونه متواتراً رواية المجموع عن المجموع من ابتدائه إلى انتهائه في كل عصر، وهذا في إفادة العلم"۔ فتح الباري (ج۱ص۲۰۳)۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص۲۰۳)۔

(۳) ظفر الأماني (ص٥٦ و٥٧)، مبحث الخبر المتواتر۔

حاصل یہ ہے کہ ابن حبان اور حازمی رحمہما اللہ تعالیٰ نے متواتر کے وجود کا انکار کیا ہے(۱)، جبکہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متواتر کا وجود بہت ہی قلیل ہے، البتہ "من کذب ..." والی حدیث کے بارے میں دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یہ متواتر ہے۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بارے میں بھی یہ کہنا ممکن نہیں کہ یہ لفظاً بھی متواتر ہے، کیونکہ بعینہ ان ہی الفاظ کے ساتھ اتنے طرق سے مروی نہیں ہے، جن کی وجہ سے اس پر متواتر ہونے کا حکم لگایا جا سکے۔

لہذا اس اختلاف کو ختم کرنے کے لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ جن حضرات نے "متواتر" کا انکار کیا ہے وہ تواتر لفظی کا انکار کرتے ہیں اور جن حضرات نے متواتر تسلیم کیا ہے وہ تواتر معنوی ہے۔(۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم

واضع حدیث کا حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط منسوب کرنا باتفاق گناہ کبیرہ ہے۔(۳)

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ واضع حدیث جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا یا نہیں؟

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مفتری علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔

امام ابومحمد الجوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والا کافر ہو جائے گا۔(۴)

---

(۱) انظر فتح المغیث للسخاوی (ج۴ص۱۹) التقریب مع التدریب، والمنهج، وشرح شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر (ص۱۸۷)۔

(۲) انظر تعلیقات الشیخ نور الدین عتر علی علوم الحدیث لابن الصلاح (ص۲٦۸)۔

(۳) دیکھئے، توضیح الأفكار لمعاني تنقیح الأنظار (ج۲ص٦٦)۔

(۴) دیکھئے، نزهة النظر شرح نخبة الفكر مع حاشیة لقط الدرر (ص۸۵)، وشرح شرح نخبة الفكر لعلي القاري (ص۴۵۲)، وفتح الملهم (ج۱ص۲۰۲)۔

علامہ ابن المنیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف اپنا میلان ظاہر کیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے اس بات سے استدلال کیا ہے کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط حدیث منسوب کرتا ہے، مثال کے طور پر سمجھئے کہ وہ کسی حرام کی تحلیل کے لئے غلط حدیث بیان کرتا ہے تو وہ یا اس حرام کو حلال سمجھتا ہے، یا حلال سمجھنے پر دوسروں کو آمادہ کرتا ہے اور استحلال حرام کفر ہے، اسی طرح اس پر آمادہ کرنا بھی کفر ہے۔(۱)

لیکن علامہ موصوف کی یہ دلیل ضعیف ہے، کیونکہ یہاں گفتگو استحلال حرام میں نہیں ہے، بلکہ گفتگو اس بات میں ہو رہی ہے کہ اگر کوئی محض ہوائے نفسانی کی غرض سے باوجود حرام سمجھنے کے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کردے تو وہ کافر ہوگا یا نہیں، نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کافر نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ﴾۔(۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، اسی لئے امام نے ترجمہ میں "إثم من كذب" ارشاد فرمایا ہے، اگر کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کفر ہوتا تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ میں "إثم" کے بجائے "کفر" کا لفظ لاتے۔ واللّٰہ أعلم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں جھوٹ بولنے والے کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟

اگر کسی شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کردی اور ایسا اس نے عمداً کیا، تو اتنی بات تو ظاہر ہے کہ یہ گناہِ کبیرہ ہے، البتہ اس میں کلام ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟

امام احمد بن حنبل، امام حمیدی، سفیان ثوری، عبداللہ بن المبارک، رافع بن الأشرس اور ابونعیم رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی ساری روایات مردود ہیں، اگر وہ صدقِ دل سے توبہ بھی کرلے تب بھی اس کی

(۱) فتح الباري (ج۱ص۲۰۲)۔

(۲) النساء: ۴۸۔

روایات معتبر نہیں۔(۱)

لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قواعد کے خلاف ہے، مذہب مختار یہ ہے کہ اس کی توبہ بھی قبول ہے اور توبہ کے بعد اس کی روایت بھی معتبر ہے، چنانچہ کفر جیسا جرم توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو یہ تو اس سے کمتر ہے، یہ بدرجۂ اولیٰ معاف ہو جائے گا۔(۲)

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ گفتگو اس بات میں نہیں ہے کہ فیما بینہ و بین اللہ اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں، بلکہ گفتگو اس میں ہے کہ کاذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات معتبر ہوں گی یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں کہ معتبر نہیں (۳) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آئندہ کے لئے سدِ باب ہو جائے اور کوئی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ کرے اور نہ ہی منسوب کرنے کی جرأت کرے۔

فائدہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے، جو اصل مقصودِ باب ہے، اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے، جو اس بات پر دال ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے سے بہت زیادہ احتراز کیا کرتے تھے، تیسرے نمبر پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث لے کر آئے، جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضرات صحابۂ کرام اس اکثار فی الروایۃ سے احتراز کرتے تھے، جو مفضی الی الخطا ہو، مطلق تحدیث سے احتراز نہیں کرتے تھے، اس کے بعد حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث لے کر آئے ہیں، جس میں

(۱) دیکھئے الکفایہ (ص ۱۱۷ و ۱۱۸)، وشروط الأئمة الخمسة للحازمي (ص ۱۴۶، ضمن ثلاث رسائل في علم مصطلح الحديث)، ومقدمة الحديث لابن الصلاح (ص ۱۱۶)، والتقييد والإيضاح (ص ۱۵۰ و ۱۵۱)، وفتح المغيث للعراقي (ص ۱۶۴) وفتح المغيث للسخاوي (ج ۲ ص ۷۱-۷۶)۔

(۲) دیکھئے تقريب النواوي بشرحه تدريب الراوي (ج ۱ ص ۳۳۰)، وشرح النووي لصحيح مسلم (ج ۱ ص ۸)، المقدمة، باب تغليظ الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

(۳) "قال أبو عبدالرحمن عبد الله بن أحمد الحلبي: سألت أحمد بن حنبل عن محدث كذب في حديث واحد، ثم تاب ورجع، قال: توبته فيما بينه وبين الله تعالى، ولا يكتب حديثه أبداً"۔ الكفاية (ص ۱۱۷)۔

"قول" کی تصریح موجود ہے، جبکہ اس سے پہلی حدیثیں قول وفعل دونوں کی نسبتوں کو عام ہیں۔

اور آخر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لے کر آئے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا کسی بھی موقع پر جائز نہیں، خواہ دعوائے سماع حالت یقظہ میں ہو یا حالت منام میں۔(۱) واللہ أعلم وعلمه أتم وأحکم

فائدہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں چار امور ہیں: ۱۔ تسموا باسمی ۲۔ ولا تکتنوا بکنیتي ۳۔ ومن رأني في المنام فقد رأني؛ فإن الشیطان لایتمثل في صورتي ۴۔ ومن کذب علي متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار۔ ان امور کے درمیان مناسبت کیا ہے؟

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے جملہ اور دوسرے جملہ کے درمیان تو مناسبت بالکل ظاہر ہے کہ ایک میں تسمیہ مذکور ہے اور ایک میں تکنیہ، دونوں کا تعلق ایک ہی قبیل سے ہے، آخری دونوں جملوں کے درمیان مناسبت اس طرح ہے کہ جس طرح بیداری کے عالم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت حرام اور ناجائز ہے اسی طرح کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں نہیں دیکھتا اس کے باوجود کہہ دیتا ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے یہ بھی اسی وعید کے تحت داخل ہے البتہ پہلے دونوں جملوں کا تعلق آخری دونوں جملوں سے کس طرح ہے؟ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر بیاض چھوڑی ہے ممکن ہے بعد میں تحریر کرنا چاہتے ہوں اور ذہول ہوگیا ہو۔ تاہم غور کرنے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تین مختلف احادیث ہیں، ایک " تسموا باسمی ولاتکتنوا بکنیتي " دوسری حدیث ہے "من رأني ......" تیسری حدیث ہے "من کذب علي متعمداً ......" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان احادیث کو الگ الگ بھی روایت کرتے تھے جب کہ بعض اوقات سب کو ملا کر بھی روایت کردیتے تھے یہاں یہی صورت ہے کہ تمام احادیث کو ایک ساتھ ملا کر روایت کردیا۔

(۱) فتح الباري (ج۱ ص۲۰۲، و۲۰۳)، وعمدة القاري (ج۲ ص۱۵۷)۔

۳۹ - باب : كِتَابَةِ الْعِلْمِ

بابِ سابق سے مناسبت

مذکورہ باب اور باب سابق میں مناسبت یہ ہے کہ سابق باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے میں کذب سے احتراز کرنے کی تاکید تھی اور اس باب میں اس بات کی ترغیب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو ضائع کرنے سے احتراز کیا جائے۔(۱)

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باب سابق میں چونکہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احتراز کا حکم تھا، اس لئے عین امکان تھا کہ بعض لوگوں کی ہمتیں بالکل جواب دے جاتیں اور وہ مطلق نقل حدیث سے احتراز کرتے، ظاہر ہے کہ اس میں بہت بڑا نقصان تھا اور تعلیم وتبلیغ میں خلل پڑتا تھا، اس لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد یہ ترجمہ قائم فرمایا، جس میں وہ طریقہ بتایا گیا ہے جس سے نقل حدیث بھی جاری رہ سکتی ہے اور غلطیوں سے بھی بچا جا سکتا ہے، وہ طریقہ کتابت حدیث کا ہے کہ سنی ہوئی احادیث اور علم کو لکھ لے اور پھر بیان کرے۔(۲) واللہ أعلم

مقصدِ ترجمۃ الباب

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طرز ان ابواب میں جو فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہوتے ہیں یہ ہے کہ ترجمہ کو علی سبیل الاحتمال ذکر کرتے ہیں، کسی ایک جانب کو جزم کے ساتھ ذکر نہیں کرتے، یہ ترجمہ بھی اسی طرح ہے، کیونکہ سلف کا اس میں اختلاف رہا ہے، بعض حضرات کتابت کے قائل

(۱) عمدۃ القاری (ج۲ص ۱۶۸)۔

(۲) الکنز المتواری (ج۲ص ۳۴۶)۔

رہے ہیں اور بعض حضرات ترک کے۔اگر چہ بعد میں کتابت حدیث پر اجماع منعقد ہو چکا، بلکہ اس کے استحباب پر اتفاق ہو چکا،اس سے بڑھ کر یوں کہا جا سکتا ہے کہ جس کے ذمہ تبلیغ علم لازم ومتعین ہو اور اسے نسیان کا خوف ہو تو اس پر کتابتِ علم وحدیث واجب ہے۔(۱)

حضرت الامام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف کی غرض یہ بتانا ہے کہ کتابت حدیث کی اصل حدیث میں موجود ہے،اگر چہ عہد نبوی میں اس خدشہ کی بنیاد پر کہ قرآن کریم کے ساتھ خلط نہ ہو جائے، یا اس اندیشہ کی وجہ سے کہ لوگ کتابت پر بھروسہ کر کے حفظ حدیث کا اہتمام نہیں کریں گے،کتابت حدیث سے منع کیا گیا تھا،لیکن بعد میں کتابت کی اجازت ہوگئی،حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔(۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ”حفاظت علم اور بقاءعلم اور اشاعت وتبلیغ علم کے لئے کتابت بھی ضروری اور سہل اور انفع ذریعہ ہے،اس لئے "بـاب كـتـابـة الـعـلـم" منعقد کر کے کتابت علم کا استحسان اور امور علمیہ کا بغرض بقاء وحفاظت آپ کے ارشاد سے لکھا جانا ثابت کر دیا، بلکہ اشارۃً علماء کو ترغیب الی الکتابت بھی مفہوم ہوتی ہے“۔(۳)

کتابتِ حدیث

کتابت حدیث کے بارے میں سلف میں اختلاف رہا ہے، چنانچہ حضرت ابن مسعود،حضرت زید بن ثابت،حضرت ابوموسیٰ،حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم وغیرہ ایک جماعت نے کتابت حدیث کو ناپسند قرار دیا ہے، جبکہ ایک دوسری جماعت جواز کی قائل ہے،جس میں حضرت عمر،حضرت علی،حضرت حسن،حضرت جابر رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔

(۱) فتح الباری (ج۱ص۲۰۴)۔

(۲) شرح تراجم أبواب البخاری(ص۱۵)۔

(۳) الأبواب والتراجم (ص۵۵)۔

اس سلسلہ میں ایک تیسرا مذہب یہ ہے کہ کتابت کی جائے، تاہم یاد کر لینے کے بعد اس کو مٹا دیا جائے۔

لیکن بعد میں یہ سارا اختلاف ختم ہوگیا اور اب اس کے جواز بلکہ استحباب پر اتفاق ہوگیا۔(۱)

تدوین حدیث اور اس پر منکرین حدیث کے ہفوات وشبہات کی تردید تفصیلی طور پر مقدمہ میں آچکی ہے۔ فلینظر ثمہ۔

۱۱۱ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ : أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ سُفْيَانَ ، عَنْ مُطَرِّفٍ ، عَنِ الشَّعْبِيِّ ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ : قُلْتُ لِعَلِيٍّ[۲] : هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ ؟ قَالَ : لَا ، إِلَّا كِتَابُ اللهِ ، أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ ، أَوْ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ . قَالَ : قُلْتُ : فَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ ؟ قَالَ : الْعَقْلُ ، وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ ، وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ . [۲۸۸۲ ، ٦٥٠٧ : ٦٥١٧]

---

(۱) دیکھئے مقدمہ أوجز المسالك (ج۱ص۱٤)۔

(۲) قوله: "لعلي": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج۱ص۲۵۱، ۲۵۲)، كتاب فضائل المدينة، باب حرم المدينة، رقم (۱۸۷۰)، و(ج۱ص٤۲۸) كتاب الجهاد والسير، باب فكاك الأسير، رقم (۳۰٤۷)، و(ج۱ص٤۵۰) كتاب الجزية والموادعة، باب ذمة المسلمين وجوارهم واحدة يسعى بها أدناهم، رقم (۳۱۷۲)، و(ج۱ص٤۵۱) كتاب الجزية والموادعة، باب إثم من عاهد ثم غدر، رقم (۳۱۷۹)، و(ج۲ص۱۰۰۰) كتاب الفرائض، باب إثم من تبرأ من مواليه، رقم (٦۷۵٥)، و(ج۲ص۱۰۲۰) كتاب الديات، باب العاقلة، رقم (٦۹۰۳)، و(ج۲ص۱۰۲۱) كتاب الديات، باب لايقتل المسلم بالكافر، رقم (٦۹۱۵)، و(ج۲ص۱۰۸٤) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب مايكره من التعمق والتنازع في العلم والغلو في الدين والبدع، رقم (۷۳۰۰)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الحج، باب فضل المدينة، رقم (۳۳۲۷-۳۳۲۹)، وفي كتاب العتق، باب تحريم تولي العتيق غير مواليه، رقم (۳۷۹٤)، والترمذي في جامعه، في أبواب الديات، باب ماجاء لايقتل مسلم بكافر، رقم (۱٤۱۲)، وفي أبواب الولاء والهبة، باب ماجاء في تولي غير مواليه أو ادعى إلى غير أبيه، رقم (۲۱۲۷)، والنسائي في سننه، في كتاب القسامة، باب القود بين الأحرار والمماليك، رقم (٤۷۳۸)، وباب سقوط القود من المسلم للكافر، رقم (٤۷٤۸ - ٤۷۵۰)، وأبوداود في سننه في كتاب المناسك، باب في تحريم المدينة، رقم (۲۰۳٤)، وفي كتاب الديات، باب إيقاد المسلم من الكافر، رقم (٤۵۳۰)، وابن ماجه في سننه، في كتاب الديات، باب لايقتل مسلم بكافر، رقم (۲٦۵۸)۔

تراجمِ رجال

(۱) محمد بن سلام

یہ ابوعبداللہ محمد بن سلام البِیکَنْدِی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان "باب قول النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: أنا أعلمکم باللّٰه وأن المعرفة فعل القلب" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) وکیع

یہ مشہور امام وکیع بن الجراح بن ملیح الرُّؤاسی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابوسفیان ان کی کنیت ہے۔(۲)

اصبہان کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔(۳)

یہ اپنے والد جراح بن ملیح کے علاوہ اسماعیل بن ابی خالد، ایمن بن نابل، عکرمہ بن عمار، ھشام بن عروہ، امام اعمش، خالد بن دینار، ابن جریج، امام اوزاعی، امام مالک، اسامہ بن زید، سفیان ثوری، امام شعبہ، فضیل بن غزوان، مالک بن مغول، ھشام الدستوائی اور مبارک بن فضالہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں سفیان ثوری (وھو من شیوخه)، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، ابوخیثمہ زھیر بن حرب، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، عبداللہ بن المبارک، ابوکریب محمد بن العلاء، علی بن خشرم، محمد بن سلام، نصر بن علی، یحیی بن یحیی نیسابوری اور ابراہیم بن عبداللہ العبسی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔(۴)

امام حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لوشئت قلت: هذا أرجح من سفیان"۔(۵)

---

(۱) دیکھئے کشف الباري (ج۲ص۹۳)۔

(۲) تهذیب الکمال (ج۳۰ص ٤٦٢و ٤٦٣)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذیب الکمال (ج۳۰ص ٤٦٣-٤٧٠)۔

(٥) تهذیب الکمال (ج۳۰ص ٤٧٠)، وسیر أعلام النبلاء (ج۹ص ۱٤۲)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما رأيت أوعى للعلم من وكيع، ولا أحفظ منه"۔(۱) یعنی "میں نے وکیع سے بڑھ کر علم حدیث کا حافظ اور یاد رکھنے والا نہیں دیکھا"۔

نیز وہ فرماتے ہیں "كان وكيع مطبوع الحفظ، وكان وكيع حافظاً، وكان أحفظ من عبدالرحمن بن مهدي كثيراً كثيراً"۔(۲) یعنی "وکیع کا حافظہ فطری تھا، وکیع واقعی حافظ تھے، وہ عبدالرحمٰن بن مہدی کے مقابلہ میں حفظ کے اعتبار سے بہت قوی تھے"۔

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما رأيت رجلاً قط مثل وكيع، في العلم والحفظ والإسناد والأبواب مع خشوع وورع"۔(۳) یعنی "میں نے علم حدیث، حفظ، سند اور فقہی ابواب میں وکیع جیسا نہیں دیکھا، ساتھ ساتھ ان میں خشوع اور تقویٰ تھا"۔

نیز وہ فرماتے ہیں "كان وكيع بن الجراح إمام المسلمين في وقته"۔(۴)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "الثبت بالعراق وكيع"۔(۵)

نیز وہ فرماتے ہیں "وكيع عندنا ثبت"۔(۶)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں:

"ما رأيت أفضل من وكيع، قيل له: ولا ابن المبارك؟ قال: قد كان لابن المبارك فضل، ولكن ما رأيت أفضل من وكيع، كان يستقبل القبلة، ويحفظ حديثه، ويقوم الليل، ويسرد الصوم، ويفتي بقول أبي حنيفة، وكان قد سمع منه شيئاً كثيراً، قال: وكان يحيى بن سعيد القطان يفتي بقوله أيضاً"۔(۷)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۳۰ص۴۷۱)، وسير أعلام النبلاء (ج۹ص۱۴۴)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۳۰ص۴۷۱)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۳۰ص۴۷۳)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۳۰ص۴۷۴)۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) تهذيب الكمال (ج۳۰ص۴۷۴، ۴۷۵)۔

یعنی ''میں نے وکیع سے بڑھ کر افضل کسی کو نہیں دیکھا، جب ان سے کہا گیا کہ ابن المبارک بھی ان سے افضل اور بڑھے ہوئے نہیں ہیں؟ فرمایا کہ ابن المبارک کا فضل وشرف اپنی جگہ ہے، لیکن میں نے وکیع سے افضل نہیں دیکھا، وہ قبلہ کی طرف رخ کر کے حدیث یاد کرتے تھے، جو تعظیم حدیث کی دلیل ہے، وہ رات بھر عبادت کرتے اور مسلسل روزے رکھتے تھے اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتوے دیتے تھے، انہوں نے امام ابوحنیفہ سے کافی حدیثیں سنی تھیں اور امام یحیی القطان بھی امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فتوے دیتے تھے''۔

قبلہ رخ ہو کر حدیث یاد کرنے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ حدیث کی تعظیم اور اس کے احترام میں قبلہ رخ بیٹھ جایا کرتے تھے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سے یکسوئی بھی رہتی ہے۔

نیز وہ فرماتے ہیں:

"ما رأيت أحداً يحدث لله غير وكيع، وما رأيت رجلاً قط أحفظ من وكيع، ووكيع في زمانه كالأوزاعي في زمانه"۔ (۱)

یعنی ''میں نے وکیع کے سوا کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اللہ کے لئے حدیث بیان کر رہا ہو، میں نے وکیع سے بڑھ کر حافظ نہیں دیکھا، وکیع کی حیثیت اپنے زمانے میں ایسی تھی جیسی حیثیت امام اوزاعی کی اپنے زمانے میں تھی''۔

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"رأيت عند مروان بن معاوية لوحاً فيه أسماء شيوخ: فلان رافضي، وفلان كذا، وفلان كذا، ووكيع رافضي، قال يحيى: فقلت له: وكيع خير منك، قال: مني؟ قلت: نعم، قال: فما قال لي شيئاً، ولو قال لي شيئاً لوثب أصحاب الحديث عليه، قال: فبلغ ذلك وكيعاً، فقال: يحيى صاحبنا"۔ (۲)

یعنی ''میں نے مروان بن معاویہ کے پاس ایک تختی دیکھی، جس پر شیوخ کے نام تھے اور لکھا تھا

(۱) تهذيب الكمال (ج۳۰ ص۴۷۵)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۳۰ ص۴۷۶)۔

کہ فلاں رافضی ہے، فلاں ایسا ہے اور فلاں ایسا ہے اور وکیع رافضی ہے۔ یحیی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ وکیع تم سے بہتر ہے۔ اس نے کہا مجھ سے؟! میں نے کہا کہ ہاں تم سے! پھر مجھے کچھ نہیں کہا اور اگر وہ مجھے کچھ کہتا تو اصحابِ حدیث اس پر ٹوٹ پڑتے، کہتے ہیں کہ یہ بات وکیع تک پہنچی تو کہا کہ یحیی ہمارے دوست ہیں"۔

ابن عمار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ماکان بالکوفة في زمان وکیع أفقه ولاأعلم بالحدیث منه، کان وکیع جهبذا"۔ (۱)
یعنی "کوفہ میں وکیع کے زمانہ میں وکیع سے بڑھ کر کوئی فقیہ یا محدث نہیں تھا، وکیع بڑے ماہر عالم تھے"۔

امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "مادام هذا الثبت -یعني وکیعا- حیًّا مایفلح أحد معه"۔ (۲)
یعنی "جب تک یہ ثقہ اور ثبت شخص زندہ ہے کوئی ان کے ہوتے ہوئے ان سے بڑھ نہیں سکے گا"۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رأیت الثوري وابن عیینة ومعمرا ومالکا، ورأیت ورأیت، فما رأت عیناي قط مثل وکیع"۔ (۳) یعنی "میں نے ثوری، ابن عیینہ، معمر اور مالک کو دیکھا اور میں نے فلاں کو، فلاں کو دیکھا لیکن میری آنکھوں نے وکیع جیسا کسی کو نہیں دیکھا"۔

امام محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وکان ثقة مأمونا، عالما، رفیعا، کثیر الحدیث، حجة"۔ (۴)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "کوفي، ثقة، عابد، صالح، أدیب من حفاظ الحدیث، وکان یفتي"۔ (۵)

---

(۱) تهذیب الکمال (ج۳۰ص۴۷۷)۔

(۲) تهذیب الکمال (ج۳۰ص۴۷۸)۔

(۳) تهذیب الکمال (ج۳۰ص۴۷۹و۴۸۰)۔

(۴) الطبقات الکبری (ج۶ص۳۹۴)۔

(۵) تهذیب الکمال (ج۳۰ص۴۸۲)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "وکان حافظاً متقناً"۔(۱)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "أجمعوا على جلالته ووفور علمه وحفظه وإتقانه وورعه وصلاحه، وعبادته، وتوثيقه واعتماده"۔(۲) یعنی "ان کی جلالتِ شان، کثرتِ علم، حفظ و پختگی، ورع و تقویٰ اور نیکوکاری، عبادت گذاری اور ثقاہت پر علماء کا اتفاق ہے"۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان من بحور العلم وأئمة الحفظ"۔(۳)

البتہ امام وکیع پر معمولی کلام بھی بعض محدثین سے منقول ہے، چنانچہ امام ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان وكيع يلحن ......"۔(۴) یعنی "وکیع روایتِ حدیث میں بعض اوقات لفظی غلطی کر جاتے تھے"۔

نیز وہ فرماتے ہیں "كان فيه تشيع قليل"۔(۵)

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا "إذا اختلف وكيع وعبدالرحمن بن مهدي بقول من نأخذ؟" تو انہوں نے جواب دیا "عبد الرحمن يوافق أكثر وخاصة في سفيان، وعبدالرحمن يسلم منه السلف، ويجتنب شرب المسكر، وكان لايرى أن تزرع أرض الفرات"۔(۶) یعنی "امام احمد سے جب پوچھا گیا کہ وکیع اور عبدالرحمٰن بن مہدی کے درمیان اگر اختلاف ہوجائے تو کس کی روایت راجح ہوگی؟ تو امام احمد نے جواب دیا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی کی اکثر رواۃ موافقت کرتے ہیں، خاص طور پر سفیان سے روایت کرنے میں، نیز عبدالرحمٰن سے حضرات سلف محفوظ و مامون ہیں، وہ مسکر کے پینے سے بھی اجتناب کرتے ہیں، ارضِ فرات کی زراعت کے بھی قائل نہیں تھے"۔

جہاں تک لحن فی الحدیث کا تعلق ہے، سو لحن سے مراد نحوی غلطی ہے، (۷) اگرچہ علم نحو کی اہمیت مسلم ہے،

---

(۱) الثقات لابن حبان (ج۷ص۵۶۲)۔

(۲) تهذيب الأسماء واللغات (ج۲ص۱۴۵)۔

(۳) سير أعلام النبلاء (ج۹ص۱۴۲)۔

(۴) ميزان الإعتدال (ج۴ص۳۳۶)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) قال السخاوي رحمه الله تعالى: " فاللحن كما قال صاحب المقاييس بسكون الحاء: إمالة الكلام عن جهته الصحيحة في العربية "۔ فتح المغيث للسخاوي (ج۳ص۱۶۶) التسميع بقراءة اللحان والمصحف۔

لیکن چونکہ ''نحو'' ایسا فن ہے کہ اس میں انسان اس وقت تک ماہر نہیں ہوسکتا جب تک اپنے آپ کو صرف اُسی کے لئے وقف نہ کردے، اس لئے محدثین بقدر ضرورت اس علم کو حاصل کرتے تھے، اس میں تعمق اختیار نہیں کرتے تھے (۱)، اسی وجہ سے محدثین ایسی غلطیوں کو عیب شمار نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إنه لايعاب اللحن على المحدثين، وقد كان إسماعيل بن أبي خالد يلحن، وسفيان، ومالك بن أنس وغيرهم من المحدثين"۔ (۲)

یعنی ''محدثین کے لئے ''لحن'' کوئی عیب نہیں، چنانچہ اسماعیل بن ابی خالد، سفیان اور مالک بن انس وغیرہ محدثین لحن کیا کرتے تھے۔

امام سلفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقد كان في الرواة على هذا الوضع قوم، واحتج برواياتهم في الصحاح، ولا يجوز تخطئتهم وتخطئة من أخذ عنهم"۔ (۳)

یعنی ''راویوں میں بہت سے حضرات ایسے تھے جن سے لحن صادر ہوتا تھا، لیکن صحاح میں ان کی روایات سے احتجاج کیا گیا ہے، لہذا نہ ان کو غلط ٹھہرایا جاسکتا ہے اور نہ ان سے روایت لینے والوں کا تخطئہ ہوسکتا ہے''۔

---

(۱) "كذا ينبغي أن يتعلم القرآن، ثم السنة، ثم الفرائض، ثم العربية: الحروف الثلاثة، فسرها بالجر والرفع والنصب، وذلك لأن التوغل فيه قد يعطل عليه إدراك هذا الفن الذي صرح أئمته بأنه لايعلق إلا بمن قصر نفسه عليه، ولم يضم غيره إليه، وقد قال أبو أحمد بن فارس في جزء ذم الغيبة: "إن غاية علم النحو وعلم مايحتاج إليه منه أن يقرأ فلا يلحن، ويكتب فلا يلحن، فأما ما عدا ذلك فمشغلة عن العلم وعن كل خير" وناهيك بهذا من مثله"۔

وقد قال أبو العيناء لمحمد بن يحيى الصولي: النحو في العلوم كالملح في القدر، إذا أكثرت منه صار القدر زعاقاً (الزعاق من الماء: المر الغليظ لا يطاق شربه، ومن الطعام: الكثير الملح. المعجم الوسيط ۱: ۳۹۴) وعن الشافعي قال: إنما العلم علمان: علم للدين، وعلم للدنيا، فالذي للدين: الفقه، والآخر الطب، وعلى ذلك يحتمل حال من وصف من الأئمة باللحن، كإسماعيل بن أبي خالد الأحمسي، وعوف بن أبي جميلة، وأبي داود الطيالسي، وهشيم، والدراوردي" ۔ فتح المغيث للسخاوي (ج۳ ص۱۶۲)۔

(۲) الكفاية (ص۱۸۷)، باب ذكر الرواية عمن كان لا يرى تغيير اللحن في الحديث۔

(۳) فتح المغيث للسخاوي (ج۳ ص۱۶۳)۔

دوسری بات جو ان کے بارے میں بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ ان کے اندر قدرے تشیع تھا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "وعبد الرحمن یسلم منه السلف" سے اسی طرف اشارہ کیا ہے، گویا عبدالرحمن بن مہدی کی طرف سے تو سلف محفوظ رہتے تھے، جبکہ امام وکیع سے سلف محفوظ نہیں رہتے۔

لیکن پیچھے آپ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے اس کی تردید کی ہے، اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات توثیق وتعدیل پیچھے بھی آچکے ہیں اور کتب رجال میں ان جیسے بہت سے کلمات ہیں۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ متقدمین کے نزدیک تشیع کا اطلاق اس پر ہوتا تھا کہ کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے اور ان کو حضرات صحابہ کرام پر فوقیت دے، اگر خاص حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر بھی مقدم سمجھے تو وہ "غالي في التشيع" اور رافضی کہلاتا تھا۔ (۱) اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ "كان فيه تشيع قليل" کس درجہ کا کلام ہے۔

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ امام عبدالرحمن بن مہدی شرب مسکر سے اجتناب کیا کرتے تھے اور ارض فرات کی زراعت کے قائل نہیں تھے، گویا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ امام وکیع ان دونوں چیزوں کے قائل تھے۔

لیکن یہ کلام بھی قادح نہیں، اول اس لئے کہ ان "عیوب" کے باوجود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ان کو نہایت ثقہ اور معتبر مانتے ہیں، ثانیاً یہ خالص اجتہادی مسئلہ ہے، امام وکیع ایک خاص نبیذ کی حلت کے قائل تھے اور اسے پیتے تھے، جس کو "مسکر" سے تعبیر کیا ہے، جبکہ وہ مسکر نہ تھی، محض اس لئے کہ وہ کچھ وقت گذرنے کے بعد مسکر ہوجاتی تھی، مسکر کا اطلاق کردیا گیا، ظاہر ہے کہ یہ ایک امام مجتہد کا اجتہاد ہے، جس میں خطا پر بھی ایک اجر کا وعدہ ہے۔ یہی بات "ارض فرات" کی کاشت سے متعلق کہی جاسکتی ہے کہ یہ ایک اجتہادی مسئلے میں ایک امام مجتہد نے اجتہاد کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے قول فیصل کے طور پر لکھ دیا ہے "أجمعوا على جلالته، ووفور علمه، وحفظه، وإتقانه، وورعه، وصلاحه، وعبادته، وتوثيقه، واعتماده"۔ (۲)

---

(۱) دیکھئے هدى الساري مقدمة فتح الباري (ص ۴۵۹)، فصل في تمييز أسباب الطعن ...۔

(۲) تهذيب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۱۴۵)۔

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی اور وفات یوم عاشوراء ۱۹۷ھ میں ہوئی۔

رحمه الله تعالى رحمةً واسعة

(۳) سفیان

اس سے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں یا سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ؟

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں احتمال ہیں کیونکہ امام وکیع کو سفیان ثوری سے بھی سماع حاصل ہے اور سفیان بن عیینہ سے بھی، اسی طرح سفیان ثوری اور ابن عیینہ دونوں مطرف سے روایت کرتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس بات میں التباس کوئی قادح نہیں ہے، کیونکہ دونوں ہی امام اور حافظ ہیں، ضابط وعدل اور مشہور ہیں، نیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رجال میں سے ہیں، جن سے انہوں نے کثرت سے حدیثوں کی تخریج کی ہے۔

لیکن امام ابو مسعود غسانی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التقیید میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ابن عیینہ سے محفوظ ہے، اگرچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بیان نہیں کیا۔

جبکہ یزید عدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ''سفیان'' سے سفیان ثوری مراد ہیں، کیونکہ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ سفیانین سے روایت کرتے ہیں، لیکن وہ ثوری سے زیادہ روایت کرتے ہیں اور ابن عیینہ سے کم۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص دو متفق الاسم شیوخ سے روایت کرتا ہو تو اہمالِ نسبت کی صورت میں اس پر محمول کیا جائے گا جس کے ساتھ اس راوی کو کوئی خصوصیت۔ مثلاً اکثار وغیرہ۔ حاصل ہو، لہذا یہاں سفیان ثوری متعین ہیں۔ (۲)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ جب یہ بات واضح اور ثابت شدہ ہے کہ

(۱) شرح الكرماني (ج۲ص۱۱۸)۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص۲۰٤)۔

وکیع کو دونوں سے سماع حاصل ہے اور دونوں کو مطرف سے سماع حاصل ہے تو حافظ کی ذکر کردہ بات راجح نہیں ہوسکتی، خاص طور پر جبکہ امام ابومسعود نے تصریح کی ہے کہ محفوظ ابن عیینہ کی روایت ہے۔(۱)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب علامة المنافق" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

جبکہ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مختصراً بدء الوحی کی پہلی حدیث کے ذیل میں (۳) اور تفصیلاً، کتاب العلم، "باب قول المحدث حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا" کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۴)

(۴) مطرف

یہ امام مطرِّف - بضم المیم وفتح الطاء المهملة وتشدید الراء المکسورة وبعدها فاء - (۵) بن طریف (بروزن عظیم) (۶) حارثی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بعض نے ان کی نسبت "خارفی" لکھی ہے، ان میں سے کوئی ایک مصحف ہے۔(۷)

ان کی کنیت ابوبکر یا ابوعبدالرحمٰن ہے۔(۸)

یہ اشعث نقاش، امام شعبی، ابواسحاق سبیعی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، حبیب بن ابی ثابت، سلمۃ بن کہیل، الحکم بن عتیبہ، امام اعمش اور عاصم بن ابی النجود رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابوجعفر رازی، ابوحمزہ سکری، ابوعوانہ، محمد

---

(۱) عمدة القاري (ج۲ص۱۵۸و۱۵۹)۔

(۲) دیکھئے کشف الباري (ج۲ص۲۷۸)۔

(۳) دیکھئے کشف الباري (ج۲ص۲۳۸)۔

(۴) دیکھئے کشف الباري (ج۲ص۸۶)۔

(۵) تقریب التهذیب (ص۵۳٤)، رقم (۶۷۰۵)۔

(۶) المغني في ضبط أسماء الرجال (ص۴۹)۔

(۷) دیکھئے سیر أعلام النبلاء (ج۶ص۱۲۷)، وتهذیب الکمال (ج۲۸ص۶۲)۔

(۸) حوالۂ بالا۔

بن فضیل، امام ابو یوسف، ھشیم بن بشیر اور جریر بن عبدالحمید رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔(۱)

امام احمد بن حنبل اور امام ابو حاتم رحمہما اللہ تعالی فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما كان ابن عيينة بأحد أشد إعجاباً منه بمطرف"۔(۳)

یعنی "ابن عیینہ کو جس حد تک مطرف پسند تھے اس طرح اور کوئی پسند نہیں تھا"۔

زِیاد بن علاقہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ما أعرف عربيًا ولا عجميا أفضل من مطرف بن طريف"۔(۴)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۵)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صالح الكتاب، ثبت في الحديث، مايذكر عنه إلا خير في المذهب"۔(۶)

امام یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۷)

امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة ثبت"۔(۸)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "الإمام المحدث القدوة......"۔(۹)

نیز وہ فرماتے ہیں "ثقة إمام عابد"۔(۱۰)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الكمال (ج۲۸ص۶۲-۶٤)۔

(۲) تہذیب الكمال (ج۲۸ص٦٤و٦٥)۔

(۳) تہذیب الكمال (ج۲۸ص٦٥)، وسیر أعلام النبلاء (ج٦ص۱۲۷)۔

(٤) تہذیب الكمال (ج۲۸ص٦٦)، وسیر أعلام النبلاء (ج٦ص۱۲۸)۔

(٥) تعلیقات تہذیب الكمال (ج۲۸ص٦٦)۔

(٦) تہذیب التہذیب (ج۱۰ص۱۷۳)۔

(٧) تعلیقات تہذیب الكمال (ج۲۸ص٦٧)، نقلا عن المعرفة والتاريخ (۳/ ۹٤)۔

(٨) تہذیب التہذیب (ج۱۰ص۱۷۳)۔

(٩) سیر أعلام النبلاء (ج٦ص۱۲۷)۔

(۱۰) الكاشف للذهبي (ج۲ص۲٦٩)، رقم (٥٤٧٧)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة فاضل"۔(۱)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۲)

ان کی وفات ۱۴۳ھ میں ہوئی۔(۳) رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ

(۵) الشعبی

یہ مشہور امام ابوعمرو عامر بن شراحیل الشعبی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات کتاب الإیمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴) یہاں قدرے تفصیل سے ان کے حالات ذکر کئے جاتے ہیں۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھٹے سال ہوئی۔(۵)

کبارِ تابعین میں ان کا شمار ہے، تقریباً پانچ سو صحابۂ کرام کی زیارت کی ہے۔(۶)

یہ حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبادہ بن الصامت، حضرت ابوموسی اشعری، حضرت ابومسعود انصاری، حضرت ابوہریرہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابوجحیفہ، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت جابر بن عبداللہ، عبادلۂ اربعہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت انس، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ بنت الحارث، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہم وغیرہ بہت سے صحابۂ کرام سے روایت کرتے ہیں۔

تابعین میں سے حارث اعور، خارجہ بن الصلت، زر بن حبیش، قاضی شریح، عبدالرحمن بن ابی لیلی، عروۃ بن المغیرۃ، عمرو بن میمون، مسروق بن الأجدع اور ابو بردہ بن ابی موسی اشعری رحمہم اللہ تعالی سے

(۱) تقريب التهذيب (ص ٥٣٤)، رقم (٦٦٠٥)۔

(۲) الثقات لابن حبان (ج٧ص٤٤٣)۔

(۳) الكاشف للذهبي (ج٢ص٢٦٩)، رقم (٥٤٧٧)۔

(٤) كشف الباري (ج١ص٦٧٩)۔

(٥) تهذيب الكمال (ج١٤ص٢٨)۔

(٦) الكاشف للذهبي (ج١ص٥٢٢)، رقم (٢٥٣١)۔

روایت کرتے ہیں۔

جبکہ ان سے روایت کرنے والوں میں ابواسحاق سبیعی، اسماعیل بن ابی خالد، بیان بن بشر، زکریا بن ابی زائدہ، سلمۃ بن کہیل، سماک بن حرب، عاصم الأحول، قتادہ، مطرف بن طریف، مغیرہ بن مقسم الضبی، مکحول شامی، منصور بن المعتمر، امام ابوحنیفہ اور یونس بن ابی اسحاق سبیعی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ حضرات ہیں۔ (۱)

ابومجلز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مارأیت فیهم أفقه من الشعبي"۔ (۲)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان والله كبير العلم، عظيم الحلم، قديم السّلم، من الإسلام بمكان"۔ (۳)

امام مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مارأيت أفقه من الشعبي"۔ (۴)

امام یحیی بن معین اور امام ابوزرعہ رحمہما اللہ، وغیرہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۵)

نیز امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "إذا حدث الشعبي عن رجل، فسماه، فهو ثقة يحتج بحديثه"۔ (۶)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " ومرسل الشعبي صحيح، لا يكاد يرسل إلا صحيحا"۔ (۷)

امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كانت الناس تقول بعد الصحابة: ابن عباس في زمانه، والشعبي في زمانه، والثوري في زمانه"۔ (۸)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیلات کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۱۴ص۲۹-۳۳)، وتہذیب التہذیب (ج۵ص۶۵-۶۶)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج۱۴ص۳۴)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب الکمال (ج۱۴ص۳۵)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) تہذیب الکمال (ج۱۴ص۳۶)۔

(۸) تہذیب التہذیب (ج۵ص۶۷)۔

ابوحصین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما رأیت أعلم من الشعبي"۔(۱)

ابواسحاق الحبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کان واحد زمانہ في فنون العلم"۔(۲)

عاصم بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما رأیت أحداً أعلم بحدیث أهل الکوفة، والبصرة، والحجاز، والآفاق من الشعبي"۔(۳)

یعنی "میں نے اہل کوفہ، بصرہ، حجاز اور تمام اطراف عالم کی احادیث کا شعبی سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا"۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن بن الأشعث کندی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی جماعت کے ساتھ مل کر حجاج بن یوسف کے خلاف خروج کیا تھا، تاہم بعد میں معافی تلافی ہوگئی، اس طرح حجاج کی پکڑ سے یہ بچ گئے۔(۴)

طبیعت میں مزاح کا عنصر تھا، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاس ایک شخص آیا، اس وقت میرے پاس ایک خاتون بھی تھی، اس شخص نے آتے ہی پوچھا "أیکما الشعبي؟ تو میں نے کہا "هذه"۔ (۵)

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں ہوا۔(۶)

(۶) ابوجحیفہ

یہ حضرت ابوجحیفہ وھب بن عبداللہ السُوائی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا اس وقت یہ بلوغ کو نہیں پہنچے تھے۔(۷)

---

(۱) [illegible] (ج۴ص۶۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (ج۴ص۳۰۲)۔

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے سیر أعلام النبلاء (ج۴ص۳۰۴-۳۰۶)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج۴ص۳۱۱)۔

(۶) الکاشف (ج۱ص۵۲۲)، رقم (۲۵۳۱)۔

(۷) دیکھئے الإصابة (ج۳ص۶۴۲)، وتہذیب الکمال (ج۳۱ص۱۳۲و۱۳۳)۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت علی اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابواسحٰق سبیعی، سلمۃ بن کہیل، عامر شعبی، علی بن الاقمر، عون بن ابی جحیفہ، زیاد بن زید، حکم بن عتیبہ اور اسماعیل بن ابی خالد رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق تھا، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خطبہ دیتے تو آپ منبر کے نیچے کھڑے ہوتے تھے۔(۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں ''شرطہ'' کی ذمہ داری دی تھی، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تمام مشاہد میں شرکت کی۔(۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو ''وھب الخیر'' کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔(۴)

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے کل پینتالیس احادیث مروی ہیں، ان میں سے متفق علیہ دو حدیثیں ہیں، جبکہ امام بخاری دو حدیثوں میں اور امام مسلم تین احادیث میں منفرد ہیں۔(۵)

اصح قول کے مطابق ۷۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔(۶) رضي الله عنه وأرضاه

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات ابھی پچھلے باب "باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۳۱ص۱۳۳)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج۳ص۲۰۳)۔

(۳) دیکھئے سیر أعلام النبلاء (ج۳ص۲۰۳) وعمدۃ القاری (ج۲ص۱۶۹)۔

(۴) الإصابة (ج۳ص۶۴۲)۔

(۵) تهذيب الأسماء واللغات (ج۲ص۲۰۲) وخلاصة الخزرجي (ص۴۱۸)۔

(۶) سير أعلام النبلاء (ج۳ص۲۰۳)۔

هل عندكم كتاب؟

کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا کتاب اللہ کے علاوہ آپ کے پاس کوئی ایسا نوشتہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر آپ کو دیا ہو اور وہ وحی ہو؟ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجہاد میں روایت نقل کی ہے "هل عندكم شيء من الوحي إلا ما في كتاب الله"۔ (۱)

نیز مسند اسحاق بن راھویہ میں ہے "هل علمت شيئا من الوحي"۔ (۲)

اس سوال کا منشا یہ ہے کہ روافض کہتے تھے کہ اہل بیت اور خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بذریعۂ وحی مخصوص ہدایات دی گئی تھیں، جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور کو آگاہ نہیں فرمایا تھا۔ (۳)

قال: لا، إلا كتاب الله، أو فهم أعطيه رجل مسلم أو ما في هذه الصحيفة۔

فرمایا کہ نہیں، سوائے اللہ کی کتاب کے، یا وہ سمجھ جو کسی مسلمان کو دی جاتی ہے، یا جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔

یعنی ہمارے پاس کوئی مخصوص وحی نہیں، سوائے کتاب اللہ کے یا اس علم کے سوا جو انسان اپنی قوت عاقلہ کے ذریعہ اور فہم کے واسطے سے استخراج کرتا ہے، یا جو اس صحیفے میں لکھا ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ علم لدنی ہے جو عبودیت، متابعت، اخلاص فی

---

(۱) صحيح البخاري (ج ۱ص ۴۲۸)، كتاب الجهاد والسير، باب فكاك الأسير، رقم (۳۰۴۷)۔

(۲) فتح الباري (ج ۱ص ۲۰۴)۔

(۳) شرح الكرماني (ج ۲ص ۱۱۹)۔

العمل اور کتاب وسنت سے علم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ معلوم ہوا کہ علم لدنی کے لئے تین چیزیں شرط ہیں، اول تو یہ کہ آدمی عمل کرے اور بندگی کرے، دوسرے یہ کہ اس میں اخلاص ہو اور تیسرے یہ کہ وہ عمل کتاب وسنت کے مطابق ہو اور ایک چوتھی چیز یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہو۔

بعض اوقات علم کتاب وسنت کے مطابق ہوتا ہے لیکن متابعت نہیں ہوتی، متابعت تو چاہتی ہے اس بات کو کہ نیت صحیح ہو اور افعال میں مقتدا کے پیچھے چلا جائے، اب اگر کوئی صورۃ فعل میں تو مقتدا کی مشابہت اختیار کرتا ہے لیکن نیت وارادہ میں مخالفت کرتا ہے، یہ شخص متابع نہیں ہے، مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود قائم کیں، قصاص لیا، تاکہ عالم سے ان جرائم کا خاتمہ ہو، لیکن اگر کوئی آدمی قصاص لیتا ہے اور دل میں کسی اور وجہ سے جذبۂ انتقام مشتعل ہے تو اس کا ظاہر فعل تو سنت کے مطابق ہے، جبکہ باطن مخالف ہے، لہذا کتاب وسنت سے علم حاصل کرنے کے بعد عمل کرنے کی صورت میں یہ ملحوظ رکھنا پڑے گا کہ وہ عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز کے مطابق ہو۔ واللہ أعلم

کیا ''فہم'' سے مراد کوئی مکتوب شے ہے؟

یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس ''فہم'' کا تذکرہ کیا ہے آیا یہ کوئی کتابی شکل کی چیز تھی، یا لکھی ہوئی نہیں تھی؟

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے تو یہ ہے کہ لکھی ہوئی تھی (۱)، علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احتمالاً اس کا ذکر کیا ہے۔(۲) واللہ أعلم

أو ما في هذه الصحيفة

یا جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔

(۱) فتح الباری (ج۱ ص۲۰۴)۔

(۲) حاشیۃ السندی علی صحیح البخاری (ج۱ ص۲۵)۔

یہ ایک صحیفہ تھا جو تلوار کے میان میں رکھا ہوا تھا، اس میں کچھ مخصوص مسائل تھے، جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور صحیفہ یا کوئی اور چیز از قسم وحی نہیں تھی۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے "من زعم أن عندنا شيئا نقرأه إلا كتاب الله وهذه الصحيفة قال: وصحيفة معلقة في قراب سيفه– فقد كذب"۔(۱) یعنی "جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور اس صحیفہ کے علاوہ کوئی اور خاص چیز ہے جسے ہم پڑھتے ہیں تو وہ جھوٹا ہے، فرمایا کہ ان کی تلوار کی نیام میں ایک صحیفہ تھا"۔

اسی طرح صحیح بخاری میں ہے "والله، ما عندنا من كتاب يقرأ إلا كتاب الله، وما في هذه الصحيفة"۔(۲)

قال: قلت: فما في هذه الصحيفة؟

حضرت ابوجحیفہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اس صحیفہ میں کیا چیز ہے؟

قال: العقل

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس میں "عقل" ہے۔

"عقل" دیت کو کہتے ہیں (۳)، اصل میں دیت کے اونٹ ولی دم کے دروازہ پر لا کر باندھ دیتے تھے، اس لئے اس کو "عقل" کہا جانے لگا، پھر اس کے بعد ہر دیت کو "عقل" کہنے لگے۔(۴)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المدینة، رقم (۳۳۲۷–۳۳۲۹)۔

(۲) صحیح البخاري (ج۲ص۱۰۸٤) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من التعمق والتنازع في العلم، والغلو في الدين والبدع، رقم (۷۳۰۰)۔

(۳) معجم مقاييس اللغة (ج٤ص۷۰)۔

(٤) «سميت الدية عقلا، لأن الإبل التي كانت تؤخذ في الديات كانت تجمع، فتعقل بفناء المقتول، فسميت الدية عقلا، وإن كانت دراهم ودنانير» وقيل: سميت عقلا، لأنها تمسك الدم. معجم مقاييس اللغة (ج٤ص۷۰)۔

وفكاك الأسير

اور قیدی چھڑانا۔

یعنی اس میں قیدی چھڑانے کے احکام یا اس کے چھڑانے کی ترغیب تھی۔(۱)

ولا يقتل مسلم بكافر

اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

یہ مسئلہ کتاب الدیات کا ہے، تاہم اس کو قدرے تفصیل سے ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

کیا مسلمان کو کافر کے بدلے میں قصاصاً قتل کیا جاسکتا ہے؟

ائمۂ ثلاثہ اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قصاصاً قتل نہیں کیا جاسکتا۔

امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، سعید بن المسیب اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان کسی ذمی کو قتل کردے تو اس کے بدلے میں اسے قتل کیا جائے گا، ہاں کافر حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔(۲)

ائمۂ ثلاثہ کی دلیل

ائمہ ثلاثہ کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث باب ہے، جس میں صراحت ہے "لا يقتل مسلم بكافر"۔

ائمۂ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

حنفیہ نے اس دلیل کے کئی جواب دیے ہیں:

---

(۱) فتح الباري (ج۱ص۲۰۵)۔

(۲) مذاہب کی تفصیل کے لئے دیکھئے عمدۃ القاري (ج۲ص۱۶۱)۔

۱- ایک جواب جو بہت مشہور ہے، یہ ہے کہ اس حدیث میں "کافر" سے مراد "کافر حربی" ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ألا، لا يقتل مؤمن بكافر، ولا ذو عهد في عهده"۔ (اللفظ لأبي داود)

یہ حدیث امام نسائی اور امام ابوداود نے اپنی سنن میں، امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔(۱)

حافظ ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "سنده صحيح"۔(۲) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "إسناده صحيح"۔(۳)

اسی طرح یہ روایت امام احمد اور امام ابوداود رحمہما اللہ تعالی نے "عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده" کے طریق سے نقل کی ہے۔(۴)

ابن عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "إسناده حسن"۔(۵)

یہ حدیث اس تفصیل کے ساتھ اور بھی کئی حضرات سے مروی ہے۔(۶)

اس حدیث سے استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ اس میں "ولا ذو عهد في عهده" "مؤمن" پر معطوف ہے، اب مطلب یہ ہوا کہ "لا يقتل مؤمن ولا ذو عهد في عهده بكافر" یعنی کسی مؤمن کو اور کسی ذو عہد یعنی ذمی کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور "ذو عہد" یعنی ذمی کو جس کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا وہ کافرِ حربی ہے، کیونکہ اس کو کافر ذمی کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ معطوف

---

(۱) دیکھئے سنن النسائي، كتاب القسامة، باب سقوط القود من المسلم للكافر، رقم (٤٧٤٩ و ٤٧٥٠)، وسنن أبي داود، كتاب الديات، باب أيقاد المسلم من الكافر؟ رقم (٤٥٣٠)، وشرح معاني الآثار (ج٢ ص١٢٤)۔

(۲) دیکھئے نصب الراية (ج٤ ص٣٣٥)، كتاب الجنايات، باب ما يوجب القصاص، رقم (٧٧٣١)۔

(۳) الدراية في تخريج أحاديث الهداية (ج٢ ص٢٦٢)، كتاب الجنايات، رقم (١٠٠٨)۔

(۴) دیکھئے مسند أحمد (ج٢ ص١٨٠ و ١٩٤)، وسنن أبي داود، كتاب الديات، باب أيقاد المسلم من الكافر؟ رقم (٤٥٣١)۔

(۵) نصب الراية (ج٤ ص٣٣٥)، كتاب الجنايات، باب ما يوجب القصاص، رقم (٧٧٣٢)۔

(۶) رواه ابن ماجه في سننه، في كتاب الديات، باب لا يقتل مسلم بكافر، رقم (٢٦٦٠)، من حديث عبدالله بن عباس رضي الله عنهما، ورواه البخاري في تاريخه الكبير عن عائشة رضي الله عنها، كما في نصب الراية (ج٤ ص٣٣٥)۔

اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے، جب ذمی کو کافر ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا اور کافر حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا تو ''مسلم'' کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اسے ذمی کے بدلے میں تو قتل کیا جائے گا، البتہ حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔(۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث پاک میں دو حکم الگ الگ بیان کئے گئے ہیں، پہلا حکم "لایقتل مؤمن بکافر" کا ہے، اس کا تعلق قصاص سے ہے اور دوسرا حکم "ولاذو عهد في عهده" ہے اور یہ مستقل حکم ہے، یعنی کسی ذمی کو عہد ذمہ ہوتے ہوئے قتل نہ کیا جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بتادیا کہ مسلم کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے تو ہوسکتا ہے مسلمان کفار کے ''ذمہ'' کو ہلکا سمجھ کر بے فکری کے ساتھ ان کو قتل کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر روک لگائی ہے اور فرمادیا "ولاذو عهد في عهده" کہ ذمی جب تک عہد ذمہ میں ہے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان دونوں باتوں کو الگ الگ قرار دینا درست نہیں، کیونکہ اس حدیث کا تعلق "الدماء المسفوك بعضها ببعض" سے ہے، کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا "المسلمون يد على من سواهم، تتكافؤ دماؤهم، ويسعى بذمتهم أدناهم" اس کے بعد فرمایا "لايقتل مؤمن بكافر، ولا ذو عهد في عهده" معلوم ہوا کہ اس حدیث کا تعلق اس خون سے ہے جو قصاصاً بہایا جائے، عہد ذمہ کی وجہ سے حرمت دم سے متعلق نہیں ہے۔(۲)

۲... دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث شریف کا تعلق جاہلیت کے زمانہ سے ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر جاہلیت کے زمانہ میں حالت کفر میں کسی نے کسی کافر کو قتل کردیا اور اس کے بعد قاتل مسلمان ہوگیا تو اب اس قاتل کو اس مقتول فی الجاہلیۃ کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس کا قرینہ یہ ہے کہ "لایقتل مؤمن بکافر" دو موقع پر وارد ہوا ہے، پہلا موقع وہ ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع شروع میں مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں آکر اہل ایمان اور مدینہ کے دیگر

---

(۱) دیکھئے شرح معاني الآثار (ج۲ص۱۲٤)۔

(۲) دیکھئے شرح معاني الآثار (ج۲ص۱۲٤، ۱۲۵)۔

باشندوں کے درمیان معاہدہ ہوا، چنانچہ امام ابوعبید القاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے "كتاب الأموال" میں یہ طویل معاہدہ نقل کیا ہے، جس کی سند یہ ہے "حدثني يحيى بن عبدالله بن بكير، وعبدالله بن صالح، قالا: حدثنا الليث بن سعد، قال: حدثني عقيل بن خالد، عن ابن شهاب أنه قال: بلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب بهذا الكتاب ......"۔ (۱)

آگے طویل معاہدہ کے الفاظ ہیں (۲)، ان میں مذکور ہے:

"وإن المؤمنين المتقين أيديهم على كل من بغى وابتغى منهم دسيعة ظلم أو إثم أو عدوان أو فساد بين المؤمنين، وأن أيديهم عليه جميعه، ولو كان ولد أحدهم، لايقتل مؤمن مؤمنا في كافر، ولاينصر كافراً على مؤمن"۔ (۳)

یعنی "ایمان والے اہل تقویٰ کا ہاتھ ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو ظلم کرتا ہے، اہل ایمان سے مطلوب ہے کہ وہ ظلم، گناہ، زیادتی اور اہل ایمان کے درمیان فساد کو دفع کریں، وہ سب مجتمع ہوکر ظالم کو روکیں، اگرچہ وہ ظالم ان میں سے کسی کی اولاد ہی کیوں نہ ہو، کوئی مؤمن کسی مؤمن کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہ کرے اور نہ ہی کسی مؤمن کے مقابلے میں کسی کافر کی مدد کرے"۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مرسل صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے مراد کافر حربی ہے نہ کہ ذمی، چونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ مقتول کا بدلہ قاتل کے بیٹوں اور اولاد سے لیتے تھے، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ کسی مؤمن کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مؤمن کو اس بنیاد پر قتل کرے کہ اس نے جاہلیت کے زمانے میں کسی کافر کو قتل کیا تھا۔ (۴)

امام ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں "وإنما كان هذا الكتاب —فيما

---

(۱) كتاب الأموال لأبي عبيد (ص۲۰۲)، كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بين المؤمنين وأهل يثرب وموادعته يهودها مقدمه المدينة۔

(۲) دیکھئے كتاب الأموال (ص۲۰۲-۲۰۵)۔

(۳) كتاب الأموال (ص۲۰۳)۔

(٤) إعلاء السنن (ج۱۸ص۱۰۲)، كتاب الجنايات، باب قتل المسلم بالكافر۔

نری "حدثان مقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل أن يظهر الإسلام ويقوى، و قبل أن يؤمر بأخذ الجزية من أهل الكتاب"۔ (۱) یعنی یہ مکتوب ہماری رائے میں اس وقت کا ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نئے نئے آئے تھے، اسلام کو ابھی غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا اور وہ مضبوط نہیں ہوا تھا۔ اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس ''معاہدہ'' میں "لليهود دينهم وللمؤمنين دينهم" کے الفاظ بھی موجود ہیں (۲)، جو اس بات پر دال ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ آتے ہی یہ معاہدہ کیا تھا۔ والله أعلم

دوسرا موقع جس میں آپ نے "لا يقتل مؤمن بكافر" فرمایا وہ فتح مکہ کے موقع پر تھا، جب آپ نے خطبہ دیا، اس میں اعلان فرمایا، چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء، طاؤس مجاہد اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالی سے نقل کیا ہے "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم الفتح: لا يقتل مؤمن بكافر"۔ (۳)

آگے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> "قال الشافعي رحمه الله: وهذا عام عند أهل المغازي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم تكلم به في خطبته يوم الفتح، وهو يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم مسنداً من حديث عمرو بن شعيب، وحديث عمران بن حصين"۔ (٤)
>
> ''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات اہل مغازی کے نزدیک معروف ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا، یہ عمرو بن شعیب اور عمران بن حصین سے مسنداً بھی مروی ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعلان فرمایا تھا کہ "ألا كل مأثرة أو دم أو مال يدعى فهو تحت قدمي هاتين ......" (۵) یعنی ''ہر قسم کی انتقامی کاروائی اور قصاص یا مال جس کا دعوی کیا جاتا

---

(۱) كتاب الأموال (ص ۲۰۷)۔

(۲) كتاب الأموال (ص ۲۰٤)۔

(۳) السنن الكبرى للبيهقي (ج۸ ص۲۹) كتاب الجنايات، باب فيمن لا قصاص بينه باختلاف الدينين۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) سنن ابن ماجه (ج ۲ ص ۲۱۷٤) و زاد المعاد (ج ۳ ص ٤۰۷)۔

ہوسب میرے قدموں تلے ہے" اس میں "دم" سے جاہلیت میں بہایا ہوا دم مراد ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل مغازی وسیر نے ذکر کیا ہے کہ عہد ذمہ کا معاملہ فتح مکہ کے بعد شروع ہوا ہے، اس سے پہلے آپ کے اور مشرکین کے درمیان ایک مقررہ مدت تک مصالحت ہوئی تھی، ایسا نہیں تھا کہ کفار اسلام کے ذمہ میں داخل ہوگئے ہوں۔(۱) لہذا آپ کا فتح مکہ کے موقعہ پر "لایقتل مؤمن بکافر" کہنا ان کفار کے حق میں ہوسکتا ہے جن سے صلح ہوچکی تھی، کیونکہ اس وقت اہل ذمہ کا وجود ہی نہیں تھا، اس کا قرینہ آپ کا ارشاد "ولاذو عهد في عهده" ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿فأتموا إليهم عهدهم إلى مدتهم﴾۔(۲)

حاصل یہ کہ اس وقت کفار کی دو ہی قسمیں تھیں، ایک تو وہ اہل حرب ہیں، جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا اور ایک وہ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مخصوص مدت تک کے لئے مصالحت ہوچکی تھی، ذمی کوئی نہیں تھا، لہذا "لایقتل مؤمن بکافر" میں کافر سے یہی دونوں قسمیں مراد ہوں گی، لہذا قصاص کی نفی کا یہ حکم حربی معاہد پر منحصر ہوگا، اس میں ذمی کے داخل ہونے کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا۔(۳) واللہ أعلم

مذکورہ جواب پر ایک اشکال اور اس کا جواب

اس پر اشکال یہ ہے کہ پھر تو اس حدیث میں صرف جاہلیت کے زمانہ کا حکم مذکور ہے، اسلام کے زمانے کا حکم تو مذکور نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جوامع الکلم سے نوازا ہے، آپ مختصر سے ایک کلمہ میں بہت سے مسائل بیان کردیتے تھے، یہاں بھی اگرچہ "لایقتل مسلم بکافر" جاہلیت کے حکم پر روشنی ڈال رہا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے زمانے کا حکم بھی بیان کررہا ہے، یہ اور بات ہے کہ دوسرے دلائل کی روشنی میں

---

(۱) دیکھئے إعلاء السنن (ج۱۸ ص ۱۰۲)۔

(۲) [illegible]

(۳) إعلاء السنن (ج۱۸ ص ۱۰۲)۔

یہاں "کافر" سے حربی کافر مراد ہے "ذمی" مراد نہیں ہے۔ واللہ أعلم

۳ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لا یقتل مسلم بکافر ولا ذو عهد في عهده" کی تشریح میں علماء کا اختلاف ہوا ہے کہ آیا یہ دونوں باتیں "قصاص" ہی سے متعلق ہیں جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں یا پہلا جملہ "لا یقتل مسلم بکافر" قصاص سے متعلق ہے اور "ولا ذو عهد في عهده" حرمت دم سے متعلق ہے جیسا کہ جمہور علماء کہتے ہیں۔

سو ہم اگر جمہور کی موافقت کرتے ہوئے یہ کہیں کہ "ولا ذو عهد في عهده" کا تعلق حرمت دم سے ہے، قصاص سے نہیں، تب بھی "ذمی" کا حکم یہ ہوگا کہ اس کے قتل سے مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ذمی کے بدلے میں مسلمان کو قتل کئے جانے کا مسئلہ عقد ذمہ سے ماخوذ ہے، اہل ذمہ نے اپنے اموال کو اس لئے خرچ کیا ہے کہ ان کے جان و مال مسلمین کی طرح محفوظ ہو جائیں، لہذا اگر ذمی ان کی جان پر تعدی کرے گا تو اس سے بدلہ لیا جائے گا، جیسا کہ مسلمان پر تعدی کی صورت میں بدلہ لیا جاتا ہے۔

اس کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کسی ذمی کا مال دارالاسلام میں کوئی چرالے تو سارق چاہے مسلم ہو یا کافر، اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اسی طرح اگر دارالاسلام میں کسی ذمی کو کوئی قتل کرے تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، یا ذمی۔ اور حدیث "لا یقتل مسلم بکافر" میں کافر سے "کافر حربی" مراد ہے، کیونکہ ذمی تو مسلمان ہی کے حکم میں ہے، لہذا حدیث کا مطلب ہوگا: "لا یقتل مسلم وذمي بکافر" کسی مسلمان اور ذمی کو کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جب ذمی اپنا مال خرچ کرنے کی وجہ سے مسلم کے حکم میں ہو گیا تو جیسے مسلم کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا، ذمی کو بھی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، گویا یہاں عبارت مقدر نہیں مانی جارہی، بلکہ مطلب بیان کیا جارہا ہے۔ (۱)

احناف کے دلائل

حنفیہ کا استدلال اس باب میں نصوص عامہ سے ہے ﴿یا أیها الذین آمنوا کتب علیکم القصاص

(۱) دیکھئے فیض الباری (ج ۱، ص ۲۱۱)۔

في القتلى ﴾ ۔(۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر اس قاتل سے قصاص لیا جائے گا جس نے دھاردار چیز سے عمداً قتل کیا ہو، البتہ کوئی تخصیص کی دلیل ہو تو تخصیص ہوگی، ورنہ نہیں، خواہ مقتول غلام ہو یا ذمی، مذکر ہو یا مؤنث، کیونکہ "قتلی" کا لفظ سب کو شامل ہے۔ (۲)

یہاں کسی کو یہ اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ اس آیت میں جب خطاب اہل ایمان سے ہے تو "قتلی" کا تعلق بھی اہل ایمان سے ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک دلیل خصوص نہ آئے تب تک عموم لفظ کے مطابق عمل کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے اور اس آیت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو بعض کے قتل کے لئے تو موجب ہو اور بعض کے لئے نہ ہو۔

آگے ﴿فمن عفي له من أخيه شيء﴾ (۳) سے بھی اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ یہاں "أخيه" کہا گیا ہے، ظاہر ہے کہ کافر مسلمان کا بھائی نہیں ہو سکتا، اس لئے باقی آیت سے معلوم ہوا کہ یہاں مسلمان مراد ہیں، گویا "قتلی" سے "قتلی المؤمنین" مراد ہیں۔

یہ اشکال اس لئے درست نہیں کہ جب کسی نص میں عموم ہو اور بعد میں خصوص کے لفظ کے ساتھ جو اس پر عطف ہو تو اس سے سابق عموم میں تخصیص پیدا نہیں ہوتی۔ دیکھئے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (۴) یہ مطلقہ ثلاث کو بھی شامل ہے، جبکہ آگے ارشاد ہے ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فأمسكوهن بمعروف أو سرحوهن بمعروف﴾ (۵) اسی طرح ارشاد ہے ﴿وبعولتهن أحق بردهن في ذلك ......﴾ (۶) ظاہر ہے کہ ان دونوں آیتوں کا تعلق "مادون الثلاث"

(۱) البقرة/۱۷۸۔

(۲) أحكام القرآن للجصاص (ج۱ص۱۳۳)۔

(۳) البقرة/۱۷۸۔

(٤) البقرة/۲۲۸۔

(٥) البقرة/۲۳۱۔

(٦) البقرة/۲۲۸۔

مطلقہ ہے، اس کے باوجود ﴿والمطلقٰت یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ کے عموم میں کوئی تخصیص نہیں ہوئی۔

پھر یہاں احتمال نسبی اخوت کا بھی ہے، نہ کہ دینی اخوت کا، جیسا کہ فرمایا ﴿وإلى عاد أخاهم هودا﴾ ۔(۱)

دوسری آیت جس کے عموم سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے، وہ ہے ﴿وکتبنا علیهم فیها أن النفس بالنفس ...﴾ (۲) اس کا عموم بھی یہ تقاضا کر رہا ہے کہ کافر کے بدلے میں مؤمن کو قتل کیا جائے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ﴿ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا ...﴾ (۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلمان یا کافر کی کوئی تخصیص نہیں، کیونکہ "سلطان" کے مفہوم میں "قود" یعنی "قصاص" شامل ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔(۴)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قصاص کے باب میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کلی قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص کا خون عصمت مقومہ کے ساتھ علی التابید معصوم ہو اور اس کو عمداً قتل کیا جائے اور قصاص لینا متعذر نہ ہو تو قصاص واجب ہوگا، ان میں سے کوئی قید یا شرط معدوم ہو تو قصاص نہیں ہوگا۔(۵)

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک قانون اور اصل یہ ہے کہ جب کوئی نص کسی اصل کلی کے معارض ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ نص تاویل کا احتمال رکھتی ہے یا نہیں؟ اگر نص میں تاویل کا احتمال نہ ہو تو اس اصل کلی میں نص کی وجہ سے تخصیص ہوگی، کیونکہ ظاہر ہے کہ دونوں پر عمل بیک وقت ممکن نہیں۔

اور اگر نص میں تاویل کا احتمال ہو تو تاویل کی جائے گی، تاکہ دونوں دلیلوں پر عمل ہو سکے، کیونکہ دونوں

---

(۱) الأعراف: ۶۵۔

(۲) المائدة: ۴۵۔

(۳) الإسراء: ۳۳۔

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے أحکام القرآن للجصاص (ج۱ص۱۳٤)، وأحکام القرآن للعلامة ظفر أحمد العثماني (ج۱ص۱٤۸)۔

(۵) دیکھئے إعلاء السنن (ج۱۸ص۱۰۰) کتاب الجنایات، باب قتل المسلم بالکافر۔

پر عمل کرنا کسی ایک پر عمل کر کے دوسرے کو چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔(۱)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں جس شخص کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر کلام کرنا ہو اسے چاہئے کہ ان دونوں اصول کلیہ پر اولاً کلام کرے، یا حدیث "لایقتل مؤمن بکافر" میں جو تاویل کی گئی ہے اس پر کلام کرے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ تو ان دونوں اصول پر کلام ممکن ہے، کیونکہ ہر انصاف پسند شخص کے نزدیک یہ دونوں اصول بالکل درست ہیں، اسی طرح نص میں جو تاویل کی گئی ہے اس میں بھی کلام نہیں ہوسکتا، کیونکہ ذمی کے واسطے قصاص لیا جاتا ہے اور مسلمان سے قصاص لیا جاسکتا ہے اور قصاص لینا متعذر بھی نہیں ہے، لہذا ترک قصاص کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس طرح یہ لازم ہوگیا کہ حدیث میں "کافر" سے "کافر حربی" مراد لیا جائے اور مطلب ہوگا کہ کسی مؤمن کو "کافر حربی" کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ کافر حربی غیر مستامن مطلقاً محقون الدم نہیں ہے اور اگر کافر حربی مستامن ہو تو وہ علی التابید محقون الدم نہیں ہے، اس طرح یہ حدیث اصلِ کلی کے موافق ہوجاتی ہے۔(۲)

حنفیہ کا اصل استدلال تو مذکورہ نصوص عامہ سے ہے اور ان ہی کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کردہ اصول جمع کئے ہیں، تاہم حنفیہ کے مذہب کی تائید میں بعض روایات بھی ہیں، ان کو ہم تفصیلاً ذکر کرتے ہیں:

۱ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں روایت نقل کی ہے "بلغنا عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قتل مسلما بمعاهد، وقال: أنا أحق من وفى بذمته"۔(۳)

یعنی "ہم تک یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہے کہ آپ نے ایک ذمی کے بدلے ایک مسلمان کو قتل کیا اور فرمایا میں "ذمہ" کا حق ادا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار ہوں"۔

اس روایت کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں مسنداً نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"أخبرنا محمد بن الحسن، أخبرنا إبراهيم بن محمد، عن محمد بن المنكدر،

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) كتاب الآثار (ص ۱۰۴) [illegible]

عن عبد الرحمن بن البيلماني: أن رجلا من المسلمين قتل رجلا من أهل الذمة، فرفع ذلك إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: أنا أحق من أوفى بذمته، ثم أمر به فقتل"۔ (۱)

یعنی "ایک مسلمان نے اہل ذمہ میں سے کسی کو قتل کردیا تھا، مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس کے "ذمہ" کا حق ادا کرنے کا سب سے بڑھ کر ذمہ دار ہوں، چنانچہ آپ نے اس کو قتل کرڈالنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ قتل کردیا گیا"۔

اس روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کی سند میں "ابراہیم بن محمد" راوی متروک ہے اور علماء جرح وتعدیل نے ان پر شدید تنقید کی ہے۔ (۲)

حقیقت یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ علماء نے ابراہیم بن محمد کے بارے میں بہت سخت کلمات کہے ہیں، اس کے باوجود ان کو بالکل متروک قرار دینا درست نہیں۔

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ بیشتر حضرات نے ان پر جو کلام کیا ہے ان کے عقائد کی وجہ سے کیا ہے، چنانچہ ان کو معتزلی، قدری، جہمی، رافضی قرار دیا ہے، لیکن بایں ہمہ کسی نے ان کو غالی فی العقیدہ اور داعیہ قرار نہیں دیا، لہذا اعتقاد کی بنیاد پر ان پر کلام محل نظر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جن حضرات نے ان پر کلام کیا ہے، وہ بھی ان کے تبحر علمی کی شہادت دیتے ہیں، چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ الإسلام" میں "الفقيه المحدث أحد الأعلام" کے وقیع الفاظ سے ان کا تذکرہ شروع کیا ہے۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المجروحین میں نقل کیا ہے کہ رشدین بن سعد ابراہیم بن ابی یحییٰ کے پاس اپنی چادریں چڑھاتے ہوئے اٹھ کر آئے اور کہا "هذه كتبك وأحاديثك أرويها عنك؟" انہوں نے اجازت دی اور فرمایا "نعم" اس پر رشدین نے کہا "بلغني أنك رجل سوء، فاتق الله وتب إليه" (مجھے

---

(۱) عمدۃ القاری (ج ۸، ص ۹۵) کتاب الدیات، باب لا یقتل المسلم بالکافر۔

(۲) دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۵۷) رقم (۱۸۹)۔

معلوم ہوا ہے کہ تم برے آدمی ہو، اللہ سے ڈرو اور توبہ کرو۔) ابراہیم نے پوچھا کہ جب میں برا آدمی ہوں تو مجھ سے حدیث کیوں لیتے ہو؟ تو رشدین نے کہا "ألم يبلغك أنه يذهب العلم، ويبقى منه في أوعية سوء، فأنت من الأوعية السوء"۔ یعنی "کیا تم نے نہیں سنا کہ علم اٹھ جائے گا، لیکن کچھ علم برے برتنوں میں رہ جائے گا، سو تم ان برے برتنوں میں سے ہو"۔

اس واقعہ سے ان کے تبحر علمی اور کثرت علم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کے تعلقات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اچھے نہیں تھے، ایک دفعہ انہوں نے ایک نیم معروف شخص کو تیس حدیثیں سنائیں اور کہا "حدثتك ثلاثين حديثاً، ولو ذهبت إلى ذاك الحمار، فحدثك ثلاثة أحاديث لفرحت بها" يعني مالكاً۔

یعنی "میں نے تمہیں تیس حدیثیں سنائی ہیں اور اگر تم اس گدھے کے پاس جا کر تین حدیثیں سن لو تو خوش ہو جاؤ گے۔ اشارہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تھا"۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ امام شافعی کے استاذ ہیں، انہوں نے اپنے استاذ کو اچھی طرح پرکھا اور پھر ان کی توثیق کی۔ صرف امام شافعی ہی نہیں، بلکہ حمدان بن الاصبہانی بھی ان کی توثیق کرتے ہیں، اسی طرح ابن عقدہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "نظرت في حديث إبراهيم بن أبي يحيى كثيرا، وليس بمنكر الحديث"۔

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ ابن عقدہ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهذا الذي قاله كما قال، وقد نظرت أنا في حديثه الكثير، فلم أجد فيه منكرا إلا عن شيوخ يحتملون، وقد نظرت أنا في أحاديثه وتبحرتها، وفتشت الكل منها، فليس فيها حديث منكر، وإنما يروى المنكر من قبل الراوي عنه أو من قبل شيخه، لا من قبله، وهو في جملة من يكتب حديثه، وقد وثقه الشافعي وابن الأصبهاني وغيرهما" (۱)

یعنی "بات یہی ہے جو ابن عقدہ کہہ رہے ہیں، میں نے ان کی بہت سی حدیثوں میں غور کیا تو

(۱) ترجمہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲ص ۱۸۴-۱۹۱)۔

کوئی حدیث منکر نہیں ملی، البتہ ایسے شیوخ سے کچھ منکر مرویات ہیں، جن کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ میں نے ان کی حدیثوں میں غور کیا، خوب تحقیق و تفتیش کی، ان میں کوئی بھی منکر حدیث نہیں ہے، اس میں نکارت آئی ہے تو ان سے روایت کرنے والے راوی کی طرف سے یا ان کے شیخ کی طرف سے آئی ہے، خود ان کی وجہ سے نہیں، وہ خود ان رواۃ میں سے ہیں جن کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں، ان کی امام شافعی اور ابن الاصبہانی وغیرہ نے توثیق کی ہے"۔

اور اگر ہم تسلیم کر لیں کہ ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ متروک راوی ہیں تب بھی اس روایت سے استدلال کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ متعدد طرق سے مروی ہے، ان میں سے بعض طرق میں ان کا واسطہ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ امام طحاوی نے اس کا ایک طریق "سليمان بن شعيب، عن يحيى بن سلام، عن محمد بن أبي حميد عن محمد بن المنكدر" نقل کیا ہے، اس میں ابراہیم بن محمد کا واسطہ نہیں ہے۔(۱)

اسی طرح ایک طریق "سليمان بن بلال، عن ربيعة بن أبي عبدالرحمن، عن عبد الرحمن بن البيلماني" بھی نقل کیا ہے(۲)، اس میں بھی ابراہیم کا واسطہ نہیں ہے۔

اس پر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کیا ہے کہ اس طریق میں بھی ابراہیم کا واسطہ ہے، کیونکہ ابوعبید نے نقل کیا ہے "يعني عن ابن أبي يحيى أنه قال: أنا حدثت ربيعة به"۔(۳)

علامہ ابن الترکمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ "من بلغ أبا عبيد هذا؟"(۴) مطلب یہ ہے کہ ابوعبید نے "بلاغ" کے طور پر جو نقل کیا ہے اس کی سند کیا ہے؟ یہ بے سند بات ہے۔

پھر امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے "مراسیل" میں "عن ربيعة عن عبدالرحمن بن البيلماني" کے طریق سے روایت نقل کی ہے(۵) اور اس کے رجال سند ثقات ہیں(۶)، اس سے معلوم ہوا کہ ابن ابی یحییٰ مدار

(۱) شرح معاني الآثار (ج۲ص۱۲۶)، كتاب الجنايات، باب [illegible]
(۲) شرح معاني الآثار (ج۲ص۱۲۵)۔
(۳) السنن الكبرى للبيهقي (ج۸ص۳۱) [illegible]
(۴) الجوهر النقي (ج۸ص۳۳)۔
(۵) المراسيل لأبي داود (ص۱۲)۔
(۶) [illegible] (ج۱ص۹۵)۔

حدیث نہیں ہیں، جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے باور کرانے کی کوشش کی ہے۔

اور اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ ربیعہ نے یہ حدیث ابراہیم سے لی ہے، تب بھی یہ کہنا درست نہیں کہ اس حدیث کا مدار ابراہیم ہی ہیں، کیونکہ اس صورت میں سند یوں ہوگی "ربیعة عن إبراهيم بن أبي يحيى، عن محمد بن المنكدر، عن عبدالرحمن بن البيلماني" ۔ جبکہ ابراہیم اس میں متفرد نہیں ہیں، پیچھے ہم امام طحاوی کے حوالے سے نقل کرچکے ہیں کہ ابراہیم کی متابعت محمد بن ابی حمید نے کی ہے، جو ابن المنکدر سے نقل کرتے ہیں۔ (۱)

پھر امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت "عمار بن مطر، عن إبراهيم بن محمد، عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن عن ابن البيلماني عن ابن عمر" کے طریق سے مرفوعاً وموصولاً نقل کی ہے۔ (۲)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند پر ایک تو ابراہیم بن محمد کی وجہ سے کلام کیا ہے اور کہا ہے "وهو متروك الحديث"۔ (۳)

اس کے علاوہ انہوں نے اس حدیث کو مرسلاً صحیح قرار دیا اور فرمایا کہ یہ مرسل ہے اور اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا واسطہ نہیں ہے۔ (۴)

نیز وہ فرماتے ہیں "وابن البيلماني ضعيف، لاتقوم به حجة إذا وصل الحديث فكيف بما يرسله؟"۔ (۵) یعنی "ابن البیلمانی ضعیف ہیں، وہ اگر حدیث کو موصولاً نقل کریں جب بھی حجت نہیں، چہ جائیکہ مرسلاً نقل کررہے ہیں"۔

جہاں تک ابراہیم بن محمد کے بارے میں کلام کا تعلق ہے، سو ہم ان کے بارے میں تحقیقی طور پر بتا چکے ہیں کہ ان کو بالکل متروک قرار دینا درست نہیں۔

---

(۱) دیکھئے إعلاء السنن (ج۱۸ص۹۶)۔

(۲) سنن الدارقطني (ج۳ص۱۳۵)، كتاب الحدود والديات وغيره، رقم (۱۶۵)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

جہاں تک ابن البیلمانی کے ضعف کا تعلق ہے سو ہمیں تسلیم ہے کہ ان کو بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے(۱)، لیکن ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف یہ کہ ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، بلکہ یہ تصریح بھی کردی کہ اگر ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے محمد ہوں تو ان کی حدیثوں کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ ان کے یہ بیٹے اپنے والد سے عجیب وغریب روایتیں نقل کرتے ہیں۔(۲) پھر سنن اربعہ کے مؤلفین نے ان کی روایت قبول کی ہیں۔(۳)

پھر ابن البیلمانی کی متابعت عبداللہ بن عبدالعزیز بن صالح حضرمی نے کی ہے، چنانچہ امام ابوداود نے "مراسیل" میں "ابن وهب عن عبدالله بن يعقوب عن عبدالله بن عبد العزيز بن صالح الحضرمي" کے طریق سے نقل کیا ہے "قتل رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم حنين مسلما بكافر قتله غيلة، وقال: أنا أولى أو أحق من أوفى بذمته"۔(۴)

> یعنی "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے موقع پر ایک مسلمان کو کافر کے بدلے قتل کیا، جس کو اس نے دھوکے سے مار ڈالا تھا، آپ نے ارشاد فرمایا میں "ذمہ" کا حق ادا کرنے میں سب سے بڑھ کر حق دار ہوں"۔

اس روایت کی سند میں عبداللہ بن یعقوب اور عبداللہ بن عبدالعزیز بن صالح حضرمی کو ابن القطان رحمۃ اللہ علیہ نے مجہول قرار دیا ہے، اس لئے فی نفسہ یہ روایت ضعیف ہے، تاہم کسی اور ضعیف کے لئے شاہد بننے کی صلاحیت ہے، لہٰذا ابن البیلمانی کی مذکورہ روایت بالکل ساقط نہیں، بلکہ مرسل حسن لغیرہ یا صحیح ہے۔(۵)

پھر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت پر عمار بن مطر کی وجہ سے بحث کا آغاز کیا ہے "[illegible]

[illegible]"۔(۶)

---

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

(۴) [illegible]

(۵) [illegible]

(۶) [illegible]

لیکن واضح رہے کہ عمار بن مطر کی بعض حضرات نے توثیق کی ہے، بلکہ بعض نے تو انہیں "حافظ" کی صفت سے متصف کیا ہے، چنانچہ عبداللہ بن سالم کہتے ہیں "حدثنا (أبو) عثمان بن مطر الرهاوي، وكان حافظا للحديث"۔ (۱)

اسی طرح یوسف بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "حدثنا محمد بن الخضر بن علي بالرقة، حدثنا عمار بن مطر: ثقة"۔ (۲)

لہذا عمار بن مطر ایک مختلف فیہ راوی ہیں، ان کی حدیثیں قابل احتجاج ہیں، کم از کم استشہاد تو ان سے ضرور ہو سکتا ہے۔ (۳)

پھر ابن البیلمانی کی یہ حدیث امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالی سے بھی مروی ہے، یہ تینوں حضرات ربیعۃ الرأی سے روایت کرتے ہیں، وكفى بهؤلاء الأئمة قدوة، جبکہ پیچھے ہم بتا چکے ہیں کہ ابن المنکدر اور عبداللہ بن عبدالعزیز کی مرسل روایتیں بطور متابع موجود ہیں، لہذا ابن البیلمانی کی یہ روایت حجت ہے، اگرچہ مرسل ہے، اس لئے کہ مرسل جب متعدد طرق سے ثابت ہو تو اس سے احتجاج کیا جاتا ہے۔ (۴)

خاص طور پر یہاں یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بھی مروی ہے (۵) اور جب مرسل موصولاً مروی ہوتی ہے اگرچہ موصول کا طریق ضعیف ہی کیوں نہ ہو، سب کے نزدیک اور خصوصاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حجت ہوتی ہے۔ (٦)

حاصل کلام یہ ہے کہ ابن البیلمانی کی اس روایت پر خصوم نے متعدد اعتراضات کئے ہیں۔

---

(۱) [illegible] (ج ۳ ص ۱٦۹) رقم (٦٠٤)۔

(۲) [illegible] (ج ۵ ص ۲۷٦)۔

(۳) [illegible] (ج ۱۱ ص ۱۰۱)۔

(۴) [illegible] (ج ۲ ص ۱۳۱) بيان الخبر الدال على قتل المسلم بالذمي۔

(۵) پیچھے روایت ہم ذکر کر چکے ہیں۔

(٦) "قال الشافعي: يقبل إن اعتضد بمجيئه من وجه آخر يباين الطريق الأولى، مسندا كان أو مرسلا، [illegible] صحيحا أو حسنا أو ضعيفا" انظر شرح شرح نخبة الفكر في مصطلحات أهل الأثر (ص [illegible])۔

ایک تو یہ کہ یہ مرسل روایت ہے اور ضعیف ہے۔

اس کا تفصیلی جواب پیچھے آ چکا۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ابن البیلمانی کی یہ روایت "لایقتل مؤمن بکافر" والی روایت سے منسوخ ہے، کیونکہ "لایقتل مؤمن بکافر" آپ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن البیلمانی کی روایت میں کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ اس کا تعلق فتح مکہ سے پہلے ہے، بلکہ عبداللہ بن عبدالعزیز حضرمی والی روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ وہ واقعہ غزوۂ حنین کا تھا اور غزوۂ حنین ظاہر ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہے۔

تیسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ خراش بن امیہ نے قبیلۂ ھذیل کے ایک شخص کو فتح مکہ کے دن قتل کردیا تھا، اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لو کنت قاتلاً مؤمنا بکافر فقتلت خراشاً بالهذلي" (۱) معترضین کا کہنا یہ ہے کہ اگرچہ اس کی سند "واھی" ہے، تاہم ابن البیلمانی کی روایت کے مقابلہ میں بہتر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں اور ابن البیلمانی کی روایت میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ ہذلی اہل ذمہ میں سے نہیں تھا اور کسی شہر کو فتح کرنے کے بعد اگر قتل سے روکا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں کے باشندے ذمی بن گئے اور اگر ابن البیلمانی کی روایت حنین کے واقعہ ہی سے متعلق ہو، جیسا کہ حضرمی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے تو ابن البیلمانی کی یہ روایت فتح مکہ کے واقعہ کے واسطے ناسخ بن جائے گی۔ (۲) واللہ أعلم

۲ حنفیہ کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے بھی ہوتی ہے، جس کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے:

"محمد قال: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم، أن رجلاً من بكر بن وائل

---

(۱) السنن الکبری للبیہقي (ج۸/ص۲۹)، کتاب الجنایات، باب فیمن لا قصاص بینه باختلاف الدینین۔

(۲) دیکھئے إعلاء السنن (ج۱۸ص۹۸، ۹۹)۔

قتل رجلا من أهل الحيرة، فكتب فيه عمر بن الخطاب أن يُدفع إلى أولياء القتيل، فإن شاؤا قتلوا، وإن شاؤا عفوا، فدفع الرجل إلى ولي المقتول إلى رجل يقال له: حنين من أهل الحيرة، فقتله، فكتب فيه عمر بعد ذلك: إن كان الرجل لم يقتل فلا تقتلوه، فرأوا أن عمر أراد أن يرضيهم بالدية"۔ (۱)

یعنی ''بکر بن وائل کے ایک شخص نے اہل حیرہ کے ایک شخص کو قتل کرڈالا، اس سلسلے میں حضرت عمر بن الخطاب نے ہدایت دی کہ قاتل کو اولیائے مقتول کے حوالے کیا جائے، چاہیں تو قتل کریں یا معاف کریں۔ ولی مقتول حنین نامی، اہل حیرہ میں سے ایک شخص تھا، اس کو قاتل دے دیا گیا، اس نے اسے قتل کردیا، اس کے بارے میں حضرت عمر نے بعد میں لکھا اگر اس آدمی نے اسے قتل نہ کیا ہو تو اسے اب قتل نہ کرو، لوگ یہ سمجھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اولیائے مقتول کو دیت سے راضی کرنا چاہتے تھے''۔

اس دلیل پر ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ یہ منقطع ہے، کیونکہ ابراہیم نخعی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔ (۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مرسل ہے اور ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے، خصوصاً ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے مراسیل حجت ہیں۔ (۳)

علامہ ابن الترکمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے متعدد طرق ہیں "والمنقطع إذا روي من وجه آخر منقطعا كان حجةً عندالشافعي"۔ (۴)

یعنی ''منقطع اگر کسی دوسرے منقطع طریق سے مروی ہو تو امام شافعی کے نزدیک حجت ہے''۔

---

(۱) كتاب الآثار (ص ۱٤۱) كتاب الديات، باب دية المعاهد، رقم (۵۹۰)۔

(۲) دیکھئے سنن الكبرى للبيهقي (ج۸ص۳۲)۔

(۳) دیکھئے إعلاء السنن (ج۱۸ص۹۸)۔

(٤) الجوهر النقي (ج۸ص۳۳)۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اسی اثر کے اندر مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی پہلی رائے یعنی قتل کے فیصلہ سے رجوع کرلیا تھا اور اولیاءِ مقتول کو دیت دے کر راضی کرنے کی کوشش کی تھی۔(۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ انہوں نے جوازِ قتل مسلم بالذمی سے رجوع کرلیا تھا، بلکہ انہوں نے امر بالقتل سے رجوع کیا تھا کیونکہ ان کے سامنے یہ بات ظاہر ہوئی کہ اس معاملہ کا ایک اور حل ہے، وہ یہ کہ ولی کو دیت دے کر راضی کیا جائے، اگر وہ اس پر راضی ہوجاتا ہے تو فبہا، ورنہ دوبارہ قتل کا حکم کیا جائے۔ دیت دے کر راضی کرنا وجوبِ قتل کے منافی نہیں ہے، کیونکہ وجوبِ قتل کے باوجود ولی کو معاف کرنے اور دیت لینے کا اختیار حاصل ہے۔(۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈرایا اور دھمکایا تھا قتل کی اجازت دینا مقصود نہیں تھا۔(۳)

لیکن یہاں یہ امکان نہیں ہے، کیونکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے وجوبِ قتل سے رجوع مستفاد نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کیسے تصور ہوسکتا ہے کہ وہ انہیں قتل یا عفو کا اختیار دے کر محض ڈرانا چاہ رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد اگر یہی ہوتو اولیاء کو یہ مراد کیسے معلوم ہوگی؟ بلکہ اس تخییر سے تو انہوں نے اباحتِ قتل سمجھ کر قاتل کو قتل بھی کردیا۔(۴)

البتہ یہاں ابن جریر کی ایک روایت سے اشکال ہوسکتا ہے، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قصہ نزال بن سبرہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں

"أن رجلا من المسلمين قتل رجلا من أهل الحيرة نصرانيا عمدا، فكتب يحيى بن سعيد في ذلك إلى عمر، فكتب أن أقيدوه فيه، وكان يقال له: اقتله، فيقول: حتى يجيء الغيظ، حتى يجيء الغضب، فبينما هم كذلك إذ جاء كتاب من عند

---

(۱) السنن الکبریٰ (ج۸ص۳۲)۔

(۲) دیکھئے عقود الجواہر المنیفۃ (ج۲ص۱۳۳) واعلاء السنن (ج۱۸ص۹۰)۔

(۳) دیکھئے السنن الکبریٰ (ج۸ص۳۲)۔

(۴) دیکھئے عقود الجواہر المنیفۃ (ج۲ص۱۳۳) واعلاء السنن (ج۱۸ص۱۰۱)۔

عمر أن لا تقیدوه به لا یقتل مؤمن بکافر ویعطی الدیة (۱)

یعنی "ایک مسلمان نے حیرہ کے نصرانیوں میں سے ایک شخص کو عمداً قتل کر دیا، اس سلسلے میں یحییٰ بن سعید نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا، آپ نے ہدایت دی کہ اسے قصاص دلایا جائے، جب ولی مقتول سے کہا جاتا کہ اسے قتل کر دو تو کہتا کہ فلاں آنے دے، فلاں آنے دے، ابھی لوگ اسی شش و پنج میں تھے کہ حضرت عمر کا نامہ آیا کہ اسے قتل مت کرو کیونکہ کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جاتا اور دیت دے دی جائے"۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قتل سے منع فرمایا، لہٰذا قتل مسلم سے رجوع کرنے کی وجہ یہ تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قصہ جصاص نے بھی اپنی سند سے نقل کیا ہے (۲) اور ابن ابی شیبہ نے بھی (۳) ان میں سے کسی کی روایت میں "لا یقتل مؤمن بکافر" موجود نہیں ہے، غالب یہ ہے کہ ابن جریر کی اس روایت میں کسی راوی نے اپنی طرف سے تصرف کیا ہے اور اس بنیاد پر یہ تصرف کیا ہے کہ نبی کا قول "لا یقتل مؤمن بکافر" ہے۔

اس کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے "فرأى أن عمر أراد أن يسترضيه بالدية" یعنی "لوگوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اولیائے مقتول کو دیت دے کر راضی کرنا چاہتے ہیں" اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علت کی تصریح "لا یقتل مؤمن بکافر" کہہ کر دی تھی تو لوگوں کے لئے یہ گنجائش کہاں باقی رہتی ہے کہ وہ اپنے طور پر رائے قائم کریں، لہٰذا ابن جریر کی اس روایت کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ (۴)

یہاں یہ بات یاد رکھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس باب میں کئی واقعات اور قضایا منقول ہیں، جن

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

(۳) [illegible]

[illegible]

میں سے بعض میں کچھ مخالفتیں بھی ہیں، تاہم ان میں سے روایۃً ودرایۃً سب سے بہتر وہ روایت ہے جو ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، اسی لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔(۱)

۳ حنفیہ کا ایک استدلال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعے سے بھی ہے، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أخبرنا محمد بن الحسن، أخبرنا محمد بن يزيد، أخبرنا سفيان بن حسين، عن الزهري أن ابن شاس الجذامي قتل رجلاً من أنباط الشام، فرفع إلى عثمان رضي الله عنه، فأمر بقتله، فكلمه الزبير رضي الله عنه وناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فنهوه عن قتله، قال: فجعل ديته ألف دينار"۔ (۲)

یعنی "ابن شاس جذامی نے شام کے نبطیوں میں سے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پہنچا، آپ نے قتل کا حکم دے دیا، حضرت زبیر اور دیگر بعض صحابہ نے حضرت عثمان سے اس سلسلے میں بات کی تو اسے قتل کرنے سے منع فرمایا اور ایک ہزار دینار اس کی دیت مقرر کی"۔

اس روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص کا حکم دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اصل موجب یہی ہے، تاہم چونکہ ایک مسلمان کو کافر کے بدلے قتل کرنے کا معاملہ تھا، اس لئے حضرات صحابہ نے ان سے بات کی کہ کسی طرح ولی مقتول کو راضی کر کے دیت دلا دی جائے، تو حضرت عثمان نے پھر یہی کیا کہ ولی مقتول کو دیت پر راضی کر کے مسلمان کو قتل ہونے سے بچالیا۔ قصاص سے دیت کی طرف رجوع اس بنیاد پر نہیں تھا کہ ولی مقتول کو قاتل کی رضامندی کے بغیر اختیار ہے، بلکہ اصل موجب تو قصاص ہی ہے، تاہم قاتل کی رضامندی چونکہ موجود ہی ہوتی ہے، اس لئے دیت دے کر ولی مقتول کو راضی کیا گیا۔

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) السنن الکبری (ج۸ص۳۲)۔

اس اثر پر امام شافعی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں مجہولین ہیں۔(۱)

لیکن یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ اس میں ایک تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں، دوسرے محمد بن یزید ہیں، اور یہ محمد بن یزید کلاعی مولیٰ خولان ہیں، یہ ثقہ، ثبت اور عابد راوی ہیں۔(۲)

تیسرے راوی سفیان بن حسین ہیں، یہ بھی معروف راوی ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے تاریخ میں، امام مسلم نے مقدمہ میں اور سنن اربعہ کے مؤلفین نے اپنی کتابوں میں ان کی روایات لی ہیں۔(۳) لہذا اس سند میں کوئی بھی مجہول نہیں۔

البتہ سفیان اور زہری کے درمیان انقطاع کا اعتراض کیا جاسکتا ہے، لیکن اول تو انقطاع مضر نہیں، دوسرے دیگر شواہد کے ہوتے ہوئے منقطع قابل احتجاج ہوتی ہے۔(۴)

۴..... حنفیہ کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے بھی ہوتی ہے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

"أنبأ محمد بن الحسن، أنبأ قيس بن الربيع الأسدي، عن أبان بن تغلب، عن الحسن بن ميمون، عن عبد الله بن عبد الله مولى بني هاشم عن أبي الجنوب الأسدي، قال: أُتي على بن أبي طالب رضي الله عنه برجل من المسلمين، قتل رجلاً من أهل الذمة، قال: فقامت عليه البينة، فأمر بقتله، فجاء أخوه، فقال: إني قد عفوت، قال: فلعلهم هددوك، وفرقوك، وفزعوك؟ قال: لا، ولكن قتله لايردّ عليّ

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) قال الحافظ في التقريب: "ثقة، ثبت، عابد"۔ (ص ٥١٤) رقم (٦٤٠٣)، وقال الذهبي في الكاشف: "حجة، بعد من الأبدال"۔ (ج ٢ ص ٢٣١) رقم (٥٢٢٤)۔

(۳) دیکھئے عقود الجواهر المنيفة (ج ٢ ص ١٣٤)، وتقريب التهذيب (ص ٢٤٤) رقم (٢٤٣٧)، والكاشف (ج ١ ص ٤٤٨) رقم (١٩٩٠)، نیز دیکھئے حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف للذهبي۔

(٤) دیکھئے إعلاء السنن (ج ١٨ ص ٩٧)۔

أخي، وعوضوني فرضيت، قال: أنت أعلم، من كانت له ذمتنا فدمه كدمنا، وديته كديتنا"۔ (۱)

یعنی "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مسلمان لایا گیا، جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا، گواہوں سے قتل ثابت ہوگیا تو حضرت علی نے قصاص کا حکم دے دیا، اس کے بعد اس مقتول کا بھائی آیا اور کہا کہ میں نے معاف کردیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ شاید ان لوگوں نے تمہیں دھمکی دی یا ڈرایا تھا؟! اس شخص نے کہا نہیں! دراصل بات یہ ہے کہ اس کو قتل کرڈالنے سے میرا بھائی مجھے واپس نہیں ملے گا، انہوں نے مجھے عوض دیا ہے، اس لئے میں معاف کرنے پر راضی ہوگیا ہوں، فرمایا کہ تم جانو! جن کا ذمہ ہم نے لیا تو اس کا خون ہمارے خون کی طرح ہے اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے"۔

اس روایت پر امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کیا ہے کہ ابو الجنوب ضعیف الحدیث ہے۔ (۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ ابوالجنوب کا ضعف یہاں مضر نہیں ہے، اس لئے کہ ہم ان کی روایت سے مستقلاً استدلال نہیں کرتے، بلکہ اس بات پر تائید حاصل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لا یقتل مؤمن بکافر" میں کافر کی تاویل کافر حربی سے کی جائے گی، جب کسی نص میں مجتہد کے اجتہاد سے تاویل کی گنجائش ہے تو پھر ضعیف آثار سے گنجائش کیوں نہیں ہوگی؟ (۳) واللہ أعلم

۵ حنفیہ کی تائید حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے بھی ہوتی ہے، جس میں وہ دونوں حضرات فرماتے ہیں "من قتل یهودیا أو نصرانیا قتل به"۔ (۴)

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي (ج۸ص۳۴)۔

(۲) دیکھئے سنن الدارقطني (ج۱ص۲۳۱)، باب الأمر بتعليم الصلوات، والضرب عليها، وحد العورة التي يجب سترها، رقم (٤)۔

(۳) إعلاء السنن (ج۱۸ص۹۷)۔

(٤) المحلى لابن حزم (ج۱۰ص۲۲۱) كتاب الدماء

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ مرسل ہے۔(۱)

۶......حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم نامے سے بھی مذہب حنفیہ کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ عمرو بن میمون کہتے ہیں "شهدت كتاب عمر بن عبد العزيز إلى بعض أمرائه في مسلم قتل ذميا، فأمره أن يدفعه إلى وليه، فإن شاء قتله، وإن شاء عفا عنه"۔ میمون کہتے ہیں "فدفع إليه، فضرب عنقه، وأنا أنظره"۔(۲)

یعنی "میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان دیکھا، جو انہوں نے اپنے بعض امراء کو ایک مسلمان کے بارے میں، جس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا تھا، لکھا تھا، انہوں نے حکم دیا تھا کہ ولی مقتول کے سپرد کیا جائے، چاہے تو قتل کر دے، چاہے تو معاف کر دے، چنانچہ قاتل کو حوالے کیا گیا، میں دیکھ رہا ہوں کہ اسے قتل کیا گیا"۔

۷۔ مدینہ منورہ کے فقیہ ابان بن عثمان کے فیصلے سے بھی حنفیہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند سے نقل کیا ہے:

"أن رجلاً من النبط عدا عليه رجل من أهل المدينة، فقتله قتل غيلة، فأتي به أبان بن عثمان، وهو إذ ذاك على المدينة، فأمر بالمسلم الذي قتل الذمي أن يُقتل"۔(۳)

یعنی "ایک نبطی شخص پر اہلِ مدینہ کے ایک شخص نے حملہ کیا اور اچانک مار ڈالا، ابان بن عثمان جو اس وقت مدینہ کے گورنر تھے، ان کے پاس لایا گیا، انہوں نے قاتل مسلمان کو جس نے ذمی کو قتل کیا تھا، قتل کر ڈالنے کا حکم دیا"۔

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) المصنف لابن أبي شيبة (ج۵ص۴۰۸)، كتاب الديات، باب من قال: إذا قتل الذميَّ المسلمُ قتل به، رقم (۲۷۴۶۰)۔

چند اشکالات اور ان کا جواب

ایک اشکال حنفیہ کے مذہب پر یہ کیا جا سکتا ہے کہ "الحدود تندرأ بالشبہات" ایک مسلّم قاعدہ ہے، یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "لایقتل مؤمن بکافر" تو اس حدیث سے شبہ تو پیدا ہو گیا تو اس شبہ کی وجہ سے قتلِ مسلم ساقط کیوں نہیں ہو جاتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم نے اس حدیث کے اندر یہ تاویل کر دی کہ ''کافر'' سے مراد کافر حربی ہے تو پھر یہ شبہ شبہ ہی نہیں رہا۔

اگر اس ''نہی'' کو شبہ مان لیں تو سوال یہ ہے کہ اگر کسی ذمی نے دوسرے ذمی کو قتل کر دیا ہو اور پھر قاتل مسلمان ہو گیا ہو تو اس کو قتل کیوں کیا جاتا ہے، حالانکہ "لایقتل مؤمن بکافر" تو یہاں بھی صادق آ رہا ہے؟!

بعض حضرات نے کہا ہے "لایقتل مسلم بکافر" میں "مسلم" صفت کا صیغہ ہے اور بیان حکم کے موقع پر صیغۂ صفت کا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ماخذ علت ہے، گویا "لایقتل مسلم بکافر" کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس بنیاد پر ہے کہ مسلمان کو اسلام کی بدولت فضیلت حاصل ہے، اس لئے اسے کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر "مسلم" کے مبدا اشتقاق کو علت قرار دیں تو مطلب ہوگا "المسلم لکونہ مسلماً لایقتل بکافر لکونہ کافراً" جبکہ ہم بھی اس بات کے قائل نہیں ہیں، ہم تو یہ کہہ رہے ہیں "المسلم لکونہ قاتلاً یقتل بالکافر، لکونہ محقون الدم علی التأبید بعقد الذمة" لہذا یہ شبہ بھی وارد نہیں ہوتا۔

ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ مسلمان ذمی کے مقابلہ میں اشرف ہے اور ذمّی اخس، لہذا اشرف کو اخس کے بدلے میں کیسے قتل کیا جا سکے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قصاص کے باب میں ''شرافت'' کے معنی هدر ہیں، اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا، دیکھئے مرد عورت کے مقابلہ میں اشرف ہے، اس کے باوجود عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کیا جاتا ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے مرد وعورت کے درمیان شرف کے اعتبار کو ھدر حدیث کی وجہ سے قرار دیا ہے، جبکہ مسلم وذمی کے درمیان ''شرف'' کا اعتبار حدیث "لایقتل مؤمن بکافر" کی وجہ سے کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب شارع نے ایک مقام پر، یعنی مرد وعورت کے درمیان قصاص کے معاملہ میں ''شرف'' کو ھدر قرار دے دیا اور دوسری جگہ شرف کے اعتبار کی تصریح نہیں کی - کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ حکم اعتبار شرف پر مبنی نہ ہو، بلکہ کسی اور امر پر، مثلاً کافر کے غیر محقون الدم علی التابید ہونے پر مبنی ہو، لہذا مجرد رائے سے شرف کا اعتبار کر لینا کیسے درست ہوگا؟!

حاصل یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ حربی ہو یا ذمی ہو اور ان کی دلیل اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لایقتل مؤمن بکافر" ہے، اس میں ''کافر'' مطلق ہے، جو ذمی وحربی دونوں کو شامل ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو مسلمان سے اس کا قصاص لیا جائے گا، ان کی اصل دلیل وہ عمومی نصوص ہیں جن میں مسلمان اور ذمی کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے اصول وضع کئے کہ جب کسی معصوم کا خون بہایا جائے اور وہ علی التابید معصوم ہو، خون بہانا عمداً ہو اور ولایت ہونے کی وجہ سے قصاص متعذر نہ ہو، تو قصاص واجب ہے، ورنہ نہیں۔

اسی طرح انہوں نے یہ اصل بھی پیش نظر رکھی کہ اگر کوئی نص کسی اصل کلی کے معارض ہو جائے اور اس نص میں کوئی تاویل نہ چل سکتی ہو تو اصل کلی میں نص کی وجہ سے تخصیص ہوگی اور اگر تاویل کا احتمال ہو تو نص میں تاویل کی جائے گی۔

ان اصول کے پیش نظر ذمی کا قصاص واجب ہے، حربی کا نہیں اور "لایقتل مؤمن بکافر" کی نص محتمل التاویل ہے، اس لئے اس میں ''کافر حربی'' کی تاویل کی جائے گی۔

اس کے علاوہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موافق جس قدر آثار وروایات ہیں وہ سب مؤید ہیں، ان سے باقاعدہ استدلال واحتجاج نہیں کیا جا رہا، اس لئے اگر بالفرض ان میں کسی قدر ضعف بھی ہو تب بھی تائید ہو سکتی ہے۔ واللہ أعلم

١١٢ : حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ ٱلْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَ : حَدَّثَنَا شَيْبَانُ ، عَنْ يَحْيَى ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ [1] : أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا مِنْ بَنِي لَيْثٍ - عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ - بِقَتِيلٍ مِنْهُمْ قَتَلُوهُ ، فَأُخْبِرَ بِذٰلِكَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ ، فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ ، فَقَالَ : (إِنَّ ٱللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ ٱلْقَتْلَ ، أَوِ ٱلْفِيلَ - شَكَّ أَبُو عَبْدِ ٱللّٰهِ - وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولَ ٱللّٰهِ ﷺ وَٱلْمُؤْمِنِينَ . أَلَا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي ، وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي . أَلَا وَإِنَّهَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ . أَلَا وَإِنَّهَا سَاعَتِي هٰذِهِ حَرَامٌ ، لَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا ، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا ، وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ . فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَيْرِ ٱلنَّظَرَيْنِ : إِمَّا أَنْ يُعْقَلَ ، وَإِمَّا أَنْ يُقَادَ أَهْلُ ٱلْقَتِيلِ) . فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ ٱلْيَمَنِ فَقَالَ : اكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، فَقَالَ : (اكْتُبُوا لِأَبِي فُلَانٍ) . فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ : إِلَّا ٱلْإِذْخِرَ يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوتِنَا وَقُبُورِنَا ؟ فَقَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (إِلَّا ٱلْإِذْخِرَ إِلَّا ٱلْإِذْخِرَ) .

قَالَ أَبُو عَبْدِ ٱللّٰهِ : يُقَالُ : يُقَادُ بِالْقَافِ ، فَقِيلَ لِأَبِي عَبْدِ ٱللّٰهِ : أَيُّ شَيْءٍ كَتَبَ لَهُ ؟ قَالَ : كَتَبَ لَهُ هٰذِهِ ٱلْخُطْبَةَ . [٢٣٠٢ ، ٦٤٨٦]

تراجم رجال

(۱) ابونعیم الفضل بن دُکین

یہ مشہور محدث ابونُعیم الفضل بن دُکین المُلائی الکوفی الأحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتـــاب

(١) قوله: "عن أبي هريرة": هذا الحديث أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج١ص٣٢٨و٣٢٩) في كتاب اللقطة، باب كيف تعرف لقطة أهل مكة؟، رقم (٢٤٣٤)، وفي (ج٢ص١٠١٦) في كتاب الديات، باب من قتل له قتيل فهو بخير النظرين، رقم (٦٨٨٠)، ومسلم في صحيحه في كتاب الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها وشجرها ولقطتها إلا لمنشد على الدوام، رقم (٣٣٠٥)، و(٣٣٠٦)، والنسائي في سننه في كتاب القسامة، باب هل يؤخذ من قاتل العمد الدية إذا عفا ولي المقتول عن القود؟، رقم (٤٧٨٩) و(٤٧٩٠)، وأبو داود في سننه في كتاب المناسك، باب تحريم مكة، رقم (٢٠١٧)، وفي كتاب العلم، باب كتابة العلم، رقم (٣٦٤٩)، وفي كتاب الديات، باب ولي العمد يأخذ الدية، رقم (٤٥٠٥)، والترمذي في جامعه في أبواب الديات، باب ما جاء في حكم ولي القتيل في القصاص والعفو، رقم (١٤٠٥)، وفي أبواب العلم، باب ما جاء في الرخصة فيه (أي في كتابة العلم)، رقم (٢٦٦٧).

الإیمان، "باب فضل من استبرأ لدینه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) شیبان

یہ ابومعاویہ شیبان بن عبدالرحمن تمیمی نحوی بصری مؤدب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ایک عرصہ تک کوفہ میں رہے، اس کے بعد بغداد منتقل ہو گئے تھے، یہ سلیمان بن داؤد ھاشمی اور ان کے بھائیوں کے اتالیق رہے تھے۔(۲)

یہ اسماعیل بن ابی خالد، اشعث بن ابی الشعثاء، حسن بصری، زیاد بن علاقہ، امام اعمش، امام قتادہ، لیث بن ابی سلیم، منصور بن المعتمر اور یحیی بن ابی کثیر رحمہم اللہ تعالی سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں آدم بن ابی ایاس، زائدہ بن قدامہ، ابوداود الطیالسی، عبدالرحمن بن مہدی، ابونعیم الفضل بن دکین، امام ابوحنیفہ، ولید بن مسلم، یزید بن ھارون اور یونس مؤدب رحمہم اللہ وغیرہ حضرات ہیں۔(۳)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما أقرب حدیثه"۔(۴)

نیز وہ فرماتے ہیں "شیبان صاحب کتاب صحیح، قد روی شیبان عن الناس، فحدیثه صالح"۔(۵)

نیز وہ فرماتے ہیں "شیبان ثبت في كل المشایخ"۔(۶)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "شیبان ثقة، وهو صاحب کتاب"۔(۷)

---

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج۲ص۶۶۹)۔

(۲) تهذیب الکمال (ج۱۲ص۵۹۲و۵۹۳)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذیب الکمال (ج۱۲ص۵۹۳و۵۹٤)۔

(٤) تهذیب الکمال (ج۱۲ص۵۹٤)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(٦) تهذیب الکمال (ج۱۲ص۵۹۵)۔

(۷) حوالہ بالا۔

نیز وہ فرماتے ہیں "ثقة في كل شيء"۔(۱)

امام محمد بن سعد، امام عجلی اور امام نسائی رحمہم اللہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۲)

یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان صاحب حروف وقراءات، مشهور بذلك، كان يحيى بن معين يوثقه"۔(۳)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حسن الحديث، صالح الحديث، يكتب حديثه"۔ (۴)

عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش کہتے ہیں "كان صدوقا"۔(۵)

ابوالقاسم بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "شيبان أثبت في يحيى بن أبي كثير من الأوزاعي"۔(۶)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "شيبان ثقة عندهم، صاحب كتاب"۔(۷)

نیز وہ فرماتے ہیں "شيبان صاحب كتاب وهو صحيح الحديث"۔(۸)

امام ابوبکر البزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۹)

عثمان بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان معلماً صدوقاً، حسن الحديث"۔(۱۰)

ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة، وكان صاحب كتاب، رجل صالح"۔(۱۱)

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) حوالۂ بالا۔ نیز دیکھئے طبقات ابن سعد (ج۶ ص۳۷۷) و (ج۷ ص۳۲۲)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۱۲ ص۵۹۶)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) جامع الترمذي، كتاب الزهد، باب ماجاء في معيشة أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۲۳۷۱)۔

(۸) جامع الترمذي، كتاب الأدب، باب المستشار مؤتمن، رقم (۲۸۲۳)۔

(۹) تهذيب التهذيب (ج۴ ص۳۷۴)۔

(۱۰) تهذيب التهذيب (ج۴ ص۳۷۴)۔

(۱۱) تعليقات تهذيب الكمال (ج۱۲ ص۵۹۷)، نقلاً عن كتاب الثقات لابن شاهين۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ ان سے روایت کرتے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔(۱)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "الإمام الحافظ الثقة"۔(۲)

نیز وہ فرماتے ہیں "صاحب حروف و قراء ات، حجة"۔(۳)

نیز وہ فرماتے ہیں "ثقة مشهور"۔(۴)

ان زبردست توثیقات اور کلماتِ تعدیل کے ساتھ ساتھ ان پر بعض حضرات نے کلام بھی کیا ہے، چنانچہ:

ساجی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "صدوق وعنده مناكير، وأحاديث عن الأعمش تفرّد بها"۔(۵)

اسی طرح ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لايحتج به"۔(۶)

جہاں تک ساجی کا کلام ہے سو مناکیر سے مراد بھی تفردات ہیں اور تفرّد کوئی مضر نہیں۔

دوسرے ساجی کا کلام امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے معارض ہے، جو فرماتے ہیں "ثقة في كل المشايخ"(۷) نیز امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة في كل شيء"۔(۸)

پھر حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں ان کی روایات اعمش کے طریق سے ہیں ہی نہیں، بلکہ دوسرے شیوخ سے ہیں۔(۹)

اسی طرح ابوحاتم کے کلام کے بارے میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا رُجحان یہ ہے کہ یہ ثابت ہی نہیں ہے،

---

(۱) تهذيب التهذيب (ج۴ص۳۷۴)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج۷ص۴۰۶)۔

(۳) الكاشف (ج۱ص۴۵۱)، رقم (۲۳۱۶)۔

(۴) ميزان الاعتدال (ج۲ص۲۸۵)۔

(۵) تهذيب التهذيب (ج۴ص۳۷۴)۔

(۶) ميزان الاعتدال (ج۲ص۲۸۵)۔

(۷) تهذيب الكمال (ج۱۲ص۵۹۵)۔

(۸) تهذيب الكمال (ج۱۲ص۵۹۵)۔

(۹) هدي الساري (ص۴۱۰)۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں: "وهذه اللفظة ما رأيتها في كتاب ابن أبي حاتم، فيعتبر بنسر فيه إلا "يكتب حديثه" فقط۔(۱)

اسی طرح ابو حاتم کے کلام کو مزی اور باجی رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی "لا يحتج به" کا جملہ نقل نہیں کیا۔(۲)

اور اگر اس کو ثابت مان بھی لیں تب بھی یہ مذکورہ تعدیلات کے مقابلہ میں قابل التفات نہیں، چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قول أبي حاتم فيه: لايحتج به ليس بجيد"۔(۳)

لہذا یہ شیبان بن عبدالرحمن متفق علیہ طور پر حجت اور ثقہ ہیں چنانچہ اصحاب اصول ستہ نے ان کی احادیث کو قبول کیا ہے اور ان سے احتجاج کیا ہے۔(۴)

ان کی وفات ۱۶۴ھ میں ہوئی۔(۵)

رحمه الله تعالى رحمة واسعة

فائدہ

ان کی نسبت میں جو "نحوی" آیا ہے اس سے علم نحو کی طرف نسبت مراد ہے یا قبیلہ "نحو" کی طرف؟

ابن الاثیر کہتے ہیں کہ "قبیلۂ "نحو" کی طرف منسوب ہیں، جبکہ ابن ابی داؤد وغیرہ کہتے ہیں کہ علم "نحو" کی طرف منسوب ہیں نہ کہ قبیلہ کی طرف۔(۶) والله أعلم

(۱) تهذيب التهذيب (ج ٤ ص ٣٧٤)، وهدي الساري (ص ٤١٠)، شاید حافظ کے نسخے میں یہ جملہ ناسخ کی غلطی سے رہ گیا ہوگا، جبکہ حافظ ذہبی کے نسخہ میں یہ جملہ موجود ہے، مطبوعہ نسخوں میں بھی یہ جملہ مذکور ہے، دیکھئے، كتاب الجرح والتعديل (ج ٤ ص ٣٥٥)، رقم (١٥٦١)۔

(۲) هدي الساري (ص ٤١٠)، وتهذيب التهذيب (ج ٤ ص ٣٧٤)۔

(۳) سير أعلام النبلاء (ج ٧ ص ٤٠٨)۔

(۴) دیکھئے هدي الساري (ص ٤١٠)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج ١٢ ص ٥٩٦)، والكاشف (ج ١ ص ٤٩١)، رقم (٢٣١٦)۔

(۶) دیکھئے حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف (ج ١ ص ٤٩١)، رقم (٢٣١٦)۔

(۳) یحییٰ

یہ مشہور امام یحییٰ بن ابی کثیر طائی یمامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے والد ابوکثیر کے نام میں بڑا اختلاف ہے، صالح، یسار، نُشیط اور دینار، مختلف اقوال ہیں۔(۱)

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، ھلال بن ابی میمونہ، یعلی بن حکیم، ابوقلابہ جرمی، ابونضرۃ العبدی، زید بن سلام، عقبہ بن عبدالغافر اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالی سے روایت کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ حضرت ابوامامہ، عروہ بن الزبیر، الحکم بن مینا اور ابوسلام حبشی رحمہم اللہ سے مرسلا روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے عبداللہ، ایوب سختیانی، یحیی بن سعید انصاری، اوزاعی، حسین المعلم، معمر بن راشد، هشام دستوائی، ھمام، ایوب بن النجار، ابان العطار، حرب بن شداد، عکرمہ بن عمار اور عمران القطان رحمہم اللہ وغیرہ حضرات ہیں۔(۲)

ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مابقي علی وجه الأرض مثل یحیی بن أبي کثیر"۔(۳)

نیز وہ فرماتے ہیں "ما أعلم أحدا بعد الزهري أعلم بحدیث أهل المدینة من یحیی بن أبي کثیر"۔(۴)

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یحیی بن أبي کثیر أحسن حدیثاً من الزهري"۔(۵)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یحیی بن أبي کثیر من أثبت الناس، إنما یعد مع الزهري

(۱) تهذیب الکمال (ج۳۱ص۵۰٤و۵۰۵)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذیب الکمال (ج۳۱ص۵۰۵-۵۰۷)۔

(۳) تهذیب الکمال (ج۳۱ص۵۰۷)۔

(٤) تهذیب الکمال (ج۳۱ص۵۰۸)۔

(۵) حوالہ بالا۔

ویحیی بن سعید، فإذا خالفه الزهري، فالقول قول یحیی بن أبي کثیر"۔(۱)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة کان یعد من أصحاب الحدیث"۔(۲)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"إمام لایحدث إلا عن ثقة"۔(۳)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرہ کے شروع میں لکھتے ہیں: "الإمام الحافظ أحد الأعلام....."۔(۴)

نیز وہ فرماتے ہیں "وکان طلابة للعلم، حجة"۔(۵)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں"کان من العُبّاد العلماء الأثبات"۔(٦)

نیز انہوں نے فرمایا"أحد الأعلام الأثبات"۔(۷)

البتہ عقیلی نے ان کے بارے میں ذکر کیا ہے "ذُکر بالتدلیس"۔(۸)

اسی طرح ان کے بارے میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة ثبت لکنه یدلس ویرسل"۔(۹)

جہاں تک ان کی تدلیس کا تعلق ہے، سو یہ مضر نہیں، کیونکہ یہ ان مدلسین میں سے ہیں جو امامت کے مقام پر فائز ہیں اور اپنی دیگر روایات کی نسبت بہت کم تدلیس کرتے ہیں، یا تدلیس کرتے بھی ہیں تو ثقہ ہی سے کرتے ہیں، جیسے سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ تعالی، یہی وجہ ہے کہ ان کی تدلیس کو علماء نے قبول کیا ہے اور اپنی "صحیح" کے اندر ان کی روایات کو لیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے "تعریف أهل

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) تهذیب الکمال (ج۳۱ص۵۰۹)۔

(٤) سیر أعلام النبلاء (ج٦ص۲۷)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(٦) الکاشف (ج۲ص۳۷۳و ۳۷٤)، رقم (٦۲۳۵)۔

(۷) میزان الاعتدال (ج٤ص٤۰۲)، رقم (۹٦۰۷)۔

(۸) الضعفاء الکبیر للعقیلي (ج٤ص٤۲۳)، رقم (۲۰۵۱)۔

(۹) تقریب التهذیب (ص۵۹٦)، رقم (۷٦۳۲)۔

التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس" میں ان کو مرتبۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔(۱)

پھر ان کی تدلیس سے غالب مراد یہ ہے کہ یہ صحابۂ کرام سے مرسلاً نقل کرتے ہیں، اسی کو" تدلیس" سے تعبیر کردیا گیا۔(۲)

اس کے علاوہ یہ یحیی بن ابی کثیر اگرچہ کثیر التدلیس اور کثیر الارسال مشہور ہیں، تاہم حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تدلیس کم کیا کرتے تھے، اس کا قرینہ یہ ہے کہ یحیی بن ابی کثیر ابوسلمہ سے بہت زیادہ روایت کرتے ہیں، اس کے باوجود انہوں نے ایک حدیث "عن محمد بن إبراهيم التيمي عن أبي سلمة عن عائشة مرفوعاً: من ظلم قيد شبر من الأرض طُوِّقه إلى سبع أرضين" (۳) روایت کی ہے، اس میں انہوں نے ابوسلمہ سے مباشرۃً نقل کرنے کے بجائے محمد بن ابراہیم تیمی کا واسطہ ذکر کیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ قلیل التدلیس ہیں، اگر کثیر التدلیس ہوتے تو محمد بن ابراہیم تیمی کا واسطہ حذف کردیتے۔(۴) والله أعلم۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "وكان يحيى بن أبي كثير من العباد، إذا رأى جنازة لم يتعش تلك الليلة، ولاقدر أحد من أهله أن يكلمه"۔(۵)

یعنی" یحیی بن ابی کثیر رحمۃ اللہ علیہ عبادت گذار لوگوں میں سے تھے، جب کوئی جنازہ دیکھ لیتے تو اس رات کو نہ تو کھانا کھاتے اور نہ ہی گھر والوں میں سے کسی کو ان سے بات چیت کرنے کی ہمت ہوتی تھی"۔

راجح قول کے مطابق ۱۲۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(۶) رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

(۱) دیکھئے طبقات المدلسين (تعريف أهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس) ص۲۵۔

(۲) "أرسل عن أنس بن مالك، وجابر بن عبدالله الأنصاري، والحكم بن ميناء، وعروة بن الزبير، وأبي أمامة الباهلي، وأبي سلام الحبشي، فروايته عن الصحابة منقطعة، ولعل هذا هو مراده بالتدليس" تحرير تقريب التهذيب للدكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب الأرنؤوط (ج۴ص۹۹)، رقم (۷۶۳۲)۔

(۳) أخرجه البخاري في صحيحه، في كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، رقم (۲۴۵۲)۔

(۴) قال الحافظ: "وفي هذا الإسناد مايشعر بقلة تدليس يحيى بن أبي كثير، لأنه سمع الكثير من أبي سلمة، وحدث عنه هنا بواسطة محمد بن إبراهيم"۔ فتح الباري (ج۵ص۱۰۵)، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض۔

(۵) الثقات لابن حبان (ج۷ص۵۹۱و۵۹۲)۔

(۶) سير أعلام النبلاء (ج۶ص۲۸)۔

(۴) ابوسلمہ

یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک بڑے فقیہ اور مشہور تابعی محدث ہیں۔

ان کے حالات کتاب الإیمان "باب صوم رمضان احتساباً من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان "باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

أن خزاعة قتلوا رجلاً من بني ليث عام فتح مكة بقتيل منهم قتلوه۔

قبیلۂ خزاعہ نے فتح مکہ کے سال بنولیث کے ایک شخص کو اپنے ایک مقتول کے بدلے قتل کردیا۔

فتح مکہ کے موقع پر قبیلۂ خزاعہ کے جس شخص نے قتل کیا تھا اس کا نام خراش بن امیہ خزاعی ہے اور جس کو قتل کیا اس کا نام ابن الاثوع الہذلی ہے، جاہلیت میں ابن الأثوع نے خزاعہ کے احمر نامی شخص کو قتل کیا تھا، اب فتح مکہ کے موقع پر خراش بن امیہ خزاعی نے اس کا بدلہ لیا کہ ابن الأثوع ھذلی کو قتل کر ڈالا۔

اس کا تفصیلی واقعہ ابن ھشام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت میں ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:-

احمر نامی ایک شخص بڑا بہادر تھا، اس کی عادت تھی کہ جب سوتا تھا تو بہت زور زور سے خراٹے لیتا تھا، لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ جب اپنے قبیلہ میں ہوتا تو الگ تھلگ سوتا تھا، اگر قبیلہ پر حملہ ہو جاتا تو لوگ "یاأحمر" کہہ کر پکارتے تو یہ شخص شیر کی مانند اٹھ کھڑا ہوتا، پھر اس کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا تھا۔

کہتے ہیں کہ قبیلۂ ھذیل کی ایک جماعت لڑتی بھڑتی ہوئی آئی اور قبیلۂ خزاعہ پر حملہ کا ارادہ کیا، جب

(۱) کشف الباری (ج۲ص۳۲۳)۔

(۲) کشف الباری (ج۱ص۶۵۹)۔

قریب آئی تو ابن الاثوع ہذلی نے کہا کہ جلدی نہ کرو، میں دیکھتا ہوں کہ یہاں احمر ہے یا نہیں، کیونکہ اگر وہ موجود ہو تو حملہ کرنا ممکن نہیں ہوگا، چنانچہ وہ خراٹوں کا تعاقب کرتا ہوا اُس تک پہنچا اور نیند کی حالت میں اسے مار ڈالا، پھر جو قبیلہ والوں پر حملہ بولا تو وہ "یا أحمر یا أحمر" پکارتے رہے لیکن یہاں تو احمر کا کام ہی تمام ہو چکا تھا۔

جب فتح مکہ کا دن آیا تو ابن الاثوع ھذلی جو اب تک حالت شرک میں تھا، مکہ مکرمہ آیا اور حالات جاننے کی کوشش کرنے لگا۔

قبیلہ خزاعہ نے جو اسے دیکھا تو پہچان لیا اور اس کا گھیراؤ کرلیا، اس سے پوچھا کہ تم ہی احمر کے قاتل ہو؟ اس نے کہا ہاں! میں ہی احمر کا قاتل ہوں، اتنے میں خراش بن امیہ آیا اور لوگوں کو ہٹنے کا اشارہ کیا، جب لوگ ہٹ گئے تو ابن الاثوع کے پیٹ میں تلوار گھسا دی اور اس کا پیٹ پھاڑ دیا کہ انتڑیاں نکل آئیں۔ اس طرح اسے مار ڈالا۔

اس موقع پر حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے قتل وقتال سے منع فرمایا اور خون بہا دے دیا۔ (۱)

قبیلہ خزاعہ کے ہاتھوں
قتل ہونے والے شخص کے نام کی تحقیق

ابن اسحاق کی اس روایت میں مقتول کا نام "ابن الأثوع (بالثاء المثلثة) الهذلي" آیا ہے۔

ابن ھشام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "وبلغني أن أول قتيل وداه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفتح جنیدب بن الأكوع، قتلته بنو كعب فوداه بمئة ناقة"۔ (۲) یعنی "مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے روز سب سے پہلا مقتول جس کی دیت عطا کی جنیدب بن الاکوع تھے، ان کو بنو کعب نے قتل کیا تھا، آپ نے سو اونٹنیاں دیت میں دیں"۔ اس میں "اکوع" کاف کے ساتھ ہے، نہ کہ ثاء مثلثہ کے ساتھ۔

---

(۱) دیکھئے السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، القسم الثانی (ص ۴۱۴)، طبعۃ مصطفی البابی الحلبی، والسیرۃ النبویۃ لابن ھشام مع الروض الأنف (ج ۴ ص ۲۷۵)۔

(۲) السیرۃ النبویۃ لابن ھشام مع الروض الأنف (ج ۴ ص ۲۷۶)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحاق اور واقدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مقتول کا نام "جندب بن الأدلع" تھا(۱)، جبکہ طبری نے ابن اسحاق سے یہ قصہ جو نقل کیا اس میں "جنیدب الأدلع" مذکور ہے۔(۲)

اس طرح اس مقتول کے نام کے بارے میں ایک اختلاف ہوجاتا ہے کہ آیا وہ جندب تھا یا جنیدب، اسی طرح اس کے باپ کے بارے میں بھی اختلاف ہوجاتا ہے کہ آیا اس کا نام اثوع تھا یا اُکوع یا اُدلع؟

اس کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ممکن ہے اس کو جندب مکبراً بھی کہتے ہوں اور جنیدب مصغراً بھی کہتے ہوں۔

اسی طرح باپ کے نام میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان تینوں ناموں سے اُسے پکارا جاتا ہو۔

البتہ یہاں ایک بڑا اشکال یہ ہوتا ہے کہ ابھی ابن اسحاق کے حوالے سے ہم نے پیچھے ذکر کیا ہے کہ "ابن الأثوع" جو احمر کا قاتل ہے اور اب فتح مکہ کے موقع پر خراش بن امیہ کے ہاتھوں قتل ہوا وہ حالتِ شرک میں تھا۔

جبکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جندب یا جنیدب کو اپنی کتاب "الإصابة" کی "القسم الأول" میں ذکر کیا ہے اور وہ "قسم اول" میں ایسے حضرات کو ذکر کرتے ہیں جن کی صحابیت ثابت شدہ ہو۔(۳)

اس اشکال کے بارے میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ابن اسحاق کے نزدیک یہ ابھی مشرک ہی تھا، مسلمان نہیں ہوا تھا، جبکہ حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق یہ مسلمان ہوگیا تھا اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔

مقتول کا تعلق بنولیث سے تھا یا بنوہُذیل سے؟

پھر حدیثِ باب میں "قتلوا رجلاً من بني ليث" آیا ہے، جبکہ ابن اسحاق کی جس روایت کو ہم نے

(۱) دیکھئے الإصابة (ج۱ ص ۲٤۷)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) دیکھئے مقدمة الإصابة (ج۱ ص ٤ و ٥)۔

تفصیلا ذکر کیا ہے، اس میں ''بنوھذیل'' کا ذکر ہے، کیونکہ ابن الأثوع ہُذلی تھا، نہ کہ لیثی اور یہ دونوں الگ الگ قبائل ہیں۔

اس تعارض کا حل اس طرح ہوسکتا ہے کہ اس مقتول کا تعلق ان دونوں قبیلوں میں سے ایک کے ساتھ خاندانی اور نسبی اعتبار سے ہو اور دوسرے سے معاہدہ کا تعلق ہو۔

قاتل کا تعلق

خزاعہ سے تھا یا بنوکعب سے؟

پھر حدیث باب میں مذکور ہے "أن خزاعة قتلوا رجلاً "، جبکہ ابن ھشام کہتے ہیں "قتلته بنو کعب" گویا کہ اس بات میں تعارض ہے کہ آیا قاتل خزاعی تھا یا کعبی؟

اس تعارض کو دور کرنے کے لئے یا تو یوں کہا جائے کہ صحیح بخاری کی روایت راجح ہے، یا یہاں بھی تطبیق کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک کے ساتھ خاندانی تعلق تھا اور دوسرے کے ساتھ معاہدے کا تعلق تھا۔ واللہ أعلم

تعارض دور کرنے کی راجح صورت

یہاں تعارض دور کرنے کی صورت یہ بھی ہے، جو تکلفات سے خالی ہونے کی وجہ سے راجح بھی ہے کہ صحیح بخاری میں مذکور واقعہ کو مستقل قرار دیں اور سیرت ابن ھشام وغیرہ میں وارد واقعات مستقل ہوں، گویا یہ روایاتِ مختلفہ تعددِ واقعہ پر محمول ہیں، فتح مکہ کے موقع پر کئی واقعات پیش آئے تھے، اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ ابن ھشام رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں "وبلغني أن أول قتيل وداه رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الفتح جنيدب" ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتولین کئی تھے، ان میں سے اولیت جنیدب بن الأکوع کو حاصل ہے۔

اسی طرح ابن اسحاق نے جو "ابن الأثوع" کو حالتِ شرک میں مقتول قرار دیا، وہ اور ہے اور حافظ رحمۃ

اللہ علیہ نے "حـمـاد" یا "حـنـظـلـة بـن الأکـوع" کو صحابہ میں سے قرار دے کر مقتول قرار دیا ہے، یہ اور شخصیت ہیں۔ اس طرح ہر قسم کا تعارض بھی ختم ہو جاتا ہے اور ان تکلفات کے ارتکاب کی بھی ضرورت نہیں پڑتی جو پہلے تطبیق کے لئے کئے گئے۔

واللہ أعلم بالصواب

فأخبر بذلك النبي صلی اللہ علیہ وسلم، فرکب راحلته فخطب۔

اس قتل کے واقعہ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی، آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور آپ نے خطبہ دیا۔

فقال: إن اللہ حبس عن مکة القتل أو الفیل، شك أبو عبداللہ

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے مکہ مکرمہ سے قتل کو روک دیا، یا آپ نے فرمایا ہاتھی کو روک دیا، ابوعبداللہ کو شک ہے۔

یہاں چار نسخے ہیں:-

ایک تو یہی نسخہ ہے "شك أبو عبد اللہ"۔

دوسرے نسخہ کی عبارت ہے "قـال مـحـمـد: وجعلوہ علی الشك، کذا قال أبو نعیم: الفیل أو القتل"۔

تیسرے نسخہ کی عبارت ہے "إن اللہ حبـس عـن مـکـة الـقـتـل أو الـفـیـل، کذا قـال أبو نعیم، واجعلوا علی الشك: الفیل أو القتل"۔

چوتھے نسخہ کی عبارت ہے "قال أبو عبد اللہ: کذا قال أبو نعیم، اجعلوہ علی الشك"۔

یہاں "أبـو عبداللہ" اور "مـحـمـد" سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں، ان میں پہلے نسخہ میں شک کی نسبت ظاہراً امام بخاری کی طرف کی گئی ہے، لیکن درحقیقت یہ مجمل ہے، باقی نسخوں میں تفصیل ہے، یہ اجمال مذکورہ تفصیل پر محمول ہے، یعنی اصل شک امام بخاری کو نہیں، بلکہ ابونعیم یا کسی اور راوی کو ہے۔

پھر ان میں سے دوسرے نسخہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راویوں نے اس کو شک کے ساتھ روایت کیا ہے، ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ جو امام بخاری کے شیخ ہیں انہوں نے رواۃ سے شک کے ساتھ نقل کیا ہے۔

تیسرے نسخہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ "اجعلوا ..." کا مقولہ ابونعیم کا ہے، گویا وہ حاضرین سے کہہ رہے ہیں کہ اس کو شک کے ساتھ رکھو۔

چوتھے نسخہ کے مطابق "اجعلوا ..." کا مقولہ امام بخاری کا ہوگا، گویا وہ یہ فرمارہے ہیں کہ اس کو شک کے ساتھ رکھو، کیونکہ میرے شیخ ابونعیم نے اس کو شک کے ساتھ روایت کیا ہے۔

وغیرہ یقول: الفیل

ابونعیم کے سوا دوسرے رواۃ بغیر شک کے "الفیل" کہتے ہیں۔

یہاں ''غیر'' سے مراد عبیداللہ بن موسیٰ ہیں (۱)، جو ابونعیم کے رفیق اور شیبان سے روایت کرنے میں ابونعیم کے شریک ہیں۔ (۲)

اسی طرح حرب بن شداد بھی مراد ہیں، جو یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کرتے ہیں (۳) اور شیبان کے رفیق اور ساتھی ہیں۔ (۴)

حبسِ فیل کا واقعہ

یہاں "إن اللّٰہ حبس عن مكة الفیل" سے مراد اصحاب الفیل ہیں اور اس نے اصحابِ فیل کے مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

---

(۱) قال البخاري: "تابعه عبيد اللّٰه عن شيبان في "الفيل"." صحيح البخاري (ج۲ص۱۰۱۶)، كتاب الديات، باب من قتل له قتيل فهو بخير النظرين، رقم (٦٨٨٠)۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص۲۰٦)۔

(۳) دیکھئے صحيح البخاري (ج۲ص۱۰۱٦)، كتاب الديات، باب من قتل له قتيل فهو بخير النظرين، رقم (٦٨٨٠)۔

(٤) فتح الباري (ج۱ص۲۰٦)۔

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پچاس یا پچپن روز قبل یہ واقعہ پیش آیا، ہوایوں کہ نجاشی شاہ حبشہ کی جانب سے یمن کا حاکم ابرہہ نامی شخص تھا، جب اس نے دیکھا کہ عرب کے سارے لوگ حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ جاتے ہیں اور خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہیں تو اس نے یہ چاہا کہ عیسائی مذہب کے نام پر ایک عالی شان عمارت بنائی جائے، جو نہایت مکلّف اور مرصّع ہو، تاکہ عرب کے لوگ سادہ کعبہ کو چھوڑ کر اس مصنوعی پر تکلف کعبہ کا طواف کرنے لگیں۔

چنانچہ یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک نہایت خوبصورت گرجا بنایا، عرب میں جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ایک روایت کے مطابق قبیلۂ کنانہ کا کوئی آدمی وہاں آیا اور پاخانہ کرکے بھاگ گیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق عرب کے نوجوانوں نے اس کے قرب وجوار میں آگ جلائی ہوئی تھی، ہوا سے اڑ کر اس گرجا میں آگ لگ گئی اور گرجا جل کر خاک ہوگیا۔ ابرہہ نے غصہ میں آکر قسم کھائی کہ خانۂ کعبہ کو منہدم اور مسمار کرکے سانس لوں گا۔

اس ارادہ سے مکہ پر فوج کشی کی، راستہ میں جس عرب قبیلہ نے مزاحمت کی اس کو تہ تیغ کیا، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ پہنچا۔ لشکر اور ہاتھی بھی ہمراہ تھے، اطراف مکہ میں اہل مکہ کے مویشی چرتے تھے، ابرہہ کے لشکر نے وہ مویشی پکڑے، جن میں دوسو اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد عبدالمطلب کے تھے۔

اس وقت قریش کے سردار اور خانۂ کعبہ کے متولی عبدالمطلب تھے، جب ان کو ابرہہ کی خبر ہوئی تو قریش کو جمع کرکے کہا کہ گھبراؤمت، مکہ کو خالی کردو، خانۂ کعبہ کو کوئی منہدم نہیں کرسکتا، یہ اللہ کا گھر ہے، وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔

بعد ازاں عبدالمطلب چند رؤساءِ قریش کو لے کر ابرہہ سے ملنے گئے، ابرہہ عبدالمطلب کو دیکھ کر مرعوب ہوگیا اور نہایت اکرام اور احترام کے ساتھ پیش آیا۔

اثنائے گفتگو میں عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی رہائی کا مطالبہ کیا، ابرہہ نے متعجب ہوکر کہا بڑے

تعجب کی بات ہے کہ تم نے مجھ سے اپنے اونٹوں کے بارے میں کلام کیا اور خانۂ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا دین اور مذہب ہے، اس کے بارے میں تم نے کوئی حرف نہیں کہا! عبدالمطلب نے جواب دیا "أنا رب الإبل، وللبیت رب سیمنعه" میں اونٹوں کا مالک ہوں، اس لئے میں نے اونٹوں کا سوال کیا اور کعبہ کا خدا خود مالک ہے، وہ خود اپنے گھر کو بچائے گا، ابرہہ نے کچھ سکوت کے بعد عبدالمطلب کے اونٹوں کو واپس کرنے کا حکم دیا۔

عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر واپس آ گئے اور قریش کو حکم دیا کہ مکہ خالی کر دیں اور تمام اونٹوں کو خانۂ کعبہ کی نذر کر دیا اور چند آدمیوں کو لے کر خانۂ کعبہ کے دروازہ پر حاضر ہوئے کہ سب گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔

عبدالمطلب دعا سے فارغ ہو کر مع اپنے ہمراہیوں کے پہاڑ پر چڑھ گئے اور ابرہہ اپنا لشکر لے کر خانۂ کعبہ کو گرانے کے لئے بڑھا، یکایک بحکم خداوندی چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول کے غول نظر آئے، ہر ایک کی چونچ اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں، جو دفعۃً لشکر پر برسنے لگیں، خدا کی قدرت سے وہ کنکریاں گولیوں کا کام دے رہی تھیں، سر پر گرتی تھیں اور نیچے سے نکل جاتی تھیں، جس پر وہ کنکری گرتی تھی وہ ختم ہو جاتا تھا۔

غرضیکہ اس طرح ابرہہ کا لشکر تباہ و برباد ہوا، خود ابرہہ کے بدن پر چیچک کے دانے نمودار ہوئے، جس سے اس کا تمام بدن سڑ گیا اور بدن سے پیپ اور لہو بہنے لگا، یکے بعد دیگرے ایک ایک عضو اس کا کٹ کٹ کر گرتا جاتا تھا، بالآخر اس کا سینہ پھٹ پڑا اور دل باہر نکل آیا اور اس کا دم آخر ہوا، جب سب مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک سیلاب بھیجا، جو سب کو بہا کر دریا میں لے گیا۔(۱)

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کی حرمت کے پیش نظر اصحاب فیل کو مکہ والوں سے روکا اور ان پر ابابیل کو مسلط کیا، لہٰذا اسلام کے بعد تو وہاں کے لوگوں کی حرمت مزید مؤکد ہو جاتی ہے۔(۲)

(۱) دیکھئے سیرت المصطفیٰ (ج ۱ ص ۴۶-۴۹) واقعۂ اصحاب فیل۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۶)۔

روایت کے لفظ میں اگر لحن
یا غلطی واقع ہو تو اس کی تصحیح کرنی چاہئے یا نہیں؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ سے جس طرح سنا تھا اسی طرح نقل کر دیا اور تنفذوت رہنے دیا کہ اسے اسی طرح رکھا جائے اور صواب پر تنبیہ کر دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روایت کے لفظ میں اگر غلطی واقع ہو جائے تو اسے اسی طرح روایت کرنا چاہئے۔

اس مسئلہ میں علماء کے دو مذاہب ہیں—

۱۔ نافع مولی ابن عمر، ابو معمر عبداللہ بن سخبرہ، محمد بن سیرین، قاسم بن محمد اور رجاء بن حیوۃ کے علاوہ اور بہت سے حضرات کہتے ہیں کہ جس طرح سنا ہے اسی طرح نقل کیا جائے، اس میں کوئی تغیر نہ کیا جائے۔(۱)

۲۔ اکثر محدثین مثلاً حماد، ابن المبارک، ابن عیینہ، النضر بن شمیل، ابوعبید، عفان، ابن المدینی، ابن راہویہ، حسن بن علی الحلوانی، حسن بن محمد الزعفرانی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر روایت میں کوئی غلطی واقع ہو جائے تو اس کو درست کرکے علی الصواب نقل کرنا چاہئے۔(۲)

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وهذا إجماع منهم أن إصلاح اللحن جائز"۔(۳)

یعنی "علماء حدیث کا اتفاق ہے کہ لحن کی اصلاح جائز ہے"۔

نیز وہ فرماتے ہیں

---

(۱) دیکھئے الکفایة (ص۱۸۷-۱۸۸) باب ذکر من کان لا یری تغییر اللحن فی الحدیث، والجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع (ص۲۰۲-۲۰۳)، ومقدمة ابن الصلاح (ص۲۱۸) [illegible]، [illegible] وفتح المغیث للسخاوی (ج۳ص۱۶۸) إصلاح اللحن والخطأ۔

(۲) دیکھئے المحدث الفاصل بین الراوی والواعی (ص۵۲۴-۵۲۶)، والکفایة (ص۱۹۴-۱۹۸)، وفتح المغیث للعراقی (ص۲۲۶)، وفتح المغیث للسخاوی (ج۳ص۱۶۹)۔

(۳) الکفایة (ص۱۹۵)۔

"والذي نذهب إليه رواية الحديث على الصواب، وترك اللحن فيه وإن كان قد سمع ملحونا؛ لأن من اللحن ما يحيل الأحكام ويصير الحرام حلالا، والحلال حراما، فلا يلزم اتباع السماع فيما هذه سبيله، والذي ذهبنا إليه قول المحصلين والعلماء من المحدثين"۔(۱)

یعنی "ہمارا مذہب یہ ہے کہ حدیث کو درست روایت کیا جائے، لحن پر عمل نہ کیا جائے، اگرچہ سماع لحن کے ساتھ ہی ہوا ہو، کیونکہ بعض لحن ایسے ہیں جو احکام تبدیل کر دیتے ہیں اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنادیتے ہیں، لہذا جہاں ایسی صورت ہو تو سماع کا اتباع کرنا لازم نہیں ہے، ہمارا یہی مذہب علماء و محدثین کا مذہب ہے"۔

حافظ ابن الصلاح اور امام نووی رحمہما اللہ تعالی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔(۲)

یہ گفتگو اس لحن کے بارے میں ہے جس سے معنی نہیں بدلتے اور جہاں معنی بدل جاتے ہوں وہاں تو بلا تردد ان حضرات کے یہاں علی الصواب روایت کرنا چاہئے۔(۳)

البتہ شیخ عز الدین عبد السلام کے بارے میں علامہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"سمعت أبا محمد بن عبد السلام وكان أحد سلاطين العلماء كان يرى في هذه المسألة ما لم أره لأحد، إن هذا اللفظ المحتمل لا يروى على الصواب ولا على الخطأ؛ أما على الصواب فإنه لم يسمع من الشيخ كذلك، وأما على الخطأ فلأن سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يقله كذلك"۔ (۴)

یعنی "شیخ عز الدین عبد السلام کی اس مسئلہ میں ایک رائے ہے جو کسی اور سے منقول نہیں ہے اور وہ یہ کہ اس لفظ محتمل کو نہ تو درست کر کے روایت کیا جائے اور نہ غلط برقرار رکھا کر نقل کیا جائے، درست اس لئے نہ روایت کرے کہ اس کا شیخ سے سماع نہیں ہے اور خطا اس لئے نقل نہ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح منقول نہیں ہے"۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر روایت میں غلطی واقع ہوئی ہو تو نہ صواب روایت کرے اور نہ خطا، کیونکہ

(۱) الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع (ص ۲۹۳) القول في رواية الحديث على الصواب إذا كان ... قد خالف مذهب الإعراب۔

(۲) فتح المغيث للسخاوي (ج۳ص ۱۷۰)۔

(۳) دیکھئے مقدمة ابن الصلاح (ص ۲۱۸)، وتدريب الراوي (ج۲ص ۱۰۹)۔

(۴) فتح المغيث للعراقي (ص ۲۶۶)، وانظر أيضا فتح المغيث للسخاوي (ج۳ص ۱۶۸ و۱۶۹)۔

صواب کا سماع نہیں ہے اور خطا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر نہیں ہوا۔

کتاب میں اگر غلطی واقع ہو تو اس کو اسی حال پر برقرار رکھا جائے گا یا اس کی تصویب ہو گی؟

یہ گفتگو تو روایت کے بارے میں تھی اور اگر کتاب میں غلطی واقع ہو جائے تو اصلاح کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس کو اسی حال پر چھوڑا جائے، کتاب میں تصحیح نہ کی جائے، البتہ حاشیہ میں صحیح کی نشاندہی کر دی جائے۔(۱)

وجہ اس کی واضح ہے کہ بسا اوقات اہل علم ایک بات کو غلط سمجھتے ہیں، جبکہ اس کی کوئی صحیح توجیہ بن رہی ہوتی ہے، خاص طور پر عربیت کے لحاظ سے تخطئہ کافی احتیاط کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ لغاتِ عرب مختلف ہیں، لہذا کسی ایک جہت یا لغت کو خطا قرار دے دینا معمولی بات نہیں ہے۔(۲) چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی اگر کوئی فحش غلطی دیکھتے تو اس کی تصحیح کر دیا کرتے تھے اور اگر کوئی معمولی غلطی ہوتی تو اسے چھوڑ دیتے تھے۔(۳)

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ایک محدث کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ اس کے ہونٹ یا زبان میں کچھ عیب ہے، جب پوچھا گیا تو بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک میں، میں نے ایک لفظ کے اندر اپنی رائے سے تبدیلی کی تھی، اس لئے میرے ساتھ ایسا ہوا ہے۔(۴)

نیز قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں: "إن الذي استمر عليه عمل أكثر الأشياخ أن ينقلوا الرواية كما وصلت إليهم ولا يغيرونها في كتبهم ..."۔(۵)

---

(۱) علوم الحدیث لابن الصلاح (ص ۲۱۹)۔

(۲) دیکھئے علوم الحدیث لابن الصلاح (ص ۲۱۹) وفتح المغیث للسخاوی (ج۳ص ۱۷۲)۔

(۳) علوم الحدیث لابن الصلاح (ص ۲۱۹)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) الإلماع (ص ۱۳۱) باب إصلاح الخطأ وتقويم اللحن والاختلاف في ذلك، وعلوم الحديث (ص ۲۱۹)۔

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات علماء نے کتابوں کے اندر تبدیلی اور اصلاح کی جسارت کی، جیسے علامہ ابوالولید هشام بن احمد کنانی وقشی تھے، یہ چونکہ انتہائی ثاقب فہم، تیز ذہن، متفنن اور کثیر المطالعہ بزرگ تھے اس لئے انہوں نے کتابوں کے اندر بڑی اصلاحات کیں، لیکن بہت سی چیزوں میں خود غلطی کر گئے، جس کسی نے بھی اس طرح اصلاح کی، اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوا۔ (۱)

اس لئے کتاب کے اندر اصلاح وتغییر کے باب کو بند کرنا چاہئے، خاص طور پر جبکہ حاشیہ میں اس غلطی کی وضاحت کی جارہی ہو۔ (۲)

پھر اس میں اختیار ہے کہ روایت کرتے ہوئے پہلے علی الصواب نقل کرے، اس کے بعد جو استاذ سے سنا ہے وہ بیان کرے اور چاہے تو جس طرح سنا ہے پہلے اسے نقل کرے، اس کے بعد صواب کو نقل کردے۔ ان میں سے بہتر پہلا قول ہے، تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات کی نسبت بالکل نہ ہو پائے۔ (۳) واللہ أعلم

وسلط علیهم رسول اللّٰہ والمؤمنین

اور ان پر اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اہل ایمان کو غالب کردیا۔

یہاں "سلّط" معروف کا صیغہ ہے، ایک دوسرے نسخہ میں "والمؤمنون" ہے، اس صورت میں "سُلّط" مجہول کا صیغہ ہوگا "رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم والمؤمنون" نائب فاعل ہوگا۔ (۴)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی شان ہے کہ ابرہہ اور اس کے لشکریوں کو تو داخل ہونے کا موقع نہیں دیا گیا، بلکہ ان کو کعبہ سے باہر ہی ہلاک کردیا گیا اور اللہ تعالی کے رسول اور مؤمنین کو اللہ تعالی نے غالب فرمادیا۔

---

(۱) علوم الحدیث لابن الصلاح (ص ۲۲۰)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) علوم الحدیث (ص ۲۲۰)۔

(۴) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۶)۔

ألا، وإنها لم تحل لأحد قبلي ولم تحل لأحد بعدي

غور سے سنو! یہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔

اس حدیث کی بناء پر بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ اہل مکہ اگر بغاوت پر اتر آئیں اور باطل پر جم جائیں تب بھی ان سے قتال کرنا درست نہیں، جبکہ جمہور علماء کے نزدیک بغیر قتال کے وہ اگر باز نہ آئیں تو قتال کی اجازت ہے۔ فریقین کے مذاہب کی تفصیل اور دلائل پیچھے "باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب" کے تحت گذر چکے ہیں، اسی طرح اس باب کے تحت حرم مکہ میں قتل وقصاص کا حکم بھی تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے۔

ألا، وإنما حلت لي ساعة من نهار، ألا، وإنها ساعتي هذه حرام

سنو! میرے لئے دن کے ایک حصہ میں یہ حلال ہوا تھا اور اب یہ حرام ہے۔

لایختلی شوکها ولایعضد شجرها۔

اس کا کانٹا توڑا نہ جائے اور اس کا درخت کاٹا نہ جائے۔

"لایختلی" باب افتعال سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے، اختلاء کے معنی کاٹنے کے ہیں۔(۱)

شوك: شوكة کی جمع ہے، کانٹے کو کہتے ہیں۔(۲)

لایعضد: عضد یعضد (باب ضرب) سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے، اس کے معنی بھی کاٹنے کے ہیں۔(۳)

حرم مکہ کی نباتات واشجار کے قطع کا کیا حکم ہے؟ تفصیل کے ساتھ پیچھے "باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب" کے تحت آچکا ہے۔

ولاتلتقط ساقطتها إلا لمنشد

اور اس کی گری ہوئی چیز (یعنی لقطہ) نہ اٹھائی جائے، مگر معرّف کے لئے اجازت ہے۔

---

(۱) دیکھئے النہایة لابن الأثیر (ج۲ص۷۵)، والقاموس الوحید (ص۴۷۳)۔

(۲) القاموس الوحید (ص۸۹۹)۔

(۳) النہایة لابن الأثیر (ج۳ص۲۵۱)۔

لقطۂ حرم کا حکم

حرم میں اگر کسی کی کوئی چیز گر جائے تو آیا اس کا حکم بھی عام لقطہ کی طرح ہے یا اس کے حکم میں دوسری جگہوں کے لقطوں کے مقابلہ میں کوئی فرق ہے؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لقطۂ حل وحرم میں فرق ہے۔

ان کے نزدیک عام لقطہ کا حکم تو یہ ہے کہ التقاط لقطہ واجب یا مستحب ہے، اس کے بعد ایک مخصوص مدت تک تعریف ہوگی، اگر تعریف کے بعد مالک نہ آئے تو اس کو ملتقط اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، خواہ ملتقط غنی ہو یا فقیر۔(۱)

جبکہ حرم کے لقطہ کے سلسلے میں وہ فرماتے ہیں کہ اس کا التقاط صرف حفاظت کی غرض سے ہی جائز ہے، تملک کی نیت سے بالکل جائز نہیں ہے، پھر اس کی ہمیشہ تعریف کی جائے گی، گویا اس کا تملک ممکن نہیں ہوگا۔(۲)

جمہور ائمہ امام ابوحنیفہ، امام مالک کا مذہب اور امام احمد رحمہم اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ لقطۂ حل اور لقطۂ حرم میں کوئی فرق نہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔(۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال ایک تو حدیث باب سے ہے۔

دوسرا استدلال صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبدالرحمن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ کی روایت: "أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن لقطة الحاج" سے ہے۔(۴) یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی کے لقطہ سے منع فرمایا"۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عام لقطہ کے سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "عرفها

---

(۱) دیکھئے المغني لابن قدامة (ج۶ص۳۰۷)، وتكملة فتح الملهم (ج۲ص۶۰۷)، نقلا عن مغني المحتاج (ج۲ص۴۱۵)۔

(۲) تكملة فتح الملهم (ج۲ص۶۲۲)، نقلا عن مغني المحتاج (ج۲ص۴۱۷)۔

(۳) دیکھئے المغني لابن قدامة (ج۶ص۱۱)۔

(۴) الصحيح لمسلم، كتاب اللقطة، باب في لقطة الحاج، رقم (۴۵۰۹)، والسنن لأبي داود، كتاب اللقطة، باب التعريف باللقطة، رقم (۱۷۱۹)۔

سنۃ" فرمایا ہے۔(۱)، جبکہ لقطۂ حرم کے بارے میں کوئی توقیت نہیں فرمائی، معلوم ہوا کہ اس کی دائما تعریف ضروری ہے، تاآنکہ مالک مل جائے، ورنہ اس طرح تخصیص کی کوئی وجہ نہیں، اس میں سر یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کو اللہ تعالی نے "مثابة للناس" بنایا ہے، جہاں سے لوگ واپس جا کر پھر لوٹ لوٹ کے آتے ہیں، عین ممکن ہے کہ اس مفقود شے کی وجہ سے مالک لوٹ آئے، یا کسی کو بھیجے، اس طرح اس کا مال محفوظ رہے گا۔(۲)

جمہور کا استدلال لقطہ کے بارے میں وارد ان عام احادیث سے ہے جن میں لقطۂ حل وحرم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی۔(۳)

پھر لقطہ ایک امانت ہے، عام ودیعتوں کی طرح اس کے حکم میں کوئی فرق نہیں، خواہ حل کی امانت ہو یا حرم کی۔(۴)

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے، سو اس کے بارے میں علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "إلا لمنشد" کا مطلب "إلا لمن عرفها عاماً" ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں لقطہ اٹھانے کی اجازت اسے حاصل ہے جو تعریف کا ارادہ رکھتا ہو، تملک کی نیت سے اٹھانے کی کوئی گنجائش نہیں۔(۵)

اس پر سوال ہوتا ہے کہ جب حل اور حرم دونوں کے لقطوں میں کوئی فرق نہیں تو مخصوص طور پر یہاں "لا تلتقط ساقطتها ..." کہہ کر مکہ مکرمہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مکہ مکرمہ کی خصوصیت کی وجہ سے نہیں کہ یہ تعریف صرف وہاں ہی واجب ہو، بلکہ اس کی تاکید مقصود ہے کہ مکہ مکرمہ میں تعریف کا اہتمام اور زیادہ کیا جائے، حرم میں چونکہ بے شمار حجاج آتے ہیں اس لئے وہاں تعریف میں مبالغہ کرنا پڑے گا، مساجد، اسواق اور محافل مجامع میں بار بار جا کے اعلان کرنا پڑے گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا "ضالة المسلم حرق النار" (۶) کہ مسلمان کی گم شدہ چیز آگ

---

(۱) دیکھئے صحیح البخاری (ج۱ص۱۹)، کتاب العلم، باب الغضب في الموعظة والتعليم إذا رأى ما يكره، رقم (۹۱)۔

(۲) دیکھئے تکملة فتح الملهم (ج۲ص۲۳۰)، کتاب اللقطة، باب في لقطة الحاج۔

(۳) دیکھئے المغني لابن قدامة (ج۶ص۱۱)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) حوالۂ سابقہ۔

(۶) جامع الترمذي، كتاب الأشربة، باب ما جاء في النهي عن الشرب قائماً، رقم (۱۸۸۱)۔ وسنن ابن ماجه، كتاب اللقطة، باب ضالة الإبل والبقر والغنم، رقم (۲۵۰۲)۔ ومسند أحمد (ج۴ص۲۵) مسند مطرف بن عبد الله عن أبيه، رقم (۱۶۲۳۳)؛ (ج۵ص۸۰) مسند الجارود العبدي، رقم (۲۱۰۳۴-۲۱۰۴۰)۔

میں جلانے کی باعث ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ حکم صرف مسلمان کی چیز کے لئے ہے، ذمی کے لئے نہیں، بلکہ یہ حکم دونوں کی چیزوں کے لئے ہے، البتہ مسلمان کی چیز میں تاکید زیادہ مقصود ہے۔ (۱)

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب کا مطلب یہ ہے کہ اس کا التقاط تعریف کے لئے ہی جائز ہے، جہاں تک حرم کی تخصیص کا تعلق ہے سو یہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ حرم میں کسی کو یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ چونکہ یہاں اجنبی لوگوں کا عام طور پر ورود ہوتا رہتا ہے، معلوم نہیں اصل مالک کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہوگا، لہذا تعریف کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ یہ سمجھ کر کوئی تعریف اور اعلان نہ کرے، اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا حکم بھی دوسرے علاقوں کی طرح ہے کہ یہاں بھی تعریف ضروری ہے، جیسے دوسری جگہوں میں تعریف لازمی ہے۔ (۲)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں چونکہ ملتقط کو یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ بس صرف ''موسم'' میں اعلان وتعریف کافی ہے، اس لئے آپ نے تاکید فرمادی کہ عام لقطہ کی طرح پورے سال کی تعریف ضروری ہے۔ (۳)

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ کی تخصیص اس بنیاد پر ہے کہ چونکہ لوگ مکہ مکرمہ سے جلد چلے جاتے ہیں، اس لئے ایک سال تک تعریف بسا اوقات مفید نہیں ہوگی، اس لئے وہی شخص وہاں کے لقطہ کو اٹھا سکتا ہے جو لوگوں کے متفرق ہونے اور چلے جانے سے پہلے تعریف کرسکتا ہو، جبکہ دوسری جگہوں میں چونکہ یہ وجہ نہیں ہے اس لئے وہاں تخصیص نہیں کی گئی۔ (۴)

جہاں تک حدیث "نهى عن لقطة الحاج" کا تعلق ہے، سو یہ نہی بالکل صریح ہے اور بظاہر اس کا حکم دوسرے لقطہ کے حکم سے مختلف ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نہی کا مآل بھی یہی نکلتا ہے کہ "لقطة الحاج" اور "لقطة غير الحاج"

---

(۱) المغني لابن قدامة (ج۶ ص۱۱)۔

(۲) دیکھئے الهداية (ج۴ ص۳۷۴) كتاب اللقطة (طبعة: إدارة القرآن كراتشي)، وفتح القدير (ج۵ ص۳۵۷)۔

(۳) تكملة فتح الملهم (ج۲ ص۶۲۳) نقلاً عن مغني المحتاج (ج۲ ص۴۱۷)۔

(۴) دیکھئے تهذيب السنن (ج۲ ص۲۷۳)۔

میں کوئی فرق نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ لقطۃ الحاج کے التقاط سے نہی اس بنیاد پر کی گئی ہے کہ حاجی اپنے ساتھ ضروری ضروری اشیاء ہی لے جاتا ہے اور جو چیز وہ لے جاتا ہے اس سے وہ عموماً مستغنی نہیں ہوتا، گویا اس چیز کی ضرورت اسے شدید ہوتی ہے، ایسی صورت میں جب وہ کوئی چیز گم کرے گا تو اسے ڈھونڈے گا اور عام طور پر وہیں ڈھونڈے گا جہاں اس نے وہ چیز گم کی ہوگی، لہذا اگر کوئی شخص اس چیز کو نہ اٹھائے تو مالک اسے آسانی سے پالے گا، برخلاف اس صورت کے کہ کوئی شخص اسے اٹھالے اور تعریف کرے تو یہ عین ممکن ہے کہ چیز ایک جگہ گم ہوئی ہو اور وہ شخص تعریف کسی اور جگہ کر رہا ہو، مثلاً چیز مکہ میں گم ہوئی وہ منی میں اعلان کر رہا ہے۔ ایسی صورت میں تعریف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لقطۃ الحاج کا حکم دوسرے لقطوں سے مختلف نہیں، اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ التقاط لقطہ نہ ہو، ہاں اگر ضائع ہو جانے اور تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو تو التقاط کیا جائے گا، جیسا کہ لقطۃ الابل کے بارے میں نہی وارد ہے۔ بعینہ اسی طرح لقطۃ الحاج کی نہی بھی اسی بنیاد پر ہے۔ (۱)

لقطۃ الحاج کے بارے میں ایک وضاحت

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حاجیوں کے لقطہ کا التقاط جو ممنوع ہے یہ حکم معلول بالعلۃ ہے، اُس صورت میں التقاط نہیں کیا جائے گا جب ضیاع وسرقہ سے مامون ہو۔ (۲)

علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم میں جو "نھی عن لقطۃ الحاج" آیا ہے، اس کے بارے میں ابن وھب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اسی جگہ چھوڑ دیا جائے، حتی کہ مالک آجائے اور اسے لے لے، لیکن ہمارے زمانے میں اس پر عمل ممکن نہیں، کیونکہ

---

(۱) دیکھئے تکملۃ فتح الملہم (ج ۲ ص: ٦٢)۔

(۲) حوالہ بالا۔

مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کے ارد گرد بہت زیادہ چوریاں ہوتی ہیں، چہ جائیکہ مالک موجود نہ ہوتو لقطہ بالکل مامون نہیں ہوگا۔(۱) واللہ أعلم

فمن قُتل فهو بخير النظرين: إما أن يعقل وإما أن يقاد أهل القتيل

سو جس شخص کو قتل کیا گیا ہو تو اُسے (یعنی اس کے ولی کو) دو اختیار میں سے بہتر کا اختیار ہے، یا تو اس مقتول کی دیت دی جائے یا مقتول کے اہل کو قصاص دیا جائے۔

یہاں "من قتل فهو بخير النظرين" واقع ہے اور ظاہراً اس کے معنی درست نہیں ہوتے کیونکہ "من قتل" سے مقتول مراد ہے "هو" ضمیر اس کی طرف لوٹ رہی ہے، حالانکہ مقتول کو اختیار نہیں ہوتا۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیری عبارت "من قتل فهو أي أهله بخير النظرين" ہے، یعنی مراد "أهل" ہے، اگرچہ اس کی جگہ "هو" یعنی مقتول کی ضمیر کو رکھا گیا ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مقتول ہی اس اختیار کا سبب بن رہا ہے۔(۲)

لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں اضمار قبل الذکر لازم آرہا ہے، جو درست نہیں، کیونکہ "أهل" کا پہلے ذکر نہیں آیا۔(۳)

علامہ خطابی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہاں تقدیر عبارت "من قتل له قتيل" ہے۔(۴)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تقدیر پر بھی اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ اس صورت میں حذف فاعل (یعنی نائب فاعل) لازم آتا ہے۔(۵)

---

(۱) فتح الباري (ج۵ص۳۵۷)۔

(۲) شرح الكرماني (ج۲ص۱۲۲)۔

(۳) عمدة القاري (ج۲ص۱٦۵)۔

(٤) دیکھئے أعلام الحديث للخطابي (ج۱ص۲۱٦)، وفتح الباري (ج۱ص۲۰٦)۔

(۵) عمدة القاري (ج۲ص۱٦۵)۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہاں مبتدا محذوف مانا جائے اور تقدیر عبارت یوں ہونی چاہئے "فمن أهله قتل فهو بخير النظرين" اس میں "من" مبتدا ہے، "أهله قتل" مبتدا اور خبر پر مشتمل جملہ "من" موصول کے لئے صلہ ہے "فهو بخير النظرين" پورا جملہ مبتدائے اول کے لئے خبر ہے، "قتل" کے اندر جو ضمیر ہے وہ "أهل" مقدر کی طرف راجع ہے اور "فهو" کی ضمیر "من" کی طرف لوٹ رہی ہے۔

اور "بخير النظرين" کا متعلق محذوف ہے "فهو مرضي بخير النظرين" یا "فهو عامل بخير النظرين" یا "فهو مأمور بخير النظرين" کی تقدیر نکالی جاسکتی ہے۔(۱)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا خطابی اور ابن حجر رحمہما اللہ کی تقدیر پر اعتراض اگرچہ اپنی جگہ درست ہے، تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ دراصل یہاں عبارت تھی "من قتل له قتيل" کیونکہ کتاب الدیات والی روایت میں صریح طور پر "من قتل له قتيل..." وارد ہوا ہے۔(۲)

پھر علامہ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کے نسخہ میں خود اس مقام پر "من قتل له قتيل" کی پوری عبارت موجود ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر بعض نسخوں میں غلطی سے "له قتيل" رہ گیا۔(۳) واللہ أعلم۔

إما أن يعقل وإما أن يقاد أهل القتيل

یا تو اہل مقتول کو دیت دی جائے یا مقتول کا قصاص لیا جائے۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ "أهل القتيل" "يعقل" کا نائب فاعل ہے اور "يقاد" کا نائب فاعل ضمیر ہے، جو مقتول کی طرف لوٹ رہی ہے۔(۴)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے دمامینی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ہوسکتا ہے "يقاد" "يمكن من القود" کے معنی میں ہو، اب مطلب ہو جائے گا "يمكن أهل القتيل من القود" مقتول کے اولیاء کو قصاص

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) دیکھئے صحیح البخاری (ج۲ص۱۰۱۶) کتاب الدیات، باب من قتل له قتيل فهو بخير النظرين، رقم (۶۸۸۰)۔

(۳) دیکھئے [illegible] (ج۱ص۲۰۵)۔

(۴) شرح الکرمانی (ج۲ص۱۲۲)۔

لینے کا اختیار حاصل ہوگا۔(۱)

قتل عمد کا موجَب

احد الامرین ہے یا صرف قصاص؟

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل عمد کا موجب دیت اور قصاص میں سے کوئی ایک ہے، ان میں سے کسی ایک کے اختیار کا حق ولی مقتول کو ہوگا۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالی کا یہی مذہب ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ولی مقتول کو قصاص لینے کا حق حاصل ہے، قصاص نہ لے تو معاف کردے۔ جہاں تک دیت کے ایجاب کا تعلق ہے، سو یہ قاتل کی رضامندی پر موقوف ہے۔(۲)

علامہ ابو القاسم سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فریقین کے درمیان اختلاف کا منشا آیت کریمہ ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾(۳) کے اندر احتمال ہے، اس آیت میں ''اتباع'' کا حکم بالاتفاق ولی دم کو ہے اور "اداء" کا حکم قاتل کو ہے، لیکن ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ﴾ کے اندر دو احتمال ہیں، ایک تو یہ کہ "مَن" سے مراد ولی دم ہو اور "عفي له" کے معنی "يسّر له" ہوں اور "من أخيه" سے مراد مقتول ہو اور "شيء" سے دیت مراد ہو۔ اب مطلب ہوگا "من يسّر له من أخيه المقتول شيء أي من الدية" یعنی اگر ولی دم کے لئے اس کے بھائی کی وجہ سے دیت مہیا کردی جائے تو ﴿فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ "من" سے مراد قاتل ہو اور "عُفي" عفوٌ سے ماخوذ ہو، جس کے معنی معاف کردینے کے ہیں اور "أخيه" سے مراد ولی دم ہو، مطلب یہ ہوجائے گا کہ اگر قاتل کو ولی دم کی طرف سے قتل کی معافی دے دی جائے تو قاتل سے قصاص ساقط ہوجائے گا اور قاتل کے ذمہ دیت واجب ہوجائے گی،

(۱) إرشاد الساري (ج۱ص۲۰۵)۔

(۲) دیکھئے شرح صحیح البخاري لابن بطال (ج۸ص۵۰۶، ۵۰۷)، کتاب الدیات، باب من قتل له قتيل فهو بخير النظرين۔

(۳) البقرة/۱۷۸۔

سو اب ولی دم کے ذمہ تو معقول طور پر اس مال کا مطالبہ کرنا ہے کہ اس کو زیادہ تنگ نہ کرے اور مدعا علیہ یعنی قاتل کے ذمہ خوبی کے ساتھ ادا کرنا ہے کہ مقدار میں کمی نہ کرے اور نہ ہی خواہ مخواہ ٹالے۔ (۱)

شافعیہ وحنابلہ ان میں سے دوسرے احتمال کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ قاتل کو کلی طور پر یا جزئی طور پر معاف کردیا جائے تو قصاص ساقط ہوکر دیت واجب ہونے کی صورت بن سکے گی، ورنہ نہیں۔ گویا قصاص معاف کرکے دیت واجب کرنے کا اختیار ولی دم کو ہوگا نہ کہ قاتل کو۔

جبکہ حنفیہ، مالکیہ آیت کو پہلے احتمال پر محمول کرکے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ اصل حکم ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾ کے بموجب قصاص ہی ہے، البتہ ولی دم اگر قصاص نہ لے، بلکہ دیت لینے پر راضی ہوجائے اور قاتل دیت دینے پر راضی ہوجائے تو اب اس کا طریقہ کار بتایا جارہا ہے کہ ولی دم "اتباع بالمعروف" کرے اور قاتل "اداء باحسان" کرے۔

اس کے علاوہ حنفیہ کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾۔ (۲)

۲۔ ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾۔ (۳)

۳۔ ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَاناً فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ﴾۔ (۴)

اس آیت میں بالاتفاق قصاص بھی مراد ہے۔ (۵)

۴۔ ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾۔ (۶)

۵۔ ﴿فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾۔ (۷)

---

(۱) دیکھئے الروض الأنف (ج ۲ ص ۲۷۸)، ومعارف القرآن (ج ۱ ص ۴۳۴ و ۴۳۵) خلاصۂ تفسیر۔

(۲) البقرة/۱۷۸۔

(۳) المائدة/۴۵۔

(۴) الإسراء/۳۳۔

(۵) إعلاء السنن (ج ۱۸ ص ۲۸)، کتاب الجنایات، باب ثبوت الخیار لولي المقتول بین القصاص والدیة بعد رضاء القاتل بالدیة۔

(۶) النحل/۱۲۶۔

(۷) البقرة/۱۹۴۔

اس میں بھی ''مثل'' سے "قود" یعنی قصاص مراد ہے۔(۱)

ان تمام آیات کا تقاضا یہ ہے کہ قتل عمد کا موجب صرف قصاص ہی ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

آیات کریمہ کے علاوہ درج ذیل روایات بھی حنفیہ کی دلیل ہیں:-

۱۔ سنن نسائی، سنن ابی داود اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل في عميا أو رميا تكون بينهم بحجر أو سوط أو بعصا فعقله عقل خطإ، ومن قتل عمداً فقود يديه، فمن حال بينه وبينه فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لايقبل منه صرف ولاعدل" (اللفظ للنسائي)۔(۲)

یعنی ''جو شخص اندھی لڑائی میں مارا جائے یا ان کے درمیان سنگ باری ہو یا کوڑوں، ڈنڈوں کی جنگ ہو تو اس کی دیت قتل خطا کی دیت ہے اور جسے عمداً قتل کیا جائے تو اس میں ہاتھ سے قصاص لیا جائے گا، پھر جو قاتل اور قصاص کے درمیان حائل ہوگا اس پر اللہ تعالیٰ کی اور تمام فرشتوں اور لوگوں کی لعنت ہوگی، اس سے نہ نفل قبول کیا جائے گا نہ فرض''۔

۲۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے "عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن أبيه عن جده" کے طریق سے مرفوعاً نقل کیا ہے "العمد قود والخطأ دية" ۔(۳) یعنی ''قتل عمد کا موجب قصاص اور خطا کا موجب دیت ہے''۔

یہاں ''جد'' سے مراد عمرو بن حزم ہیں، جیسا کہ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کردہ طریق سے وضاحت ہو جاتی ہے۔(۴)

---

(۱) إعلاء السنن (ج۱۸ ص۷۸)۔

(۲) السنن للنسائي، كتاب القسامة والقود والديات، باب من قتل بحجر أو سوط، رقم (۴۷۹۳)، (۴۷۹۴)، والسنن لأبي داود، باب من قتل في عميا بين قوم، رقم (۴۵۳۹)، (۴۵۴۰)۔ والسنن لابن ماجه، أبواب الديات، باب من حال بين ولي المقتول وبين القود أو الدية، رقم (۲۶۳۵)۔

(۳) مجمع الزوائد (ج۶ ص۲۸۶) كتاب الديات، باب قتل الخطإ والعمد۔

(۴) دیکھئے المحلى لابن حزم (ج۱۰ ص۲۴۲)۔

۳۔ حنفیہ ومالکیہ کی ایک دلیل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا اور عرض کیا کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کر دیا ہے، آپ نے قاتل سے پوچھا تو اس نے اقرار کیا، آپ نے اس موقع پر ولی مقتول کے بجائے قاتل سے پوچھا "هل لك من شيء تؤديه عن نفسك؟" (یعنی تمہارے پاس کچھ ہے جو تم اپنے نفس کے بدلہ دے سکو؟) اس شخص نے بتایا کہ میرے پاس سوائے میری چادر اور کلہاڑی کے اور کچھ نہیں، آپ نے پھر پوچھا کہ تمہارے قبیلے کے لوگ تمہاری مدد کریں گے یا نہیں؟ اس نے بتایا کہ قبیلے میں میری کوئی حیثیت نہیں، آپ نے اُسے ولی مقتول کے حوالہ کر دیا۔ (۱)

اس حدیث میں آپ کا ولیِ مقتول کے بجائے قاتل سے دریافت کرنا کہ تمہارے پاس ادائیگی کے لئے کچھ ہے یا نہیں اس بات کی دلیل ہے کہ ولی مقتول کو اختیار نہیں ہے، اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو آپ قاتل کے بجائے ولی مقتول سے پوچھتے کہ آیا تم قصاص چاہتے ہو یا دیت؟

۴۔ اس قسم کی ایک روایت سنن نسائی میں اور سنن ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، جس میں ہے:

"أن رجلا أتى بقاتل وليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: اعف عنه، فأبى، فقال: خذ الدية، فأبى، فقال: اذهب فاقتله　"۔ (۲)

یعنی "ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے ولی کے قاتل کو پکڑ کے لایا، آپ نے فرمایا معاف کر دو، اس نے انکار کیا، پھر آپ نے فرمایا دیت لے لو، اس نے انکار کیا، پھر آپ نے فرمایا جاؤ اسے قتل کر دو　"۔

(۱) صحيح مسلم، كتاب القسامة والمحاربين والقصاص والديات، باب صحة الإقرار بالقتل، رقم (٤٣٨٧)، ([illegible])، وسنن النسائي، كتاب القسامة والقود والديات، باب القود، رقم (٤٧٢٧)، وباب ذكر اختلاف الناقلين لخبر علقمة بن وائل فيه، رقم (٤٧٢٨ـ ٤٧٣٣)۔

(۲) سنن النسائي، كتاب القسامة والقود والديات، باب القود، رقم (٤٧٣٤)، وسنن ابن ماجه، كتاب الديات، باب العفو عن القاتل، رقم (٢٦٩١)۔

۵۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انس بن النضر رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "یاأنس، کتاب اللہ القصاص ......" (۱) (یعنی اے انس! کتاب اللہ کا حکم تو قصاص ہی ہے)، اس میں دیت کا ذکر نہیں ہے، اگر ولی مقتول کو قصاص یا دیت کے درمیان اختیار ہوتا اور دیت کے لئے قاتل کی رضامندی ضروری نہ ہوتی تو دیت کا بھی ذکر فرماتے۔

۶۔حنفیہ و مالکیہ کی ایک دلیل مصنف عبدالرزاق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریری دستاویز ہے، جس میں ہے "إذا اصطلحوا في العمد فهو على ما اصطلحوا عليه"۔(۲) یعنی "قتل عمد کی صورت میں اگر صلح کرلیں تو جس چیز پر ان کی صلح ہوگی اسی کو واجب سمجھا جائے گا"۔

اس سے صراحۃ یہ بات معلوم ہوئی کہ مال واجب کرنے کے لئے "صلح" کی ضرورت ہے، اور "صلح" فریقین کی رضامندی سے ہوتی ہے۔

۷۔اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "لایمنع سلطان ولي الدم أن يعفو إن شاء أو يأخذ العقل إذا اصطلحوا ولايمنعه أن يقتل إن أبي إلا القتل بعد أن يحق له القتل في العمد"۔ (۳)

یعنی "سلطان کو یہ حق حاصل نہیں کہ ولی دم کو روکے، چاہے تو وہ معاف کرے یا دیت لے، اگر آپس میں صلح کرلیں، اسی طرح اگر قتل عمد کا حکم ثابت ہوجائے اور وہ قصاص ہی لینا چاہے تو اس سے کوئی مانع نہیں بن سکتا"۔

اس اثر سے معلوم ہوا کہ ولی مقتول دیت کا مستحق اسی صورت میں ہوگا جب مصالحت ہوگی۔

شافعیہ کے دلائل اوران کا جائزہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں واضح طور پر مذکور ہے "فمن قتل فهو

(۱) صحيح البخاري (ج۱ص۳۷۲) كتاب الصلح، باب الصلح في الدية، رقم (۲۷۰۳)۔

(۲) المصنف لعبد الرزاق (ج۹ص۲۸۳) كتاب العقول، باب شبه العمد، رقم (۱۷۲۱۳)۔

(۳) المصنف لعبد الرزاق (ج۱۰ص۱۴) كتاب العقول، باب العفو، رقم (۱۸۱۹۶)۔

بخير النظرين: إما أن يعقل وإما أن يقاد أهل القتيل"۔ اس حدیث نے صاف طور پر بتایا کہ ولی مقتول کو دو چیزوں میں اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہے اختیار کرے، یا دیت لے لے یا قصاص۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے استدلال تام نہیں، اس لئے کہ اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے، حافظ ابوالقاسم تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں سات آٹھ قسم کے الفاظ وارد ہیں، چنانچہ:-

بعض روایات میں ہے "إما أن يقتل وإما أن يفادى"۔

بعض میں ہے "يقتل أو يفادى"۔

بعض میں ہے "إما أن يفدى وإما أن يقتل"۔

بعض میں ہے "إما أن يعقل أو يقاد"۔

بعض میں ہے "إما أن تعطى الدية أو يقاد أهل القتيل"۔

بعض میں ہے "إما أن يعفو أو يقتل"۔

بعض میں ہے "من قتل متعمدا دفع إلى أولياء المقتول فإن شاءوا قتلوه وإن شاءوا أخذوا الدية"۔

بعض روایات میں ہے "فمن قتل بعد مقامي هذا فأهله بخير النظرين إن شاءوا قدموا قاتله، وإن شاءوا عقلوه"۔(۱)

ان میں سے جن جن روایات میں "مفاداة" یا "فدیہ" کا ذکر ہے وہ روایات حنفیہ و مالکیہ کی تائید کرتی ہیں، کیونکہ ان میں دیت کا ذکر نہیں ہے، "مفاداة" کا ذکر ہے، مفاداة میں مشارکت ہوتی ہے، اس میں فریقین کی رضامندی کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا باقی روایات بھی اس پر محمول ہوں گی کہ قاتل کی رضامندی

---

(۱) دیکھئے [illegible] (ج۲ص۲۷۸)۔ نیز دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الحج، باب تحریم مکة... رقم (۳۳۰۵) و(۳۳۰۶)، وسنن النسائي، كتاب القسامة، باب هل يؤخذ من قاتل العمد الدية إذا عفا ولي المقتول عن القتل، رقم (۴۷۸۹) و(۴۷۹۰)، وسنن أبي داود، كتاب الديات، باب ولي العمد يأخذ الدية، رقم (۴۵۰۵)، والجامع للترمذي، كتاب الديات، باب ما جاء في حكم ولي القتيل في القصاص والعفو، رقم (۱۴۰۵ و۱۴۰۶)، والسنن لابن ماجه، كتاب الديات، باب من قتل له قتيل فهو بالخيار بين إحدى ثلاث، رقم (۲۶۲۳، ۲۶۲۴)۔

سے دیت لی جائے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے ﴿فإمّا منًّا بعدُ وإمّا فِدَاءً﴾ (۱) یہاں "فداء برضی الأسیر" مراد ہے، چونکہ مخاطبین کو علم ہے کہ بغیر رضامندی کے اسیر پر مال کو لازم نہیں کیا جاسکتا اس لئے اس کو صراحۃً ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اسی طریقہ سے یہاں بھی چونکہ یہ امر معلوم ہے کہ قاتل فدیہ کی ادائیگی پر راضی ہو تو اس پر لاگو کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں، اس لئے صرف ''دیت کی ادائیگی'' کا ذکر کیا گیا ہے، رضامندی کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ (۲)

چنانچہ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "فهو بخير النظرين" سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ولی کو مال دے کر اس سے عفو کا سوال کیا جائے تو اسے اختیار ہے چاہے تو مال کو قبول کرے اور معاف کردے اور اگر چاہے تو قصاص لے، ولی کے ذمہ ''اتباع اولیٰ'' ہے، اس جملہ کے اندر ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ قاتل کو بذلِ دیت پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ (۳)

اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حضرت ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا إنكم يامعشر خزاعة، قتلتم هذا القتيل من هذيل، وإني عاقله، فمن قتل له بعد مقالتي هذه قتيل فأهله بين خيرتين، بين أن يأخذوا العقل أو يقتلوا"۔ (٤)

یعنی ''اے قبیلۂ خزاعہ! تم نے بنو ہذیل کے اس شخص کو قتل کیا ہے، میں اس کی دیت دے رہا ہوں، میرے اس قول کے بعد اگر قتل کا واقعہ پیش آئے تو مقتول کے اولیاء کو دو اختیار ملیں گے یا دیت لے لیں یا قتل کردیں''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں "فأهله بين خيرتين" کا جملہ دلالت کررہا ہے کہ قتل عمد

---

(۱) سورۂ محمد ٤۔

(۲) دیکھئے إعلاء السنن (ج۱۸ ص۷۹ و ۸۰) کتاب الجنایات، باب ثبوت الخیار لولي المقتول بین القصاص والدیة۔

(۳) دیکھئے صحیح بخاری (ج۲ ص۱۰۱۶)، کتاب الدیات، باب من قتل له قتیل فهو بخیر النظرین۔ نیز دیکھئے شرح صحیح البخاري لابن بطال (ج۸ ص۵۰۸ و ۵۰۹)۔

(٤) السنن لأبي داود، کتاب الدیات، باب ولي العمد یأخذ الدیة، رقم (٤٥٠٤)۔

کا موجب احد الأمرین ہے، یعنی قصاص یا دیت، ان میں سے کسی ایک کو متعین کرنے کا اختیار ولی مقتول کو ہے۔(۱)

ہم کہتے ہیں کہ اس میں ایک احتمال تو واقعی وہی ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں، جبکہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کے معنی ہوں "فأهله بين خيرتين بعد أن يرضى القاتل بالدية" اس قید کو اس لئے چھوڑ دیا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت یہ ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کرنے کے لئے دیت پر راضی ہو جاتے ہیں۔

ان میں سے یہ دوسرا احتمال اس لئے راجح ہے، کیونکہ قصاص قضاء بالمثل ہے اور دیت قضاء بالقیمۃ، صاحب حق کو "مثل" لینے کا حق تو حاصل ہے "قیمت" لینے کا حق حاصل نہیں، البتہ اگر مثل لینا معتذر ہو جائے تو فریقین کی رضامندی سے قیمت لی جا سکتی ہے۔ یہ ایک قانون کلی ہے، بغیر نص صریح کے اس کے خلاف نہیں کیا جائے گا، یہ مذکورہ دلیل چونکہ محتمل ہے، نص صریح نہیں ہے، لہذا اس اصل کلی سے عدول نہیں کیا جائے گا اور حدیث مذکور میں سے اسی احتمال کو ترجیح دی جائے گی جو ہم نے بیان کیا ہے۔(۲) والله أعلم

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ ﴿فمن عفي له من أخيه شيء﴾ کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے وارد ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"كان في بني إسرائيل القصاص ولم تكن فيهم الدية، فقال الله تعالى لهذه الأمة: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ﴾، فالعفو: أن يقبل الدية في العمد، ﴿فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾، يتبع بالمعروف ويؤدي بإحسان، ﴿ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾، مما كتب على من كان قبلكم، ﴿فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ

(۱) دیکھئے کتاب الأم (ج۶ ص۱۰)، کتاب جراح العمد، باب الحکم في قتل العمد۔

(۲) إعلاء السنن (ج۱۸ ص۷۷، ۷۸)۔

أَلِيمٌ﴾، قتل بعد قبول الدية"۔(۱)

یعنی "بنی اسرائیل میں قصاص کا حکم جاری تھا، دیت کا حکم نہیں تھا، اللہ تعالی نے اس امت سے فرمایا تمہارے اوپر مقتولین کے سلسلہ میں قصاص کو لازم کیا گیا ہے، آزاد کو آزاد کے بدلے میں، غلام کو غلام کے بدلے میں، عورت کو عورت کے بدلے میں، پھر جب اس کے بھائی کی طرف سے اسے کچھ معافی مل جائے۔ معافی یہ ہے کہ قتل عمد کی صورت میں دیت قبول کرلے۔ تو دستور کے مطابق تقاضا اور خوش اسلوبی سے ادائیگی ہونی چاہئے، یعنی دستور کے مطابق اس کا مطالبہ کرے اور خوش اسلوبی سے دوسرا ادا کرے، یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو تم سے پہلے گذرے ہیں، سو جو شخص اس کے بعد تعدی کرے، یعنی دیت قبول کرنے کے بعد قتل کردے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

یہاں "عــفــو" کی تفسیر "قبول دیت" سے کی ہے، گویا ولیِ دم کو قصاص یا قبول دیت میں سے کسی ایک کا اختیار ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال درست نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہاں صرف اتنی بات بتانا چاہ رہے ہیں کہ بنی اسرائیل کے حق میں قصاص ہی مشروع تھا، دیت کی مشروعیت ہی نہ تھی، اس آیت نے ولی کے واسطے قبولِ دیت کی مشروعیت اور اباحت بتادی اور بنی اسرائیل کے اوپر جو قبولِ دیت کی ممانعت تھی اس کو منسوخ کردیا۔

اگر تخییر بین الأمرین کا اثبات مقصود ہوتا تو "فالعفو أن يقبل الدية" نہ فرماتے، کیونکہ "قبول" تو کہتے ہیں اس صورت میں جب دوسرے نے بذل کیا ہو، کیونکہ دوسرا شخص رضامندی سے دے گا تو اسے قبول کیا جاسکے گا۔(۲) واللہ أعلم

---

(۱) صحيح البخاري (ج۲ص٦٤٦) كتاب التفسير، باب ﴿يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم القصاص في القتلى﴾، رقم (٤٤٩٨)، و(ج۲ص١٠١٦) كتاب الديات، باب من قتل له قتيل فهو بخير النظرين، رقم (٦٨٨١)۔

(۲) دیکھئے إعلاء السنن (ج١٨ص٨٠)، كتاب الجنايات، باب ثبوت الخيار لولي المقتول بين القصاص والدية۔

فجاء رجل من أهل اليمن

اہل یمن میں سے ایک شخص آیا۔

یہ حضرت ابوشاہ یمنی رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ کتاب اللقطۃ اور کتاب الدیات کی روایات میں تصریح ہے "فقام أبو شاہ رجل من أهل اليمن"۔(۱)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان کا تعلق بنوکلب سے ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ فارسی تھے، ان کا تعلق ان "ابناء"(۲) سے تھا، جو یمن میں سیف بن ذی یزن کی مدد کے لئے آئے تھے۔

ان کے نام میں "شاہ" ہاء کے ساتھ ہے، جس کے معنی فارسی میں بادشاہ کے ہوتے ہیں بعض حضرات نے "شاۃ" - بالتاء المدورۃ - بمعنی بکری کہا ہے، لیکن یہ تصحیف ہے۔(۳)

فقال: اكتب لي يا رسول الله، فقال: اكتبوا لأبي فلان

اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے لئے لکھ دیجئے (لکھوا دیجئے)۔ آپ نے فرمایا کہ ابوشاہ کے لئے لکھ دو۔

آگے ولید بن مسلم والی روایت میں ہے "قلت للأوزاعي: ما قوله: اكتبوا لي يا رسول الله، قال: هذه الخطبة التي سمعها من رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔(۴)

اس سے حدیث باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہوجاتی ہے۔(۵)

---

(۱) دیکھئے صحیح البخاري (ج۱ص۳۲۹) كتاب اللقطة، باب كيف تعرف لقطة أهل مكة؟ رقم (۲۴۳۴) و(ج۲ص۱۰۱۶) كتاب الديات، باب من قتل له قتيل فهو بخير النظرين، رقم (۶۸۸۰)۔

(۲) الأبناء: هم قوم باليمن من ولد الفرس الذين جهزهم كسرى مع سيف بن ذي يزن، إلى ملك الحبشة، فغلبوا الحبشة، وأقاموا باليمن، وقال أبو حاتم بن حبان: كل من ولد باليمن من أولاد الفرس، وليس من العرب يقال: أبناوي، وهم الأبناء بين۔ عمدة القاري (ج۱ص۲۵۴) كتاب الإيمان، باب حسن إسلام المرء۔

(۳) دیکھئے فتح الباري (ج۱ص۲۰۶)، والإصابة (ج۴ص۱۰۰)۔

(۴) دیکھئے صحیح البخاري (ج۱ص۳۲۹) كتاب اللقطة، باب كيف تعرف لقطة أهل مكة؟ رقم (۲۴۳۴)۔

(۵) فتح الباري (ج۱ص۲۰۶)۔

فقال رجل من قريش: إلا الإذخر يا رسول الله، فإنا نجعله في بيوتنا وقبورنا

قریش کے ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! "إذخر" کا استثناء فرمادیجئے، کیونکہ اسے ہم گھروں (کی چھتوں) میں اور قبروں میں استعمال کرتے ہیں۔

یہ قریشی شخص حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ آگے کتاب اللقطۃ والی روایت میں "فقال العباس" کی تصریح موجود ہے۔(۱)

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں "فقال رجل من قریش یقال له: شاه" آیا ہے، جو غلط ہے۔(۲)

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إلا الإذخر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذخر مستثنیٰ ہے۔

کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام میں اجتہاد کا حق حاصل تھا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں "إذخر" کا جو استثناء فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو احکام میں اجتہاد کا حق حاصل تھا۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے:-

اشاعرہ اور اکثر معتزلہ و متکلمین کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں تھا۔

پھر ان میں سے ابوعلی جبائی اور ان کے بیٹے ابوہاشم اس بات کے قائل ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے عقلاً اجتہاد کی گنجائش ہی نہیں۔

---

(۱) صحيح البخاري (ج۱ ص۳۲۸و۳۲۹) كتاب اللقطة، باب كيف تعرف لقطة أهل مكة؟ رقم (۲٤۳٤)۔

(۲) فتح الباري (ج۱ ص۲۰٦)۔

جبکہ دوسرے حضرات کہتے ہیں عقلاً تو گنجائش ہے، تاہم شرعاً اجتہاد کر کے اس کے مطابق عمل کرنا درست نہیں۔

ان کے مقابلہ میں اکثر اہل اصول کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے جس طرح وحی کے ذریعہ معلوم شدہ احکام پر عمل جائز ہے اسی طرح رائے اور اجتہاد سے جو احکام مستنبط ہوں گے ان پر بھی عمل جائز ہے۔

یہی حنفیہ میں سے امام ابو یوسف سے منقول ہے، امام مالک، امام شافعی اور اکثر اصحاب حدیث رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔

اکثر حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی معاملہ میں سب سے پہلے وحی کے نازل ہونے کا مکلف بنایا گیا ہے، اگر انتظار کے بعد وحی نازل نہ ہو تو یہ اجتہاد کرنے کی اجازت کی دلیل ہے۔

پھر کتنی مدت تک انتظار ہوگا، بعض حضرات کہتے ہیں کہ تین روز تک اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ مقصد اور غرض کے فوت ہو جانے کے خوف کے ساتھ متعلق ہے، جو ظاہر ہے کہ مختلف ہو سکتا ہے۔

پھر ان تمام حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رائے اور اجتہاد پر عمل حروب اور امور دنیا میں جائز ہے۔(۱)

مانعین کے دلائل

مانعین اس سلسلہ میں آیت قرآنی ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (۲) سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس آیت نے واضح طور پر بتادیا کہ آپ جب بھی نطق فرماتے ہیں وحی ہی کے تحت نطق فرماتے ہیں، اجتہاد کے ذریعہ جو آپ نطق فرمائیں گے وہ ظاہر ہے کہ وحی نہیں ہے، لہذا آیت کے ذریعہ اجتہاد کی نفی ہوگئی۔(۳)

(۱) دیکھئے کشف الأسرار (ج۳ص۲۰۵و۲۰۶)۔

(۲) النجم: ۳،۴۔

(۳) کشف الأسرار (ج۳ص۲۰۶)۔

اسی طرح یہ حضرات عقلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت شرع کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، "اجتہاد" رائے ہونے کی حیثیت سے ایسی دلیل ہے جس میں خطا کا احتمال ہے، لہذا ایسی چیز کے ذریعہ جس میں غلطی اور خطا کا امکان ہو اقامت شرع ممکن نہیں، چونکہ اقامت شرع حق اللہ ہے، لہذا یہ حق کسی بندے پر نہیں کیا جا سکتا، جس کے عمل میں غلطی کا احتمال ہو۔

جہاں تک معاملات دنیویہ یا امورِ حرب کا تعلق ہے، سو چونکہ یہ حقوق العباد سے متعلق ہیں، ان کے اندر یا تو دفع مضرت ہے یا جلب منفعت، بندے ان کے محتاج ہیں، اسلئے بندوں کو امورِ حرب اور معاملات دنیویہ میں اجتہاد کا حق حاصل ہے، جبکہ اللہ تعالی چونکہ حاجتمند یا عاجز نہیں، اس لئے حقوق اللہ کے اثبات کے لئے دلیل محتمل للخطا کافی نہیں، بلکہ اس کے لئے ایسی دلیل چاہئے جو موجب اذعان ویقین ہو۔ (۱)

مجوزین کے دلائل

مجوزین نے کتاب اللہ، سنت اور عقلی دلیل سے اس کو ثابت کیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ﴿فَاعْتَبِرُوْا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ﴾ (۲) یہاں "بصر" سے "بصیرت" مراد ہے، گویا اللہ تعالی نے تمام اہل بصیرت کو "اعتبار" کی دعوت دی ہے اور "أولو البصائر" ہونا "اعتبار" کی علت ہے، گویا یہ فرمایا ہے کہ اے اہل بصیرت! چونکہ تم بصیرت والے ہو، اس لئے "اعتبار" کرو اور قیاس سے اور اجتہاد سے کام لو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر صاحب بصیرت، پاک نفس، بہتر اجتہاد کرنے والے ہیں، لہذا وصف بصیرت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بہت اعلی مقام پر فائز ہیں تو "اعتبروا" کا امر بھی آپ کی طرف بطریق اولی متوجہ ہوگا۔ (۳)

اسی طرح قرآن کریم میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ مذکور ہے ﴿وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ، فَفَهَّمْنٰهَا

(۱) کشف الأسرار (ج۳ص۲۰۶)۔

(۲) الحشر ۲۔

(۳) کشف الأسرار (ج۳ص۲۰۶)۔

سليمن ﴾ (۱)

یعنی ''اور داود وسلیمان کا تذکرہ کیجئے جبکہ دونوں کسی کھیت کے بارے میں فیصلہ کرنے لگے، جبکہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں اور ہم اس فیصلہ کو جو لوگوں کے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے، سو ہم نے اس فیصلہ کی سمجھ سلیمان کو دے دی''۔

یہاں حضرت داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا تھا وہ کوئی وحی کی بنیاد پر نہیں تھا، ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اس کی مخالفت کی گنجائش نہ ہوتی، گویا حضرت داود علیہ السلام نے اجتہاد کی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا، اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی اجتہاد کر کے دوسرا فیصلہ فرمایا، جس کو حضرت داود علیہ السلام نے قبول کر کے نافذ فرمایا، معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام کو احکام میں اجتہاد کا حق تھا۔ (۲)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ارشادِ باری تعالیٰ ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللهُ﴾ (۳) (بے شک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھاوے تجھ کو اللہ) سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس میں ﴿بِمَا أَرَاكَ اللهُ﴾ کے اندر عموم ہے، جو حکم بالنص اور استنباط من النص دونوں کو شامل ہے۔ (۴)

حضرات مجوزین نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں "دين الله" کو "دين العباد" پر قیاس کر کے جواب دیا گیا ہے:

"عن عبد الله بن الزبير قال: جاء رجل من خثعم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: إن أبي شيخ كبير لايستطيع الركوب وأدركته فريضة الله في الحج، فهل يجزئ أن أحج عنه؟ قال: أنت أكبر ولده؟ قال: نعم، قال: أرأيت لو كان عليه دين أكنت تقضيه؟ قال: نعم، قال: فحج عنه"۔ (۵)

(۱) الأنبياء/٧٨و٧٩۔

(۲) كشف الأسرار (ج٣ص٢٠٦و٢٠٧)۔

(۳) النساء/١٠٥۔

(۴) كشف الأسرار (ج٣ص٢٠٧)۔

(۵) سنن النسائي، كتاب مناسك الحج، باب تشبيه قضاء الحج بقضاء الدين، رقم (٢٦٣٩)۔

یعنی "ایک شخص قبیلۂ خثعم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے والد بوڑھے شیخ ہیں، وہ سواری پر سوار نہیں ہو سکتے اور ان پر فریضۂ حج بھی لازم ہے، کیا ان کی طرف سے میں حج کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ کیا تم ان کی سب سے بڑی اولاد ہو؟ عرض کیا کہ ہاں! آپ نے فرمایا یہ تو بتلاؤ کہ اگر ان پر قرض ہوتا تو ادا کرتے یا نہیں؟ عرض کیا کہ ہاں میں ادا کرتا، آپ نے فرمایا تو پھر ان کی طرف سے حج ادا کرو"۔

اس طرح کی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔(۱)

اسی طرح مجوزین کا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی ہے:

"عن جابر بن عبد اللّٰہ قال: قال عمر بن الخطاب: هششت، فقبلت وأنا صائم، فقلت: یارسول اللّٰہ، صنعت الیوم أمراً عظیماً: قبلت وأنا صائم، قال: أرأیت لو مضمضت من الماء وأنت صائم؟۔ قال عیسی بن حماد في حدیثه:— قلت: لابأس به، ثم اتفقا، قال: فمه"۔(۲)

یعنی "حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسرت محسوس کی، میں نے روزہ کی حالت میں تقبیل کر لی، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آج میں نے ایک بہت بڑا کام کر لیا، میں نے روزہ کی حالت میں تقبیل کر لی، آپ نے فرمایا بتاؤ! اگر روزہ کی حالت میں کلی کر لو تو کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا کہ کوئی حرج نہیں، آپ نے فرمایا کہ پھر تقبیل میں ایسی کیا بات ہے؟!"

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "قبلة الصائم" کو مضمضہ پر قیاس کر کے حکم بیان فرمایا ہے۔

حضرات مجوزین کا ایک استدلال اس حدیث سے بھی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وفي بضع أحدکم صدقة، قالوا: یارسول اللّٰہ، أیأتي أحدنا شهوته ویکون له فیها

(۱) حوالہ بالا، رقم (۲۶۳۰)۔

(۲) سنن أبي داود، کتاب الصیام، باب القبلة للصائم، رقم (۲۳۸۵)۔

أجر؟قال: أرأيتم لو وضعها في حرام أكان عليه فيها وزر؟ فكذلك إذا وضعها في الحلال كان له أجر"۔(۱)

یعنی "تمہیں اپنی بیوی سے صحبت کرنے پر بھی صدقہ کا ثواب ملے گا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے اس پر بھی اسے اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ بتلاؤ کہ اگر حرام میں اپنی شہوت پوری کرتے تو اس پر کوئی گناہ تھا یا نہیں؟ اسی طرح حلال جگہ شہوت پوری کرنے پر اجر ہے"۔

یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد کر کے جواب دیا، ظاہر ہے کہ یہ آپ کے حق میں اجتہاد کے مشروع ہونے کی دلیل ہے۔

عقلاً بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اجتہاد درست ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ "اجتہاد" اس بات پر مبنی ہے کہ مجتہد نصوص کے معانی وعلل کا عالم ہو، ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علم اور اس کے معانی وعلل کے جاننے میں مخلوق میں سب سے اکمل ہیں، حتی کہ اصولیین کی تصریح کے مطابق "متشابہات" کا علم بھی اللہ تعالی نے آپ کو عطا فرمایا ہے، جب کسی چیز کا علم بھی ہو، اس کے جمیع معانی وعلل اور طریقہ استعمال سے بھی واقفیت ہو تو پھر اجتہاد سے ممانعت کیوں ہوگی؟!(۲)

اس کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ "اجتہاد" جو بندوں کی نسبت سے عبادت کا اعلی ترین درجہ ہونے کی حیثیت رکھتا ہے، پھر اس میں صواب وسداد کا پہلو عدم صواب کے مقابلہ میں زیادہ ہے، کیونکہ "اجتہاد" میں مشقت کا تحمل کیا جاتا ہے، لہذا اس عبادت کا استحقاق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ ہوگا، خاص طور پر اس وجہ سے بھی کہ اس کو امت کے لئے جائز قرار دیا جا رہا ہے، اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "اجتہاد" کی اجازت نہ ہو تو امت کو آپ کے اوپر اس باب میں فضیلت لازم آئے گی، جو ناممکن ہے۔(۳)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب بیان أن اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف، رقم (۲۳۲۹)۔

(۲) دیکھئے کشف الأسرار (ج۳ص۲۰۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

اس پر اگر کوئی یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "اجتہاد" سے اس لئے روکا جارہا ہے کہ آپ کو اس سے بھی بڑھ کر استدراک حکم بالوحی کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں وحی کا علم اجتہاد سے اعلیٰ ہے، تاہم اس میں وہ تحمل مشقت نہیں جو اجتہاد میں ہے، اس میں جودتِ خاطر اور قوتِ قریحہ کا اظہار نہیں ہوتا، چونکہ "اجتہاد" میں یہ ایک منفرد امتیازی شان اور فضیلت ہے، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فضیلت میں سے کچھ حاصل نہیں۔ (۱)

حضور اکرم ﷺ کے اجتہاد اور امت کے اجتہاد میں فرق

یہاں کسی کو یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ جب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے "اجتہاد" کے جواز کے قائل ہوں گے تو یقیناً یہ اجتہاد نص کے مقابلہ میں ادون ہوگا، لہذا جس طرح امت کا اجتہاد ظنی ہوتا ہے اسی طرح آپ کا اجتہاد بھی ظنی ہوگا اور دوسرے اجتہاد سے اس کا معارضہ بھی کیا جاسکے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امت کے اجتہاد میں اور آپ کے اجتہاد میں فرق ہے، وہ یہ کہ عام امت کے اجتہاد میں خطا کا احتمال بھی ہے اور مجتہد اس پر برقرار بھی رہتا ہے، جبکہ آپ کے اجتہاد میں بہت سے علماء کے نزدیک خطا کا احتمال ہی نہیں، کیونکہ ہمیں احکام میں آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾ (۲) (سوقسم ہے تیرے رب کی! وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔)

اگر آپ کے اجتہاد میں خطا کا احتمال ہوگا تو ہمیں خطا کی اتباع کا حکم دینا لازم آئے گا، جو درست نہیں۔ (۳)

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) النساء: ۶۵۔

(۳) کشف الأسرار (ج ۳ ص ۲۰۹)۔

اور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد میں خطا کا احتمال ہو، جیسا کہ اکثر حنفیہ کی رائے یہی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ﴾ (۱) (اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے! آپ نے انہیں اجازت کیوں دی؟) سے بھی اس طرف اشارہ ہوتا ہے۔ تب بھی اس میں قرار علی الخطا کا احتمال نہیں ہوتا، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجتہاد پر برقرار رکھا تو وہی صواب ہے، اس سے نص کی طرح علم الیقین حاصل ہوگا اور اس کی مخالفت حرام ہوگی، اس کی نظیر الہام ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا الہام حجتِ قاطعہ ہے، اس کی مخالفت کسی بھی طور پر جائز نہیں، جبکہ دوسروں کا الہام حجت نہیں ہے۔ (۲) واللہ أعلم

مانعین کے دلائل کا جواب

مانعین نے ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوْحٰى﴾ سے استدلال کیا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب "وحی من اللہ" ہوتا ہے، تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ اپنی رائے اور اجتہاد سے کچھ نہیں فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی طرف سے باتیں بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کا قطعی کوئی امکان نہیں، بلکہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے، وحی کی بہت سی اقسام ہیں، ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ سب حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، جس کا نام قرآن ہے، دوسری وہ کہ صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں، اس کا نام ''حدیث'' اور ''سنت'' ہے۔

پھر حدیث میں جو مضمون حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے، کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے، کبھی کوئی قاعدۂ کلیہ بتلایا جاتا ہے، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے احکام نکالتے اور بیان کرتے ہیں، اس اجتہاد میں امکان رہتا ہے کہ کوئی غلطی ہوجائے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام

(۱) التوبۃ: ۴۳۔

(۲) کشف الأسرار (ج۳ص۲۰۹)۔

انبیاء کی خصوصیت ہے کہ جو احکام وہ اپنے اجتہاد سے بیان فرماتے ہیں ان میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالی کی طرف سے بذریعۂ وحی اس کی اصلاح کردی جاتی ہے، وہ اپنے غلط اجتہاد پر قائم نہیں رہ سکتے، بخلاف دوسرے علماءِ مجتہدین کے، کہ ان سے اجتہاد میں خطا ہو جائے تو وہ اس پر قائم رہ سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ بعض اوقات وحی کسی قاعدۂ کلیہ کی شکل میں آتی ہے، جس سے احکام کا استخراج کرنے میں پیغمبر کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑتا ہے، چونکہ یہ قاعدۂ کلیہ اللہ تعالی کی طرف سے آیا ہے، اس لئے ان سب احکام کو بھی وحی من اللہ کہا گیا ہے۔(۱) واللّٰہ أعلم

جہاں تک مانعین کی دلیلِ عقلی کا تعلق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت شرع کے لئے مبعوث ہوئے ہیں اور اجتہاد محتمل للخطا دلیل ہونے کی حیثیت سے اقامت شرع کی اس میں صلاحیت نہیں، لہذا آپ کے حق میں اجتہاد کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔

سو اس کا جواب ہماری تقریر سے واضح ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ گو عام امت کا اجتہاد دلیل محتمل للخطا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد محتمل للخطا ہے ہی نہیں، جیسا کہ بہت سے علماء فرماتے ہیں، یا اگر اس میں احتمال خطا ہو تب بھی آپ کو خطا پر قائم نہیں رکھا جاتا، اس لئے آپ کے "اجتہاد" سے اقامتِ شرع میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں۔(۲) واللّٰہ أعلم

فقال أبو عبد اللّٰہ: یقال: یقاد بالقاف، فقیل لأبي عبد اللّٰہ: أي شيء کتب له؟ قال: کتب له هذه الخطبة۔

ابوعبداللہ یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یقاد" "قاف" کے ساتھ کہا جاتا ہے۔ ابوعبداللہ یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوشاہ رضی اللہ عنہ کے واسطے کیا لکھ کر دیا، فرمایا کہ یہ خطبہ لکھ کر دیا۔

(۱) دیکھئے معارف القرآن (ج۱ص ۱۹۴، ۱۹۵) تفسیر سورۃ النجم۔

(۲) دیکھئے کشف الأسرار (ج۳ص ۲۱۱)۔

اس عبارت میں پہلے جملہ سے مقصد یہ ہے کہ اس مقام پر "بقاد" قاف کے ساتھ "قود" سے مشتق ہے "فاد" نہیں ہے، جو "مفاداة" یا "فدیة" سے مشتق ہے۔

اور دوسرے جملے سے حضرت ابوشاہ رضی اللہ عنہ نے جو "اکتب لي یا رسول اللہ" عرض کیا تھا اور اس کے جواب میں آپ نے "اکتبوا لأبي فلان" فرمایا تھا، اس میں یہ مذکور نہیں تھا کہ کس چیز کی کتابت مقصود ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمادی کہ خطبہ کی کتابت مراد ہے۔

تنبیہ

واضح رہے کہ "قال أبو عبد اللہ ..." سے آخر تک کی یہ عبارت صرف ایک نسخہ میں ہے، جبکہ ابوذر، اصیلی، ابوالوقت اور ابن عساکر میں سے کسی نسخہ میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔(۱)

۱۱۳ : حدثنا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ : حَدَّثَنا سُفْيانُ قَالَ : حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ : أَخْبَرَنِي وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ ، عَنْ أَخِيهِ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ (۲) : مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي ، إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ .

تَابَعَهُ مَعْمَرٌ ، عَنْ هَمَّامٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ .

تراجم رجال

(۱) علی بن عبداللہ

یہ امام علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی بصری المعروف بابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے

---

(۱) إرشاد الساري (ج ۱ ص ۲۰۶)۔

(۲) قوله: "أبا هريرة": الحديث، أخرجه النسائي في سننه الكبرى، كتاب العلم، باب كتابة العلم، رقم (۵۸۵۳)، والترمذي في جامعه، في أبواب العلم، باب ما جاء في الرخصة فيه (أي في كتابة العلم)، رقم (۲٦٦۸)۔

حالات کتاب العلم، "باب الفهم في العلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) سفیان

یہ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے ذیل میں مختصراً (۲) اور کتاب العلم، "باب قول المحدث : حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا" کے ذیل میں تفصیلاً گذر چکے ہیں۔(۳)

(۳) عمرو

یہ مشہور امام وفقیہ عمرو بن دینار مکی جُمحی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابومحمد ان کی کنیت ہے۔(۴)

یہ حضرت ابن عباس، حضرت عبد اللہ بن الزبیر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوالطفیل لیثی، حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہم کے علاوہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، سعید بن جبیر، ابن ابی ملیکہ، عروہ بن الزبیر، عطاء بن ابی رباح، عطاء بن یسار، عطاء بن میناء، عکرمہ اور امام زہری رحمہم اللہ جیسے بہت سے حضرات سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام قتادہ، ایوب سختیانی، عبدالملک بن جریج، جعفر الصادق، امام مالک، امام شعبہ، ابوعوانہ، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے بہت سے حضرات ہیں۔(۵)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان شعبة لا يقدم على عمرو بن دينار أحدا، لا الحكم

---

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج۳ص۲۵٦)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج۱ص۲۳۸)۔

(۳) دیکھئے کشف الباری (ج۳ص۸٦)۔

(۴) دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲۲ص۵و٦)۔

(۵) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲۲ص٦۔۹)۔

ولا غیرہ، یعني في الثبت"۔ (۱) یعنی "شعبہ عمرو بن دینار کے مقابلے میں کسی کو مقدم قرار نہیں دیتے تھے"۔

نیز وہ فرماتے ہیں "وكان عمرو مولى، ولكن الله شرّفه بالعلم"۔ (۲)

ابن ابی نجیح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ماكان عندنا أحد أفقه ولا أعلم من عمرو بن دينار"۔ (۳)

حضرت مسعر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما رأيت أثبت من عمرو بن دينار والقاسم بن عبدالرحمن"۔ (۴)

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حدثنا عمرو بن دينار، وكان ثقة ثقة ثقة، وحديث أسمعه من عمرو أحب إلي من عشرين من غيره"۔ (۵)

نیز وہ فرماتے ہیں "كان عمرو بن دينار أعلم أهل مكة"۔ (۶)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما رأيت شيخا أنصّ للحديث الجيد من هذا الشيخ"۔ (۷)

امام یحیی القطان اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عمرو بن دينار أثبت عندي من قتادة"۔ (۸)

نیز امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عمرو بن دينار أثبت الناس في عطاء ـ يعني ابن أبي رباح ـ"۔ (۹)

---

(۱) تہذیب الکمال (ج۲۲ص۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تہذیب الکمال (ج۲۲ص۱۰)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) حوالہ بالا۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) تہذیب الکمال (ج۲۲ص۱۰و۱۱)، وسیر أعلام النبلاء (ج۵ص۳۰۴)۔

امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم رحمہما اللہ تعالی فرماتے ہیں "ثقة"۔(۱)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة ثبت"۔(۲)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان يفتي بالبلد ..... وكان عمرو ثقة ثبتا كثير الحديث"۔(۳)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مكيّ إمام"۔(۴)

نیز حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے "تذکرہ" کی ابتدا میں لکھتے ہیں "الإمام الكبير الحافظ ... أحد الأعلام وشيخ الحرم في زمانه"۔(۵)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "تابعي ثقة"۔(۶)

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"كان أصحاب ابن عباس ستة: عطاء، وطاووس، ومجاهد، وسعيد بن جبير، وجابر بن زيد، وعكرمة، فكان أعلم الناس بهؤلاء عمرو بن دينار، ولقيهم كلهم، وأعلم الناس بعمرو وهؤلاء: سفيان بن عيينة وابن جريج"۔(۷)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "من الحفاظ، وزيادته مقبولة"۔(۸)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة ثبت"۔(۹)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۱۰)

---

(۱) تہذیب الکمال (ج۲۲ص۱۱)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الطبقات الکبری لابن سعد (ج۵ص۴۸۰)۔

(۴) الکاشف (ج۲ص۸۲) رقم (۴۱۵۲)۔

(۵) سیر أعلام النبلاء (ج۵ص۳۰۰)۔

(۶) تعلیقات تہذیب الکمال (ج۲۲ص۱۲)۔

(۷) تعلیقات تہذیب الکمال (ج۲۲ص۱۲)، نقلا عن المعرفة والتاریخ للفسوي (ج۱ص۷۱۳-۷۱۴)۔

(۸) تعلیقات تہذیب الکمال (ج۲۲ص۱۳)، نقلا عن علل الدارقطني۔

(۹) تقریب التہذیب (ص۴۲۱) رقم (۵۰۲۴)۔

(۱۰) الثقات لابن حبان (ج۵ص۱۶۷)۔

بعض حضرات نے ان پر تشیع کا الزام لگایا ہے، اسی طرح حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا بھی الزام لگایا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان پر اس قسم کا کوئی الزام ثابت نہیں، چنانچہ امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "أهل المدينة لا يرضون عمرا، يرمونه بالتشيع، والتحامل على ابن الزبير، ولا بأس به، هو بري، مما يقولون"۔ (۱)

نیز حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أما عمرو بن دينار الجُمَحِي، عالم الحجاز: فحجة، وما قيل عنه من التشيع: فباطل"۔ (۲)

امام عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی راتوں کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک ثلث میں آرام کرتے تھے، ایک ثلث میں اپنی حدیثوں کو یاد کرتے تھے اور ایک ثلث میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ (۳)

امام عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ احادیث کو لکھنا پسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ یاد کرنے پر زور دیتے تھے، فرمایا کرتے تھے "أحرج على من يكتب عني، فما كتبت عن أحد شيئا، كنت أتحفظ"۔ (۴)

یعنی "جو شخص مجھ سے حدیث لکھنا چاہے اس کے لئے حرام ہے کہ وہ میری حدیثیں لکھ کر یاد کرے، میں نے کسی سے کوئی حدیث لکھ کر یاد نہیں کی، بلکہ میں زبانی یاد کیا کرتا تھا"۔

فقہ میں مرتبۂ امامت پر فائز ہونے کے باوجود زیادہ مسائل نہیں بتاتے تھے، فرمایا کرتے تھے "يسألونا عن رأينا، فنخبرهم، فيكتبونه، كأنه نقر في حجر، ولعلنا أن نرجع عنه غدا"۔ (۵)

یعنی "لوگ ہم سے ہماری رائے پوچھتے ہیں اور ہم بتا دیتے ہیں تو لوگ اسے اس طرح لکھ لیتے ہیں گویا

---

(۱) سير أعلام النبلاء (ج۵ص۳۰۲)۔

(۲) ميزان الاعتدال (ج۳ص۲۶۰) رقم (۶۳۶۷)۔

(۳) سير أعلام النبلاء (ج۵ص۳۰۲)۔

(۴) سير أعلام النبلاء (ج۵ص۳۰۲)۔

(۵) الطبقات الكبرى لابن سعد (ج۵ص۴۸۰)۔

پتھر کی لکیر ہے، کیا بعید ہے کہ ہم کل کلاں اس سے رجوع کرلیں؟!"

ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا، انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، اس پر اس آدمی نے دوبارہ اصرار کرتے ہوئے عرض کیا "إن في نفسي منها شيئا فأجبني" یعنی "میرے دل میں تھوڑا سا تردد ہے، آپ جواب مرحمت فرمایئے"۔ تو انہوں نے جواب دیا "والله لأن يكون في نفسك مثل أبي قبيس أحب إلي من أن يكون في نفسي منها مثل الشعرة"۔ مطلب یہ ہے کہ "بخدا! تمہارے دل میں تھوڑا سا تردد ہی نہیں اگر ابوقبیس پہاڑ کے برابر تردد بھی ہو تب بھی مجھے ایسا جواب دینا گوارا نہیں جس میں مجھے بال برابر بھی تردد ہو" (۱)

امام عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابن ھشام نے کہا کہ میں تمہارے واسطے وظیفہ مقرر کردیتا ہوں، تم لوگوں کو فتوے دیا کرو، میں نے جواب دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ (۲)

تنبیہ

آپ پیچھے تفصیل سے جان چکے ہیں کہ عمرو بن دینار مکی ہیں اور یہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔ (۳) جبکہ عمرو بن دینار ہی کے نام سے ایک اور راوی بھی ہیں، جو ترمذی اور ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں اور ضعیف ہیں۔ (۴) نیز اسی نام سے ایک اور راوی بھی ہیں، جو کوفی ہیں، ان کی کوئی روایت اصول ستہ میں موجود نہیں ہے اور یہ مجہول ہیں۔ (۵)

عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۲۶ھ میں اسّی سال کی عمر میں ہوئی۔ (۶)

رحمه الله تعالى رحمة واسعة

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۲ص۵)۔

(۴) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۲ص۱۳۔۱۶) وتقریب التہذیب (ص۴۲۱) رقم (۵۰۲۵)۔

(۵) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۲ص۱۶) وتقریب التہذیب (ص۴۲۱) رقم (۵۰۲۶)۔

(۶) الکاشف للذهبی (ج۲ص۷۵) رقم (۴۱۵۲)۔

(۴) وھب بن منبہ

یہ ابوعبداللہ وھب بن منبہ بن کامل بن سیج بن ذی کبار (۱) الیمانی الصنعانی الأبناوی (۲) رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۳)

یہ ہمام بن منبہ، معقل بن منبہ، غیلان بن منبہ اور عقیل بن منبہ کے بھائی ہیں۔ (۴)

یہ حضرت انس، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ طاؤس بن کیسان، عمرو بن دینار، عمرو بن شعیب، ہمام بن منبہ اور ابوخلیفہ البصری رحمہم اللہ تعالی سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں عمرو بن دینار، سماک بن الفضل، عوف الاعرابی، عاصم بن رجاء بن حیوۃ، اسرائیل ابوموسی، عقیل بن معقل بن منبہ، منذر بن النعمان، المغیرہ بن حکیم، صالح بن عبید اور عبدالکریم بن حوران رحمہم اللہ تعالی وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۵)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "تابعي ثقة، وكان على قضاء صنعاء"۔ (۶)

امام ابوزرعہ اور امام نسائی رحمہما اللہ تعالی فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۷)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "وكان عابداً فاضلاً، قرأ الكتب"۔ (۸)

---

(۱) كل من كان من أهل اليمن له "ذي" [illegible] سير أعلام النبلاء (ج ۴ ص ۵۴۵)، وتهذيب الكمال (ج ۳۱ ص ۱۴۲)۔

(۲) [illegible] منسوب إلى "الأبناء" [illegible] وهم كل من ولد من أبناء الفرس الذين وجههم كسرى مع سيف بن ذي يزن۔ عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۶۸)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج ۳۱ ص ۱۴۰)۔

(۴) ثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۴۸۸)۔

(۵) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۱ ص ۱۴۰-۱۴۲)۔

(۶) تهذيب الكمال (ج ۳۱ ص ۱۴۲)۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) ثقات لابن حبان (ج ۵ ص ۴۸۷)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وروايته للمسند قليلة، وإنما غزارة علمه في الإسرائيليات، ومن صحائف أهل الكتاب"۔(۱)

یہ شروع میں قدریہ کی طرف مائل تھے، اس سلسلہ میں ایک کتاب بھی لکھی تھی، پھر یہ اس پر نادم ہوئے اور اس سے رجوع کرلیا، چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان يتهم بشيء من القدر، ثم رجع"۔(۲)

ابوسنان نقل کرتے ہیں:

"سمعت وهب بن منبه يقول: كنت أقول بالقدر، حتى قرأت بضعة وسبعين كتاباً من كتب الأنبياء، في كلها: من جعل إلى نفسه شيئاً من المشيئة فقد كفر، فتركت قولي"۔ (۳)

یعنی "میں پہلے قدری عقیدہ رکھتا تھا، حتی کہ میں نے سابقہ انبیاء کرام کی ستر سے زائد کتابیں پڑھیں، ان سب میں یہ بات لکھی تھی کہ جوکوئی شخص مشیت وارادہ میں اپنے آپ کو مختارکل سمجھے گا وہ کافر ہوگا، سو میں نے اپنا وہ عقیدہ ترک کردیا"۔

امام جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كان وهب كتب كتاباً في القدر، ثم حدثت أنه ندم عليه"۔ (۴)

عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"دخلت على وهب داره بصنعاء، فأطعمني جوزاً من جوزة في داره، فقلت له: وددت أنك لم تكن كتبت في القدر! فقال: أنا والله وددت ذلك"۔ (۵)

---

(۱) سیر أعلام النبلاء (ج۴ ص۵۴۴)۔

(۲) تہذیب التہذیب (ج۱۱ ص۱۶۸)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج۳۱ ص۱۴۷)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) حوالہ بالا۔

یعنی ''مطلب یہ ہے کہ میں وہب بن منبہ کے گھر گیا، انہوں نے مجھے اپنے گھر کا ناریل کھلایا، میں نے کہا کہ میری خواہش تھی کہ آپ ''قدر'' سے متعلق کچھ نہ لکھتے! تو کہنے لگے کہ بخدا! اب میرا بھی یہی خیال ہے کہ کاش! میں نہ لکھتا''۔

عمرو بن علی الفلاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''کان ضعیفا''۔(۱)

لیکن علماء نے فلاس رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو قبول نہیں کیا، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فلاس کے قول کی بنیاد وہی اتہام بالقدر ہے اور اس سے ان کا رجوع ثابت ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"وثقه الجمهور وشذ الفلاس، فقال: كان ضعيفا، وكان شبهته في ذلك أنه كان يتهم بالقول بالقدر، وصنف فيه كتاباً، ثم صح أنه رجع عنه"۔ (۲)

اسی طرح حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وكان ثقة، صادقا، كثير النقل من كتب الإسرائيليات وقد ضعفه الفلاس وحده، ووثقه جماعة"۔ (۳)

اس کے بعد انہوں نے ان کے قدریہ کی طرف میلان اور اس سے ان کے رجوع کا ذکر کیا ہے۔(۴)

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ بخاری شریف میں ''وہب بن منبہ'' کی سوائے اس ایک روایت کے اور کوئی روایت نہیں ہے، اس میں بھی ان کی متابعت کی گئی ہے(۵)، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۱۱۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۶) رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ

(۱) تهذيب التهذيب (ج ۱۱ ص ۱۶۸)۔

(۲) هدي الساري (ص ۴۵۰)۔

(۳) ميزان الاعتدال (ج ۴ ص ۳۵۲، ۳۵۳)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) هدي الساري (ص ۴۵۰)۔

(۶) الكاشف (ج ۲ ص ۳۵۸) رقم (۶۱۱۶)۔

(۵) أخيه

"أخ" سے مراد ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

یہ ہمام بن منبہ بن کامل بن شیخ بن ذی کبار الیمانی الصنعانی الأبناوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت معاویہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے ان کے بھتیجے عقیل بن معقل بن منبہ، علی بن الحسن، معمر بن راشد اور وھب بن منبہ رحمہم اللہ تعالی روایت کرتے ہیں۔(۲)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۳)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "يماني تابعي ثقة"۔(۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "...... المحدث المتقن "۔(۵)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "...... واتفقوا على توثيقه ... "۔(۶)

ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۳۲ھ میں ہوئی۔(۷)

رحمه الله تعالى رحمة واسعة

صحیفۂ ہمام بن منبہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان ہی ہمام بن منبہ کو ڈیڑھ سو کے قریب حدیثیں لکھوائی تھیں، یہ نوشتہ

---

(۱) تهذيب الكمال (ج ۳۰ ص ۲۹۸)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۳۰ ص ۲۹۹)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج ۳۰ ص ۲۹۹) وتاريخ الدارمي (ص ۲۲٤) رقم ([illegible])۔

(٤) تهذيب التهذيب (ج ۱۱ ص ٦٧)۔

(٥) سير أعلام النبلاء (ج ٥ ص ۳۱۱)۔

(٦) تهذيب الأسماء واللغات (ج ۲ ص ۱٤٠)۔

(٧) الكاشف (ج ۲ ص ۳۳۹) رقم ([illegible])۔

"الصحيفة الصحيحة" کے نام سے معروف ہے، یہ صحیفہ "صحيفة همام بن منبه" کے نام سے مطبوع ومتداول ہے۔

اس صحیفہ کی درس وتدریس کا سلسلہ صدیوں بعد تک جاری رہا، چونکہ اس کی سب حدیثیں بعد کے مؤلفین مثلاً امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی رحمہم اللہ وغیرہم نے اپنی کتابوں میں بعینہ نقل کردی ہیں۔ اس لئے رفتہ رفتہ اس کی الگ تدریس کا سلسلہ کم ہوتے ہوتے ۸۵۶ھ میں تقریباً ختم ہوگیا۔ یہ رسالہ صدیوں سے نایاب تھا، مگر ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں اس کے صدیوں پرانے دو قلمی نسخے دمشق (شام) اور برلن (جرمنی) کے کتب خانوں میں فاضل محقق جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو دستیاب ہوگئے، اور انہوں نے ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں اسے اپنے فاضلانہ مقدمے اور قابل رشک تحقیق وترجمہ کے ساتھ شائع کردیا ہے۔

حدیث کی دستیاب کتب میں یہ سب سے قدیم ترین تالیف ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تالیف ان کی وفات سے پہلے ہی کی ہے۔ (۱) واللہ اعلم

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات كتاب الإيمان، "باب أمور الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۲)

ما من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أحد أكثر حديثا عنه مني إلا ما كان من عبد الله بن عمرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی شخص مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے والا نہیں، ہاں! عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہیں کہ ان کی حدیثیں مجھ سے زیادہ ہیں۔

(۱) دیکھئے "کتابت حدیث عہد رسالت وعہد صحابہ میں" (ص ۱۳۲، ۱۳۵)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۹)۔

فإنه كان يكتب ولا أكتب

اس لئے کہ وہ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

یہ اس بات کی علت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیثیں زیادہ تھیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کم۔

اشکال اور اس کا جواب

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیثیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہیں، حالانکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) ہے (۱) اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی احادیث کی تعداد صرف سات سو ہے۔ (۲) جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی تعداد کے مقابلہ میں تقریباً ساتواں حصہ ہے۔

اس کا جواب ہم كتاب الإيمان، "باب أمور الإيمان" کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کے ذیل میں تفصیلاً دے چکے ہیں۔ (۳) جس کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مشغلہ زیادہ تر تعلیم و تعلم رہا ہے، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا مشغلہ زیادہ تر عبادت کا رہا ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رہے، جہاں لوگوں کی آمد و رفت زیادہ تھی، جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما زیادہ تر مصر اور طائف میں رہے، جہاں علم کا چرچا اتنا نہیں تھا۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی دعائیں تھیں۔

---

(۱) دیکھئے فتح المغیث للسخاوی (ج۴ ص۱۰۲)۔

(۲) فتح المغیث للسخاوی (ج۴ ص۱۰۲ و ۱۰۳)، معرفة الصحابة (ج۳ ص۱۹۷)۔

(۳) دیکھئے کشف الباری (ج۱ ص۶۶۰)۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو غزوۂ یرموک کے موقع پر کچھ اہل کتاب کے صحائف مل گئے تھے، جن کو وہ دیکھا کرتے تھے، بہت سے ائمہ تابعین نے اس وجہ سے ان سے روایات نہیں لیں۔

ان وجوہات کی وجہ سے ہم تک ان کی روایات کم پہنچیں۔(۱) واللہ أعلم

ایک اور اشکال اور اس کا جواب

یہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تصریح فرما رہے ہیں کہ وہ حدیثیں لکھا نہیں کرتے تھے "فإنه كان يكتب ولا أكتب" جبکہ "مستدرك حاكم" اور "جامع بيان العلم وفضله" میں حسن بن عمرو بن امیہ ضمری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی ایک حدیث روایت کی، انہوں نے اس کا انکار کیا، میں نے اصرار کیا کہ یہ روایت میں نے آپ سے سنی ہوئی ہے تو انہوں نے فرمایا "إن كنت سمعته مني فإنه مكتوب عندي" اس کے بعد وہ مجھے ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اپنی کتابوں میں سے ایک کتاب دکھائی، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مشتمل تھی، وہاں وہ حدیث مل گئی، فرمایا "قد أخبرتك أني إن كنت حدثتك به فهو مكتوب عندي" (۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ احادیث لکھا کرتے تھے، اس طرح دونوں حدیثوں میں تعارض ہو جاتا ہے۔

اس سلسلے میں بعض حضرات نے ترجیح کے طریقہ کو اختیار کیا ہے اور بعض نے طریق جمع وتطبیق کو۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں "هذا منكر لم يصح"۔(۳)

اسی طرح حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وحديثه ذاك أصح في النقل من هذا، لأنه أثبت إسنادا عند أهل الحديث، إلا أن الحديثين قد يسوغ التأول في الجمع بينهما"۔(۴)

---

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج۱ ص۲۰۷)۔

(۲) دیکھئے المستدرك (ج۳ ص۵۱۱) كتاب معرفة الصحابة، ذكر أبي هريرة الدوسي رضي الله عنه، وجامع بيان العلم وفضله (ج۱ ص۳۲۴)، باب ذكر الرخصة في كتاب العلم، رقم (٤٢٢)۔

(۳) تلخيص المستدرك للذهبي مع المستدرك (ج۳ ص۵۱۱)۔

(۴) جامع بيان العلم وفضله (ج۱ ص۳۲٤)۔

گویا یہ حضرات صحیح بخاری کی حدیث کو ترجیح دے رہے ہیں اور اس حدیث کو ضعیف ہونے کی وجہ سے رد کر رہے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں روایتوں میں تطبیق کے سلسلہ میں فرماتے ہیں "ویمکن الجمع بأنه لم یکن یکتب في العهد النبوي ثم کتب بعده"۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کتابت کی نفی فرمانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے متعلق ہے، جبکہ انہوں نے بعد میں حدیثیں لکھی ہیں۔(۱)

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے بھی بڑھ کر مضبوط بات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے نہیں لکھتے تھے اور جو مکتوب شکل میں حدیثیں ہیں وہ کسی اور کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔(۲) واللہ أعلم۔

تَابَعَهُ مَعْمَرٌ ، عَنْ هَمَّامٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ .

معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ نے ہمام عن ابی ہریرۃ سے روایت کرنے میں وھب بن منبہ کی متابعت کی ہے۔

تراجم رجال

(۱) معمر

یہ معمر بن راشد ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی پانچویں حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں، تاہم یہاں ان کے قدرے تفصیلی حالات لکھے جا رہے ہیں۔

یہ مشہور امام معمر بن راشد ازدی، حدانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابو عروہ ہے۔(۳)

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۰۷)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۲۸ ص ۳۰۳)۔

یہ ثابت بنانی، قتادہ، زہری، عاصم الاحول، ایوب سختیانی، زید بن اسلم، صالح بن کیسان، یحیی بن ابی کثیر، امام اعمش، ہمام بن منبہ، ھشام بن عروہ، محمد بن المنکدر اور عمرو بن دینار رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے شیوخ یحیی بن ابی کثیر، ابواسحاق سبیعی، ایوب سختیانی، عمرو بن دینار کے علاوہ سعید بن ابی عروبہ، ابان بن یزید العطار، اسماعیل بن علیہ، امام شعبہ، ھشام الدستوائی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن المبارک، عبدالرزاق بن ہمام، محمد بن جعفر غندر اور محمد بن کثیر صنعانی رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۱)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أثبت الناس في الزهري: مالك ومعمر ...." (۲)

نیز وہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۳)

عمرو بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "معمر من أصدق الناس"۔ (۴)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "معمر بن راشد بصري سكن اليمن، ثقة، رجل صالح"۔ (۵)

یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ومعمر ثقة، وصالح التثبت عن الزهري"۔ (۶)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "معمر بن راشد الثقة المأمون"۔ (۷)

ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "عليكم بهذا الرجل - يعني معمراً - فإنه لم يبق أحد من أهل زمانه أعلم منه"۔ (۸)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۸ص ۳۰۴-۳۰۶)۔

(۲) تہذیب التہذیب (ج۱۰ص ۲۴۴)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج۲۸ص ۳۰۴)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) تہذیب الکمال (ج۲۸ص ۳۱۰)۔

(۸) حوالۂ بالا۔

امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۱)

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "معمر ثقة مأمون"۔(۲)

امام خلیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أثنى عليه الشافعي"۔(۳)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "نعم الرجل كان معمر، لولا روايته التفسير عن قتادة"۔(۴)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لست تضم معمراً إلى أحد إلا وجدته فوقه"۔(۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "وكان فقيهاً متقناً، حافظاً، ورعاً"۔ (۶)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان معمر رجلاً له حلم ومروءة ونبل في نفسه"۔(۷)

البتہ امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی توثیق کے ساتھ ساتھ یہ بھی منقول ہے "إذا حدثك معمر عن العراقيين فخالفه، إلا عن ابن طاووس والزهري، فإن حديثه عنهما مستقيم، فأما أهل الكوفة وأهل البصرة فلا، وما عمل في حديث الأعمش شيئا"۔(۸)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں "وحديث معمر عن ثابت، وعاصم بن أبي النجود، وهشام بن عروة، وهذا الضرب، مضطرب كثير الأوهام"۔(۹)

(۱) دیکھئے سنن الدار قطني (ج۱ص۱٦٤)۔

(۲) دیکھئے المحلی لابن حزم (ج۹ص٤٤١) کتاب النکاح۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج۱۰ص۲٤٥)۔

(٤) سير أعلام النبلاء (ج۷ص۹)۔

(٥) سير أعلام النبلاء (ج۷ص۱۰)۔

(٦) الثقات لابن حبان (ج۷ص٤٨٤)۔

(۷) الطبقات الكبرىٰ لابن سعد (ج٥ص٥٤٦)۔

(۸) تهذيب التهذيب (ج۱۰ص۲٤٥)۔

(۹) حوالۂ بالا۔

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما حدث معمر بالبصرۃ فیه أغالیط، وهو صالح الحدیث"۔(۱)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "سیئ الحفظ لحدیث قتادۃ والأعمش"۔(۲)

حاصل ان تمام اقوال کا یہ ہے کہ امام معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت وجلالت شان پر اتفاق ہے، تاہم یہ جب یمن سے دوبارہ بصرہ گئے تو وہاں انہوں نے اپنے حافظہ کی مدد سے حدیثیں سنائیں، جن میں غلطیاں ہوئیں، چنانچہ ان کی وہ حدیثیں جو وہ اعمش، ثابت بنانی، عاصم بن ابی النجود، ھشام بن عروہ اور قتادہ سے روایت کرتے ہیں وہ اس قدر قوی نہیں ہیں جس قدر قوی دوسری روایتیں ہیں۔

لیکن یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری شریف میں ان کی جو روایتیں لی ہیں وہ امام زھری، ابن طاووس، ھمام بن منبہ، یحییٰ بن ابی کثیر، ھشام بن عروہ، ایوب سختیانی، ثمامہ بن انس اور عبدالکریم جزری رحمہم اللہ وغیرہ حضرات سے روایت کردہ ہیں، امام اعمش کی کوئی روایت نہیں لی، اسی طرح امام قتادہ اور ثابت بنانی رحمہما اللہ تعالیٰ کی احادیث تعلیقاً لائی گئی ہیں، اہل بصرہ میں سے جس کی روایت بھی لی اس کی متابعت موجود ہے۔(۳)

چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أحد الأعلام الثقات، له أوهام معروفة، احتملت له في سعة ما أتقن"۔(۴)

یعنی "یہ ثقات اعلام میں سے ہیں، ان کے کچھ اوہام ہیں جو معروف ہیں، لیکن ان کی متقن روایات کی کثرت کے پیش نظر ان معمولی اوھام والی روایات کا تحمل کرلیا گیا ہے"۔ واللہ أعلم

امام معمر اصلاً تو بصرہ کے رہنے والے تھے، لیکن جب یہ صنعاء گئے اور وہاں سے واپس آنے کے لئے پر

(۱) تهذيب الكمال (ج۲۸ ص۳۰۹ و۳۱۰)۔

(۲) تعليقات تهذيب الكمال (ج۲۸ ص۳۱۲)۔

(۳) قاله الحافظ في هدى الساري (ص۴۴۴ و۴۴۵)۔

(۴) ميزان الاعتدال (ج۴ ص۱۵۴) رقم (۸۶۸۲)۔

تو لنے لگے تو وہاں کے اصحاب نے سوچا کہ ان جیسے صاحب کمال کو یمن سے جانے نہیں دینا چاہئے، چنانچہ وہاں کے اصحاب رائے نے یہ تدبیر کی کہ ان کا نکاح کرادیا، پھر وہ وہیں کے ہو کے رہ گئے۔(۱)

رمضان ۱۵۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(۲) رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

(۲) ہمام

یہ ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ابھی اسی باب کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

مذکورہ متابعت کی تخریج

اس متابعت کو موصولاً، امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مصنف'' میں (۴) اور حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے "جامع بيان العلم وفضله" میں (۵) تخریج کیا ہے۔

نیز حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وأخرجها أبوبكر بن علي المروزي في كتاب العلم له عن حجاج بن الشاعر عنه"۔ (۶)

نیز وہ فرماتے ہیں "وقد تابع حجاجا عليه أحمد بن منصور الرمادي، رواه البغوي في شرح

(۱) تهذيب الكمال (ج۲۸ ص۳۰۹)۔

(۲) الكاشف (ج۲ ص۲۸۲)، رقم (۵۵۶۷)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ ص۶۵۹)۔

(٤) مصنف عبد الرزاق (ج۱۱ ص۲۵۹) باب العلم، باب كتاب العلم، رقم (۲۰٤۸۹)۔

(۵) جامع بيان العلم وفضله (ج۱ ص۲۹۹) باب ذكر الرخصة في كتاب العلم، رقم (۳۸۷)۔

(۶) فتح الباري (ج۱ ص۳۰۷)۔

السنة من طريقه، رواه ابن منده في الوصية من طريق مجاهد عن أبي هريرة نحوه"۔(۱)

مذکورہ متابعت کو ذکر کرنے کا مقصد

اس متابعت کو ذکر کرنے کا مقصد غالباً یہ ہے کہ چونکہ وهب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ باوجود ثقہ ہونے کے ان پر بعض علماء نے کلام کیا ہے، چنانچہ پیچھے فلاس رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف گذر چکی ہے۔

اس کے علاوہ یہ اسرائیلیات بھی بہت روایت کرتے تھے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ متابعت ذکر کر کے بتادیا کہ وهب کی یہ روایت قوی ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں۔ واللہ أعلم

حدیث شریف کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

اس حدیث سے، نیز اس سے پہلی حدیث میں "اکتبوا لأبي شاه" سے اور اسی طرح اس باب کی پہلی حدیث سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کتابت حدیث کی اجازت مستفاد ہو رہی ہے، جہاں تک ممانعت کتابت حدیث کا تعلق ہے سو اس کا ہم تفصیلاً مقدمہ میں ذکر کر چکے ہیں۔(۲)

١١٤ : حدّثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمانَ قَالَ : حَدَّثَنِي ٱبْنُ وَهْبٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي يُونُسُ ، عَنِ ٱبْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُبَيْدِ ٱللهِ بْنِ عَبْدِ ٱللهِ ، عَنِ ٱبْنِ عَبَّاسٍ[۳] قَالَ : لَمَّا ٱشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ ﷺ وَجَعُهُ قَالَ : (ٱئْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ) . قَالَ عُمَرُ : إِنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ غَلَبَهُ ٱلْوَجَعُ ، وَعِنْدَنَا كِتَابُ ٱللهِ حَسْبُنَا . فَاخْتَلَفُوا وَكَثُرَ ٱللَّغَطُ ، قَالَ : (قُومُوا عَنِّي ، وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي ٱلتَّنَازُعُ) . فَخَرَجَ ٱبْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ : إِنَّ ٱلرَّزِيَّةَ كُلَّ ٱلرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ ٱللهِ ﷺ وَبَيْنَ كِتَابِهِ .

[٢٨٨٨ ، ٢٩٩٧ ، ٤١٦٨ ، ٤١٦٩ ، ٥٣٤٥ ، ٦٩٣٢]

---

(۱) دیکھئے عمدۃ القاری (ج۲ص۹۲)۔

(۲) کشف الباری (ج۱ص۲۸-۳۱)۔

(۳) قوله "عن ابن عباس": الحديث أخرجه البخاري في صحيحه (ج۱ص۴۲۹) في كتاب الجهاد والسير، باب هل يستشفع إلى أهل الذمة ومعاملتهم، رقم (۳۰۵۳)، و(ج۱ص۴۴۹) في كتاب الجزية والموادعة، باب إخراج اليهود من جزيرة العرب، رقم (۳۱۶۸)، و(ج۲ص۶۳۸) كتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته، رقم (۴۴۳۱) و(۴۴۳۲)، و(ج۲ص۸۴۶، ۸۴۷) كتاب المرضى، باب قول المريض: قوموا عني، رقم (۵۶۶۹)، و(ج۲ص۱۰۹۴) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب كراهية الخلاف، رقم (۷۳۶۶)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الوصية، باب ترك الوصية لمن ليس له شيء يوصي فيه، رقم (۴۲۳۲-۴۲۳۴)۔

تراجم رجال

(۱) یحییٰ بن سلیمان

یہ ابوسعید یحییٰ بن سلیمان بن یحییٰ بن سعید جعفی مقریٔ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یہ مصر میں بھی سکونت پذیر رہے۔(۱)

یہ عبداللہ بن وہب، اسماعیل بن علیہ، حفص بن غیاث، محمد بن فضیل بن غزوان، وکیع بن الجراح، ابوبکر بن عیاش اور ابوخالد الاحمر رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، احمد بن الحسن ترمذی، حسن بن علی الحلوانی، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی اور محمد بن یحیی ذہلی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ حضرات ہیں۔(۲)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "شیخ"۔(۳)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۴)

مسلمہ بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لابأس به، وكان عند العقيلي ثقة، وله أحاديث مناكير"۔(۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صويلح"۔(۶)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے، اور فرمایا "ربما أغرب"۔(۷)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۳۱ ص۳٦۹ و ۳۷۰)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۳۱ ص۳۷۰ و ۳۷۱)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۳۱ ص۳۷۱)۔ لفظ "شیخ" تعدیل کے الفاظ میں سے ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمة الكاشف للشيخ محمد عوامة حفظه الله (ص٤٥ و٤٦)۔

(٤) تهذيب التهذيب (ج۱۱ ص۲۲۷)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(٦) الكاشف للذهبي (ج۲ ص۳٦۷)، رقم (٦١٨١)۔

(۷) الثقات لابن حبان (ج۹ ص۲٦۳)۔

البتہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تضعیف کی ہے، فرمایا "لیس بثقة"۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صدوق یخطئ"۔ (۲)

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں "وكان النسائي سيئ الرأي فيه"۔(۳)

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے قول "صدوق یخطئ" پر تبصرہ کرتے ہوئے بعض محققین کہتے ہیں:

"بل صدوق، حسن الحديث، فقد روى عنه جمع من الثقات، منهم: البخاري في الصحيح، وأبو حاتم، وقال: شيخ، ووثقه العقيلي والدارقطني، وذكره ابن حبان في الثقات وقال: يُغرب، وضعفه النسائي وحده، وقال مسلمة بن قاسم الأندلسي: لا بأس به، وله أحاديث مناكير"۔ (۴)

یعنی "ان کا مرتبہ "صدوق یخطئ" کے بجائے "صدوق حسن الحدیث" ہونا چاہئے، کیونکہ ان سے ثقات کی ایک جماعت نے روایت کی ہے، جن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کہ انہوں نے اپنی صحیح میں ان سے روایت لی ہے، اس طرح ان میں ابوحاتم بھی ہیں جو فرماتے ہیں "شیخ"، عقیلی اور دارقطنی نے ان کی توثیق کی ہے، ابن حبان نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور فرمایا کہ کبھی وہ غریب حدیثیں بھی نقل کرجاتے ہیں، البتہ صرف امام نسائی نے تنہا ان کی تضعیف کی ہے نیز مسلمہ بن قاسم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں "لا بأس به" اور فرمایا کہ ان کی کچھ احادیث منکر ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اول تو ان کی زیادہ احادیث نہیں

---

(۱) تهذيب الكمال (ج ۳۱ ص ۳۷۱)۔

(۲) تقريب التهذيب (ص ۵۹۱)، رقم (۷۵۶۴)۔

(۳) هدي الساري (ص ۴۵۱)۔

(۴) تحرير تقريب التهذيب للدكتور بشار عواد معروف، والشيخ شعيب الأرنؤوط (ج۴ ص۸۷) رقم (۷۵۶۴)۔

لیس، بلکہ ان کی کچھ احادیث لی ہیں، جو معروف ہیں اور ابن وھب سے مروی ہیں۔(۱) واللہ أعلم
یحیی بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۳۷ھ میں ہوا۔(۲)

رحمه اللّٰه تعالى رحمة واسعة

(۲) ابن وھب

یہ مشہور امام حدیث وفقہ ابو محمد عبد اللہ بن وھب بن مسلم قرشی، فہری، مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، "باب من یرد اللّٰه به خیراً یفقهه في الدین" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۳) یونس

یہ یونس بن یزید ایلی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، "باب من یرد اللّٰه به خیراً یفقهه في الدین" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

(۴) ابن شہاب

یہ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات مختصراً "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۵)

(۵) عبید اللہ بن عبد اللہ

یہ مدینہ منورہ کے مشہور فقیہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ہذلی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے

---

(۱) هدى الساري (ص۴۵۱)۔
(۲) الكاشف للذهبي (ج۲ص۳۶۷) رقم (۶۱۸۱)۔
(۳) كشف الباري (ج۳ص۲۳۸)۔
(۴) كشف الباري (ج۳ص۲۴۲)۔
(۵) كشف الباري (ج۱ص۳۲۶)۔

حالات کتاب العلم، "باب متی یصح سماع الصغیر؟" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۶) ابن عباس

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے ذیل میں (۲) اور کتاب الإیمان، "باب کفران العشیر وکفر دون کفر" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

قال: لما اشتد بالنبي صلى الله عليه وسلم وجعه قال:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف میں شدت پیدا ہوئی تو آپ نے فرمایا ۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کا واقعہ ہے، آپ تقریباً دو ہفتے بیمار رہے، پنجشنبہ (جمعرات) سے آپ کی بیماری شدید ہوگئی تھی اور یہ جمعرات کے دن کا واقعہ تھا، اس کے بعد پیر کے روز آپ کا وصال ہوگیا، گویا آپ نے اپنے وصال سے چار روز پہلے یہ ارشاد فرمایا۔(۴)

ایتوني بکتاب أکتب لکم کتاباً لاتضلوا بعده

میرے پاس لکھنے کا سامان لے آؤ کہ میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہوسکو۔

یہاں پہلے لفظ "کتاب" سے "أدوات الکتاب" مراد ہے، چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں تصریح موجود ہے "ایتوني بالکتف والدواة أو اللوح والدواة" (۵) اس میں "کتف" سے مراد کندھے کی ہڈی

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص ۳۲۷)۔

(۲) کشف الباري (ج۱ص ۴۳۵)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ص ۲۰۵)۔

(۴) دیکھئے صحیح البخاري (ج۱ص ۴۲۹) کتاب الجهاد والسیر، باب هل یستشفع إلی أهل الذمة ومعاملتهم، رقم (۳۰۵۳)۔

(۵) دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب ترك الوصیة لمن لیس له شيء یوصي فیه، رقم (۴۲۳۳)۔

ہے، اس قسم کی چیزوں پر یہ حضرات لکھا کرتے تھے۔(۱)

دوسرے لفظ ''کتاب'' سے ''مکتوب''، یعنی تحریر مراد ہے اور ''أكتب'' اور ''لاتضلوا'' جواب امر واقع ہیں، اس لئے مجزوم ہیں۔(۲)

قال عمر: إن النبي صلى الله عليه وسلم غلبه الوجع، وعندنا كتاب الله، حسبنا، فاختلفوا، وكثر اللغط، قال: قوموا عني، ولاينبغي عندي التنازع، فخرج ابن عباس يقول: إن الرزية كل الرزية ما حال بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين كتابه

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف کی شدت ہے اور ہمارے پاس کتاب اللہ موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے، سو صحابۂ کرام میں اختلاف ہوا اور شور وغل زیادہ ہو گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ جاؤ، میرے پاس لڑنا جھگڑنا درست نہیں، حضرت ابن عباس (نے جب یہ حدیث روایت کی تو) یوں کہتے ہوئے نکلے: ہائے مصیبت! وائے مصیبت! جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تحریر کے درمیان حائل ہوگئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی مخالفت کیوں کی؟ آیا روافض کے بقول کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استحقاق خلافت ظاہر کرنا چاہتے تھے؟ کیا آپ یہ بتانا چاہتے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت کا استحقاق نہیں تھا؟

ان تمام امور کا ان شاء اللہ قدرے تفصیل سے ہم جائزہ لیں گے۔

---

(۱) فتح الباري (ج ۱ ص ۲۰۸)۔

(۲) حوالہ بالا۔

حضور اکرم ﷺ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں دو احتمال ہیں:-

ایک یہ کہ آپ اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کا نام لکھوانا چاہتے تھے، تاکہ لوگ اختلاف نہ کریں کہ اس سے فتنہ وضلال کا دروازہ کھل جاتا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احکام دین لکھوانا چاہتے تھے، تاکہ اختلاف رفع ہوجائے۔(۱)

امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے اہل علم نے پہلے احتمال کو راجح قرار دیا ہے(۲)، جس کی تائید مسلم شریف کی حدیث سے ہوتی ہے:

"عن عائشة قالت: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه: ادعي لي أبا بكر أباك، وأخاك، حتى أكتب كتابا، فإني أخاف أن يتمنى متمن ويقول قائل: أنا أولى، ويأبى الله والمؤمنون إلا أبابكر"۔ (۳)

یعنی "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت کے موقع پر مجھ سے فرمایا کہ اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ، تاکہ میں تحریر لکھواؤں، کیونکہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرتا ہوا کہے گا کہ میں خلافت کا زیادہ حق دار ہوں، جبکہ اللہ تعالی اور اہل ایمان ابوبکر کے سوا کسی پر راضی نہیں ہوں گے"۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کا امتحان لینے کے لئے یہ فرمایا تھا

---

(۱) أعلام الحديث (ج ۱ ص ۲۱۷ و ۲۱۸)۔

(۲) عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۷۱)۔

(۳) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۶۱۸۱)۔

"ائتوني بكتاب أكتب لكم كتاباً" کہ دیکھیں! یہ حضرات قرآن وحدیث پر پوری طرح عمل کا ارادہ رکھتے ہیں یا نہیں، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حسبنا كتاب الله" تو آپ کو یقین ہوگیا۔

لیکن یہ جواب صحیح نہیں معلوم ہوتا، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا "لا تضلوا بعده" اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد امتحان ہوتا تو "لا تضلوا بعده" کیوں کہتے!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مخالفت کیوں کی؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اس موقع پر تحریر کی مخالفت کی، اس کو کسی غلط محمل پر محمول کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سلسلہ میں متہم کیا جا سکتا ہے، غور کرنے سے اس مخالفت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ اللہ جل شانہ نے دین کو مکمل کر دیا ہے اور ایک معلوم ومتعین طریقہ پر دین کا کام جاری وساری ہو چکا، اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر تکلیف کی شدت کا عالم ہے اور وصال کا وقت بھی قریب ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح دوسرے لوگوں کو امراض وآلام لاحق ہوتے ہیں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ مستثنیٰ نہیں بلکہ آپ کے اوپر ان آلام وامراض کا اثر عام لوگوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے "إني أوعك كما يوعك رجلان منكم" (۱) یعنی "مجھے اتنا شدید بخار ہوتا ہے جس قدر تم میں سے دو اشخاص کو"۔

اسی طرح ارشاد ہے "اللهم إنما محمد بشر يغضب كما يغضب البشر"۔ (۲) اسی طرح آپ کا ارشاد ہے "إنا معشر الأنبياء يضاعف لنا البلاء"۔ (۳)

---

(۱) صحيح البخاري (ج۲ص۸۴۳)، كتاب المرضى، باب أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأول فالأول، رقم (۵۶۴۸)۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب من لعنه النبي صلى الله عليه وسلم أو سبه، أو دعا عليه، وليس هو أهلا لذلك: كان له زكاة وأجرا ورحمة، رقم (۶۶۲۲)۔

(۳) مسند أحمد (ج۳ص۹۴)، مسند أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، وانظر السنن لابن ماجه، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء، رقم (۴۰۲۴)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ایسے موقع پر کسی تحریر کے لکھوانے سے منافقین وغیرہ کو تلبیس کا موقع مل جاتا، مثلاً وہ کسی دوسری تحریر کو پیش کر کے کہہ سکتے تھے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائی ہے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ ایسے موقع پر تحریر کی خاص ضرورت نہیں، تمام امور دین ہمیں معلوم ہیں، اصول وقواعد کے لئے "کتاب اللہ" موجود ہے، لہذا فی الحال اس تحریر کی ضرورت نہیں۔ (۱)

خاص طور پر اس لئے بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مزاج رسول کے شناسا تھے، موارد کلام کی حیثیت کو پہچانتے تھے، آپ وجوبا اور حتما کوئی کلام ارشاد فرمارہے ہیں یا ندبا اور ارشادا، اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ ان باتوں کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "عندنا کتاب اللہ حسبنا" کہہ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کرادی کہ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں، انشاء اللہ یہ امت من حیث المجموع ضلال پر مجتمع نہیں ہوگی، ہمارے پاس "کتاب اللہ" موجود ہے۔

اور اگر خلافت ہی کی بات لکھوانا چاہتے تھے، تب بھی بات واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا چکے تھے، مرض وفات کے ایام میں آپ کو امامت کا حکم بھی دے چکے، اس سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ آپ خلیفہ کے طور پر کس کو نامزد کرنا چاہتے تھے، اس لئے بھی یہ تحریر لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

حاصل یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات وجوبی ہوتے ہیں، ان میں نہ کسی سے آپ مشورہ لیتے ہیں اور نہ ہی صحابہ میں سے کوئی مراجعت کرتا ہے، لیکن بعض اوقات آپ کے ارشادات وجوبی نہیں ہوتے، ایسی صورت میں آپ مشورے بھی کرتے ہیں اور آپ کی بات پر صحابۂ کرام مراجعت بھی کرلیتے ہیں، یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرائن وشواہد سے جان لیا کہ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف میں بھی ہیں اور یہ ارشاد آپ کا وجوبی بھی نہیں، پھر یہ کہ آپ جو کچھ تحریر کروانا چاہ رہے ہیں اس پر عمل ہو بھی رہا ہے اور آئندہ بھی ہوگا، اس لئے انہوں نے اس موقع پر تحریر کی مخالفت کی۔

---

(۱) دیکھئے أعلام الحدیث للخطابي (ج۱ص۲۲۳-۲۲۶)۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی وجوبی حکم ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی نہیں، پوری دنیا بھی آپ کی مخالفت کرتی تو آپ کو اس حکم کے بجالانے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا، آپ کا اس موقع پر یا اس کے بعد فرصت ملنے کے باوجود تحریر کا نہ لکھوانا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ حکم وجوبی نہیں تھا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی راحت کی خاطر اس تحریر کو لکھوانے کی مخالفت کی، یہ کسی قسم کی بے ادبی یا گستاخی ہرگز نہیں۔

دیکھئے صلح حدیبیہ کے موقع پر "صلح نامہ" لکھواتے ہوئے جب مشرکین نے "رسول اللّٰہ" کے لفظ پر اعتراض کیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا "امحہ"۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غایت محبت و وفورِ جذبات میں عرض کیا "واللّٰہ، لا أمحو أبداً" (۱) اس پر نہ آپ ناراض ہوئے اور نہ کوئی اور ناراض ہوا۔

پھر یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اس حکم کے مخاطب صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی تو نہیں تھے، بلکہ سب اہل بیت تھے، وہاں حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے تو سب شور وغل کرتے رہے، مگر کوئی کاغذ نہیں لایا، کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سب کا راستہ روکے کھڑے تھے کہ ان میں کوئی ایسا نہ نکلا جو قلم دوات لے آتا، اگر کہا جائے کہ کاغذ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈر سے لے کر نہیں آئے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو شیرِ خدا تھے، ان کے بہادر اور شجاع ہونے میں کوئی شک نہیں تھا، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیسے ڈر گئے؟!

حاصل یہ کہ آپ فریقین میں سے کسی کی رائے سے ناراض نہیں تھے، ورنہ سزا دیتے یا بلیغ تنبیہ فرماتے، یا کم از کم دوبارہ تاکیدی حکم فرماتے اور حضرت عمر کو ڈانٹ دیتے، البتہ اس شور کی وجہ سے وقتی طور پر کچھ متاثر ہوئے اور اس پر ایک درجہ میں ناگواری بھی ہوئی۔ (۲) واللّٰہ تعالی أعلم

یہاں یہ بھی امکان ہے کہ آپ اس موقع پر وہ وصیتیں لکھوانا چاہ رہے ہوں جو بعد میں آپ نے کیں،

---

(۱) السیرة الحلبیة (ج۳ص۲۰)، غزوة الحدیبیة۔

(۲) دیکھئے فضل الباری (ج۲ص ۱۴۹۔۱۵۲)۔

چنانچہ آپ نے مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکالنے (۱)، آنے والے وفود کوانعام واکرام کے ساتھ رخصت کرنے (۲)، عمل بالقرآن کرنے (۳)، جیش اسامہ کو اپنے ہدف کی طرف بھیجنے (۴)، نمازوں کا اہتمام کرنے (۵)، غلاموں کے حقوق کی رعایت کرنے (٦) اور آپ کی قبر مبارک کو بت پرستی کی آماجگاہ نہ بنانے (۷) کی وصیتیں فرمادیں۔

واقعۂ قرطاس

اس حدیث کو "حدیث قرطاس" کہتے ہیں اور یہ واقعہ "واقعۂ قرطاس" کہلاتا ہے۔

اس واقعہ کی بنیاد پر روافض نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خوب طعن وتشنیع کی ہے اور دعوی کیا ہے کہ دراصل خلیفۂ بلافصل ہونے کا استحقاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا، آپ اسی کو لکھوانا چاہتے تھے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو (معاذ اللہ) اس سے روک دیا۔

اس سلسلہ میں ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی احق بالخلافۃ تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے برعکس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے متعلق کوئی تحریر لکھوانا نہیں چاہتے تھے۔

---

(۱) دیکھئے صحیح البخاري (ج۱ص۴۲۹) کتاب الجهاد والسير، باب هل يستشفع إلى أهل الذمة ومعاملتهم، رقم (۳۰۵۳)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) قال الداودي: وجزم به ابن التين۔ انظر فتح الباري (ج۸ص۱۳۵)، كتاب المغازي، باب مرض النبي صلى الله عليه وسلم ووفاته۔

(٤) قاله المهلب، وقواه ابن بطال، انظر شرح صحيح البخاري لابن بطال (ج۵ص۲۱۵) كتاب الجهاد، باب جوائز الوفود۔

(۵) قاله الحافظ احتمالاً۔ فتح الباري (ج۸ص۱۳۵)۔

(٦) حوالہ بالا۔

(۷) قاله عياض، فتح الباري (ج۸ص۱۳۵)۔

استحقاقِ خلافت

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ہم ذیل میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے استحقاقِ خلافت سے متعلق روایات ذکر کررہے ہیں:-

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم في مرضه: ادعي لي أبا بكر أباك وأخاك، حتى أكتب كتابا، فإني أخاف أن يتمنى متمن، ويقول قائل: أنا أولى، ويأبى الله والمؤمنون إلا أبابكر"۔ (۱)

یعنی "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں مجھ سے فرمایا، میرے لئے اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلواؤ، تاکہ میں تحریر لکھ دوں، کیونکہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا یوں کہے کہ میں خلافت کا زیادہ حقدار ہوں، جبکہ اللہ اور اہل ایمان کو ابوبکر کے سوا کوئی اور منظور نہیں"۔

اس روایت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی احقیت بالخلافۃ بداہۃً ثابت ہورہی ہے۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک روایت میں ہے:

"..... لقد هممت — أو أردت — أن أرسل إلى أبي بكر وابنه، وأعهد، أن يقول القائلون، أو يتمنى المتمنون، ثم قلت: يأبى الله ويدفع المؤمنون، أو يدفع الله ويأبى المؤمنون"۔ (۲)

یعنی "میرا ارادہ ہوا کہ میں ابوبکر اور ان کے بیٹے کو بلا بھیجوں اور وصیت کردوں، اس ڈر سے کہ

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۶۱۸۱)۔

(۲) صحيح البخاري (ج۲ص۸۴۶)، كتاب المرضى، باب قول المريض: إني وجع، أو وا رأساه! أو اشتد بي الوجع، رقم (۵۶۶۶)، و(ج۲ص۱۰۷۲) كتاب الأحكام، باب الاستخلاف، رقم (۷۲۱۷)۔

کہنے والے کہنے لگیں اور تمنا نہیں کرنے والے تمنا کریں کہ خلافت انہیں ملنی چاہیے، پھر سوچا کہ اللہ تعالی اور اہل ایمان خود اس کو رد کر دیں گے''۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے:

"سمعت أذناي ووعاه قلبي من رسول الله صلى الله عليه وسلم: الناس تبع لقريش، صالحهم تبع لصالحهم، وشرارهم تبع لشرارهم"۔ (۱)

یعنی ''لوگ ہر صورت میں قریش کے تابع ہیں، ان کے نیکوکار نیکوکاروں کے تابع اور ان کے بدکار بدکاروں کے تابع''۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے:

"أبوبكر وعمر سيدا كهول أهل الجنة من الأولين والآخرين، ماخلا النبيين والمرسلين، لاتخبرهما يا علي"۔ (۲)

یعنی ''ابوبکر اور عمر جنت کے ادھیڑ عمر حضرات کے سردار ہوں گے، ماسوائے انبیاء و رسل کے، لیکن اے علی! ان کو مت بتانا''۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے:

"رحم الله أبا بكر زوجني ابنته، وحملني إلى دار الهجرة، وأعتق بلالا من ماله، رحم الله عمر، يقول الحق وإن كان مرا، تركه الحق وما له صديق، رحم الله عثمان تستحييه الملائكة، رحم الله عليا، اللهم أدر الحق معه حيث دار"۔ (۳)

یعنی ''اللہ تعالی ابوبکر پر رحم فرمائے، انہوں نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی، مجھے دار ہجرت تک لے کر آئے اور اپنے مال سے حضرت بلال کو آزاد کیا، اللہ تعالی عمر پر رحم فرمائے، حق بات

---

(۱) مسند أحمد (ج۱ص۱۰۱) رقم (۷۹۰) من مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنه۔

(۲) جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۳٦٦٦)۔

(۳) جامع الترمذي، كتاب المناقب، باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه، رقم (۳۷۱٤)۔

کہتے ہیں اگر چہ کڑوی ہو، حق بات نے ان کو یہاں تک پہنچایا کہ ان کا کوئی دوست نہیں، اللہ تعالیٰ عثمان پر رحم فرمائے کہ ملائکہ بھی ان سے شرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ علی پر رحم فرمائے، اے اللہ! حق کو اسی طرف موڑ دے جس طرف علی کا رخ ہو"۔

اس سے خلفاء کی ترتیب خلافت پر جلی تعریض ہو رہی ہے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے "حدیث قلیب" مروی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"رأيت الناس مجتمعين في صعيد، فقام أبوبكر فنزع ذنوبا أو ذنوبين، و في بعض نزعه ضعف، والله يغفر له، ثم أخذها عمر، فاستحالت بيده غربا، فلم أر عبقريا في الناس يفري فريه، حتى ضرب الناس بعطن" (۱) (اللفظ لحديث ابن عمر)

یعنی "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے (خواب میں) دیکھا کہ لوگ ایک جگہ کھڑے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے ایک دو ڈول پانی کے کھینچے، ان کے کھینچنے میں کچھ کمزوری تھی (اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں چونکہ مانعین زکوۃ کا فتنہ کھڑا ہو گیا تھا اور دوسری طرف کچھ مدعیانِ نبوت نے ہنگامہ آرائی کی تھی، اس لئے وہ ان فتنوں کے کچلنے میں مصروف ہو گئے تھے، اسی وجہ سے وہ اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کا وہ کارنامہ انجام نہ دے سکے جو حالات کے سازگار ہو جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انجام دیا) اللہ تعالیٰ ان کی کمزوری کو معاف فرمائے"۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ ڈول سنبھال لیا، ان کے ہاتھ میں آ کر وہ ڈول چرس

---

(۱) صحيح البخاري (ج۱ ص۵۱۳)، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (۳۶۳۳)، و(ج۱ ص۵۱۷) كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب (بدون ترجمة بعد باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لو كنت متخذا خليلا)، رقم (۳۶۶۴)، وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضي الله عنه، رقم (۶۱۹۲-۶۱۹۷)۔

(چمڑے کا بڑا ڈول) بن گیا، میں نے کسی قوی اور مضبوط آدمی کو حضرت عمر کی طرح ڈول کھینچتا ہوا نہیں دیکھا، حتی کہ لوگوں نے وہاں اپنے اونٹوں کے باڑے بنا لئے، (وہاں انہوں نے مستقل قیام شروع کر دیا، اس وجہ سے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کارکردگی سے ان کو راحت اور اطمینان زیادہ حاصل ہوا اور انہوں نے اسلام کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔)

اس حدیث سے واضح طور پر اشارہ مل رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے، کیونکہ انبیاء کرام کا خواب بھی وحی ہی ہوتا ہے۔

۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء اربعہ کا تذکرہ ان کے بعض مناقب کے ساتھ کیا ہے، یہ تذکرہ بھی علی ترتیب الخلافۃ ہوا ہے "أرأف أمتي بأمتي أبوبكر، وأشدهم في الإسلام عمر، وأصدقهم حياء عثمان، أقضاهم علي"۔ (۱)

یعنی "میری امت میں اس امت پر سب سے زیادہ شفیق ابوبکر ہیں، اسلام کے بارے میں سب سے سخت عمر ہیں، سب سے سچی حیا والے عثمان ہیں اور عدل و انصاف میں سب سے بڑھ کر علی ہیں"۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے ایک روایت مروی ہے، جس کے اشارہ سے شیخین کی ترتیب خلافت معلوم ہوتی ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنا أول من تنشق عنه الأرض، ثم أبوبكر، ثم عمر ...."۔ (۲)

یعنی "سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی، پھر ابوبکر کی، پھر عمر کی"۔

۹۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبي بكر: يا أبابكر، إن الله أعطاني ثواب

---

(۱) رواه أبو يعلى في مسنده، انظر المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية (ج ۴ ص ۸۵) باب ما اشترك فيه جماعة من الصحابة، رقم (۴۰۳۱)۔

(۲) جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب بلا ترجمة، تحت مناقب عمر بن الخطاب رضي الله عنه، رقم (۳۶۹۲)۔

عمن آمن بي منذ خلق آدم إلى أن بعثني، وإن الله تعالى أعطاك يا أبابكر ثواب من آمن بي منذ بعثني إلى يوم القيامة"۔(۱)

یعنی "اے ابوبکر! اللہ تعالی نے مجھے حضرت آدم کی پیدائش سے میری بعثت تک جتنے لوگ ایمان لائے سب کا ثواب عطا فرمایا اور تمہیں میری بعثت سے قیامت تک جتنے لوگ ایمان لائیں گے ان سب کا ثواب عطا فرمایا ہے"۔

۱۰۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت منقول ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاينبغي لقوم فيهم أبوبكر أن يؤمهم غيره"۔ (۲)

یعنی "جس قوم اور جماعت میں ابوبکر ہوں تو کسی اور کو امامت نہیں کرنی چاہئے"۔

۱۱۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن أهل الدرجات العلى يراهم من أسفل منهم كما يُرى الكوكب الطالع في الأفق من آفاق السماء، وإن أبا بكر وعمر منهم وأنعما"۔ (۳)

یعنی "بلند درجات والے حضرات کو نیچے والے اس طرح دیکھیں گے جیسے آسمان کے افق پر طلوع ہونے والا ستارہ دکھائی دیتا ہے اور ابوبکر وعمر ان ہی میں سے ہیں اور ان کو مزید بہت کچھ ملے گا"۔

۱۲۔حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں، جو آپ نے حضرت علی

(۱) كنز العمال (ج۱۱ص۵۵۹)، كتاب الفضائل، الباب الثالث في ذكر الصحابة وفضلهم، رقم (۳۲۶٤۲)۔

(۲) جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۳٦۷۳)۔

(۳) سنن ابن ماجه، المقدمة، فضل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۹٦)، وجامع الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۳٦۵۸)۔

رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا:

”هذان سيدا كهول أهل الجنة من الأولين والآخرين، إلا النبيين والمرسلين، لا تخبرهما يا علي“۔ (١)

۱۳۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقتدوا باللذين من بعدي: أبي بكر وعمر“۔ (٢)

یعنی ”میرے بعد جو دو افراد ہیں یعنی ابوبکر اور عمر، ان کی اقتدا کرو“۔

۱۴۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أري الليلة رجل صالح أن أبابكر نيط برسول الله صلى الله عليه وسلم، ونيط عمر بأبي بكر، ونيط عثمان بعمر، قال جابر: فلما قمنا من عند رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا: أما الرجل الصالح فرسول الله صلى الله عليه وسلم، وأما ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم من نوط بعضهم ببعض، فهم ولاة هذا الأمر الذي بعث الله به نبيه صلى الله عليه وسلم“۔ (٣)

یعنی ”آج ایک نیک شخص کو خواب میں دکھایا گیا کہ ابوبکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور حضرت عمر ابوبکر کے ساتھ، عثمان عمر کے ساتھ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو ہم نے اس کی تعبیر یہ کی کہ نیک شخص

---

(١) جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (٣٦٦٤)۔

(٢) جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (٣٦٦٢، ٣٦٦٣)۔

(٣) مسند أحمد (ج٣ص٣٥٥)، مسند جابر بن عبد الله رضي الله عنه، رقم (١٤٨٨١)، والمستدرك للحاكم (ج٣ص٧١)، كتاب معرفة الصحابة، فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کے دوسرے کے ساتھ معلق ہونے کا جو ذکر کیا ہے سو یہ دین اور خلافت کے ذمہ داروں کا تذکرہ ہے، جس کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے''۔

اس روایت سے نہ صرف یہ کہ یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ احق بالخلافۃ ہیں، بلکہ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

۱۵۔ حضرت جبیر بن مُطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"أتت امرأة النبي صلى الله عليه وسلم، فأمرها أن ترجع إليه، قالت: أرأيت إن جئت ولم أجدك؟ كأنها تقول: الموت، قال عليه الصلاة والسلام: إن لم تجديني فأتي أبابكر"۔ (۱)

یعنی ''ایک خاتون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، آپ نے ان کو دوبارہ آنے کو کہا، انہوں نے عرض کیا اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں گویا وہ آپ کے وصال کی طرف اشارہ کر رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس چلی جانا''۔

اس روایت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر واضح طور پر دلالت ہو رہی ہے۔

۱۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"كنا نخير بين الناس في زمن النبي صلى الله عليه وسلم، فنخير أبابكر، ثم عمر

---

(۱) صحيح البخاري (ج۱ص۵۱۶) كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب (بدون ترجمة، بعد باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لو كنت متخذاً خليلاً)، رقم (۳۶۵۹)، و(ج۲ص۱۰۷۲) كتاب الأحكام، باب الاستخلاف، رقم (۷۲۲۰)، و(ج۲ص۱۰۹۴) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الأحكام التي تعرف بالدلائل وكيف معنى الدلالة وتفسيرها، رقم (۷۳۶۰)، وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۶۱۷۹، ۶۱۸۰)۔

ابن الخطاب، ثم عثمان بن عفان رضي الله عنهم"۔(۱)

یعنی ''ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض حضرات کو دوسرے بعض پر فضیلت دیتے تھے، چنانچہ ہم سب سے افضل ابوبکر کو، پھر عمر بن خطاب کو اور پھر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم کو قرار دیتے تھے''۔

اس حدیث کے ایک دوسرے طریق کے الفاظ ہیں:

"كنا في زمن النبي صلى الله عليه وسلم لانعدل بأبي بكر أحداً، ثم عمر، ثم عثمان، ثم نترك أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم لانفاضل بينهم"۔ (۲)

یعنی ''ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت ابوبکر کے برابر کسی کو نہیں قرار دیتے تھے، پھر عمر کا درجہ تھا، پھر عثمان کا، پھر دیگر حضرات صحابہ کے درمیان مفاضلت کا معاملہ نہیں کرتے تھے''۔

یہ روایت بھی ان حضرات کی ترتیب افضلیت اور پھر ترتیب احقیت بالخلافۃ پر گویا صریح ہے۔

۱۷۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أبو بكر سيدنا وخيرنا وأحبنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔ (۳)

یعنی ''ابوبکر ہمارے سردار، ہم میں سب سے بہتر اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے محبوب تھے''۔

۱۸۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

(۱) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۵۱٦) كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب فضل أبي بكر بعد النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۳٦۵۵)۔

(۲) صحيح البخاري (ج ۱ ص ۵۲۲ و ۵۲۳)، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب مناقب عثمان بن عفان أبي عمرو القرشي رضي الله عنه، رقم (۳٦۹۷)۔

(۳) جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۳٦۵٦)۔

"مرض النبي صلى الله عليه وسلم، فاشتد مرضه، فقال: مروا أبابكر فليصل بالناس، قالت عائشة: إنه رجل رقيق، إذا قام مقامك لم يستطعْ أن يصلّي بالناس، قال: مروا أبا بكر فليصل بالناس، فعادت، فقال: مُري أبابكر فليصل بالناس، فإنكن صواحب يوسف، فأتاه الرسول، فصلّى بالناس في حياة النبي صلى الله عليه وسلم"۔ (۱)

یعنی "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں جب شدت پیدا ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ وہ نرم دل آدمی ہیں، آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، آپ نے فرمایا ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ نے پھر اپنی بات دہرائی، آپ نے فرمایا ابوبکر کو کہو کہ وہ نماز پڑھائیں اور تم یوسف علیہ السلام کی عورتوں کی طرح ہو، قاصد ابوبکر کے پاس پہنچا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لوگوں کو نماز پڑھائی"۔

یہ روایت حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عائشہ (۲)، حضرت عبداللہ بن مسعود (۳)، حضرت عبداللہ بن عباس (۴)، حضرت عبداللہ بن عمر (۵)، حضرت عبداللہ بن زمعہ (۶) اور حضرت علی بن ابی طالب (۷) رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

چنانچہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ (۸)

---

(۱) صحيح البخاري (ج۱ص۹۳) كتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، رقم (۶۷۸)، و(ج۱ص۴۷۹) كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى ﴿لقد كان في يوسف وإخوته آيات للسائلين﴾، رقم (۳۳۸۵)، وصحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام ... رقم (۹۴۸)۔

(۲) صحيح البخاري (ج۱ص۹۳) كتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، رقم (۶۷۹)۔

(۳) التمهيد (ج۲۲ص۱۳۱)۔

(۴) مسند أحمد (ج۱ص۲۳۱و۲۳۲)، رقم (۲۰۵۵)، و(ج۱ص۳۵۶) مسند عبد الله بن عباس، رقم (۳۳۵۵)۔

(۵) صحيح البخاري (ج۱ص۹۴)، كتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة، رقم (۶۸۲)۔

(۶) مسند أحمد (ج۴ص۳۲۲) مسند عبد الله بن زمعة، رقم (۱۹۱۱۳)۔

(۷) الاستيعاب بهامش الإصابة (ج۲ص۲۵۱)، والتمهيد (ج۲۲ص۱۲۹)۔

(۸) تاريخ الخلفاء (ص۵۵)، فصل في الأحاديث والآيات المشيرة إلى خلافته وكلام الأئمة في ذلك۔

۱۹۔حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

"خطب النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: إن الله خيّر عبداً بين الدنيا وبين ما عنده، فاختار ما عند الله، فبكى أبوبكر رضي الله عنه ... قال: يا أبابكر، لاتبك، إن من أمنّ الناس عليّ في صحبته وماله أبوبكر، ولو كنت متخذاً خليلاً لاتخذت أبابكر، ولكن أخوة الإسلام ومودته، لايبقين في المسجد باب إلا سُدّ، إلا باب أبي بكر"۔ (۱)

یعنی "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالی نے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ یا تو دنیا میں رہنا پسند کرو یا جو کچھ میرے پاس ہے اس کو اختیار کرلو۔ سو اس بندہ نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے اس کو اختیار کرلیا، یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر رو پڑے، آپ نے فرمایا اے ابوبکر! مت روو! اور فرمایا کہ اپنی صحبت اور مال کے اعتبار سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ہیں، اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، البتہ اسلامی اخوت اور اسلامی مودت ہی کافی ہے، مسجد کی طرف کھلنے والا ہر دروازہ بند کردیا جائے، ہاں! ابوبکر کا دروازہ مستثنی ہے"۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ (۲)

یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ مسند احمد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "أمر

(۱) صحيح البخاري (ج۱ص۶۶، ۶۷) كتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد، رقم (۴۶۶)، و(ج۱ص۵۱۶) كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: سدوا الأبواب إلا باب أبي بكر، رقم (۳۶۵۴)، و(ج۱ص۵۵۲) كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه إلى المدينة، رقم (۳۹۰۴)، وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه، رقم (۶۱۷۰، ۶۱۷۱)۔

(۲) [illegible] (ص ۵۴)۔

رسول الله صلى الله عليه وسلم بسد الأبواب الشارعة في المسجد وترك باب علي" ۔(۱) یعنی ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد کی طرف کھلنے والے سارے دروازے بند کردیے جائیں البتہ حضرت علی کا دروازہ چھوڑ دیا جائے''۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مسند احمد کی یہ روایت صحیحین کی روایت سے متعارض ہے، جس میں استثناء صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہوا ہے، پھر مسند احمد والی روایت "حجاج عن فطر، عن عبدالله بن شريك، عن عبد الله بن الرُّقيم الكناني" کے طریق سے مروی ہے، یہ روایت صحیحین کی روایت کا معارضہ نہیں کرسکتی، کیونکہ فطر بن خلیفہ شیعی ہیں۔(۲) عبداللہ بن شریک عامری بھی شیعی ہیں (۳) اور عبداللہ بن الرُّقیم مجہول ہیں۔(۴)

اور اگر صحیح ہو تب بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ نے یہ شروع شروع میں ارشاد فرمایا تھا، جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دروازہ کو باقی رکھنے کا حکم آپ نے بالکل آخر میں دیا تھا۔ والله أعلم۔

۲۰۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت کچھ لوگ آئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی خواہش ظاہر کی، اس پر انہوں نے فرمایا:

"تأتوني وفيكم ثالث ثلاثة، يعني أبابكر، فقلت لمحمد: من الثالث ثلاثة؟ قال: قول الله: ﴿ثاني اثنين إذهما في الغار﴾"۔(۵)

---

(۱) مسند أحمد (ج۱ص۱۷۵) مسند أبي إسحاق سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، رقم (۱۵۱۱)۔

(۲) سعي حلقه، انظر الكاشف (ج۲ص۱۲۵) رقم (۴۴۹۴)۔

(۳) ذكره ابن حبان في المجروحين فقال: "كان غالياً في التشيع، يروي عن الأثبات ما لايشبه حديث الثقات، فالتنكب عن حديثه أولى من الاحتجاج به، وقد كان مع ذلك مختاريا (أي من أصحاب المختار)"۔ انظر تعليقات تهذيب الكمال (ج۱۵ص۸۹)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج۱۴ص۵۰۵ و ۵۰۶)۔

(۵) المصنف لابن أبي شيبة (ج۷ص۴۳۳، ۴۳۴) كتاب المغازي، باب ما جاء في خلافة أبي بكر رضي الله عنه وسيرته في الردة، رقم (۳۷۰۴۰)۔

یعنی "تم میرے پاس آرہے ہو جبکہ تم میں تین میں سے تیسرے شخص موجود ہیں؟ مراد ابوبکر ہیں، میں نے محمد سے پوچھا کہ یہ تیسرے فرد کون ہیں؟ فرمایا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے "دو میں سے دوسرے، جب وہ دونوں غار میں تھے"۔

۲۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اجعلوا إمامكم خيركم، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم جعل إمامنا خيرنا بعده"۔ (۱)

یعنی "اپنا امام اس شخص کو بناؤ جو تم میں سے سب سے بہتر ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ہمارا امام اس شخص کو بنایا تھا جو ہم میں سے سب سے بہتر تھا"۔

۲۲۔ نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ما رأى المسلمون حسنا فهو عند الله حسن، وما رأوا سيئا فهو عند الله سيئ، وقد رأى أصحابه جميعا أن يستخلف أبابكر"۔ (۲)

یعنی "جس چیز کو مسلمان بہتر سمجھیں وہ بہتر ہے اور جس چیز کو وہ بدتر سمجھیں وہ بدتر ہے اور آپ کے تمام صحابہ نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانے کو بہتر سمجھا ہے"۔

۲۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

"كانا إمامي هدى، راشدين مرشدين مصلحين منجحين خرجا من الدنيا خميصين"۔ (۳)

یعنی "یہ دونوں حضرات ہدایت کے امام اور رہنما تھے، مصلح تھے، مقاصد خیر میں کامیاب وکامران

(۱) الاستيعاب بهامش الإصابة (ج۲ ص۲۵۱) والتمهيد (ج۲۲ ص۱۳۱)۔

(۲) المستدرك للحاكم (ج۳ ص۷۸) كتاب معرفة الصحابة۔

(۳) طبقات ابن سعد (ج۳ ص۲۰۱)۔

تھے، دنیا سے بھوکے اور گرسنہ رخصت ہوئے، یعنی طمع ولالچ کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا"۔

۲۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"إن الله جعل أبابكر وعمر حجة على من بعدهما من الولاة إلى يوم القيامة، فسبقا والله سبقاً بعيداً، وأتعبا والله من بعدهما إتعاباً شديداً..."۔ (١)

یعنی "اللہ تعالیٰ نے ابوبکر وعمر کو بعد میں قیامت تک آنے والے خلفاء پر حجت بنادیا ہے، چنانچہ بخدا! وہ دونوں بہت آگے تک سبقت لے گئے اور اپنے بعد آنے والوں کو بہت سخت تعب ومشقت میں ڈال دیا"۔

۲۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک طویل اثر ہے، جس میں آپ نے نہایت واضح طور پر حضرات شیخین کی منقبت بیان فرماکے ان کے احق بالخلافۃ ہونے کا ذکر فرمایا ہے:

"... فلما حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم الوفاة قال: مروا أبابكر أن يصلي بالناس، وهو يرى مكاني، فصلى بالناس سبعة أيام في حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما قبض الله نبيه ارتد الناس عن الإسلام، فقالوا: نصلي ولانعطي الزكاة، فرضي أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبى أبوبكر منفرداً برأيه، فرجح برأيه رأيهم جميعاً، وقال: والله، لو منعوني عقالاً ما فرض الله ورسوله لجاهدتهم عليه، كما أجاهدهم على الصلاة، فأعطى المسلمون البيعة طائعين، فكان أول ماسبق في ذلك من ولد عبد المطلب أنا، فمضى رحمة الله عليه وترك الدنيا وهي مقبلة، فخرج منها سليماً، فسار فينا بسيرة رسول الله صلى الله عليه وسلم، لاننكر من أمره شيئاً، حتى حضرته الوفاة، فرأى عمر أقوى عليها ولو كانت محاباة لآثر بها ولده، واستشار المسلمين في ذلك، فمنهم من رضي ومنهم من كره، وقالوا: أتؤمّر علينا من كان عناناً وأنت حي؟ فماذا تقول لربك إذا

(١) أسد الغابة (ج٤ ص١٥٧) ترجمة عمر الفاروق رضي الله عنه.

قدمت عليه؟ قال: أقول لربي إذا قدمت عليه: إلهي! أمّرتُ عليهم خير أهلك، فأمّر علينا عمر، فقام فينا بأمر صاحبيه، لاننكر منه شيئا، نعرف فيه الزيادة كل يوم في الدين والدنيا، فتح الله به الأرضين، ومصّر به الأمصار، لاتأخذه في الله لومة لائم، البعيد والقريب سواء في العدل والحق، وضرب الله بالحق على لسانه وقلبه، حتى إن كنا لنظن أن السكينة تنطق على لسانه، وأن ملكا بين عينيه يسدده ويوفقه...... الحديث"۔ (۱)

یعنی ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میری موجودگی اور قرب خاص کا علم تھا، چنانچہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سات دنوں تک نماز پڑھائی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے پاس بلالیا تو کچھ لوگ مرتد ہوگئے، کہنے لگے ہم نماز تو پڑھیں گے پر زکوۃ ادا نہیں کریں گے، تمام صحابہ راضی ہوگئے، لیکن ابو بکر اکیلے اپنی رائے پر نہ صرف جمے رہے، بلکہ دوسروں کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے کو برتر ثابت کردیا اور فرمایا: خدا کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے ایک رسی بھی دینے سے انکار کریں جو اللہ و رسول نے ان پر لازم کی ہو تو میں اس کی وجہ سے ان سے جہاد کروں گا، جیسا کہ نماز کے واسطے جہاد کرنا لازم ہوگا۔ چنانچہ تمام مسلمانوں نے خوشی اور رضامندی سے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اس سلسلے میں عبد المطلب کی اولاد میں، میں سب سے سبقت کرنے والا ہوں، ابو بکر۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر نازل ہوں۔ چلے گئے اور دنیا کو اس حال میں چھوڑا کہ ان کی طرف دنیا بڑھ رہی تھی، لیکن وہ دنیا سے اپنے آپ کو بچا کر نکل گئے، ہم میں وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور طریقہ کے مطابق چلتے رہے، چنانچہ ہم نے ان کے کسی بھی معاملہ کو اوپرا نہیں پایا، یہاں تک کہ ان کی وفات کا وقت آگیا، انہوں نے دیکھا کہ خلافت کے لئے عمر بہت مضبوط ہیں، اگر محض نواز نے

(۱) أسد الغابة (ج ٤ ص ١٥٦، ١٥٧)۔

کا ارادہ ہوتا تو اپنی اولاد میں سے کسی کو وہ ترجیح دیتے، لیکن انہوں نے مسلمانوں سے مشورے کئے، بعض راضی ہوئے اور بعض نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آپ ہمارے اوپر ایک ایسے شخص کو امیر بنانا چاہتے ہیں جو آپ کی زندگی میں آپ کو اپنی رائے سے پھیر دیتے تھے، اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہو کر آپ کیا جواب دیں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں عرض کروں گا کہ اے الٰہی! میں نے مسلمانوں پر تیرے بندوں میں سب سے بہتر آدمی کو مقرر کیا ہے۔ سو انہوں نے ہمارے اوپر عمر کو امیر بنا دیا، وہ اپنے پیشرو دونوں اصحاب کی طرح ہمیں لے کر چلے، کوئی چیز قابل نکیر نہیں تھی، ہر روز دینی و دنیوی ترقی ہو رہی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں ممالک فتح کرائے، شہروں کو بسایا، ان کو کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہیں تھا، عدل و انصاف میں قریب و بعید برابر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب و زبان پر حق کو ڈال دیا تھا حتی کہ ہم سمجھتے تھے کہ سکینت و وقار ان کی زبان کے تابع ہے اور یہ کہ ایک فرشتہ ان کے سامنے رہتا ہے، جو ان کو سیدھی راہ بتاتا ہے۔

۲۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"إن أول من يدخل الجنة من هذه الأمة أبوبكر وعمر، قال: فقال رجل: يا أمير المؤمنين، يدخلانها قبلك؟ قال: إي، والذي فلق الحبة وبرأ النسمة، ليدخلانها قبلي، ويشبعان من ثمارها، وليرويان من مائها، وإني لموقوف مع معاوية في الحساب"۔ (۱)

یعنی "اس امت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے ابوبکر و عمر ہوں گے، ایک شخص نے عرض کیا یا امیر المؤمنین! کیا وہ دونوں آپ سے بھی پہلے جائیں گے؟ فرمایا: ہاں! اس ذات کی قسم! جس نے دانے کو پھاڑا اور جانوں کو پیدا کیا، وہ دونوں مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، وہاں کے پھلوں سے شکم سیر اور وہاں کے پانی سے سیراب ہوں گے، جبکہ میں

(۱) كتاب الكنى والأسماء للدولابي (ج۱ص۱۱۹، ۱۲۰)۔

معاویہ کے ساتھ حساب کتاب میں کھڑا ہوں گا''۔

۲۷۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"سبق رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وصلّی أبوبکر وثلث عمر، ثم خبطتنا أو أصابتنا فتنة فماشاء اللّٰہ عزوجل"۔ (۱)

یعنی''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے، دوسرے نمبر پر ابوبکر تھے اور تیسرا نمبر عمر کا تھا، پھر ان کے بعد ہمیں فتنوں نے پکڑ لیا''۔

۲۸۔ عن أبي الزناد قال: قال رجل لعليّ: یا أمیر المؤمنین، ما بال المهاجرین والأنصار قدموا أبابکر وأنت أوفی منه منقبة، وأقدم منه سلماً، وأسبق سابقة؟! قال: إن کنت قرشیا فأحسبك من عائذة، قال: نعم، قال: لولا أن المؤمن عائذ اللّٰه لقتلتك، ولئن بقیت لتأتینك مني روعة حصراء، وبحك! إن أبابکر سبقني إلی أربع، سبقني إلی الإمامة، وتقدیم الإمامة وتقدیم الهجرة وإلی الغار وإفشاء الإسلام، ویحك! إن اللّٰه ذم الناس کلهم ومدح أبابکر، فقال: ﴿إلا تنصروه فقد نصره اللّٰه﴾"۔ (۲)

یعنی''ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا، امیر المومنین! یہ کیا بات ہے کہ انصار ومہاجرین نے ابوبکر کو مقدم کیا، حالانکہ آپ ان کے مقابلہ میں زبردست مناقب کے حامل، اسلام میں ان سے سابق اور کارناموں کے اعتبار سے بڑھ کر ہیں؟! آپ نے فرمایا کہ اگر تم قریشی ہو تو تمہارا تعلق عائذہ سے ہوگا، اس نے عرض کیا کہ ہاں، آپ نے فرمایا اگر صاحب ایمان اللہ تعالیٰ کی پناہ لئے ہوئے نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل کر ڈالتا اور اگر تو زندہ رہا تو میری طرف سے تجھ پر زبردست خوف کا معاملہ پیش آئے گا، تیرا ناس جائے! ابوبکر مجھ سے چار چیزوں

(۱) مسند أحمد (ج۱ص۱۲٤) رقم (۱۰۲۰) و(ج۱ص۱٤۷) رقم (۱۲٥٦) و(۱۲٥۹)۔

(۲) کنز العمال (ج۱۲ص٥۱٤) رقم (۳٥٦۷٦)۔

میں سابق ہیں، امامت، ہجرت، غار میں سکونت اور اسلام کی نشر و اشاعت، تیرا ناس ہو! اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کی مذمت بیان کی اور ابوبکر کی تعریف کی، فرمایا اگر تم ان کی نصرت نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ ان کا ناصر ہے ....."۔

۲۹۔ سلمۃ بن زفر رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

"كان عليٌّ إذا ذُكر عنده أبوبكر قال: السبّاق يذكرون! السبّاق يذكرون! والذي نفسي بيده، ما استبقنا إلى خير قط إلا سبقنا إليه أبوبكر"۔ (۱)

یعنی "حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوتا تو بار بار فرماتے سب سے سبقت لے جانے والے کا تذکرہ ہو رہا ہے!! اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب بھی کسی خیر کے کام میں ہمارا مقابلہ ہوا تو ابوبکر ہم سے ہمیشہ گوئے سبقت لے جاتے ہیں"۔

۳۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

"لقد أمر النبي صلى الله عليه وسلم أبابكر أن يصلي بالناس، وإني لشاهد وما أنا بغائب، وما بي مرض، فرضينا لدنيانا مارضي به النبي صلى الله عليه وسلم لديننا"۔ (۲)

یعنی "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو جب لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تو میں وہاں حاضر تھا، غائب نہیں تھا، میں بیمار بھی نہیں تھا، آپ نے جس شخص کو ہمارے دین کے لئے پسند کیا ہم نے اپنی دنیا کے لئے بھی ان ہی کو پسند کرلیا"۔

۳۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

"إن أكرم الخلق من هذه الأمة على الله بعد نبيها وأرفعهم درجةً: أبوبكر؛

(۱) كنز العمال (ج۱۲ص۵۱٤)، رقم (۳۵٦۷۵)۔

(۲) كنز العمال (ج۱۲ص۵۱۳) رقم (۳۵٦۷۰)، وانظر الطبقات لابن سعد (ج۳ص۸۳)۔

لجمعه القرآن بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقيامه بدين الله مع عديد سوابقه وفضائله"۔ (۱)

یعنی "اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کا سب سے معزز ترین فرد اور درجہ کے اعتبار سے سب سے ارفع ابوبکر ہیں، کیونکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن کریم کو جمع کیا، اللہ کے دین کی حفاظت کی، ان کے علاوہ دیگر فضائل اور کارنامے بھی ہیں"۔

۳۲۔ حضرت اسید بن صفوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لما توفي أبوبكر سجود ثوبا، وارتجت المدينة بالبكاء، ودهش الناس، كيوم قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم: جاء علي بن أبي طالب مسرعاً باكيا مسترجعاً، وهو يقول: اليوم انقطعت خلافة النبوة، حتى وقف على باب البيت الذي فيه أبوبكر، ثم قال: رحمك الله! أبابكر، كنت أول القوم إسلاما، وأخلصهم إيمانا، وأكثرهم يقينا، وأعظمهم غنى، وأحدبهم على الإسلام، وأحوطهم على رسول الله صلى الله عليه وسلم، وآمنهم على أصحابه، وأحسنهم صحبة، وأفضلهم مناقب، وأكثرهم سوابق، وأرفعهم درجة، وأقربهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأشبههم به هديا، وسمتا، وخلقا، ودلًّا، وأشرفهم منزلة، وأكرمهم عليه وأوثقهم عنده ..."۔ (۲)

یعنی "جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان پر ایک کپڑا ڈال دیا گیا، مدینہ میں کہرام برپا ہو گیا، لوگوں پر ایسی کیفیت طاری تھی جیسی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے موقع پر تھی، اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ تیزی سے انا للہ ... پڑھتے ہوئے اور روتے

(۱) كنز العمال (ج ۱۲ ص ۴۱۶)، رقم (۳۵۶۰۳)۔

(۲) كنز العمال (ج ۱۲ ص ۴۴۲، ۴۴۳)۔

ہوئے آئے، وہ کہہ رہے تھے کہ آج نبوت والی خلافت ختم ہوگئی، یہاں تک کہ گھر کے دروازہ کے پاس کھڑے ہوگئے اور فرمایا: اللہ! آپ پر- اے ابوبکر- رحمتیں نازل فرمائے، آپ سب سے پہلے اسلام لانے والے، ایمان میں سب سے مخلص، یقین میں سب سے زیادہ، استغناء میں سب سے بڑھ کر، اسلام کے لئے سب سے شفیق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والے، آپ کے صحابہ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے، صحبت کے اعتبار سے سب سے بہتر، مناقب کے اعتبار سے سب سے عظیم، فضائل میں سب سے زیادہ، درجہ میں سب سے بلند، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریب، طریقۂ کار، اخلاق اور عادت کے اعتبار سے آپ کے مشابہ، درجہ کے اعتبار سے سب اشرف، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے معزز اور معتمد تھے"۔

۳۳۔ عن عبد خیر قال: سمعته یقول: قام عليٌّ علی المنبر، فذكر رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقال: قبض رسول الله صلی الله علیه وسلم، واستخلف أبوبكر رضي الله عنه، فعمل بعمله، وسار بسيرته، حتی قبضه الله عزوجل علی ذلك، ثم استخلف عمر، فعمل بعملهما وسار بسيرتهما، حتی قبضه الله علی ذلك"۔ (۱)

یعنی "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہوکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا، فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، آپ ہی کے عمل اور سیرت پر چلتے رہے، تا آنکہ اللہ تعالی نے اسی پر ان کو اپنے پاس بلالیا، پھر عمر خلیفہ بنے، وہ بھی اپنے دونوں پیشرؤوں کے عمل اور سیرت پر عمل کرتے رہے، تا آنکہ ان کا بھی اسی پر انتقال ہوگیا"۔

۳۴۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے "یوم الجمل" کے موقع پر ارشاد فرمایا:

"إن رسول الله صلی الله علیه وسلم لم يعهد إلينا عهداً نأخذ به في إمارة، ولكنه

(۱) مسند أحمد (ج۱ص۱۲۸) مسند علي رضي الله عنه، رقم (۱۰۵۵) و (۱۰۵۹)۔

منّي، رأيناه من قبل أنفسنا، ثم استخلف أبوبكر، رحمة الله على أبي بكر، فأقام واستقام، ثم استخلف عمر، رحمة الله على عمر، فأقام واستقام، حتى ضرب الدين بجرانه"۔ (۱)

یعنی "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت کے سلسلہ میں ہمیں کوئی حکم نہیں دیا تھا کہ ہم اس پر چلتے، البتہ یہ معاملہ ہم نے اپنی رائے سے طے کیا، پھر ابوبکر خلیفہ ہوئے، اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحمت نازل فرمائے، خود بھی درست رہے، دوسروں کو بھی درست رکھا، پھر عمر خلیفہ ہوئے، اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے، وہ خود بھی استقامت پر گامزن رہے اور دوسروں کو بھی رکھا، حتی کہ دین مکمل طور پر جم گیا"۔

۳۵۔ محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قلت لأبي: أي الناس خير بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: أبوبكر، قلت: ثم من؟ قال: عمر، وخشيت أن يقول عثمان، قلت: ثم أنت؟ قال: ما أنا إلا رجل من المسلمين"۔ (۲)

یعنی "میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا: ابوبکر، میں نے کہا کہ پھر کون ہے؟ فرمایا: عمر، اس کے بعد مجھے خوف ہوا کہ عثمان کا نام لیں گے، اس لئے پوچھا کہ پھر آپ ہیں؟ فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام مسلمان ہوں"۔

اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شیخین کی صراحۃً افضلیت بیان فرمائی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

---

(۱) مسند أحمد (ج۱ ص۱۱٤)، مسند علي رضي الله عنه، رقم (۹۲۱)۔

(۲) صحيح البخاري (ج۱ ص۵۱۸) كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم لو كنت متخذا خليلا، رقم (۳۶۷۱)۔

''امّا بیان افضلیت شیخین، پس از وے متواتر شده مرفوعاً وموقوفاً، ہر چند این مسئلہ مذہب جمیع اہل حق است، امّا کسے از صحابہ آن را مصرح تر ومحکم تر چوں علی مرتضیٰ نیاوردہ''۔ (۱)

مطلب یہ ہے کہ ''حضرات شیخین کی افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متواتر طور پر ثابت ہے، اگرچہ افضلیت شیخین کا مسئلہ تمام اہل حق کا مذہب ہے، تاہم صحابہ میں سے کسی نے اس مسئلہ کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرح تصریح اور مضبوطی کے ساتھ بیان نہیں کیا''۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کرنے والوں میں آپ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کے علاوہ عبداللہ بن سلمہ (۲)، علقمہ بن قیس (۳)، عبد خیر (۴)، حضرت ابوجحیفہ (۵)، النزال بن سبرہ (۶)، رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔

۳۶۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ ان کو حضرات شیخین سے افضل قرار دے رہے ہیں تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور حمد وثنا کے بعد فرمایا:

"أيها الناس، إنه بلغني أن قوماً يفضلوني على أبي بكر وعمر، ولو كنت تقدمت فيه لعاقبت فيه، فمن سمعته بعد هذا اليوم يقول هذا فهو مفترٍ، عليه حدّ المفتري، ثم قال: إن خير هذه الأمة بعد نبيها أبوبكر، ثم عمر، ثم الله أعلم بالخير بعدُ قال: وفي المجلس الحسن بن علي، فقال: والله، لو سمى الثالث لسمى عثمان"۔ (۷)

یعنی ''اے لوگو! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر وعمر پر فضیلت دے رہے ہیں، اگر

---

(۱) دیکھیے [illegible] (ج۱ ص ۲۵۴)۔

(۲) دیکھیے سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب في فضائل أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فضل عمر رضي الله عنه، رقم (۱۰۶)۔

(۳) [illegible] (ج۱ ص ۲۵۶)۔

(۴) مسند أحمد (ج۱ ص ۱۱۳)، رقم ([illegible])۔

(۵) مسند أحمد (ج۱ ص ۱۰۶)، رقم (۸۳۳)۔

(۶) [illegible] (ج۲ ص ۲۵۲)، [illegible] أبي بكر الصديق رضي الله عنه۔

(۷) دیکھیے [illegible] (ج۱ ص ۲۶۵ و۲۶۶)۔

پہلے سے میری طرف سے تنبیہ ہو چکی ہوتی تو میں ایسے لوگوں کو سزا دیتا، آج کے بعد جس کسی سے میں نے یہ سنا تو سمجھ لو کہ وہ بہتان تراش ہے، اس پر بہتان باندھنے کی حد لگے گی، پھر فرمایا نبی کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں، پھر عمر ہیں، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کون افضل ہے، اسی مجلس میں حسن بھی تھے، فرمایا کہ اگر تیسرے کا نام لیتے تو عثمان کا نام لیتے"۔

۳۷۔ عن أبي وائل قال: قيل لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه: ألا تستخلف علينا؟ قال: ما استخلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فأستخلف، ولكن إن يرد الله بالناس خيراً فسيجمعهم بعدي على خيرهم، كما جمعهم بعد نبيهم على خيرهم"۔ (۱) (صححه الحاكم ووافقه الذهبي)۔

یعنی "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ ہمارے واسطے کسی کو خلیفہ مقرر کر دیتے، آپ نے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو نامزد نہیں کیا، پھر میں کیوں کروں! البتہ اللہ تعالیٰ نے اگر لوگوں کے ساتھ خیر کا فیصلہ کیا ہوگا تو میرے بعد جو سب سے بہتر ہوگا اس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرما دیں گے، جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے بعد سب سے بہتر شخص پر ان کو جمع کر دیا"۔

۳۸۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا واقعہ منقول ہے۔

"أن علي بن أبي طالب رضي الله عنه خرج من عند رسول الله صلى الله عليه وسلم في وجعه الذي توفي فيه ... فأخذ بيده عباس بن عبد المطلب فقال له: أنت والله بعد ثلاث عبد العصا، وإني والله لأرى رسول الله صلى الله عليه وسلم سوف يتوفى من وجعه هذا، إني لأعرف وجوه بني عبد المطلب عند الموت،

(۱) [illegible]

اذهب بنا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فلنسأله فيمن هذا الأمر، إن كان فينا علمنا ذلك، وإن كان في غيرنا علمناه، فأوصى بنا، فقال علي: إنا والله، لئن سألناها رسول الله صلى الله عليه وسلم فمنعناها لايعطيناها الناس بعده، وإني لا أسألها رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔(۱)

یعنی ''حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے جبکہ آپ مرض الوفات میں تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ بخدا! تم تین دن بعد عصا کے تابع بن جاؤ گے، مجھے یقین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مرض میں وفات ہو جائے گی، مجھے موت کے وقت بنو عبد المطلب کے چہروں کی شناخت حاصل ہے، ہمیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو، تاکہ ہم آپ سے پوچھ سکیں کہ یہ خلافت کس کو ملے گی؟ اگر ہمارے پاس آنے والی ہو تو معلوم ہو جائے گا اور اگر ہمارے پاس نہ آئے تو جس کے پاس جانے گی اس کو آپ کچھ تاکیدی وصیت فرما دیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا! اگر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت کو مانگا اور آپ نے انکار کر دیا تو پھر کبھی لوگ ہمیں نہیں دیں گے، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پوچھوں گا''۔

سقیفۂ بنو ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قدرے تفصیل کے ساتھ سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے وہاں پہنچنے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت خلافت کا واقعہ ذکر کر دیا جائے، جس سے استحقاقِ خلافت کی اس بحث میں کافی وضاحت ہوتی ہے۔

---

(۱) صحیح البخاری (ج۲ص۶۳۹) کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی الله علیه وسلم ووفاته، رقم (۴۴۴۷)، و(ج۲ص۹۳۶) کتاب الاستئذان، باب المعانقة وقول الرجل: کیف أصبحت؟، رقم (۶۲۶۶)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوشنبہ کے روز دوپہر کے وقت عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔

شام کے وقت ایک شخص نے آ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں مجتمع ہیں اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور بعض انصار یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر قریش میں سے۔

انصار کا گمان یہ تھا کہ استحقاق خلافت انصار کو ہے، اس لئے کہ انصار نے دین کی مدد کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور آپ کے ساتھ ہو کر اعداء اللہ سے جہاد وقتال کیا، بعضوں نے اس کی مخالفت کی اور باہم بحث وتکرار ہونے لگی۔

جب اس بات کی اطلاع حضرات شیخین کو ہوئی تو یہ دونوں بزرگ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو لے کر اس اختلاف کی روک تھام کے لئے سقیفہ کی طرف چلے، مبادا کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔

جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے تقریر کی:

"أما بعد، فنحن الأنصار وكتيبة الإسلام، وأنتم يا معشر قريش، رهط بيننا، وقد دفت إلينا دافة من قومكم، فإذا هم يريدون أن يغصبونا الأمر" (١)

یعنی "ہم انصار یعنی دین اسلام کے مددگار ہیں اور اسلام کے لشکر ہیں اور تم اے گروہ مہاجرین! ہم میں ایک قلیل جماعت ہو، (یعنی تم اقلیت میں ہو اور ہم اکثریت میں ہیں) اور تمہاری قوم کی ایک قلیل جماعت نے ہمارے یہاں پناہ لی ہے اور اب وہ ہمارا حق خلافت ہم سے غصب کرنا چاہتی ہے"۔

ایک روایت کے مطابق حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر میں فرمایا:

"يا معشر الأنصار، لكم سابقة في الدين وفضيلة في الإسلام، ليست لأحد من العرب، إن محمداً صلى الله عليه وسلم لبث في قومه بضع عشرة سنة، يدعوهم

(١) الكامل لابن الأثير (ج ٢ ص ٢٢١) حديث السقيفة، خلافة أبي بكر رضي الله عنه وأرضاه.

إلى عبادة الرحمن وخلع الأنداد والأوثان، فما آمن به إلا القليل، ما كانوا يقدرون على منعه ولا على إعزاز دينه، ولا على دفع ضيم حتى إذا أراد الله بكم الفضيلة ساق إليكم الكرامة، وخصكم بالنعمة، ورزقكم الإيمان به وبرسوله، والمنع له ولأصحابه، والإعزاز له ولدينه، والجهاد لأعدائه، فكنتم أشد الناس على عدوه، حتى استقامت العرب لأمر الله طوعاً وكرهاً، وأعطى البعيد المقادة صاغراً، فدانت لرسوله بأسيافكم العرب، وتوفاه الله وهو عنكم راض، وبكم قرير العين، استبدوا بهذا الأمر دون الناس، فإنه لكم"۔ (۱)

یعنی "اے انصار کے لوگو! تمہیں دین میں سبقت حاصل ہے اور اسلام نے تمہیں فضیلت دی ہے، جو عرب میں سے کسی کو حاصل نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں دس سال سے زائد رہے، وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور بتوں کو چھوڑنے کی دعوت دیتے رہے، ان پر ایمان لانے والے بہت تھوڑے تھے، وہ نہ تو آپ کا دفاع کر سکتے تھے، نہ دین کی تائید کر سکتے تھے اور نہ کسی ظلم کو دور کر سکتے تھے، حتی کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ جب انہیں نوازنے کا ہوا تو تمہارے لئے یہ اعزاز مقدر کر دیا، اس نعمت کو تمہارے لئے مخصوص کر دیا، تمہیں اللہ و رسول پر ایمان لانے، ان کا اور ان کے اصحاب کا دفاع کرنے، ان کی اور ان کے دین کی نصرت کرنے، ان کے دشمنوں سے جہاد کرنے کی توفیق دی، تم لوگ آپ کے دشمنوں پر سب سے زیادہ بھاری تھے، حتی کہ سارا عرب خواہی نخواہی اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہو گیا، وہ شخص جو اطاعت گذار نہیں تھا اس نے بھی ذلیل اور عاجز ہو کر اطاعت کر لی، سارا عرب تمہاری تلوار کے زور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہو گیا، آپ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ ہم سے راضی تھے، ہماری وجہ سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی تھیں، لہذا اس خلافت کے معاملہ کو خود اپنے ہاتھ میں لو، اس لئے کہ یہ تمہارے واسطے ہے۔"

(۱) الکامل لابن الأثیر (ج۲ص۲۲۲)۔

حاضرین نے تو اس تقریر کو بہت پسند کیا اور ہر طرف سے تحسین کی صدا بلند ہوئی تقریر ختم ہونے کے بعد پھر اس مسئلہ پر بحث شروع ہوئی اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر قریش کے مہاجرین انکار کریں اور یہ کہیں کہ ہم ہجرت کرنے والے ہیں، آپ کے اولین اصحاب ہیں کہ آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے اور ہم آپ کا قبیلہ اور رشتہ دار ہیں، ہمارا حق زیادہ بنتا ہے، ایسی صورت میں کیا کروگے؟!

اس پر بعض انصار نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ ایک امیر تم میں سے ہوگا اور ایک امیر ہم میں سے اور دونوں امیر باہم صلاح ومشورہ سے خلافت کا کام انجام دیں گے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر چاہا کہ کچھ بولیں اور دل میں کہنے کے لئے بہت کچھ سوچ رکھا تھا، تاہم جب وہ اٹھنے لگے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور حق تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:۔

"إن الله قد بعث فينا رسولاً إلى خلقه، وشهيداً على أمته، ليعبدوه ويوحدوه، وهم يعبدون من دونه آلهة شتى من حجر وخشب، فعظم على العرب أن يتركوا دين آبائهم، فخص الله المهاجرين الأولين من قومه بتصديقه، والإيمان به، والمواساة له، والصبر معه على شدة أذى قومهم لهم وتكذيبهم إياه، وكل الناس لهم مخالف زارٍ عليهم، فلم يستوحشوا لقلة عددهم وشنف الناس لهم، فهم أول من عبد الله في الأرض، وآمن بالله وبالرسول، وهم أولياؤه وعشيرته، وأحق الناس بهذا الأمر من بعده، لا ينازعهم إلا ظالم، وأنتم يا معشر الأنصار من لا ينكر فضلهم في الدين، ولا سابقتهم في الإسلام، رضيكم الله أنصاراً لدينه ولرسوله، وجعل إليكم هجرته، وفيكم جلة أزواجه وأصحابه، فليس بعد المهاجرين الأولين عندنا بمنزلتكم، فنحن الأمراء وأنتم الوزراء، لا تفتاتون بمشورة، ولا تقضى دونكم الأمور" (۱)

(۱) تاریخ الطبری ج ۲، ص ۲۲۳۔

یعنی "اللہ تعالی نے ہم میں اپنی مخلوق کے واسطے رسول کو شہید اور گواہ بنا کر بھیجا، تاکہ لوگ اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کی توحید کو اختیار کریں، جبکہ ان کی حالت یہ تھی کہ وہ مختلف پتھر اور لکڑیوں کے معبودوں کو پوجتے تھے، عرب کے لوگوں کے واسطے اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑنا بھاری ہو گیا، سو اللہ تعالی نے آپ کی قوم میں سے مہاجرین اولین کو آپ کی تصدیق کے ساتھ مختص کیا، وہ آپ پر ایمان لائے، آپ کی غمخواری کی، آپ کے ساتھ ثابت قدم رہے، جبکہ آپ کی قوم کی طرف سے سخت اذیتوں کا سامنا تھا، وہ لوگ جھٹلا رہے تھے، ہر شخص مخالف تھا اور ان کی مخالفت کر رہا تھا، لیکن یہ لوگ اپنی تعداد کے کم ہونے کے باوجود وحشت میں مبتلا نہیں ہوئے، حالانکہ کفار مسلمانوں کے ساتھ تکبر کے ساتھ پیش آ رہے تھے، لیکن یہی مسلمان اس زمین میں سب سے پہلے اللہ تعالی کی عبادت کرنے والے، اس پر اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے تھے، یہی آپ کے قریبی اور خاندان والے تھے، یہی حضرات اس خلافت کے آپ کے بعد سب سے بڑھ کر حق دار ہیں، ان کے ساتھ منازعت کرنے والا ظالم ہی ہوگا، اے گروہ انصار! تم لوگوں کے فضل وشرف اور دین میں تمہارے کارناموں کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اللہ تعالی نے تمہیں اپنے دین اور اپنے رسول کا انصار بنایا، تمہاری طرف ہجرت ہوئی، تم میں آپ کے ازواج اور بڑے بڑے اصحاب ہیں، مہاجرین اولین کے بعد تمہارے درجہ کا کوئی نہیں، ہم امیر ہیں تو تم وزیر ہو، کسی مشورہ میں تمہیں نظر انداز نہیں کیا جائے گا اور نہ تمہارے بغیر کوئی فیصلہ ہوگا"۔

ایک روایت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انصار کے جواب میں فرمایا:

"ما ذكرتم فيكم من خير فأنتم له أهل، ولن يعرف هذا الأمر إلا لهذا الحي من قريش، هم أوسط العرب نسباً وداراً" (۱)

یعنی "تم نے جو اپنی فضیلت بیان فرمائی واقعی تم اس کے اہل ہو، لیکن خلافت کا حق دار قریش ہی ہے، کیونکہ یہ عرب میں نسب اور قبیلے کے اعتبار سے سب سے افضل ہے"۔

(۱) صحيح البخاري (ج ۲ ص ۱۰۱۰)، كتاب المحاربين، باب رجم الحبلى من الزنا إذا أحصنت، رقم (۶۸۳۰)۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کے بعد حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ مناسب یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو، ایک تم میں سے۔(۱)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "الأئمة من قریش" (۲) یعنی "خلفاء وامراء قریش میں ہوں گے"۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا:

"إنه لا يحل أن يكون للمسلمين أميران، فإنه مهما يكن ذلك يختلف أمرهم وأحكامهم، وتتفرق جماعتهم ويتنازعون فيما بينهم، هنالك تترك السنة وتظهر البدعة، وتعظم الفتنة، وليس لأحد على ذلك صلاح، وإن هذا الأمر في قريش ما أطاعوا الله، واستقاموا على أمره، قد بلغكم ذلك أو سمعتموه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا تنازعوا فتفشلوا، وتذهب ريحكم واصبروا، إن الله مع الصابرين، فنحن الأمراء وأنتم الوزراء، إخواننا في الدين، وأنصارنا عليه"۔ (۳)

یعنی "مسلمانوں کے دو امیر ایک وقت نہیں ہو سکتے، کیونکہ ایسا ہوگا تو ان کا معاملہ و احوال دول اور اختلاف کا شکار ہو جائیں گے، ان کی جماعت تتربتر ہو جائے گی، آپس میں لڑنے لگیں گے، اس موقع پر سنت چھوڑ دی جائے گی اور بدعت کا ظہور ہوگا، فتنہ بڑا ہو جائے گا، پھر اس کی درستی کسی کے اختیار میں نہیں رہے گی، یہ خلافت قریش میں رہے گی، جب تک قریش کے لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں اور دین پر قائم رہیں، یہ بات تم تک پہنچ چکی ہے یا آپ نے فرمایا کہ یہ بات تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکے ہو، جھگڑا مت کرو کمزور ہو جاؤ گے اور

---

(۱) [illegible] مع شرح القاري (ج۲ ص۲۱۵)۔

(۲) المستدرك للحاكم (ج۴ ص۷۶)، كتاب معرفة الصحابة، ذكر فضائل [illegible] مسند أحمد (ج۳ ص۱۲۹)، [illegible] (۱۲۳۳۲)، عمدة القاري: "هذا حديث صحيح [illegible]" [illegible] (ج۲ ص۲۱۵)۔

(۳) كنز العمال (ج۵ ص۶۳۹)، كتاب الخلافة [illegible] (۱۴۱۳۵)۔

تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، ہم امیر اور تم وزیر ہو، تم ہمارے دینی بھائی ہو اور دین میں ہمارے مددگار رہو"۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی ارشاد فرمایا "سیفان في غمد واحد لایکونان" اور ایک روایت میں ہے "هیهات! لایجتمع فحلان في مغرس"۔(۱) یعنی "ایک نیام میں دو تلواریں اور ایک جگہ دو نر نہیں ہو سکتے"۔

ان حضرات کے نقلی و عقلی دلائل سنتے ہی حضرات انصار رضی اللہ عنہم نے سر تسلیم خم کر دیا۔

اسی موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کرکے فرمایا:

"ولقد علمت یاسعد، أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وأنت قاعد: قریش ولاة هذا الأمر، فبر الناس تبع لبرهم، وفاجرهم تبع لفاجرهم"۔ (۲)

یعنی "اے سعد! تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر جب تم وہاں موجود تھے، فرمایا تھا کہ قریش خلافت کے ذمہ دار ہوں گے، کیونکہ اچھے لوگ ان کے نیکوکاروں کے تابع ہیں اور برے لوگ ان کے بروں کے تابع"۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اعتراف کرتے ہوئے فرمایا "صدقت، نحن الوزراء وأنتم الأمراء"۔ (۳) یعنی "واقعی آپ نے درست فرمایا، ہم وزیر ہوں گے اور آپ لوگ امیر"۔

اس روایت میں صراحۃً موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قسم دے کر کہا کہ تمہاری موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ امر خلافت کے والی قریش ہوں گے، حضرت سعد نے "صدقت" کہہ کر صدیق اکبر کی تصدیق کی۔

شمائل ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب انصار نے "منا أمیر ومنکم أمیر" کہا تو حضرت فاروق اعظم

---

(۱) السیرة الحلبیة (ج۳ص۳۵۸)، باب ما یذکر فیه مدة مرضه وما وقع فیه وفاته صلی اللہ علیه وسلم۔

(۲) مسند لأحمد (ج۱ص۵، رقم ۱۸) مسند أبي بکر الصدیق رضي اللہ عنه۔

(۳) حوالہ بالا۔

رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تین خصوصیتیں بیان کیں اور علی الاعلان فرمایا کہ بتلاؤ کہ یہ تین خصوصیتیں سوائے ابوبکر کے کسی اور شخص میں بھی پائی جاتی ہیں:

اول: یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ (۱) فرمایا، ابوبکر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی بتایا اور آپ کا یار غار بتایا۔

دوم: یہ کہ ابوبکر کو آپ کا صاحب خاص اور محب بالاختصاص فرمایا ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ﴾۔ (۲)

سوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنی معیت خاصہ کو ذکر فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (۳) ورنہ علم اور احاطہ کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی معیت عام اور سب کو شامل اور متناول ہے، ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾۔ (۴)

یہ تین فضیلتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نص قرآن سے ثابت ہیں، جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر ہی سب سے افضل ہیں اور وہی سب سے زیادہ مستحق خلافت ہیں۔ (۵)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے دلائل میں فقط تین فضائل کے ذکر پر اکتفا فرمایا، جو روز روشن کی طرح بالکل واضح تھے، ورنہ آیت کے سیاق وسباق میں صدیق اکبر کی افضلیت کے اور بھی دلائل موجود ہیں، چنانچہ:-

اول: ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾۔ (۶)

اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا سب کو ترک نصرت پر عتاب اور تہدید ہے، اس لئے کہ ابوبکر صدیق تو آپ کے ساتھ تھے اور آپ کے ناصر و مددگار تھے، ابوبکر عتاب سے مستثنیٰ ہیں۔

دوم: یہ کہ من جانب اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نصرت کو

---

(۱) التوبة/۳۹۔

(۲) التوبة/۳۹۔

(۳) التوبة/۳۹۔

(۴) الحديد/۴۔

(۵) دیکھئے خصائل الترمذی مع جمع الوسائل (ج۲ص۲۲۰)۔

(۶) التوبة/۳۹۔

متضمن ہے، کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے، پس حضور پرنور کی طرح ابوبکر منصور اور مؤید من اللہ تھے، وہی احق بالخلافۃ ہوں گے۔

سوم: یہ کہ ﴿فأنزل اللّٰہ سکینتہ علیہ﴾ میں "علیہ" کی ضمیر صحیح قول کی بنا پر ابوبکر صدیق کی طرف راجع ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت اور طمانیت ابوبکر پر نازل کی، اس لئے کہ ابوبکر صدیق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں غایت درجہ حزین ومضطرب تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص سکینت وطمانیت سے سرفراز فرمایا۔

چہارم: یہ کہ اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو "ثانی اثنین" بتلایا گیا ہے، جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر صدیق کمالاتِ علمیہ اور کمالاتِ عملیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی اور قائم مقام ہیں اور مقامِ قرب اور غارِ انوار وتجلیات میں آپ کے رفیق اور یارِ غار ہیں۔

پنجم: یہ کہ ﴿إذ یقول لصاحبہ﴾ میں 'صاحب' سے باجماع مفسرین ابوبکر صدیق مراد ہیں، حق جل شانہ نے قرآن کریم میں خاص طور پر ابوبکر صدیق کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب یعنی رفیق خاص، مصاحب بالاختصاص اور محبِ صادق سراپا اخلاص بتایا، اشارہ اس طرف ہے کہ ابوبکر صدیق کی صحبت اور معیت اور رفاقت دائم اور مستمر ہے، حیات دنیویہ میں آپ کے ساتھی اور رفیق ہیں اور عالم برزخ اور عالمِ آخرت اور میدانِ حشر اور حوضِ کوثر پر بھی آپ کے رفیق ہوں گے، اسی وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر کے صحابی ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے، کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے اس قول "لصاحبہ" کا منکر ہے۔

ششم: یہ کہ ابوبکر کے متعلق یہ فرمایا ﴿لاتحزن﴾ "اے ابوبکر! تم غمگین اور رنجیدہ نہ ہو" یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق جاں نثار اور آپ کے لئے غمگین وغمگسار تھے۔

ہفتم: یہ کہ ﴿لاتحزن﴾ کے بعد ﴿إن اللّٰہ معنا﴾ فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص معیت کی بشارت دی۔ (۱)

---

(۱) [illegible] صحیح مأخوذ از القاری فی شرح المسانید (ج۲ص۲۲۰، ۲۲۱)۔

اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ عمر اور ابوعبیدہ دونوں یہاں موجود ہیں، تم لوگ ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو۔(۱)

ادھر حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما نے کہا کہ: خدا کی قسم! یہ ناممکن ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم امر خلافت کے والی بنیں، آپ تمام مہاجرین میں افضل ہیں، نماز جو دین کا ستون ہے اور دین اسلام کا سب سے اعلیٰ اور افضل رکن ہے اس میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور قائم مقام ہوئے۔ اے ابوبکر! آپ اپنا دست مبارک بڑھائیے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔(۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ، تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں، عمر نے ابوبکر سے کہا کہ تم افضل ہو، ابوبکر نے جواب دیا "أنت أقوى مني" تم مجھ سے زیادہ قوی ہو، اسی پر تکرار ہوتا رہا، آخر میں عمر نے کہا کہ "إن قوتي لك مع فضلك" میری قوت آپ کی فضیلت کے ساتھ مل کر کام کرے گی، یعنی امیر تو افضل ہوگا اور "أقوى" اس کا وزیر ہوگا۔(۳)

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بیعت کے لئے اپنا ہاتھ بڑھاؤ، پس جب ان دونوں حضرات یعنی حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر ابوبکر سے بیعت کریں تو بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے سبقت کی اور اٹھ کر سب سے پہلے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ نے بیعت کی۔(۴)

جب حباب بن المنذر نے دیکھا کہ بشیر بن سعد نے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو کہا کہ تو نے قرابت کا لحاظ نہ رکھا اور اپنے ابن عم یعنی سعد بن عبادہ کی امارت کو پسند نہیں کیا اور اس پر رشک اور حسد کیا، بشیر بن سعد نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! یہ بات نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ میں مہاجرین سے ان کا حق چھیننا پسند نہیں کرتا۔(۵)

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقي (ج۸ص۱۴۲)، كتاب قتال أهل البغي، جماع أبواب الرعاة، باب: الأئمة من قريش۔

(۲) كنز العمال (ج۵ص۶۵۴)، رقم (۱۴۱۲۷)۔

(۳) كنز العمال (ج۵ص۶۵۲)، رقم (۱۴۱۴۰)، وجمع الوسائل (ج۲ص۲۲۱)۔

(۴) السيرة الحلبية (ج۳ص۳۵۸)۔

(۵) حوالہ بالا۔

پھر قبیلۂ اوس کے لوگ قبیلۂ خزرج کی امارت کو پسند نہیں کر سکتے تھے اور انہیں اندیشہ تھا کہ اگر ایک مرتبہ سعد بن عبادہ کو امیر بنالیا اور امارت خزرج میں چلی گئی تو پھر قبیلۂ اوس کو اس فضیلت میں کبھی حصہ نہیں ملے گا، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ قبیلۂ اوس کے نقیب اور سردار وہاں موجود تھے، انہوں نے قبیلۂ اوس کے لوگوں کو مشورہ دیا کہ اٹھو اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرو، یہ لوگ اٹھے اور ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی، ان کا بیعت کرنا تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بیعت کا معاملہ درہم برہم ہوگیا۔ بعد ازاں چاروں طرف سے لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لئے امڈ پڑے اور کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔(۱)

بیعت عامہ

یہ بیعت خاصہ تھی، جو دوشنبہ کی شام کو ہوئی، جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور اس کے بعد دوسرے دن بروز سہ شنبہ مسجد نبوی کے منبر پر بیعت عامہ ہوئی۔ (۲)

سقیفۂ بنی ساعدہ کی بیعت کے دوسرے دن یعنی بروز منگل عامۃ الناس مسجد نبوی میں جمع ہوئے، تمام اصحاب کبار اور مہاجرین وانصار موجود تھے، پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھ کر ایک مختصر اور جامع تقریر کی اور اس میں انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوابق وفضائل شمار کرا کے فرمایا کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرو۔

اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو باصرار منبر پر بٹھایا اور عامۃ الناس نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (۳)

بیعت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک مختصر خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا کہ:

> ''اے لوگو! تمہارا گمان یہ ہے کہ میں نے یہ خلافت اس لئے قبول کی ہے کہ میں امارت یا خلافت کا شوق رکھتا تھا، یا میں مسلمانوں پر اپنی برتری اور فوقیت چاہتا تھا تو قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں نے اس ارادہ سے خلافت کو قبول نہیں کیا، خدا کی قسم! میں نے امارت

---

(۱) دیکھئے سیرۃ المصطفی (ج۳ص۲۱۱و۲۱۲)۔

(۲) دیکھئے السیرۃ الحلبیۃ (ج۳ص۳۵۹)۔

(۳) البدایۃ والنہایۃ (ج۵ص۲۴۸)۔

یا خلافت کی کبھی لمحہ بھر کے لئے بھی خواہش نہیں کی، نہ ظاہراً یا باطناً میں نے اس کی تمنا کی۔

''میری تو تمنا تھی کہ میرے سوا کسی اور صحابی کو یہ منصب سونپا جاتا، جو مسلمانوں میں عدل کرتا، اب میں تم سے صاف کہتا ہوں کہ یہ تمہاری خلافت تم کو واپس ہے اور جو بیعت تم میرے ہاتھ پر کر چکے ہو وہ سب ختم ہے، اب جس کو چاہو امارت اور خلافت سپرد کرو، کیونکہ میں تم میں سے ایک فرد ہوں''۔(۱)

حضرت علی اور
حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت

جب سب لوگ بیعت کر چکے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجمع پر ایک نظر ڈالی تو لوگوں میں حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نظر نہیں آئے، فرمایا کہ میں اس مجمع میں علی اور زبیر کو نہیں دیکھتا، ان کو بھی بلاؤ، انصار میں سے کچھ لوگ اٹھے اور ان دونوں حضرات کو بلا کر لے آئے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور آپ کے داماد! کیا تم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہو؟!'' اور یہی حضرت زبیر سے بھی کہا۔

ان دونوں حضرات نے کہا کہ ''اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! ہمیں آپ ملامت نہ کریں، ہم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا نہیں چاہتے، ہمیں کسی چیز کا رنج نہیں، خیال صرف یہ ہے کہ خلافت کے مشورہ میں ہم کو شریک نہیں کیا گیا، باقی ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ابوبکر ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار ہیں، ہمیں ان کا فضل و شرف اور ان کی بھلائی بخوبی معلوم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی زندگی میں امام مقرر فرمایا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں''۔(۲)

اور ایک روایت کے مطابق اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "إنه رضيه لديننا أفلا

---

(۱) دیکھئے کنز العمال (ج ۵ ص ۶۱۵)، رقم (۱۴۰۰۱)۔

(۲) دیکھئے البدایہ والنہایۃ (ج ۵ ص ۲۵۰)۔

سرضاه لدنیانا" (۱) یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تو کیا ہم انہیں اپنی دنیا کے لئے پسند نہیں کریں گے؟!"۔

یہ کہہ کر ان دونوں حضرات نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی نے نہ پوچھا اور نہ بلایا تو شیعہ یہ بتلائیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو کس نے پوچھا اور کس نے بلایا تھا، خود ہی فتنہ کے خوف سے چلے گئے تھے۔

بہر حال حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے شروع ہی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت یا تو اسی روز کر لی تھی یا دوسرے دن، چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

> "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مکان (سقیفۂ بنی ساعدہ) میں لوگ جمع ہوئے، ان حضرات میں ابوبکر الصدیق اور عمر فاروق موجود تھے، انصار کے ایک خطیب (زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ) کھڑے ہوئے، انہوں نے کہا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے اور ہم ہمیشہ حضور کے انصار اور معاون بنے رہے، اب جو خلیفہ ہوگا اس کے بھی ہم انصار و مددگار ہوں گے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم معاون تھے۔
>
> اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ تمہارے خطیب نے درست کہا، اگر اس کے علاوہ کوئی اور صورت بتاتے تو ہم موافقت نہ کر سکتے تھے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر عمر فاروق نے کہا کہ اے حاضرین! تم سب کے یہ امیر ہیں، ان کے ہاتھ پر بیعت کرلو، خود حضرت عمر نے اور اس موقع پر موجود تمام مہاجرین و انصار

---

(۱) [illegible] (ج ۲ ص ۲۲۰)۔

نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

پھر (مسجد نبوی میں تشریف لاکر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد وثنا کے بعد حاضرین پر نظر فرمائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نظر نہیں آئے۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا انصار کے کچھ لوگ دوڑتے ہوئے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ آپہنچے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا اے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی! آپ کے داماد! کیا آپ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! آپ ملامت نہ کیجئے اور فوراً ہی بیعت کرلی۔

پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نظر نہیں آئے تو ان کا پوچھا، وہ بھی حاضر ہوئے، ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی! اللہ کے رسول کے حواری! کیا آپ مسلمانوں کے درمیان تفریق چاہتے ہیں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! ملامت نہ کیجئے اور بیعت کرلی"۔(۱)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے پاس امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ آئے اور یہ حدیث سنی تو انہوں نے فرمایا، "هذا حديث يسوى بدنة" کہ یہ حدیث تو قربانی کے اونٹ یا گائے کے برابر ہے، ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ "بدنة" نہیں بلکہ "بدرة" یعنی ایک ہزار دینار کی تھیلی کے برابر ہے۔(۲)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وهذا إسناد صحيح محفوظ من حديث أبي نضرة المنذر بن مالك بن قطعة عن أبي سعد سعد بن مالك بن سنان الخدري، وفيه فائدة جليلة، وهي مبايعة علي بن أبي طالب إما في أول يوم، أو في اليوم الثاني من الوفاة، وهذا حق، فإن علي بن أبي طالب لم يفارق الصديق في وقت من الأوقات، ولم ينقطع في صلاة من الصلوات خلفه ، وخرج معه إلى ذي القصة، لما خرج الصديق شاهراً سيفه، يريد قتال أهل

(۱) السنن الكبرى للبيهقي (ج۸،ص۱۴۳)، كتاب قتال أهل البغي، جماع أبواب الرعاة، باب الأئمة من قريش۔

(۲) السنن الكبرى للبيهقي (ج۸،ص۱۴۳)۔

[illegible]۔(۱)

یعنی ''ابونضرہ عن ابی سعید کے طریق سے مروی یہ سند بالکل صحیح اور محفوظ ہے اور اس میں ایک عظیم فائدہ کی بات یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر پہلے ہی روز یا دوسرے روز بیعت کر لی تھی، یہی بات برحق ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کسی وقت بھی الگ نہیں ہوئے، نہ ہی کسی نماز میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنے سے منقطع رہے اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر ذی القصہ کے مقام کی طرف مرتدوں کے ساتھ قتال کے لئے نکلے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کے معاون بن کر ان کے ساتھ نکلے تھے''۔

واضح رہے کہ مذکورہ روایات کو شیعہ علماء نے بھی اپنی کتابوں میں اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی نقد و جرح نہیں کی، چنانچہ نہج البلاغۃ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید شیعی نے اپنی شرح نہج البلاغۃ میں اس روایت کو نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"قال علي والزبير: ما غضبنا إلا لأنا أُخرنا عن المشورة، وإنا لنرى أبابكر أحق الناس بها، إنه صاحب الغار، وإنا لنعرف له سنّه ... وأمره رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وآله بالصلاة وهو حي"۔(۲)

یعنی ''حضرت علی اور حضرت زبیر نے کہا کہ ہماری یہ رنجیدگی صرف مشورہ میں شامل نہ ہو سکنے کی وجہ سے ہوئی، حالانکہ ہم ابوبکر کو اور لوگوں سے خلافت کا زیادہ حق دار جانتے ہیں اور غار کی صحبت کی فضیلت ان کو حاصل ہے، ہم ان کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی زندگی میں نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا ...''۔

تجدیدِ بیعت کے سلسلہ میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی اہم ہے، جس کو ابن جریر

(۱) البدایۃ والنہایۃ (ج ۵ ص ۲۴۹)۔

(۲) شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید (ج ۱ ص ۱۵۴)، دیکھئے "رحماء بینہم" (ج ۱ ص ۲۱۵)۔

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے نقل کیا ہے:

"قال عمرو بن حريث لسعيد بن زيد: أشهدت وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: نعم، قال: فمتى بويع أبوبكر؟ قال: يوم مات رسول الله صلى الله عليه وسلم، كرهوا أن يبقوا بعض يوم وليسوا في جماعة، قال: فخالف عليه أحد؟ قال: لا، إلا مرتد أو من قد كاد أن يرتد لولا أن الله عزوجل ينقذهم من الأنصار، قال: فهل قعد أحد من المهاجرين؟ قال: لا، تتابع المهاجرون على بيعته من غير أن يدعوهم"۔ (۱)

یعنی "عمرو بن حریث نے سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر موجود تھے؟ فرمایا کہ ہاں! پوچھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کب ہوئی؟ فرمایا کہ جس روز آپ کی وفات ہوئی اسی روز بیعت ہوگئی تھی، صحابۂ کرام کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ دن کا کچھ حصہ بھی بغیر جماعت اور امیر کے گذرے، پوچھا کہ کیا کسی نے مخالفت بھی کی تھی؟ فرمایا کہ نہیں! ہاں مرتدین نے بیعت نہیں کی، البتہ اللہ تعالی نے انصار کو بچالیا، ورنہ وہ بھی بس پھرنے والے ہی تھے۔ پوچھا کہ مہاجرین میں سے کوئی باقی رہا؟ فرمایا کہ نہیں! مہاجرین نے بغیر بلائے ہی مسلسل بیعت کی"۔

اسی طرح حبیب بن ابی ثابت کہتے ہیں:

"كان علي في بيته إذ أتي، فقيل له: قد جلس أبوبكر للبيعة، فخرج في قميص ما عليه إزار ولا رداء، كراهية أن يبطئ عنها حتى بايعه، ثم جلس إليه، وبعث إلى ثوبه، فأتاه، فتجلله، ولزم مجلسه"۔ (۲)

یعنی "حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تھے کہ ان کے پاس خبر پہنچی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیعت کے واسطے تشریف فرما ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کرتا پہنے ہوئے تھے، جسم پر کوئی چادر وغیرہ نہیں تھی، اسی حال میں تیز رفتاری کے ساتھ نکلے، کیونکہ انہیں یہ بات پسند نہیں تھی

(۱) تاریخ ابن جریر طبری (ج۲ص۴۴۷)، حدیث السقیفۃ۔
(۲) تاریخ الأمم والملوك (ج۳ص۴۴۷)۔

کہ اس سلسلہ میں تاخیر ہو، وہاں پہنچتے ہی بیعت کرلی، پھر وہاں بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کے لئے کسی کو بھیجا، ان کپڑوں کو وہیں زیب تن کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مجلس کو لازم پکڑ لیا"۔

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی تھی؟

یہاں صحیحین کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی تھی، یہ روایت "ابن شہاب عن عروۃ عن عائشۃ" کے طریق سے مروی ہے، اس کے الفاظ ہیں:

"فوجدت فاطمة على أبي بكر في ذلك فهجرته فلم تكلمه حتى توفيت، وعاشت بعد النبي صلى الله عليه وسلم ستة أشهر، ... فلما توفيت استنكر علي وجوه الناس، فالتمس مصالحة أبي بكر ومبايعته، ولم يكن يبايع تلك الأشهر"۔(۱)

حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کے دوسرے طرق کو جمع کرکے دیکھنے کے بعد واضح ہوجاتا ہے کہ "عدم مبایعت" والی یہ بات امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے، جو روایت کے درمیان مدرج ہے، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت تھی کہ حدیث کے درمیان ادراج کردیتے تھے۔(۲)

چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: "قال معمر:

---

(۱) صحيح البخاري (ج۲ص۶۰۹)، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (۴۲۴۰، ۴۲۴۱)، وصحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نورث ما تركنا فهو صدقة، رقم (۴۵۸۰)۔

(۲) وكذا كان الزهري يفسر الأحاديث كثيرا، وربما أسقط أداة التفسير، فكان بعض أقرانه ربما يقول له: افصل كلامك من كلام النبي صلى الله عليه وسلم. انظر النكت على كتاب ابن الصلاح (ج۲ص۸۲۹) النوع العشرون: المدرج، وفتح المغيث للسخاوي (ج۱ص۲۸۸)۔

فقال رجل للزهري: أفلم يبايعه عليّ ستة أشهر؟ قال: لا، ولا أحد من بني هاشم...."۔(۱)

اسی طرح سنن کبری بیہقی کے الفاظ ہیں:

"قال معمر: قلت للزهري: كم مكثتْ فاطمةُ بعد النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال: ستة أشهر، فقال رجل للزهري: فلم يبايعه علي رضي الله عنه حتى ماتت فاطمة رضي الله عنها؟ قال: ولا أحد من بني هاشم...."(۲)

ان دونوں روایتوں سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ صحیحین کی روایتوں میں راوی کی طرف سے "قال رجل للزهري" یا "قلت للزهري" کے الفاظ ساقط ہوگئے ہیں، یہ حقیقۃً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام کا حصہ نہیں ہیں۔

چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقول الزهري في قعود علي عن بيعة أبي بكر رضي الله عنه حتى توفيت فاطمة: منقطع، وحديث أبي سعيد الخدري في مبايعته إياه حين بويع بيعة العامة بعد السقيفة أصح...."۔(۳)

یعنی "حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے رکے رہنے کا جو زہری کا قول ہے وہ منقطع ہے اور بیعت عامہ کے موقع پر واقعۂ سقیفہ کے بعد ان کی بیعت کی جو روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اصح ہے"۔

اسی طرح انہوں نے اپنی ایک اور تصنیف میں ادراج کی وضاحت کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"والذي روي أن عليا لم يبايع أبابكر ستة أشهر ليس من قول عائشة، إنما هو من قول الزهري، فأدرجه بعض الرواة في الحديث عن عائشة في قصة فاطمة، وحفظه معمر بن راشد، فرواه مفصلاً، وجعله من قول الزهري منقطعاً من الحديث، وقد روينا

---

(۱) صحيح الإمام مسلم [illegible]

(۲) السنن الكبرى للبيهقي (ج ۶ ص ۳۰۰)، كتاب قسم الفيء والغنيمة، باب بيان مصرف أربعة أخماس الفيء.... ۔

(۳) حوالۂ بالا۔

في الحديث الموصول عن أبي سعيد الخدري ومن تابعه من أهل المغازي أن عليا بايعه في بيعة العامة بعد البيعة التي جرت في السقيفة"۔ (۱)

مطلب یہ ہے کہ "یہ جو مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نہیں ہے، بلکہ یہ تو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جس کو بعض راویوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قصہ کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کر دیا، اس بات کو امام معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح ضبط کیا اور انہوں نے اس روایت کو تفصیلاً نقل کیا ہے اور ہم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی موصول روایت نقل کی ہے اور انہی کی متابعت دیگر اہل مغازی نے بھی کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت سقیفہ کے فوراً بعد بیعت عامہ کے موقع پر بیعت کر لی تھی"۔

اسی طرح امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شروع ہی میں بیعت کر لی تھی۔ (۲)

لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں جس بیعت کا ذکر ہے، اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ دوسری بیعت تھی، چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ولعل الزهري أراد قعوده عنها بعد البيعة، ثم نهوضه إليها ثانيا وقيامه بواجباتها"۔ (۳)

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے بیعت کر چکے تھے، پھر جب حضرت فاطمہ اور حضرت ابوبکر صدیق کے درمیان میراث کا معاملہ پیش آیا اور اس سلسلہ میں کسی حد تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اندر کبیدگی پیدا ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی تیمارداری اور دل جوئی کے واسطے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ عملی تعاون وغیرہ سے پیچھے رہے تھے، پھر جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو دوبارہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تعاون کرنا شروع کر دیا۔

(۱) "[illegible]" (ج۱ص۲۲۷)، نقلاً عن "الاعتقاد على مذهب السلف" (ص۱۸۰)۔

(۲) فتح الباري (ج۷ص۴۹۵)، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر۔

(۳) السنن الكبرى للبيهقي (ج۶ص۳۰۰)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وجمع غيره بأنه بايعه بيعة ثانية مؤكدة للأولى، لإزالة ما كان وقع بسبب الميراث كما تقدم، وعلى هذا فيحمل قول الزهري: "لم يبايعه علي في تلك الأيام" على إرادة الملازمة له والحضور عنده وما أشبه ذلك؛ فإن في انقطاع مثله عن مثله ما يوهم من لا يعرف باطن الأمر أنه بسبب عدم الرضا بخلافته، فأطلق من أطلق ذلك، وبسبب ذلك أظهر علي المبايعة التي بعد موت فاطمة رضي الله عنها لإزالة هذه الشبهة"۔ (۱)

یعنی "امام بیہقی کے علاوہ دوسرے حضرات نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلی بیعت کی تاکید کے لئے دوسری بیعت کی تھی، تاکہ میراث کے مسئلہ کی وجہ سے جو واقعات پیش آچکے تھے وہ ختم ہوجائیں، اس مطلب کی بنیاد پر امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کہ "حضرت علی نے ان ایام میں بیعت نہیں کی تھی" کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضری نہیں ہورہی تھی، وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دور رہے تو حقیقت حال سے ناواقف لوگوں کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے خوش نہیں تھے، چنانچہ بعض نقل کرنے والوں نے ایسی بات کہہ بھی دی، اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد دوبارہ بیعت کی" واللہ اعلم۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیعت

سقیفۂ بنی ساعدہ کے موقع پر وہاں موجود اعیان مہاجرین وانصار نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد بیعت عامہ ہوئی، جس میں تمام مہاجرین وانصار شریک ہوئے۔ اس طرح

(۱) [illegible]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر حضراتِ صحابۂ کرام کا اجماع منعقد ہو گیا۔

البتہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے آخر تک بیعت نہیں کی، بلکہ بیعت کرنے سے انکار کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ حضرت سعد سے ضرور بیعت لینی چاہئے، لیکن بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ اس معاملہ میں تن تنہا ہیں، ان سے درگذر کرو اور انہیں اپنی حالت پر رہنے دو، وہ ایک دفعہ انکار کر چکے ہیں، زبردستی چھیڑنے سے اندیشہ ہے کہ ان کا قبیلہ اور کنبہ حمایت پر اتر آئے اور کشت وخون تک نوبت پہنچے۔ چنانچہ سب کو یہ رائے پسند آئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت میں وہ وہیں مدینہ منورہ ہی میں رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شام چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔(۱)

اس سے بظاہر یوں لگتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع نہیں ہوا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا۔

چنانچہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا "أن سعداً بايع يومئذ"۔ (۲) یعنی "حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسی روز بیعت کر لی تھی"۔

قرائن بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی تھی، کیونکہ سقیفۂ بنی ساعدہ کے موقع پر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا تھا کہ

"ولقد علمت يا سعد، أن رسول الله قال وأنت قاعد : قريش ولاة هذا الأمر، فبر الناس تبع لبرهم، وفاجرهم تبع لفاجرهم"۔

یعنی "اے سعد! تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا تھا: اس خلافت کے ذمہ دار قریش کے لوگ ہوں گے، کیونکہ ان کے نیکوکار

---

(۱) دیکھئے الطبقات الکبری لابن سعد (ج۳ص۶۱۶ و ۶۱۷)، ترجمة سعد بن عبادة رضي الله عنه، وكنز العمال (ج۵ص۶۲۷-۶۲۸)، رقم (۱۴۱۰۷)۔

(۲) دیکھئے تاریخ ابن خلدون (ج۲ص۴۰۰)۔

ان ہی کے نیکوکاروں کے اور ان کے فاجر ان ہی کے فاجروں کے تابع ہیں''۔

اس پر انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کی تصدیق کرتے ہوئے اعتراف کیا تھا "صدقت، نحن الوزراء وأنتم الأمراء" (۱)

اس تصدیق واقرار کے بعد ان کا بیعت سے انکار بظاہر سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے کہا جائے گا کہ انہوں نے بیعت کرلی تھی۔

جہاں تک بیعت سے انکار والی روایت کا تعلق ہے، اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے احق بالخلافۃ ہونے کا اقرار کرلیا تو ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرنے کو ضروری نہیں سمجھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اصرار اسی پر تھا کہ ان سے ظاہراً بھی بیعت لی جائے، جس سے انہوں نے انکار کیا۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو دل سے تسلیم نہیں کیا، بلکہ حقیقت واقعہ یہی ہے کہ انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اقرار بھی کیا اور دل سے اسے تسلیم بھی کیا، یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پورے عہد خلافت میں مدینہ منورہ ہی میں رہے، صدیق اکبر کی وفات کے بعد شام منتقل ہوئے، اس دوران ان سے کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوا جسے حضرت صدیق اکبر کی خلافت کے خلاف کہا جاسکے۔

جہاں تک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز کے لئے حاضر نہ ہونے یا ان کی مجالس میں نہ آنے کا تعلق ہے، سو یہ ایک فطری سی چیز ہے کہ ایک شخص کو لوگ خلیفہ بنانے کے لئے گھر سے نکال لائے ہوں اور ان کے ہاتھ پر بیعت کے لئے لوگ جذباتی ہوچکے ہوں، پھر وہ بھی معمولی آدمی نہیں، قبیلہ خزرج کے سردار، جود وسخا میں بے مثال تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی انصار کا علم انہی کو عطا فرماتے تھے، پھر مستزاد ان کی خودداری اور غیرت! ان تمام اوصاف کے حامل شخص کو حق کے اعتراف کے ساتھ جب خلافت کے امر سے دستبردار ہونا پڑا تو فطری طور پر ایک شرمندگی سی ان کے اندر پیدا ہوئی، جس کی

---

(۱) أخرجه أحمد في مسنده (ج ۱ ص ۵) رقم (۱۸)۔

وجہ سے وہ گوشہ نشین رہے۔

اس لئے قطعیت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا۔

مسئلۂ خلافت پر
اہل سنت اور اہل تشیع کا منشأ اختلاف

یہاں تک ہم قرآن کریم کے اشارات، بے شمار احادیث و آثار اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل اور اجماع سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلافت کا سب سے زیادہ استحقاق رکھتے تھے اور حضرات صحابۂ کرام نے ان کا بالکل برحق انتخاب کیا۔

یہاں اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان منشأ اختلاف کا جائزہ لینے سے بھی یہ مسئلہ اور زیادہ منقح ہوگا۔

اہل تشیع کے نزدیک خلافت کا دار و مدار قرابت اور علاقۂ مصاہرت پر ہے، اس لئے شیعوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملنی چاہئے تھی کہ وہ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے اور داماد بھی تھے۔

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ خلافت کا مدار تقرب پر ہے نہ کہ قرابت پر، جو شخص سب سے زیادہ خدا اور اس کے رسول کا مقرب ہوگا وہ شخص خلیفۂ رسول اور جانشین نبی ہوگا، خلافت نبوت کو قرابت اور مصاہرت یعنی رشتہ داری سے کیا تعلق؟!

خلافت کا دار و مدار اگر قرابت نسبی پر ہوتا تو آپ کے بعد آپ کے خلیفہ یا تو آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہوتے، یا آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہوتیں، پھر حضرت فاطمہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفۂ دوم ہوتے، ان کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ خلیفۂ سوم ہوتے، ان کے بعد اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ حیات ہوتے تو پھر وہ خلیفۂ چہارم بنتے۔

حاصل یہ کہ اگر خلافت کا مدار قرابت پر ہوتا تو شیعوں کے اس قاعدہ کی بنیاد پر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ

خلیفۂ چہارم بنتے۔ لہذا اگر اہل سنت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفۂ چہارم بنایا تو کیا قصور کیا؟! پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے دور میں جو خلافت ملی وہ حضرات مہاجرین وانصار کی بیعت سے ملی، شیعوں نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کچھ بھی نہیں دیا۔

اور اگر مدار خلافت علاقۂ مصاہرت کو قرار دیا جائے تب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ خلافت بلافصل کے مستحق تھے، اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد تھے، جن کے عقد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئیں اور اسی وجہ سے وہ اہل اسلام میں ''ذوالنورین'' کے خاص لقب سے مشہور ہوئے۔

رہا یہ امر کہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے عقد میں جو یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں آئیں وہ حضور پرنور کے سامنے ہی انتقال کر گئیں، سو یہ امر استحقاق خلافت کو زائل نہیں کرتا، اس لئے کہ اس سبب سے ان کو جو خاص شرف حاصل ہوا تھا وہ صرف نکاح سے حاصل ہو چکا تھا، بی بی کے زندہ رہنے یا نہ رہنے کو اس میں دخل نہیں، جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شرفِ دامادی حاصل رہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ شرف سیدہ فاطمہ کے وصال سے زائل نہیں ہو گیا۔

رہا یہ امر کہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تھیں، بلکہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے پیدا ہوئی تھیں تو یہ صریح دھوکا اور فریب ہے۔

شیعوں کی کتاب ''اصول کافی'' میں صاف موجود ہے:

"وتزوج خديجة وهو ابن بضع وعشرين سنة، فولد له منها قبل مبعثه القاسم ورقية وزينب وأم كلثوم، وولد له بعد المبعث الطيب والطاهر وفاطمة". (۱)

یعنی ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اس وقت آپ کی عمر بیس سال سے زیادہ تھی، چنانچہ بعثت سے پہلے حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کے

---

(۱) اصول جُنْ کلینی (ص ۱۔۲)۔

صاحبزادے قاسم اور صاحبزادیاں رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں، جبکہ بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ پیدا ہوئے"۔

غرضیکہ حضرت فاطمہ کی طرح رقیہ اور ام کلثوم بھی آپ کی صاحبزادیاں تھیں، جن میں سے حضرت فاطمہ کی پیدائش بعد بعثت ہوئی اور رقیہ اور ام کلثوم کی پیدائش قبل از بعثت ہوئی اور ولادت کے تقدم وتاخر کو خلافت میں کوئی دخل نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو دامادی کا شرف حاصل تھا وہ حضرت سیدہ کے وصال کے بعد بھی باقی رہا، حضرت سیدہ کے وصال سے دامادی کا شرف ختم نہیں ہوگیا، اسی طرح حضرت عثمان کے دوہرے شرف دامادی کو سمجھئے۔(۱) واللہ سبحانہ وتعالی أعلم وعلمہ أتم وأحکم۔

مسئلہ خلافت کو ہم نے یہاں نہایت مختصر انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے، تفصیل کے لئے "ازالۃ الخفا" از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، "رحماء بینہم" از مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم اور "سیرت المصطفی" از حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

فخرج ابن عباس يقول: إن الرزية كل الرزية ما حال بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين كتابه۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہتے ہوئے نکلے کہ یہ بہت بڑی مصیبت ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی کتابت کے درمیان حائل ہوئی۔

اس جملہ سے ظاہراً یوں لگتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس مجلس میں موجود تھے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ اس مجلس میں موجود نہیں تھے، وہ یہ جملہ وہاں اس وقت کہا کرتے تھے جب یہ حدیث سناتے تھے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ایک طریق میں نقل کیا ہے "قال عبيد الله: فكان ابن عباس يقول: إن الرزية..." (۲) اسی طرح مستخرج ابی نعیم کی حدیث میں ہے "قال عبيد الله:

---

(۱) دیکھئے سیرت المصطفی (ج۳ص۲۳۲-۲۳۴)۔

(۲) صحیح [illegible]

فسمعت ابن عباس يقول ...... إلخ"۔(۱)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب یہ حدیث عبید اللہ کو سنائی، آخر میں یہ جملہ کہتے ہوئے اس جگہ سے نکل گئے، جہاں وہ حدیث سنا رہے تھے۔

اس غیر ظاہر صورت پر محمول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عبید اللہ تابعی ہیں اور ان کا شمار طبقۂ ثانیہ میں ہوتا ہے، وہ اس قصہ اور واقعہ کے موقع پر موجود نہیں تھے، کیونکہ ان کی ولادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کافی بعد ہوئی تھی اور پھر انہوں نے یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کافی مدت گذر جانے کے بعد سنی۔(۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اپنی رائے یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تحریر لکھ دیتے۔ واللہ أعلم۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیثِ باب کی مناسبت ترجمہ سے بالکل ظاہر ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا، جس سے امت کا اختلاف فرو ہو جاتا اور آپ کا ارادہ بھی برحق اور جائز ہے، اس سے کتابتِ حدیث کا جواز معلوم ہوا۔

فائدہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس باب میں چار احادیث ذکر کی ہیں:

پہلی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے، جس میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک صحیفہ لکھا تھا، جس کو وہ اپنی تلوار کی نیام میں رکھتے تھے۔

اس روایت میں یہ امکان موجود تھا کہ انہوں نے یہ احادیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے

(۱) صحیح البخاری (ج۱ص۲۰۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

بعد لکھی ہوں اور آپ نے جو کتابتِ حدیث سے منع فرمایا وہ حضرت علی تک نہ پہنچا ہو۔

اس لئے اس کے بعد دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ذکر کی، جس میں کتابت کا حکم ہے، چونکہ یہ نہی کے بعد وارد ہے، اس لئے نہی عن کتابۃ الحدیث منسوخ ہوئی۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے، اس کے بعض طرق میں مذکور ہے کہ آپ سے انہوں نے کتابت کی اجازت طلب کی تھی، آپ نے اجازت دی۔(۱)

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث "اکتبوا لأبي شاہ" کے مقابلہ میں اس حیثیت سے قوی ہے کہ امر بالکتابۃ والی حدیث میں یہ احتمال ہے کہ کسی شخص کے امی یا اُمّی وغیرہ صاحبِ عذر ہونے کی وجہ سے آپ نے اجازت دی ہو۔

اور آخر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے باب کا اختتام فرمایا، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسی تحریر لکھوانے کا ارادہ مذکور ہے جس سے اختلافات ختم ہو جاتے اور ضلالت و گمراہی کا راستہ بند ہو جاتا۔(۲) واللہ أعلم

---

(۱) أخرجه العقيلي، كما في فتح الباري (ج۱ ص۲۰۹)۔

(۲) دیکھئے فتح الباري (ج۱ ص۲۱۰)۔

۴۰ - باب : اَلْعِلْمِ وَالْعِظَةِ بِاللَّيْلِ .

ترجمۃ الباب میں یہاں "العظة" ہے، جبکہ بعض نسخوں میں "اليقظة" ہے، یہی حدیث کے زیادہ مناسب ہے، اسی طرح بعض نسخوں میں یہ باب اگلے باب کے بعد ہے۔(۱)

باب سابق سے مناسبت

اس باب کی سابق باب سے مناسبت بایں طور ہے کہ سابق باب میں کتابتِ علم کا ذکر ہے جو ضبط علم اور جہد ومحنت پر دال ہے اور اس باب میں رات کے وقت تعلیم وموعظت مذکور ہے، یہ بھی محنت اور جدوجہد اور حصولِ علم کے مشکل ہونے کی دلیل ہے۔(۲) والله أعلم

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف اس باب سے متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ عشاء کے بعد گفتگو اس صورت میں ممنوع ہے جب خیر کی بات نہ ہو۔(۳)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب کے بعد "باب السمر في العلم" آرہا ہے، یہ دونوں باب متقارب ہیں، لیکن دونوں میں فرق ہے، اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے یہ دو باب الگ الگ لائے گئے ہیں۔

اس باب کی غرض اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ سوکر اٹھنے کے بعد بات چیت "سمر" میں داخل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں "سمر" کا لفظ ذکر نہیں کیا۔

---

(۱) عمدة القاري (ج۲ص۱۷۲)۔

(۲) عمدة القاري (ج۲ص۱۷۲)۔

(۳) فتح الباري (ج۱ص۲۱۰)۔

اگلے ترجمۃ الباب کا حاصل یہ ہے کہ عام سمر تو ممنوع ہے، البتہ سمر فی العلم منہی عنہ نہیں ہے۔(۱)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بالموعظة في الأيام كراهة السآمة علينا"۔(۲)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "يسروا ولا تعسروا ......"۔(۳)

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے "لا تمل الناس هذا القرآن ......"۔(٤)

ان تمام روایات و آثار سے ظاہر ہے کہ تذکیر و تعلیم میں نشاط سامعین کا لحاظ ضروری ہے، اور رات چونکہ نوم اور راحت کے لئے ہے، اس سے رات میں تعلیم و تذکیر کی کراہیت کا خیال ہوتا ہے۔

سو مؤلف نے "باب العلم والعظة بالليل" منعقد فرما کر ایسی روایت بیان فرمائی کہ جس سے صاف معلوم ہوگیا کہ عند الضرورت سوتوں کو جگا کر تعلیم و تذکیر لازم ہے"۔(۵)

۱۱۵ : حدّثنا صَدَقَةُ : أَخْبَرَنَا ٱبْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنِ ٱلزُّهْرِيِّ ، عَنْ هِنْدٍ ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ (٦) . وَعَمْرٍو وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنِ ٱلزُّهْرِيِّ ، عَنْ هِنْدٍ ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ : ٱسْتَيْقَظَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ : (سُبْحَانَ ٱللهِ ، مَاذَا أُنْزِلَ ٱللَّيْلَةَ مِنَ ٱلْفِتَنِ ، وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ ٱلْخَزَائِنِ ، أَيْقِظُوا صَوَاحِبَاتِ ٱلْحُجَرِ ، فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي ٱلدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي ٱلْآخِرَةِ) .

[١٠٧٤ ، ٣٤٠٤ ، ٥٥٠٦ ، ٥٨٦٤ ، ٦٦٥٨]

---

(١) دیکھئے لامع الدراري مع الكنز المتواري في معادن لامع الدراري (ج٢ص٣٥٩ و ٣٦٠)۔

(٢) صحيح البخاري (ج١ص١٦)، كتاب العلم، باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة ......، رقم (٦٨)۔

(٣) صحيح البخاري (ج١ص١٦) كتاب العلم، باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة ......، رقم (٦٩)۔

(٤) صحيح البخاري (ج٢ص٩٣٨) كتاب الدعوات، باب ما يكره من السجع في الدعاء، رقم (٦٣٣٧)۔

(٥) الأبواب والتراجم (ص٥٥)۔

(٦) قوله: "عن أم سلمة رضي الله عنها": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في (ج١ص١٥١و ١٥٢) كتاب التهجد (الصلاة)، باب تحريض النبي صلى الله عليه وسلم على صلاة الليل والنوافل من غير إيجاب، رقم (١١٢٦)، وفي (ج١ص٥٠٨) كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (٣٥٩٩)، وفي (ج٢ص٨٦٩) كتاب اللباس، باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتجوز من اللباس والبسط، رقم (٥٨٤٤)، وفي (ج٢ص٩١٨) كتاب الأدب، باب التكبير والتسبيح عند التعجب، رقم (٦٢١٨)، و(ج٢ص١٠٤٧) كتاب الفتن، باب لا يأتي زمان إلا الذي بعده شر منه، رقم (٧٠٦٩)، والترمذي في جامعه، كتاب الفتن، باب ما جاء ستكون فتنة كقطع الليل المظلم، رقم (٢١٩٦)۔

تراجم رجال

(۱) صدقہ

یہ صدقۃ بن الفضل ابوالفضل مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

انہوں نے اسماعیل بن علیہ، حجاج بن محمد، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن وہب، عبدالرحمن بن مہدی، محمد بن جعفر غندر، ابومعاویہ، معتمر بن سلیمان، وکیع بن الجراح، یحیی بن سعید القطان اور یزید بن ہارون رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے روایت حدیث کی ہے۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی، محمد بن نصر مروزی، یعقوب بن سفیان فارسی، عبیداللہ بن واصل بخاری رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔(۲)

وھب بن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جزى اللّٰه إسحاق بن راهويه، وصدقة، ويعمر عن الإسلام خيراً، أحيوا السنة بأرض المشرق"۔(۳)

عباس بن عبدالعظیم عنبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "رأيت ثلاثة جعلتُهم حجة فيما بيني وبين اللّٰه: أحمد بن حنبل، وزيد بن المبارك، وصدقة بن الفضل"۔(۴)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "الإمام الحافظ القدوه شيخ الإسلام"۔(۶)

ابوبشر دولابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۷)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۱۳ص۱٤٤)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۱۳ص۱٤٤و۱٤٥)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۱۳ص۱٤٥)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۱۳ص۱٤٦)۔

(۶) سير أعلام النبلاء (ج۱۰ص٤٨٩)۔

(۷) كتاب الكنى والأسماء (ج۲ص۸۰)۔

نیز حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "إمام ثبت"۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا "كان صاحب حديث وسنة"۔ (۳)

ان کا انتقال ۲۲۳ھ یا ۲۲۶ھ میں ہوا۔ (۴) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۲) ابن عیینہ

یہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ہلالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات مختصراً بدء الوحی کی پہلی حدیث کے ذیل میں (۵) اور قدرے تفصیل سے کتاب العلم، "باب قول المحدث: حدثناأو أخبرنا وأنبأنا ..." کے تحت گذر چکے ہیں۔(۶)

(۳) معمر

یہ امام معمر بن راشد ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ابھی پچھلے باب "باب كتابة العلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۴) عمرو

یہ مشہور امام وفقیہ عمرو بن دینار مکی جُمَحِی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ابھی گذشتہ باب "باب

(۱) الكاشف (ج۱ص۵۰۲)، رقم (۲۳۸٦)۔

(۲) تقريب التهذيب (ص۲۷۵)، رقم (۲٤۱۸)۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج۸ص۳۲۱)۔

(٤) سير أعلام النبلاء (ج۱۰ص٤٩۰)۔

(٥) كشف الباري (ج۱ص۲۳۸)۔

(٦) كشف الباري (ج۳ص۱۰۲)۔

کتابة العلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۵) یحییٰ بن سعید

یہ امام یحییٰ بن سعید انصاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات مختصراً "بدء الوحي" کی پہلی حدیث کے ذیل میں (۱) اور قدرے تفصیل سے کتاب الإیمان، "باب صوم رمضان احتسابا من الإیمان" میں گذر چکے ہیں۔ (۲)

تنبیہ

بعض حضرات نے یہاں یحییٰ بن سعید کا مصداق یحییٰ القطان کو قرار دیا ہے، یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ یحییٰ القطان کا امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے لقاء وسماع نہیں ہے۔ (۳)

(۶) الزہری

یہ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۴)

(۷) ھند

یہ ہند بنت الحارث الفراسیۃ بکسر الفاء بعدھا راء مھملة ثم ألف ثم سین مھملة رحمہا اللہ تعالی ہیں، ان کو "قرشیۃ" بھی کہا جاتا ہے۔ (۵) یہ معبد بن المقداد بن الاسود کی زوجہ ہیں۔ (۶)

---

(۱) کشف الباری (ج۱ص۲۳۸)۔

(۲) کشف الباری (ج۲ص۳۲۱)۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج۱ص۲۱۰)، وعمدۃ القاري (ج۲ص۱۷۲)۔

(٤) کشف الباری (ج۱ص۳۲٦)۔

(٥) کما في صحیح البخاري: "حدثتني ھند القرشیة"۔ (ج۱ص۱۱۷) کتاب الأذان، باب مکث الإمام في مصلاہ بعد السلام، رقم (۸۵۰)۔

(٦) تہذیب الکمال (ج۳۵ص۳۲۰)۔

یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں، ان کے ساتھ خصوصی تعلق رکھنے والوں میں سے تھیں۔(۱)

ان سے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔(۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۴)

ان کی احادیث مسلم کے سوا باقی کتب صحاح میں موجود ہیں۔(۵) رحمها الله تعالى رحمة واسعة

تنبیہ

یہ ہند بنت الحارث فراسیہ صرف حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں، جبکہ ان سے روایت کرنے والے سوائے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی اور نہیں، ان کے بارے میں علماء جرح وتعدیل سے کسی قسم کی تعدیل وتجریح بھی منقول نہیں ہے، البتہ صرف امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "کتاب الثقات" میں ذکر کیا ہے، کیونکہ وہ ہر اس راوی کو ثقہ قرار دیتے ہیں جس کے بارے میں کسی سے جرح منقول نہ ہو، خواہ کسی سے تعدیل بھی منقول نہ ہو۔(۶)

لیکن جمہور کے نزدیک ایسا راوی مجہول کہلاتا ہے اور اس کی حدیث مرتبۂ "صحیح" کو نہیں پہنچتی۔(۷)

ان کا جواب یہ ہے کہ بعض حضرات نے ان کو صحابیہ قرار دیا ہے، اس صورت میں تو کوئی اشکال ہی نہیں

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج۵ ص۵۱۷)۔

(۴) تقریب التہذیب (ص۷۵۴) رقم (۸۶۹۵)۔

(۵) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۳۵ ص۳۲۰)۔

(۶) قال ابن حبان: "... لأن العدل من لم يعرف منه الجرح ضد التعديل، فمن لم يعلم بجرح فهو عدل إذا لم يبين ضده" الثقات لابن حبان (ج۱ ص۱۳)۔

(۷) فتح المغيث للسخاوي (ج۲ ص۴۴)۔

اور اگر یہ صحابیہ نہ ہوں تو تابعیہ ہوں گی۔ تابعین میں جو ایسے حضرات ہیں جن کی تعدیل وتجریح منقول نہ ہوں ان کی روایات کو بعض حضرات تو قبول نہیں کرتے، جبکہ بہت سے حضرات قبول بھی کرتے ہیں، چنانچہ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وقد قبل هذا القسم مطلقاً من العلماء من لم يشترط في الراوي مزيداً على الإسلام، وعزاه ابن المؤاق للحنفية، حيث قال: إنهم لم يفصلوا بين من روى عنه واحد، وبين من روى عنه أكثر من واحد، بل قبلوا رواية المجهول على الإطلاق" (۱) انتهى قول ابن المواق۔

یعنی "علماء میں بعض حضرات نے راوی کے اندر سوائے مسلم ہونے کی شرط کے اور کوئی شرط نہیں لگائی، یہ حضرات ایسے "مجہول" راوی کی روایت کو قبول کرتے ہیں، یہی بات ابن المواق نے حنفیہ کی طرف منسوب کی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حنفیہ نے کسی راوی میں یہ تفریق نہیں کی کہ اس سے ایک شخص روایت کرتا ہے یا ایک سے زائد شخص روایت کرتے ہیں، بلکہ علی الاطلاق مجہول کی روایت کو قبول کرتے ہیں"۔

نیز حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"مجہول راوی جس سے صرف ایک راوی روایت کرتا ہو، اس کو قبول کرنا ان حضرات علماء کے مذہب پر لازم ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ کسی عادل راوی کا کسی سے روایت کرنا اس کی تعدیل ہے، بلکہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے محققین کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک ایسا راوی قابل احتجاج ہے۔ اسی طرح ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جہالتِ عین کسی ایک مشہور راوی کے روایت کرنے سے مرتفع ہو جاتی ہے، اسی طرف ان کے شاگرد ابن حبان کا کلام بھی اشارہ کر رہا ہے......"۔ (۲)

(۱) فتح المغيث للسخاوي (ج ۲ ص ۴۵)۔

(۲) فتح المغيث (ج ۲ ص ۴۵)۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وبالجملة: فرواية إمام ناقل للشريعة لرجل ممن لم يروِ عنه سوى واحد في مقام الاحتجاج: كافية في تعريفه وتعديله"۔ (۱)

یعنی "کوئی امام جو ناقلِ شریعت وراوی مشہور ہو اور وہ مقام احتجاج واستدلال میں کسی ایسے راوی سے روایت کرے جس سے سوائے ایک راوی کے کسی نے روایت نہ کیا ہو تو اس کی تعریف وتعدیل کے لئے کافی ہے"۔

اس حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے ناقل شریعت امیر المومنین فی الحدیث کا ہند بنت الحارث یا ان جیسے کسی راوی سے حدیث نقل کرنا اس راوی کو جہالت سے نکال دے گا۔

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"إذا كان في عصر التابعين والقرون المشهود لهم بالخير: فإنه يستأنس بروايته ويستضاء بها في مواطن"۔ (۲)

یعنی "اگر وہ راوی جس سے صرف ایک شخص نے روایت کیا ہو، تابعین یا قرون فاضلہ سے تعلق رکھتا ہو تو اس کی روایت بطور استیناس لی جاسکتی ہے اور مختلف مقامات میں اس سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے"۔ واللہ سبحانہ اعلم

(۸) اُم سلمہ رضی اللہ عنہا

یہ ام المؤمنین ام سلمہ ہند بنت ابی امیۃ بن المغیرۃ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم قرشیہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا ہیں، ابوامیہ کا نام حذیفہ یا سہیل بتایا جاتا ہے۔ (۳)

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی (ج۲ص۵۰)۔

(۲) اختصار علوم الحدیث (ص۸۱) النوع الثالث والعشرون: معرفة من تقبل روايته ومن لاتقبل، وبيان الجرح والتعديل۔

(۳) تہذیب الکمال (ج۳۵ص۳۱۷)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے پہلے اپنے چچازاد بھائی حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان سے ان کی اولاد عمر، برہ، سلمہ، عمرہ اور درہ پیدا ہوئی، یہ حضرت ابوسلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔(۱)

حضرت ابوسلمہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔(۲)

جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا غزوۂ احد کے بعد انتقال ہوگیا تو اصح قول کے مطابق ۴ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کرلیا۔(۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سابق زوج حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ایک دن تذکرہ کیا کہ سنا ہے کہ جس عورت کا خاوند مرجائے اور وہ جنتی ہو، اس کی بیوی اس کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو اللہ تعالی دونوں کو جنت میں جمع فرمائیں گے، اسی طرح اگر عورت کا انتقال ہوگیا اور شوہر رہ گیا تب بھی یہی صورت حال ہوگی۔ اس پر حضرت ابوسلمہ نے کہا کہ کیا تم معاہدہ کرنا چاہتی ہو کہ میں تمہارے بعد کسی سے نکاح نہ کروں اور تم میرے بعد کسی کے ساتھ نکاح نہ کرو؟ پھر کہا کہ تم میری بات مانوگی؟ حضرت ام سلمہ نے کہا کہ ماننے کی غرض ہی سے تو مشورہ کررہی ہوں۔ اس پر حضرت ابوسلمہ نے کہا کہ تم میرے بعد نکاح کرلینا اور دعا کی "اللهم ارزق أم سلمة بعدي رجلا خيرا مني لا يخزيها ولا يؤذيها"۔ یعنی "ام سلمہ کو میرے بعد ایسا شخص نصیب فرما جو مجھ سے بہتر ہو، جو نہ انہیں رسوا کرے اور نہ تکلیف پہنچائے"۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد میں سوچتی رہتی کہ ابوسلمہ سے بہتر کون شخص ہوسکتا ہے؟!(۴)

ادھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شوہر کے انتقال کے بعد بتایا کہ:

"ما من عبد تصيبه مصيبة، فيقول: إنا لله وإنا إليه راجعون، اللهم أجرني في مصيبتي واخلف لي خيرا منها إلا أجره الله في مصيبته وأخلف له خيرا منها"۔

---

(۱) دیکھئے السیرة الحلبیة (ج۳ص۳۱۶)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تہذیب التہذیب (ج۱۲ص۴۵۶)۔

(۴) الإصابة (ج۴ص۴۲۳)۔

یعنی ''جو بندہ مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ "إنا لله وإنا إليه راجعون" کہنے کے بعد عرض کرے کہ اے اللہ! مجھے اپنی اس مصیبت پر اجر عطا فرما اور اس سے بہتر بدلہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ اس مصیبت پر اسے اجر عطا فرماتے اور اس سے بہتر اس کا بدلہ دیتے ہیں''۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں سوچنے لگی کہ ابوسلمہ سے بڑھ کر کون بہتر ہوسکتا ہے؟ پھر جی کڑا کر کے میں نے کہہ دیا، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا۔ (۱)

جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، انہوں نے انکار کردیا، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا، انہوں نے انکار کردیا، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو قاصد بنا کر بھیجا، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جہاں خوش ہوئیں وہاں زبردست دانشمندی سے کام لیتے ہوئے انہوں نے کہا میری عمر کافی ہوچکی ہے، پھر میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور میرے اندر غیرت بھی زیادہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی کرادی تو ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگیا۔ (۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا فضل وکمال اور فراست ودانائی مسلم تھی، غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو ہدی ذبح کرنے اور حلق کرا لینے کا تین مرتبہ حکم دیا، لیکن کسی نے نہ ہدی ذبح کی اور نہ حلق کرایا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب خبر ہوئی تو مشورہ دیا کہ یا رسول اللہ! صحابہ اس صلح سے بہت افسردہ ہیں، آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں، آپ اپنی ہدی ذبح کرلیں اور حلق کرالیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ پر عمل فرمایا، بس! آپ کا ہدی ذبح کرنا تھا کہ صحابہ نے فوراً

---

(۱) دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة، رقم (۲۱۲۶-۲۱۲۹)۔

(۲) دیکھئے الإصابة (ج ۴ ص ۴۲۳)۔

اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کرایا اور حلق کرالیا، چنانچہ یہ عقدہ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ سے بآسانی حل ہوگیا۔ (۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابوسلمہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی حدیث نقل کرتی ہیں۔

حضرت ام سلمہ سے روایت کرنے والوں میں عمر بن ابی سلمہ، زینب بنت ابی سلمہ، عامر بن ابی امیہ، مصعب بن عبداللہ بن ابی امیہ، عبداللہ بن رافع، نافع، سفینہ، خیرہ (حضرت حسن بصری کی والدہ)، سلیمان بن یسار، حضرت اسامہ بن زید، ہند بنت الحارث، صفیہ بنت شیبہ، ابوعثمان النہدی، عروہ بن الزبیر، امام شعبی اور کریب مولی ابن عباس رضی اللہ عنہم ورحمہم اللہ تعالی وغیرہ بہت سے حضرات صحابہ وتابعین ہیں۔ (۲)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً تین سو اٹھتر (۳۷۸) حدیثیں مروی ہیں، ان میں سے تیرہ حدیثیں متفق علیہ ہیں، جبکہ تین حدیثوں میں امام بخاری متفرد ہیں اور تین میں امام مسلم متفرد ہیں۔ (۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سن وفات میں کافی اختلاف ہے، بعض نے ۵۹ھ بتایا ہے، جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ۶۱ھ میں انتقال ہوا۔ (۴)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں وفات ہوئی۔ (۵) رضي الله عنها وأرضاها

حدثنا صدقة، أخبرنا ابن عيينة، عن معمر، عن الزهري عن هند عن أم سلمة و عمرو ويحيى بن سعيد عن الزهري عن هند عن أم سلمة .....

(۱) دیکھئے السیرة الحلبیة (ج۳ص۲۳)۔

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۳۵ص۳۱۷، ۳۱۹)۔

(۳) خلاصة الخزرجي (ص۴۹۶)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج۱۲ص۴۵۶و۴۵۷)۔

(۵) سیرة المصطفی (ج۳ص۳۰۶)۔

اس سند کے اندر کشمیہنی کی روایت میں "عن هند" کی جگہ "عن امرأة" واقع ہوا ہے، اسی طرح دوسری سند میں بھی ابوذر کی روایت "هند" کی جگہ "امرأة" کے لفظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔
گویا امام زہری بعض اوقات نام ذکر کرتے ہیں اور بعض اوقات مبہم ذکر کردیتے ہیں۔(۱)

وعمرو ويحيى بن سعيد

یہ دونوں نام یا تو مرفوع ہیں یا مکسور ہیں۔
مرفوع ہونے کی صورت میں استیناف ہے، گویا ابن عیینہ جہاں معمر سے روایت کرتے ہیں وہاں عمرو بن دینار اور یحییٰ بن سعید سے بھی روایت کرتے ہیں، البتہ عمرو سے پہلے صیغۂ اداءِ حدیث کو حذف کردیا، چنانچہ مسند الحمیدی میں اس کی سند اس طرح ہے "حدثنا الحميدي قال: حدثنا سُفيان، قال: ثنا عمرو بن دينار ويحيى بن سعيد عن الزهري ... وحدثناه معمر ....."۔(۲)
اور مکسور ہونے کی صورت میں "معمر" پر عطف ہے۔(۳)

استيقظ النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نیند سے جاگ اٹھے۔

فقال: سبحان الله!

آپ نے فرمایا: سبحان الله!
یہ لفظ مصدر ہے، لیکن تعجب کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہاں تعجب ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔(۴)

---

(۱) دیکھئے فتح الباري (ج۱ص۲۱۰)۔
(۲) مسند الحميدي (ج۱ص۱٤۰) أحاديث أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۲۹۲)۔
(۳) دیکھئے فتح الباري (ج۱ص۲۱۰)۔
(٤) عمدة القاري (ج۲ص۱۷۳)۔

ماذا أنزل الليلة من الفتن وماذا فتح من الخزائن؟

آج رات کیا کیا فتنے اتارے گئے ہیں اور کیا کیا رحمت کے خزانے کھولے گئے ہیں؟

"ماذا" میں "ما" استفہامیہ ہے اور "ذا" اسم اشارہ ہے، گویا "ماهذا الوقوف" کے معنی میں ہے، یعنی یہ کیسی واقفیت ہے......

یہ بھی ممکن ہے کہ "ما" تو استفہامیہ ہو اور "ذا" موصولہ ہو، اب مطلب ہو جائے گا "ما الذي أنزل الليلة..." یعنی آج رات نازل ہونیوالے فتنے کیا کیا ہیں؟

یہ بھی احتمال ہے کہ "ماذا" پورا استفہامی کلمہ ہو۔

ایک احتمال یہ ہے کہ "ما" نکرہ موصوفہ یعنی "شيء" کے معنی میں ہو۔

ایک امکان یہ بھی ہے کہ "ما" زائدہ ہو اور "ذا" اشارہ کے لئے ہو۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ "ما" استفہام کے لئے ہو اور "ذا" زائدہ ہو۔(۱)

"أنزل" مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے، جبکہ کشمیہنی کی روایت میں "أنزل الله" آیا ہے۔

"إنزال" کے لغوی معنی اقامت کے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے "أنزل الجيش بالبلد" اور کہا جاتا ہے "أنزل الأمير بالقصر" اور یا اس کے معنی لغت میں کسی چیز کو اوپر سے نیچے حرکت دینے اور اُتارنے کے ہوتے ہیں۔

یہاں لغوی معانی سے قطع نظر اعلام مراد ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بطور وحی مذکورہ اشیاء دکھائیں، جس کو "أنزل" سے تعبیر کیا گیا ہے۔(۲)

پھر یہاں "فتن" سے مراد عذاب ہیں اور "خزائن" سے مراد رحمت ہے۔

"عـــذاب" کو "فتـــنة" سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ یہ فتنے دراصل عذاب تک پہنچانے والے اسباب ہیں۔(۳)

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ماذا أنزل الليلة من الفتن" اور "ماذا فتح من الخزائن"

(۱) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ ص۱۷۳ و ۱۷٤)۔

(۲) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ ص۱۷٤)، وفتح الباري (ج۱ ص۲۱۰)۔

(۳) حوالہ جات بالا۔

دونوں ایک ہی ہیں، دوسرا جملہ پہلے کی تاکید ہے، کیونکہ خزائن مفتوحہ سبب فتنہ بن جاتے ہیں۔(۱)

لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ الگ الگ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً خواب میں دیکھا کہ آپ کے بعد بہت سے فتنے واقع ہونے والے ہیں اور آپ کی امت کو خزائن حاصل ہوں گے، خواب سے بیدار ہونے کے بعد تعبیر کے ذریعہ یا وحی کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہوگئی۔

آپ کی اس پیشین گوئی کے مطابق آپ کے بعد امت میں کتنے فتنے پیدا ہوئے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے لوگوں کو کتنے خزانے حاصل ہوئے اور انہوں نے کتنے ہی ممالک فتح کئے، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔(۲)

أیقظوا صواحب الحجر

حجرہ والیوں کو جگاؤ۔

"أیقظوا" باب افعال سے امر کا صیغہ ہے اور "صواحب" "صاحبة" کی جمع ہے بعض نسخوں میں "صواحبات الحجر" ہے اور یہ جمع الجمع ہے۔ اس سے مراد حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں، گویا اس رات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی، آپ نے جب یہ کلمات ارشاد فرمائے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں سنا اور نقل کیا۔(۳)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک احتمال یہ لکھا ہے کہ یہ "ایقظوا" مجرد سے ہے، اس کے معنی "انتبھوا" کے ہیں، اس کے بعد "صواحب الحجر" منادی ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔(۴)

لیکن یہ مجرد احتمال ہے، نہ روایت سے ثابت ہے اور نہ ہی لفظ سے اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اگر "ایقظوا" مجرد سے ہوتا تو "ایقظن" جمع مؤنث حاضر کا صیغہ لایا جاتا۔(۵)

---

(۱) حوالہ جات بالا۔

(۲) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ ص۱۷٤)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) شرح الکرماني (ج۲ ص۱۳۰)۔

(۵) عمدة القاري (ج۲ ص۱۷٤)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشادِ مبارک کے ذریعہ گویا یہ فرمایا ہے کہ یہ وقت سونے اور سستی کا نہیں ہے، ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، تاکہ فتنوں سے محفوظ رہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مالامال ہوں۔

فائدہ

اس میں مردوں کو تعلیم ہے کہ اپنے گھر والوں کو رات کے اوقات میں نماز اور اللہ کے ذکر کے لئے جگائیں، خاص طور پر ایسے حالات میں جب اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنے والے حالات سامنے ہوں۔(۱)

فرب کاسیةٍ في الدنیا عاریة في الآخرة۔

بہت سی عورتیں دنیا میں پہنے اوڑھے ہوں گی، آخرت میں ننگی ہوں گی۔

"رُبّ" تقلیل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور تکثیر کے لئے بھی کثرت سے آتا ہے، یہاں تکثیر کے لئے ہے۔

"رُبّ" کا مجرور موصوف ہوتا ہے، اس کی صفت یا تو مفرد لاتے ہیں، کہا جاتا ہے "رُب صدیقٍ وفیٌّ عرفته" اور کبھی جملہ بطور صفت لایا جاتا ہے، جیسے "رب صدیق لم یتغیر عرفته" اور کبھی اس کی صفت شبہ جملہ لاتے ہیں، جیسے "رب صدیق عندك عرفته" اور "رب صدیق في الشدة عرفته"۔

یہاں بھی "في الدنیا" کو شبہ جملہ قرار دے کر "کاسیة" کی صفت قرار دیں گے۔

پھر "عاریة" کو مجرور بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں یہ براہ راست "کاسیة" کی صفت ہوگا۔ اور اس کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے، اس صورت میں اس کو مبتدا کی خبر بنائیں گے، یعنی "هي عاریة في الآخرة" اور پھر اس پورے جملے کو "کاسیة" کی صفت قرار دیں گے۔

یہاں یہ بھی جاننے کی ضرورت ہے کہ "رب" اور اس کے مجرور کا کسی فعل ماضی کے ساتھ معنوی اعتبار سے تعلق واتصال ہوتا ہے، لہذا تقدیر عبارت یوں ہوگی "رب کاسیة في الدنیا عاریة في الآخرة عرفتها"۔

(۱) دیکھئے فضل الباري (ج۲ص۱۵۶)۔

پھر "رب" حرف جار اور اس کے مجرور کے واسطے اعرابی اعتبار سے کسی فعل یا شبہ فعل کے ساتھ تعلق ضروری ہوتا ہے یا نہیں؟ دونوں ہی قول ہیں، تعلق ضروری قرار دیا جائے تو یہ جار ومجرور "عرفتها" کے ساتھ متعلق ہوجائیں گے، ورنہ "رب" کو اسم قرار دے کر اس کو مبتدا یا مفعول قرار دیں گے لہذا "رب کاسية " مبتدا ہوجائے گا اور "عرفتها" اس کی خبر، یا "رب کاسية " مفعول بہ متقدم اور "عرفتها" اس کا عامل ہوگا۔(۱)

لفظ "كاسية" کی تحقیق

لفظ "کاسية" کسا یکسو سے اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے، اس کے معنی کپڑا دینا اور پہنانا ہے، لیکن یہاں اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں ہے، گویا "کاسية" "مکسوة" کے معنی میں ہے، جیسے ﴿ماء دافق﴾، "مدفوق" کے معنی میں اور ﴿عيشة راضية﴾، ﴿مرضية﴾ کے معنی میں ہے۔ اسی معنی میں حطیئہ شاعر کا یہ شعر بھی ہے۔

دع المكارم لا ترحل لبغيتها   واقعد فإنك أنت الطاعم الكاسي

یعنی "شرافت کی چیزوں کو چھوڑ، ان کے پیچھے نہ پڑ، بیٹھا رہ، کیونکہ تو تو صرف کھانے کے لئے ہے اور پہننے کے لئے ہے"۔

یہاں "الكاسي" "المكسو" کے معنی میں ہے، جس کو کپڑا پہنایا گیا ہو۔(۲)

حدیث شریف کا مفہوم

اس جملہ کا مفہوم یا تو یہ ہے کہ یہ عورتیں ایسا باریک اور مہین لباس پہنتی ہیں جس سے اندرونی اعضاء مکشوف ہوجاتے ہیں، یا اعضاء کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔

اسی طرح اس کے حکم میں یہ بھی ہے کہ لباس اس قدر چست اور تنگ پہنا جائے کہ اندرونی اعضاء ابھر

(۱) "رب" کے بارے میں مذکورہ تفصیلات کے علاوہ مزید تفاصیل کے لئے دیکھئے "همع الهوامع" (ج۲ ص ۲۵-۲۸)۔

(۲) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ ص ۱۷۵)۔

آئیں اور ان کی ساخت ظاہر ہوجائے۔

اسی طرح اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ یہ عورتیں دنیا میں انتہائی بڑھیا اور بیش قیمت لباس پہننے والیاں ہوں گی، لیکن آخرت میں حسنات اور نیکیوں سے بالکل عاری ہوں گی۔ (۱)

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ازواج مطہرات کو جگایا اس جملہ میں اس کی علت بیان کی گئی ہے، گویا آپ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ازواج مطہرات کو اس حیثیت سے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اور ازواج ہیں، تغافل اور تکاسل سے کام نہیں لینا چاہئے اور اس بات پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھنا چاہئے کہ ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج ہیں۔ کیونکہ اگر عمل نہ ہوتو بسا اوقات ایسا تعلق کام نہیں دیتا۔ (۲)

حدیث شریف سے مستنبط چند فوائد

حدیث باب سے معلوم ہوا کہ آدمی کو رات کے اوقات میں اپنے گھر والوں کو اٹھانا چاہئے، تاکہ وہ نماز پڑھیں اور اللہ کا ذکر کریں، خاص طور پر جبکہ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آجائے، یا کوئی خوفناک خواب دکھائی دے۔

اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعجب کے موقع پر "سبحان اللہ" کہنا چاہئے۔

اسی طرح علماء نے لکھا ہے کہ نیند سے اٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا مستحب ہے۔

ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ عالم کو جن باتوں کا اندیشہ لاحق ہو ان سے اپنے ماننے والوں کو آگاہ کردینا چاہئے اور ان متوقع حوادث سے بچنے کا طریقہ بھی بتانا چاہئے۔

نیز یہ حدیث ایک بڑی پیشین گوئی پر مشتمل ہے کہ آئندہ زمانے میں کچھ ایسی عورتیں ہوں گی جو لباس پہنے ہوئے ہونے کے باوجود برہنہ ہوں گی، آج ہمارے دور میں یہ کس قدر واضح طور پر منطبق ہے! أعاذنا اللہ من جمیع الشرور والفتن ماظهر منها ومابطن۔ (۳) واللّٰہ أعلم وعلمه أتم وأحكم۔

---

(۱) دیکھئے عمدۃ القاری (ج۲ ص۱۷٤)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) دیکھئے عمدۃ القاري (ج۲ ص۱۷٤ و ۱۷٥)، وفتح الباري (ج۱ ص۲۱۱)۔

٤١ – باب : اَلسَّمَرِ فِي اَلْعِلْمِ .

"باب" کی اضافت "السمر" کی طرف کی گئی ہے، یہی ابوذر کی روایت ہے اور معنی ہیں "هذا باب في بيان السمر في العلم"۔

ابوذر کے سوا باقی روایات میں "باب" کے لفظ پر تنوین ہے، گویا اضافت نہیں ہے اور "السمر" مرفوع ہے، گویا تقدیر عبارت یوں ہے "هذا بابٌ : فيه السمر بالعلم"۔ (۱)

لفظ ''سمر'' کی تحقیق

''سمر'' میم کے فتحہ کے ساتھ بھی کہا جاتا ہے اور اس کو سکون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس کے معنی رات کو بات چیت کرنے کے ہیں۔

سَمَرَ يَسْمُرُ سَمْراً و سَمَراً: رات کو قصہ گوئی کرنا۔

اصل میں ''سمرۃ'' چاند کے رنگ کو کہتے ہیں، کیونکہ عرب لوگ چاندنی راتوں میں بیٹھ کر گپ شپ لگاتے اور قصہ گوئی کرتے تھے۔ (۲)

بابِ سابق سے مناسبت

اس باب میں اور سابق باب میں مناسبت واضح ہے کہ پہلے باب میں رات کو علم وموعظت کے مشغلہ کا بیان تھا اور اس باب میں رات کو علمی مشغلہ کا ذکر ہے۔ (۳)

---

(۱) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ص ۱۷۵)۔

(۲) دیکھئے مختار الصحاح (ص ۳۱۲ و ۳۱۳)، و عمدة القاري (ج۲ص ۱۷۵)۔

(۳) عمدة القاري (ج۲ص ۱۷۵)۔

مقصدِ ترجمۃ الباب

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ سونے سے پہلے اگر علمی قصہ گوئی کی جائے تو یہ ممنوع نہیں۔

اس ترجمہ میں اور گذشتہ ترجمہ میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں فرق یہ ہے کہ گذشتہ ترجمہ عام ہے، اس میں سونے سے پہلے کی تخصیص نہیں ہے اور یہاں یہ قید ملحوظ ہے۔(۱)

خلاصہ یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً رات میں وعظ وتذکیر اور تعلیم وتبلیغ کا جواز بیان کیا اور اب یہاں اس باب سے سونے سے پہلے علمی قصہ گوئی کا جواز بیان کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمۃ الباب سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روایات میں سمر بعد العشاء یعنی عشاء کے بعد قصہ گوئی سے ممانعت آئی ہے، مگر حسبِ حاجت، مناسب اوقات میں سمر فی العلم ثابت اور مسلّم ہے اور یہ ممانعت مذکورہ سے خارج ہے۔

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ممانعت کا تعلق بے فائدہ گفتگو سے ہے اور اگر علمی قصہ گوئی ہو اور اس میں کچھ علمی قصے بیان کئے جائیں تو یہ جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جو غرض بیان کی ہے، اس پر پہلے ترجمہ اور اس ترجمہ میں فرق ظاہر ہے، پہلے ترجمہ کا تو مقصود رات میں وعظ وتذکیر کا جواز بیان کرنا ہے، اس توہم کو دور کرنے کے لئے کہ اس میں سامعین کو ملال ہوگا، لہذا یہ مکروہ ہونا چاہئے تو حدیث سے بتلا دیا کہ نہیں، یہ مکروہ بھی نہیں ہے۔(۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

١١٦ : حدثنا سعيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خالِدٍ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ سالِمٍ ، وَأَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ : أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قالَ : صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ العِشاءَ فِي آخِرِ حَياتِهِ . فَلَمَّا سَلَّمَ قامَ . فَقالَ : (أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ . فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْها . لا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ) . [٥٣٩ ، ٥٧٦]

---

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۱)۔

(۲) دیکھئے الأبواب والتراجم (ص ۵۶)۔

تراجم رجال

(۱) سعید بن عفیر

یہ سعید بن کثیر بن عفیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، "باب من یرد اللّٰہ به خیراً یفقهه في الدین" کے تحت آ چکے ہیں۔(۱)

(۲) اللیث

یہ امام ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۲)

(۳) عبدالرحمٰن بن خالد

یہ عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر فہمی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابوخالد یا ابوالولید ہے، یہ امام لیث بن سعد کے آقاؤں میں سے تھے۔(۳)

ھشام بن عبدالملک کی طرف سے یہ مصر کے امیر تھے۔(۴)

یہ امام زھری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام لیث بن سعد اور یحیی بن ایوب مصری رحمہما اللہ تعالیٰ ہیں۔(۵)

---

(۳) قوله: "عبدالله بن عمر رضي الله عنهما" الحديث، أخرجه البخاري أيضا في صحيحه (ج۱ص۸۰) في كتاب مواقيت الصلاة، باب ذكر العشاء والعتمة ومن رآه واسعا، رقم (۵٦٤)، و(ج۱ص۸٤)، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر في الفقه والخير بعد العشاء، رقم (٦۰۱)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الفضائل، باب بيان معنى قوله صلى الله عليه وسلم: على رأس مائة سنة لايبقى نفس منفوسة ممن هو موجود الآن، رقم (٦٤۷۹)، و(٦٤۸۰)۔

(۱) كشف الباري (ج۳ص۲۷٤)۔

(۲) كشف الباري (ج۱ص۳۲٤)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۱۷ص۷٦)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) حوالۂ بالا۔

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صالح"۔(۱)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لیس به بأس"۔(۲)

ابوسعید بن یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "...... وكان ثبتاً في الحديث"۔()

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مصري ثقة"۔(۴)

امام ذہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثبت"۔(۵)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۶)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو امام زہری کے تلامذہ میں ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے طبقات میں شمار کیا ہے۔(۷)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"كان عنده عن الزهري كتاب، فيه مائتا حديث أو ثلاث مائة حديث، كان الليث يحدث بها عنه، وكان جده شهد فتح بيت المقدس مع عمر بن الخطاب رضي الله عنه"۔ (۸)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۹)

البتہ ساجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "هو عندهم من أهل الصدق، وله مناكير"۔(۱۰)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۱۷ص۷۷)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) تهذيب التهذيب (ج٦ص١٦٦)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(٦) حوالۂ بالا۔

(۷) حوالۂ بالا۔

(۸) تهذيب الكمال (ج۱۷ص۷۷)۔

(۹) الثقات لابن حبان (ج۷ص۸۳)۔

(۱۰) تهذيب التهذيب (ج٦ص١٦٦)۔

یہاں ''مناکیر'' کو تفرد کے معنی پر محمول کیا جائے گا۔(۱)

ان کی وفات ۱۲۷ھ میں ہوئی۔(۲) رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

(۴) ابن شہاب

یہ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات ''بدء الوحی'' کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۳)

(۵) سالم

یہ جلیل القدر تابعی، مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے مشہور فقیہ، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پوتے ابوعمر یا ابوعبداللہ سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب قرشی عدوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات كتاب الإيمان، "باب الحياء من الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

(۶) ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ

یہ ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ قرشی عدوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۵)

ابوبکر کی کنیت سے معروف ہیں، ان کا کوئی اور نام نہیں ہے، ابوحثمہ کا نام عبداللہ بن حذیفہ ہے، بعض نے عدی بن کعب بتایا ہے۔(۶)

یہ حکیم بن حزام، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، عبداللہ بن عمر، سلیمان بن ابی حثمہ، ابو ہریرہ، ام المؤمنین حفصہ بنت عمر بن الخطاب اور الشفاء رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

(۱) تعليقات الكاشف (ج۱ ص۶۲٦)، رقم (۳۱۸٤)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۱۷ ص۷۷)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ ص۳۲٦)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ ص۱۲۸)۔

(٥) تهذيب الكمال (ج۳۳ ص۹۲)۔

(٦) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ ص۱۷٦)، وتهذيب الكمال (ج۳۳ ص۹٤)۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابن شہاب زہری، اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص، صالح بن کیسان، محمد بن المنکدر، خالد بن الیاس اور یزید بن عبداللہ بن قسیط رحمہم اللہ تعالی وغیرہ ہیں۔(۱)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان من علماء قريش"۔(۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة عارف بالنسب"۔(۳)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۴)

رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

(۷) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإيمان، "باب الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۵)

صلّى بنا النبي صلى الله عليه وسلم العشاء في آخر حياته

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخر حیات میں ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ کے وصال سے ایک ماہ پیشتر کی تصریح موجود ہے "سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول قبل أن يموت بشهر"۔(۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

"لما رجع النبي صلى الله عليه وسلم من تبوك سألوه عن الساعة، فقال رسول الله

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۲ص۹۴)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تقریب التہذیب (ص۶۲۳) رقم (۷۹۶۷)۔

(۴) الثقات لابن حبان (ج۵ص۵۶۶)۔

(۵) کشف الباری (ج۱ص۶۳۷)۔

(۶) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب بيان معنى قوله صلى الله عليه وسلم: على رأس مائة سنة لايبقى نفس منفوسة ممن هو موجود الآن، رقم (۶۴۸۱)، (۶۴۸۳)۔

صلى الله عليه وسلم: لاتأتي مائة سنة وعلى الأرض نفس منفوسة اليوم"۔ (۱)

یعنی ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپس آنے کے بعد جب آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا گیا تو یہ ارشاد فرمایا تھا، جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے فرمایا آج جتنے لوگ جیتے جاگتے ہیں ان پر سو سال کا عرصہ نہیں گذرے گا کہ سب ختم ہو جائیں گے''۔

فلما سلّم قام، فقال:

جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

أرأيتكم ليلتكم هذه؟

کیا تم نے اس رات کو دیکھا؟! (اسے یاد رکھنا)۔

"أرأيتكم" میں ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور یہ جملہ استخبار کے لئے آتا ہے، یعنی یہ "أخبروني" کے معنی میں ہے، کیونکہ رؤیت سبب اخبار ہے اور مقصود تنبیہ ہے، یعنی اس رات کو یاد کرلو۔ (۲)

مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو "أرأيتكم ليلتكم هذه؟" فرمایا، اس کے معنی یہ ہوئے: بتاؤ یہ کونسی رات ہے؟ اور یہ وہی شخص بتائے گا جس کو یہ رات معلوم ہو، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے متعلق صورۃً خبر معلوم کی ہے اور حقیقۃً اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ اس رات کو یاد کرلو اور یاد رکھو۔

فإن رأس مائة سنة منها لايبقى ممن هو على ظهر الأرض أحد

اس لئے کہ اس رات کے سو سال بعد ان لوگوں میں سے جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہیں کوئی باقی نہیں رہے گا۔

یہی روایت آگے آرہی ہے: اس میں ہے "يريد بذلك أنها تخرم ذلك القرن" (۳) یعنی مطلب

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب بيان معنى قوله صلى الله عليه وسلم على رأس مائة سنة لايبقى نفس منفوسة ... اليوم، رقم (۶۴۸۵)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج۱ص۲۱۱)۔

(۳) صحيح البخاري (ج۱ص۸۴)، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر في الفقه والخير بعد العشاء، رقم (۶۰۱)۔

یہ ہے کہ ''یہ سو سال تمام اہل قرن کو ختم کردیں گے''۔

حدیث شریف کا مفہوم اور مقصد

حدیث شریف کا مفہوم تو واضح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ اس وقت دنیا میں جتنے لوگ موجود ہیں آج سے سو سال پورے ہونے کے بعد کوئی باقی نہیں رہے گا۔

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد مبارک سے آپ تنبیہ فرمانا چاہتے ہیں کہ آئندہ سو سال کے اندر اندر سب ختم ہوجائیں گے، تمہاری عمریں امم گذشتہ کی طرح طویل نہیں ہیں، لہذا اپنی ان قصیر عمروں کو کام میں لاؤ اور عبادت میں خوب محنت سے کام لو۔ (۱)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس رات کو جتنے لوگ روئے زمین پر تھے ان کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ سو سال سے زیادہ نہیں رہیں گے، خواہ اس سے پہلے عمر اس کی کم ہو یا زیادہ ہو۔ (۲)

تنبیہ

ابو امامہ بن النقاش رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اس امت کے کسی آدمی کی عمر سو سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ (۳)

لیکن محققین علماء نے اس کو رد کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہیں، بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے ارشاد کے وقت جو لوگ موجود ہیں ان میں سے کوئی سو سال کے بعد زندہ نہیں رہے گا، سب سو سال آنے تک ختم ہوجائیں گے اور یہی ہوا بھی۔ ابو امامہ کا یہ کہنا کہ کوئی سو سال کے بعد زندہ نہیں رہے گا غلط ہے۔ (۴)

---

(۱) شرح صحيح البخاري لابن بطال (ج۱ص۱۹۲)۔

(۲) دیکھئے شرح النووي على صحيح مسلم (ج۲ص۳۱۰)، كتاب فضائل الصحابة، باب بيان معنى قوله صلى الله عليه وسلم على رأس مائة سنة لا يبقى ... الخ۔

(۳) دیکھئے الأجوبة المرضية للسخاوي (ج۲ص۳۸۰)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

چنانچہ صحابۂ کرام میں حضرت حکیم بن حزام بن خویلد، حضرت حسان بن ثابت، حضرت حویطب بن عبدالعزی، حضرت سعید بن یربوع، حضرت حَمنَن بن عوف اور حضرت مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہم کی عمریں ایک سوبیس سال تک ہوئیں۔(۱)

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی عمر سو سال سے متجاوز تھی۔(۲)

اسی طرح حضرات تابعین میں اور پھر ان کے بعد محدثین میں بہت سے حضرات گذرے ہیں، جنہوں نے سو سال سے زائد عمر پائی۔(۳)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام "کتاب أهل المائة فصاعدا" ہے۔

مذکورہ پیشین گوئی کا تحقق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں جو پیشین گوئی فرمائی تھی کہ آج سے سو سال کے بعد موجودہ افراد میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا، حرف بحرف پوری ہوئی، چنانچہ صحابۂ کرام میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی حضرت عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ ہیں، جن کی وفات کے سلسلہ میں آخری قول ۱۱۰ھ ہے، جس کی تصحیح حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔(۴)

باقی جتنے صحابۂ کرام ہیں وہ سب اس سن سے پہلے پہلے وفات پا چکے تھے۔

حیاتِ خضر

حدیث باب سے ان حضرات نے، جو وفاتِ خضر کے قائل ہیں، استدلال کیا ہے، کیونکہ اس میں ہے

(۱) دیکھئے فتح المغیث للعراقي (۴۵۵-۴۵۷)۔

(۲) قال الذهبي في الكاشف (ج۱ ص۲۵۶)، رقم (۴۷۷): "جاوز المائة"۔

(۳) كالقاضي شريح؛ فإنه عمّر نحو مائة وثمان سنين أو أكثر۔ انظر تقريب التهذيب (ص۲۶۵)، وكالقاضي أبي الطيب طاهر بن عبد الله الطبري؛ فإنه عاش مائة سنة وسنتين۔ انظر وفيات الأعيان لابن خلكان (ج۲ ص۵۱۴)۔

(۴) قال الذهبي رحمه الله تعالى في "الكاشف" (ج۱ ص۵۲۷)، رقم (۲۵۴۸): "وبه ختم الصحابة في الدنيا، مات سنة عشر ومائة على الصحيح"۔

"فإن علی رأس مائة سنة منها لایبقی ممن هو علی ظهر الأرض أحد"۔

جبکہ حیات خضر کے قائلین کہتے ہیں کہ اس حدیث میں "علی ظهر الأرض" کی قید ہے اور خضر علیہ السلام اس وقت سمندر میں تھے۔ یا یہ کہ اس حدیث کے عموم سے حضرت خضر علیہ السلام مخصوص ہیں، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اسی طرح ابلیس اس سے مستثنیٰ ہیں۔(۱)

حیات خضر کی بحث ہم کتاب العلم ہی میں "باب ما ذکر في ذهاب موسی صلی اللّٰه علیه وسلم في البحر إلی الخضر" میں ذکر کر چکے ہیں۔(۲)

حدیثِ باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت واضح ہے، کیونکہ اس میں ہے "صلی بنا النبي صلی اللّٰه علیه وسلم العشاء في آخر حیاته، فلما سلم قام، فقال: أرأیتکم ..." گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد گفتگو فرمائی اور یہ سمر فی العلم ہے، یعنی رات کے وقت علمی باتوں کا مذاکرہ ہے۔

واللّٰه سبحانه وتعالی أعلم

۱۱۷ : حَدَّثنا آدَمُ قَالَ : حَدَّثَنا شُعْبَةُ قَالَ : حَدَّثَنا ٱلْحَكَمُ قَالَ : سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ ، عَن ٱبْنِ عَبَّاسٍ[۳] قَالَ : بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ بِنْتِ ٱلحارِثِ ، زَوْجِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ ، وَكَانَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ عِنْدَها فِي لَيْلَتِهَا ، فَصَلَّى ٱلنَّبِيُّ ﷺ ٱلعِشاءَ ، ثُمَّ جاءَ إِلى مَنْزِلِهِ ، فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعاتٍ ، ثُمَّ نَام ، ثُمَّ قَامَ ، ثُمَّ قَالَ : (نَامَ ٱلْغُلَيِّمُ) . أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا ، ثُمَّ قَام ، فَقُمْتُ عَنْ يَسارِهِ ، فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ ، فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعاتٍ ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ نَامَ ، حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ أَوْ خَطِيطَهُ ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى ٱلصَّلَاةِ .

[۱۳۸ ، ۱۸۱ : ٦٦٥-٦٦٧ ، ٦٩٣ ، ٦٩٥ ، ٨٢١ ، ٩٤٧ ، ١١٤٠ ، ٤٢٩٣ ، ٤٢٩٦ ، ٥٥٧٥ ، ٥٨٦١ ، ٥٩٥٧ ، ٧٠١٤]

---

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج۶ ص۴۳۴) کتاب أحادیث الأنبیاء، باب حدیث الخضر مع موسی علیهما السلام۔

(۲) دیکھئے کشف الباري (ج۳ ص۳۴۵-۳۵۰)۔

تراجم رجال

(۱) آدم

یہ ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان،

---

(۳) قوله: "عن ابن عباس رضي الله عنهما" الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج۱ ص۲۵) كتاب الوضوء، باب التخفيف في الوضوء، رقم (۱۳۸)، و(ج۱ ص۳۰) كتاب الوضوء، باب قراءة القرآن بعد الحدث وغيره، رقم (۱۸۳)، و(ج۱ ص۹۷) كتاب الأذان، باب يقوم عن يمين الإمام بحذائه سواء إذا كانا اثنين، رقم (۶۹۷)، وباب إذا قام الرجل عن يسار الإمام، رقم (۶۹۸) وباب إذا لم ينو الإمام أن يؤم ثم جاء قوم فأمهم، رقم (۶۹۹)، و(ج۱ ص۱۰۰) كتاب الأذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الإمام، رقم (۷۲۶)، و(ج۱ ص۱۰۱) كتاب الأذان، باب ميمنة المسجد والإمام، رقم (۷۲۸)، و(ج۱ ص۱۱۸)، كتاب الأذان، باب وضوء الصبيان ، رقم (۸۵۹)، و(ج۱ ص۱۳۵) كتاب الوتر، باب ما جاء في الوتر، رقم (۹۹۲)، و(ج۱ ص۱۵۹ و۱۶۰)، كتاب العمل في الصلاة، باب استعانة اليد في الصلاة إذا كان من أمر الصلاة، رقم (۱۱۹۸)، و(ج۲ ص۶۵۷)، كتاب التفسير، سورة آل عمران، باب: ﴿إن في خلق السموات والأرض .....﴾ الآية، رقم (۴۵۶۹)، وباب: ﴿الذين يذكرون الله قياماً وقعوداً وعلى جنوبهم .....﴾، رقم (۴۵۷۰)، وباب: ﴿ربنا إنك من تدخل النار فقد أخزيته ﴾، رقم (۴۵۷۱)، وباب: ﴿ربنا إننا سمعنا منادياً ينادي للإيمان﴾، رقم (۴۵۷۲)، و(ج۲ ص۸۷۷) كتاب اللباس، باب الذوائب، رقم (۵۹۱۹)، و(ج۲ ص۹۱۸) كتاب الأدب، باب رفع البصر إلى السماء، رقم (۶۲۱۵)، و(ج۲ ص۹۳۴ و۹۳۵)، كتاب الدعوات، باب إذا انتبه بالليل، رقم (۶۳۱۶)، و(ج۲ ص۱۱۱۰)، كتاب التوحيد، باب ما جاء في تخليق السماوات والأرض وغيرها من الخلائق، رقم (۷۴۵۲)، ومسلم في صحيحه في كتاب الطهارة، باب السواك، رقم (۵۹۶)، وفي كتاب صلاة المسافرين، باب صلاة النبي صلى الله عليه وسلم ودعائه بالليل، رقم (۱۷۸۸-۱۸۰۱)، والنسائي في سننه، في كتاب الأذان، باب إيذان المؤذنين الأئمة بالصلوة، رقم (۶۸۷)، وفي كتاب الافتتاح، باب الدعاء في السجود، رقم (۱۱۲۲)، وفي كتاب قيام الليل، باب ذكر مايستفتح به القيام، رقم (۱۶۲۰ و۱۶۲۱)، وباب ذكر الاختلاف على حبيب بن أبي ثابت في حديث ابن عباس في الوتر، رقم (۱۷۰۵-۱۷۰۷)، وأبو داود في سننه، في كتاب الطهارة، باب السواك لمن قام من الليل، رقم (۵۸)، وفي كتاب الصلاة، باب الرجلين يؤم أحدهما صاحبه كيف يقومان؟، رقم (۶۱۰ و۶۱۱)، وفي كتاب التطوع، باب في صلاة الليل، رقم (۱۳۵۳-۱۳۵۸) و(۱۳۶۴ و۱۳۶۵) و(۱۳۶۷)، والترمذي في جامعه، في كتاب الصلاة، باب ماجاء في الرجل يصلي ومعه رجل، رقم (۲۳۲)، وابن ماجه في سننه، في كتاب إقامة الصلاة، باب ماجاء في الدعاء إذا قام الرجل من الليل، رقم (۱۳۵۵)، وباب ماجاء في كم يصلي بالليل؟، رقم (۱۳۶۳)۔

"باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) شعبہ

یہ امام شعبہ بن الحجاج بن الورد عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی مذکورہ باب میں گذر چکے ہیں۔(۲)

(۳) الحکم

یہ الحَکَم - بفتح الحاء المهملة والكاف - بن عُتيبة - مصغراً - الكندي الكوفي رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابومحمد یا ابوعبداللہ یا ابوعمر کنیت ہے۔

یہ عدی بن عدی کندی یا قبیلۂ کندہ کی ایک خاتون کے مولیٰ تھے۔(۳)

یہ حضرت ابوجُحَیفہ السّوائی رضی اللہ عنہ کے علاوہ قاضی شریح، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، ابووائل شقیق بن سلمہ، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مصعب بن سعد، طاؤس، عکرمہ، مجاہد، عمرو بن میمون، عامر شعبی، عطاء بن ابی رباح، مقسم، قیس بن ابی حازم، ابوصالح السمان اور ابراہیم تیمی رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے حدیث نقل کرنے والوں میں منصور بن المعتمر، امام اعمش، مسعر بن کِدام، مالک بن مِغول، امام اوزاعی، امام شعبہ، ابوعوانہ اور حمزۃ بن حبیب الزیات رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔(۴)

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "...... فما بين لابتيها أفقه منه"۔(۵)

مجاہد بن رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "رأيت الحكم في مسجد الخيف، وعلماء الناس عيال

(۱) كشف الباري (ج۱ ص۶۷۸)۔

(۲) كشف الباري (ج۱ ص۶۷۸)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۷ ص۱۱٤)۔

(۴) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۷ ص۱۱٥-۱۱۷)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۷ ص۱۱۷)۔

علیه"۔(۱)

عباس دوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان صاحب عبادة وفضل"۔(۲)

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما كان بالكوفة بعد إبراهيم والشعبي مثل الحكم وحماد"۔(۳)

عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثبت ثقة"۔(۴)

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں "سألت أبي: من أثبت الناس في إبراهيم؟ قال: الحكم بن عتيبة، ثم منصور"۔(۵)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "الحكم بن عتيبة ثقة"۔(۶)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۷)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة ثبت"۔(۸)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثبت ثقة في الحديث، وكان من فقهاء أصحاب إبراهيم، وكان صاحب سنة واتباع"۔(۹)

یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان فقيها ثقة"۔(۱۰)

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۷ص۱۱۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۷ص۱۱۸و ۱۱۹)۔

(۶) تهذيب الكمال (ج۷ص۱۱۹)۔

(۷) حوالہ بالا۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) تهذيب الكمال (ج۷ص۱۱۹)۔

(۱۰) تهذيب التهذيب (ج۲ص۴۳٤)۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کان الحکم بن عتیبة ثقة، فقیهاً، عالماً، عالیاً، رفیعاً، کثیر الحدیث"۔(۱)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فقیه الکوفة مع حماد ... عابد، قانت، ثقة، صاحب سنة"۔(۲)

البتہ عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وکان فیه تشیع إلا أن ذلك لم یظهر منه إلا بعد موته"۔(۳)

اسی طرح امام شعبہ سے منقول ہے "کان الحکم یفضل علیاً علی أبي بکر وعمر"۔(۴)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ قول شاذ اور مردود ہے، بہت سے حضرات نے ان کے "صاحب سنة" ہونے کی تصریح کی ہے اور کسی نے بھی تشیع کا ذکر نہیں کیا۔

پھر حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شعبہ کا یہ قول سلیمان شاذکونی کے واسطہ سے منقول ہے اور شاذکونی معتمد نہیں ہے، چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "الشاذ کوني لیس بمعتمد، وما أظن أن الحکم یقع منه هذا"۔(۵)

اسی طرح ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ جب "ثقات" میں کیا تو ساتھ یہ بھی لکھا "کان یدلس"۔(۶)

اسی بنیاد پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے "ثقة، ثبت، فقیه إلا أنه ربما دلس"۔(۷)

لیکن خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب "تعریف أهل التقدیس بمراتب

---

(۱) الطبقات لابن سعد (ج۶ص۳۳۲)۔

(۲) الکاشف (ج۱ص۳۴۴) رقم (۱۱۸۵)۔

(۳) تهذیب الکمال (ج۷ص۱۱۹)۔

(۴) سیر أعلام النبلاء (ج۵ص۲۰۹)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) تهذیب التهذیب (ج۲ص۴۳۴)۔

(۷) تقریب التهذیب (ص۱۷۵)، رقم (۱۴۵۳)۔

الموصوفین بالتدلیس" میں دوسرے طبقہ کے مدلسین میں شمار فرمایا ہے اور یہ دوسرے طبقہ کے حضرات وہ ہیں جو ائمۂ کبار میں سے ہیں اور ان کی عمومی روایات کے مقابلہ میں تدلیس بہت کم ہے، لہذا ان کی امامت، وجلالتِ شان اور قلتِ تدلیس کی وجہ سے ائمہ نے ان کی تدلیس کا تحمل بھی کیا ہے اور اپنی "صحیح" میں ان کی احادیث کو قبول بھی کیا ہے۔(۱)

تنبیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

"وقال بعض أهل النسب: الحكم بن عتيبة بن النهاس، واسمه عبدل، من بني سعد بن عجل بن لُجيم، فلا أدري حفظه أم لا؟"۔ (۲)

یعنی "بعض نسابوں نے "حکم بن عتیبہ" کا نسب نامہ لکھتے ہوئے یہ تفصیل ذکر کی ہے، معلوم نہیں کہ انہوں نے صحیح طور پر ضبط کرکے لکھا ہے یا نہیں؟"۔

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ احتمال کے درجہ میں ذکر کررہے ہیں کہ الحکم بن عتیبہ جو فقیہ مشہور ہیں وہ اور یہ "الحكم بن عتيبة بن النهاس" ایک ہی ہیں۔

دراصل یہاں بعض علماء سے خلط واقع ہوا ہے، چنانچہ ہشام بن الکلبی نے سب سے پہلے ان کا نسب نامہ اسی طرح ذکر کیا، ان کے بعد ابن حبان اور ابواحمد الحاکم نے ان کی اتباع میں یہی بات نقل کی، گویا ان حضرات کے نزدیک یہ دونوں بالجزم ایک ہی شخصیت ہیں۔(۳)

جبکہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بالجزم یہ بیان کیا ہے کہ الحکم بن عتیبہ جو مشہور فقیہ ہیں وہ اور ہیں اور الحکم بن عتیبہ بن النہاس ایک الگ شخصیت ہیں، مؤخر الذکر کوفہ کے قاضی تھے اور ان سے کوئی روایت

---

(۱) دیکھئے طبقات المدلسین (تعریف أهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس) (ص ۵۸)۔

(۲) التاریخ الکبیر (ج ۲ ص ۳۳۳)، رقم (۲۶۵٤)۔

(۳) دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۲ ص ٤۳۵)، وتعلیقات التاریخ الکبیر (ج ۲ ص ۳۳۳، ۳۳۵)۔

منقول نہیں۔(۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یقین کے ساتھ یہ بات منسوب کرنا درست نہیں معلوم ہوتا کہ وہ دونوں کو ایک سمجھتے ہیں، انہوں نے بعض اہل النسب کا قول ذکر کر کے ایک احتمال کا اظہار کیا ہے۔(۲)

واللہ أعلم

الحکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کے سال یعنی ۴۶ھ میں ہوئی اور ۱۱۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۳) رحمہ اللّٰہ تعالی رحمۃ واسعۃ

(۴) سعید بن جبیر

یہ مشہور تابعی عالم امام سعید بن جُبیر بن ہشام اسدی والبی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابومحمد یا ابوعبداللہ ان کی کنیت ہے۔(۴)

یہ صحابۂ کرام میں حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت عائشہ، حضرت عدی بن حاتم، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابومسعود بدری (وھو مرسل) حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت ضحاک بن قیس، حضرت انس اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ تابعین میں سے ایک بڑی جماعت سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابوصالح السمان، ایوب سختیانی، حبیب بن ابی ثابت، سلمۃ بن کُہیل، سلیمان الأحول، امام اعمش، عدی بن ثابت، عطاء بن السائب، مالک بن دینار، مجاہد، امام زھری، موسی بن ابی عائشہ، ابواسحاق سَبیعی اور ابوالزبیر مکی رحمہم اللہ تعالی جیسے بہت سے حضرات تابعین واتباعِ تابعین ہیں۔(۵)

---

(۱) دیکھئے میزان الاعتدال (ج۱ص۵۷۷)۔

(۲) تھذیب التھذیب (ج۲ص۴۳۵)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (ج۵ص۲۱۲)۔

(۴) تھذیب الکمال (ج۱۰ص۳۵۸)۔

(۵) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تھذیب الکمال (ج۱۰ص۳۵۸-۳۶۱)۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "كان سعيد من كبار أئمة التابعين ومتقدمهم في التفسير والحديث والفقه والعبادة والورع وغيرها من صفات أهل الخير"۔(۱)

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ان کو ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ پر علمی اعتبار سے فوقیت دیتے تھے۔(۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب اہل کوفہ آکر مسائل پوچھتے تو فرماتے تھے "الیس فیکم سعید بن جبیر؟"۔(۳)

میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لقد مات سعيد بن جبير وما على ظهر الأرض أحد إلا وهو محتاج إلى علمه"۔(۴)

خُصیف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"كان أعلمهم بالقرآن مجاهد، وأعلمهم بالحج عطاء، وأعلمهم بالحلال والحرام طاووس، وأعلمهم بالطلاق سعيد بن المسيب، وأجمعهم لهذه العلوم سعيد بن جبير"۔ (۵)

علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"ليس في أصحاب ابن عباس مثل سعيد بن جبير، قيل: ولا طاووس؟ قال: ولا طاووس، ولا أحد"۔(۶)

ابوالقاسم ھبۃ اللہ بن الحسن طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "هو ثقة إمام حجة على المسلمين"۔(۷)

حضرت سعید بن جُبیر رحمۃ اللہ علیہ کی جلالتِ شان اور امامت پر علماء کا اتفاق ہے۔ اور ان کے مناقب وفضائل بھی بہت زیادہ ہیں۔

---

(۱) تهذيب الأسماء واللغات (ج۱ ص۲۱٦)۔

(۲) تهذيب الأسماء واللغات (ج۱ ص۲۱٦)۔

(۳) حوالۂ بالا، وسير أعلام النبلاء (ج٤ ص۳۲٥)۔

(٤) سير أعلام النبلاء (ج٤ ص۳۲٥)۔

(٥) سير أعلام النبلاء (ج٤ ص۳٤۱)۔

(٦) حوالۂ بالا۔

(۷) تهذيب الكمال (ج۱۰ ص۳۷٦)۔

۹۴ھ میں حجاج بن یوسف کے ہاتھوں شہید ہوئے۔(۱). رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۵) ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے ذیل میں (۲) اور کتاب الإیمان، "باب كفران العشير وكفر دون كفر" کے تحت آچکے ہیں۔(۳)

بِتُّ في بيت خالتي ميمونة بنت الحارث زوج النبي صلى الله عليه وسلم وكان النبي صلى الله عليه وسلم عندها في ليلتها۔

میں نے اپنی خالہ میمونہ بنت الحارث، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ہیں، کے گھر میں رات گذاری، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باری کی رات میں ان کے پاس تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث "ليلة المبيت" والی حدیث کہلاتی ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں مختصراً اور آگے مفصلاً تخریج فرمائی ہے۔(۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو واقعہ بیان فرمایا اس وقت ان کی عمر دس سال تھی، جیسا کہ مسند احمد میں تصریح وارد ہوئی ہے۔(۵)

میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا

یہ ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ہیں، پہلے ان کا نام "برہ" تھا، آپ نے اسے

---

(۱) دیکھئے تہذیب الکمال، وتعلیقات تہذیب الکمال (ج۱۰ص۳۷۶) حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۱۰ص۳۵۸-۳۷۶)، وسیر أعلام النبلاء (ج۴ص۳۲۱-۳۴۳)، والطبقات الکبری لابن سعد (ج۶ص۲۵۶-۲۶۷)، وتہذیب الأسماء واللغات (ج۱ص۲۱۶)۔

(۲) کشف الباری (ج۱ص۴۳۵)۔

(۳) کشف الباری (ج۲ص۲۰۵)۔

(۴) وسیأتي تخریجه أیضًا۔

(۵) دیکھئے مسند أحمد (ج۱ص۳۶۴)، رقم (۳۴۳۷)۔

بدل کر "میمونہ" رکھا۔(۱)

جاہلیت میں ان کا نکاح مسعود بن عمرو سے ہوا تھا، اس نے ان کو چھوڑ دیا تو ابورُہم کے نکاح میں آ گئیں، ابورُہم کے انتقال کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آ گئیں۔(۲)

حضرت میمونہ حضرت ابن عباس اور حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں(۳) اور حضرت عباس کی اہلیہ حضرت ابن عباس کی والدہ ام الفضل لبابہ بنت الحارث کی سگی بہن، اسماء بنت عمیس، سلمی بنت عمیس، ام المؤمنین زینب بنت خزیمہ یہ تینوں حضرت میمونہ کی ماں شریک بہنیں ہیں۔(۴)

۷ھ میں جب عمرۃ القضاء کے لئے آپ تشریف لے گئے تھے، اس موقع پر آپ نے ان سے نکاح کیا۔(۵)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی آخری زوجہ تھیں، جن کے بعد آپ نے پھر کسی سے نکاح نہیں فرمایا۔(۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب کے ذریعہ انہیں پیامِ نکاح بھیجا، انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنادیا، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نکاح کرادیا۔(۷)

حضرت میمونہ کا نکاح حالت احرام میں ہوا تھا یا آپ اس وقت حلال تھے، اس میں روایات مختلف ہیں، یہ مقام اس تفصیل کا نہیں، تاہم حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "ومنهم من جمع بأنه عقد عليها وهو محرم وبنى بها بعد أن أحل من عمرته بالتنعيم وهو حلال في الحل، وذلك بيّن من سياق القصة عند ابن إسحاق"۔(۸)

---

(۱) السيرة الحلبية (ج۳ص۳۲۳)، والطبقات الكبرى لابن سعد (ج۸ص۱۳۷)۔

(۲) دیکھئے السيرة الحلبية (ج۳ص۳۲۳)، والإصابة (ج۴ص۴۱۱، ۴۱۲)، والطبقات (ج۸ص۱۳۲)۔

(۳) السيرة الحلبية (ج۳ص۳۲۳)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) الإصابة (ج۴ص۴۱۱)۔

(۶) الطبقات الكبرى لابن سعد (ج۸ص۱۳۲)۔

(۷) الإصابة (ج۴ص۴۱۱ و ۴۱۲)۔

(۸) الإصابة (ج۴ص۴۱۲)۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً چھیالیس احادیث مروی ہیں، ان میں سے سات حدیثیں متفق علیہ ہیں، ان میں سے ایک حدیث میں امام بخاری اور پانچ احادیث میں امام مسلم متفرد ہیں۔(۱)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال اصح قول کے مطابق ۵۱ھ میں مقام سرف میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئیں۔(۲) رضي الله عنها وأرضاها۔

فصلّى النبي صلى الله عليه وسلم العشاء، ثم جاء إلى منزله، فصلى أربع ركعات، ثم نام، ثم قام، ثم قال: نام الغليم، أو كلمة تشبهها، ثم قام، فقمت عن يساره، فجعلني عن يمينه، فصلى خمس ركعات، ثم صلى ركعتين

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر اپنے گھر تشریف لائے، آپ نے چار رکعتیں پڑھیں، پھر آپ سو گئے، پھر اٹھے، پھر آپ نے فرمایا بچہ سو گیا؟ یا اس جیسی کوئی بات کی، پھر آپ کھڑے ہوگئے، میں آپ کی بائیں جانب کھڑا ہوگیا، آپ نے مجھے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف کر دیا، پھر آپ نے پانچ رکعتیں ادا فرمائیں، پھر دو رکعتیں پڑھیں۔

نام الغليم

"غلیم" یائے مکسورہ مشددہ کے ساتھ "غلام" کی تصغیر ہے، یہ تصغیر شفقت کے لئے ہے۔(۳)

یہ جملہ استفہامیہ بھی ہوسکتا ہے اور خبر یہ بھی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لعل ذلك كان استفهاماً أو إخباراً ليشتغل ببعض ما يفعله الرجل بأهله من الملاعبة وغيرها"۔(۴) مطلب یہ ہے کہ اس جملہ کے ارشاد فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ کچھ ملاعبت وغیرہ کرنا چاہتے تھے، ظاہر ہے کہ اس کے لئے تستر کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے آپ نے فرمایا "نام الغليم"۔

---

(۱) خلاصة الخزرجي (ص۴۹۶)۔

(۲) دیکھئے الإصابة (ج۴ص۴۱۳)، والسيرة الحلبية (ج۳ص۳۲۳)۔

(۳) شرح الكرماني (ج۲ص۱۳۳)۔

(۴) لامع الدراري (ج۲ص۳۶۳ و ۳۶۴)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اختلاف ہے کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں، بعض میں گیارہ اور بعض میں تیرہ، بعض میں پندرہ اور بعض میں سترہ کا ذکر ہے۔

جن روایات میں سترہ رکعات کا ذکر ہے، ان میں آخر کی دو رکعتیں سنت فجر سے متعلق ہیں، بارہ رکعتیں نوافل اور تین رکعتیں وتر کی ہیں۔

جن میں پندرہ کا ذکر ہے، ان میں فجر کی رکعتین کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہے۔

جن روایات میں تیرہ کا عدد مذکور ہے، آٹھ رکعتیں تو نوافل ہیں، تین رکعتیں وتر کی ہیں اور آخر میں دو رکعتیں سنتِ فجر کی ہیں۔

پھر جن روایات میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے، ان میں سنتِ فجر مذکور نہیں ہے، آٹھ رکعتیں نوافل ہیں اور تین رکعتیں وتر کی ہیں۔

یہاں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں "ثم جاء إلی منزله فصلی أربع ركعات" یعنی آپ عشاء کی نماز پڑھ کر جب گھر آئے تو چار رکعتیں پڑھیں، یہ چار رکعتیں غالب یہ ہے کہ عشاء کی سنتیں ہوں گی (۱)، ان کے بعد آپ آرام فرمانے لگے، پھر کچھ دیر بعد جو اٹھے تو آپ نماز پڑھنے لگے، اس دوران آپ نے یہ بھی فرمایا "نام الغليم" کہ بچہ سو گیا، پھر جو آپ مزید نماز پڑھنے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اٹھ کر ان نمازوں میں شریک ہو گئے، آخر میں آپ وتر سے بھی فارغ ہو گئے، اس کے بعد جو دو رکعتیں ادا فرمائیں، ان کے بارے میں ایک احتمال تو یہی ہے جو حافظ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرمارہے ہیں کہ یہ سنتِ فجر ہیں، دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ وہ دو رکعتیں ہیں جو آپ وتر کے بعد ادا فرمایا کرتے تھے۔ (۲)

گویا اس حدیث میں رکعات کی تعداد میں اجمال ہے، تفصیل وہی ہے جو آگے کتاب الوضوء وغیرہ میں آرہی ہے۔ (۳) واللہ أعلم۔

---

(۱) دیکھئے فضل الباری (ج۲ص۱۶۱)۔

(۲) دیکھئے فتح الباري (ج۱ص۲۱۲)۔

(۳) پیچھے ہم اس حدیث کی تفصیلاً تخریج کر چکے ہیں۔ فارجع إليه إن شئت۔

تنبیہ

یہاں ہم نے رکعات کی تعداد کی تطبیق کے حوالہ سے جو بات کی ہے وہ صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے متعلق ہے، باقی آپ کے قیام اللیل کی رکعات کی تعداد کیا ہوتی تھی اس کے بارے میں آگے ان شاء اللہ کتاب الوتر میں بحث کریں گے۔

ثم نام حتى سمعت غطيطه أو خطيطه ثم خرج إلى الصلاة

پھر آپ سو گئے، یہاں تک کہ میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی، پھر آپ نماز کے لئے نکل گئے۔

"غطیط": سونے کی حالت میں جو ناک سے آواز سی خارج ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں، یعنی خراٹے۔(۱)

خطیط: بقول داؤدی رحمۃ اللہ علیہ غطیط کے مترادف ہے (۲)، جبکہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل لغت کے یہاں خطیط بالخاء المعجمۃ کا کوئی وجود نہیں (۳)، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن بطال کی متابعت کی ہے۔(۴)

لیکن ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "الخطيط قريب من الغطيط، وهو صوت النائم، والخاء والغين متقاربان" ۔(۵) یعنی "خطیط قریب قریب وہی غطیط ہے، سونے والے کے خراٹے کو کہتے ہیں، خاء اور غین دونوں قریب المخرج ہیں"۔ اس لئے ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرتے ہیں، تقریباً یہی بات صاحب تاج العروس نے بھی لکھی ہے۔(۶)

ثم خرج إلى الصلاة

پھر نماز فجر کے لئے نکل گئے۔

---

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج۱ص۲۱۲)، ومختار الصحاح (ص۴۷۶)۔

(۲) فتح الباری (ج۱ص۲۱۲)۔

(۳) قال ابن بطال: "ولم أجده عند أهل اللغة بالخاء" شرح ابن بطال (ج۱ص۱۹۳)۔

(۴) فتح الباری (ج۱ص۲۱۲)۔

(۵) النهاية لابن الأثير (ج۲ص۴۸)۔

(۶) تاج العروس (ج۵ص۱۳۱)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں، ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث، جس کی مناسبت "باب السمر في العلم" سے واضح ہے، کیونکہ اس میں ہے "فلما سلم قام، فقال: أرأیتکم ..." یعنی آپ نے عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ گفتگو فرمائی اور عشاء کے بعد بات چیت کو "سمر" کہتے ہیں۔

البتہ دوسری حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے یعنی "بیتوتة ابن عباس في بیت خالته میمونة" والی حدیث کی مناسبت باب سے زیادہ واضح نہیں ہے۔

اس کی مناسبت کو ظاہر کرنے کے لئے ابن المنیر اور ان کے متبعین نے کہا ہے کہ ترجمہ اس حدیث کے اندر "نام الغلیم" کے جملہ سے ثابت ہو رہا ہے۔ (۱)

نیز وہ فرماتے ہیں کہ عین ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا رات بھر مشاہدہ کرتے رہے، یہی "سمر" ہے، یہ اور بات ہے کہ یہ "قولی سمر" نہیں بلکہ "فعلی سمر" ہے، گویا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وہ پوری رات "سمر" میں گذاری، کیونکہ ان کا جاگ کر آپ کے احوال وافعال کا مشاہدہ کرنا اور ان کو سیکھنا "سمر" ہی ہے۔ (۲)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کی اس توجیہ کے علاوہ دو اور توجیہات بھی کی ہیں:-

ایک یہ کہ اس واقعہ میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بائیں طرف سے دائیں طرف کر دیا، یہ اگرچہ فعل ہے، تاہم کہا جا سکتا ہے کہ گویا آپ نے ان سے فرمایا ہے "قف

---

(۱) المتواري علی تراجم أبواب البخاري (ص ٦٢) وفتح الباري (ج ۱ ص ۲۱۳)۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی سے ترجمہ ثابت فرمایا ہے، بایں طور کہ آپ نے "نام الغلیم" فرمایا اور ایک جملہ سے بھی "سمر" کا تحقق ہوتا ہے اور آپ کا یہ جملہ فرما کر استفسار کرنا اس غرض کی وجہ سے تھا کہ آپ اپنے اہل کے ساتھ تقبیل واختلاط کا ارادہ کر رہے تھے، اس جملہ سے یہ فائدہ مستنبط ہوا کہ ایسے امور میں تستر ہونا چاہئے، ظاہر ہے کہ یہ "علم" ہے لہذا سمر فی العلم متحقق ہوا۔ دیکھئے الکنز المتواري (ج ۲ ص ٣٦٤)۔

(۲) المتواري (ص ٦٢) وفتح الباري (ج ۱ ص ۲۱۳)۔

عن يمينه" اوران کا دائیں طرف ہوجانا اس بات کے قائم مقام ہے کہ انہوں نے "وقفت" کہا ہو۔(۱)

دوسری توجیہ انہوں نے یہ کی ہے کہ جب کسی جگہ اقارب کا اجتماع ہوتا ہے تو وہاں کچھ نہ کچھ گفتگو ضرور ہوتی ہے، یہاں بھی آپ نے گفتگو فرمائی ہوگی اور یہ بات بہت بعید ہے کہ آپ عشاء کے بعد گھر آئے ہوں، حضرت ابن عباس وہاں رہنے کے لئے آئے ہوں اور آپ کوئی بات بالکل نہ کریں، یقیناً آپ نے کوئی بات ضرور کی ہوگی، یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ کی ہر بات علم اور فائدے کی بات ہی ہوگی، اس سے "سمر" ثابت ہوجاتا ہے۔(۲)

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام توجیہات کو بعید قرار دے کر رد کیا ہے۔

جہاں تک ابن المنیر کی پہلی توجیہ کا تعلق ہے سو اس کو "سمر" اس وجہ سے نہیں کہیں گے کہ صرف ایک آدھ جملہ بول دینا "سمر" نہیں کہلاتا، اس کے لئے معتد بہ گفتگو ہونی چاہئے۔(۳)

اسی طرح ان کی دوسری توجیہ کو انہوں نے اس طرح رد کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وافعال کا مشاہدہ کیا اس کو "سمر" یعنی "رت جگا" تو کہیں گے "سمر" کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ بقول اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ "سمر" کے لئے گفتگو اور قول کا ہونا ضروری ہے۔(۴)

اسی طرح علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی توجیہ کی تردید کرتے ہوئے حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ تو ابعد ہے، کیونکہ بائیں سے دائیں طرف کرنے کا یہ عمل کچھ دیر سو کر اٹھنے کے بعد کا واقعہ ہے اور سو کر اٹھنے کے بعد بات چیت کو "سمر" نہیں کہتے۔(۵)

پھر علامہ کرمانی کی جو دوسری توجیہ تھی اس کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ محض قیاس ہے، حدیث

---

(۱) شرح الكرماني (ج۲ص۱۳٤)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) فتح الباري (ج۱ص۲۱۳)۔

(۴) حوالۂ سابقہ۔

(۵) حوالۂ بالا۔

میں اس قسم کی کوئی بات موجود نہیں ہے جس کو "سمر" کہا جاسکے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے بعض دیگر طرق میں وارد الفاظ کی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں واضح طور پر موجود ہے "فتحدث رسول الله صلى الله عليه وسلم مع أهله ساعة"۔ (۱) یعنی "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے ساتھ تھوڑی دیر بات چیت کی"۔ یہ اپنے عموم کی وجہ سے بات چیت کی ہر نوع کو شامل ہے، ظاہر ہے کہ یہ ایک طرف "تحدث مع الأهل" ہے تو دوسری طرف "سمر في العلم" بھی ہے کہ آپ کا ایک ایک قول علم ہی علم اور دینی فائدہ ہی ہے۔ (۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی توجیہ کو پسند کیا ہے۔ (۳)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر چہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی پوری تقریر پر اعتراض اور رد کیا ہے (۴)، تاہم حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی بات مضبوط ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طرز کے مناسب بھی ہے۔ واللّٰہ أعلم

"سمر" سے متعلق چند روایات

سمر في العلم کے تحت درج ذیل واقعات بھی آسکتے ہیں:

۱۔ قال أنس: نظرنا النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة، حتى كان شطر الليل يبلغه فجاء، فصلّى لنا، ثم خطبنا، فقال. ألا إن الناس قد صلوا ثم رقدوا، وإنكم لم تزالوا في صلاة ما انتظرتم الصلاة"۔ (۵)

یعنی "حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کیا،

---

(۱) دیکھئے صحیح البخاري (ج۲ ص۶۵۷) كتاب التفسير، باب: ﴿إن في خلق السموات والأرض﴾، رقم (۴۵۶۹)، و(ج۲ ص۱۱۱۰) كتاب التوحيد، باب ماجاء في تخليق السموات والأرض وغيرها من الخلائق، رقم (۷۴۵۲)۔

(۲) فتح الباري (ج۱ ص۲۱۳)۔

(۳) دیکھئے الأبواب والتراجم (ص۵۶)۔

(۴) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ ص۱۷۷ و ۱۷۸)۔

(۵) صحيح البخاري (ج۱ ص۸۴)، كتاب مواقيت الصلاة، باب السمر في الفقه والخير بعد العشاء، رقم (۶۰۰)۔

حتیٰ کہ آدھی رات ہوچکی تھی، آپ نے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا اور فرمایا سنو! لوگ نماز پڑھ کے سو بھی چکے اور تم جب تک نماز کے انتظار میں رہے گویا نماز ہی میں مشغول رہے"۔

(۲) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسمر مع أبي بكر في الأمر من أمر المسلمين وأنا معهما"۔ (۱)

یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں کے معاملات کے بارے میں رات کو بات چیت کرتے تھے، میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا"۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"كان نبي الله صلى الله عليه وسلم يحدثنا عن بني إسرائيل حتى يصبح، ما يقوم إلا إلى عظم صلاة"۔ (۲)

یعنی "حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بنی اسرائیل کے بارے میں بتاتے تھے، حتیٰ کہ صبح ہوجاتی تھی، بس آپ عظیم نماز یعنی فرض نماز ہی کے لئے اٹھتے تھے"۔

یہی روایت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (۳)

(۴) حضرت اوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كنت في الوفد الذين أتوا النبي صلى الله عليه وسلم، أسلموا من ثقيف، من بني مالك، أنزلنا في قبة له، فكان يختلف إلينا بين بيوته وبين المسجد، فإذا صلى العشاء الآخرة انصرف إلينا، ولا نبرح حتى يحدثنا، ويشتكي قريشا ويشتكي أهل مكة "۔ (٤)

---

(۱) جامع ترمذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء في الرخصة في السمر بعد العشاء، رقم (١٦٩)۔

(۲) سنن أبي داود، كتاب العلم، باب الحديث عن بني إسرائيل، رقم (٣٦٦٣)۔

(۳) دیکھئے مسند أحمد (ج٤ ص٤٣٧)، حديث عمران بن حصين رضي الله عنه، رقم (٢٠١٦٣)۔

(٤) مسند أحمد (ج٤ ص٩) حديث أوس بن أوس الثقفي، وهو أوس بن حذيفة، رقم (١٦٢٦٦)۔

یعنی ''قبیلہ ثقیف کی شاخ بنو مالک مسلمان ہو کر وفد کی شکل میں آئے، میں اس وفد میں تھا، آپ نے ہمیں ایک خیمہ میں ٹھہرایا، آپ اپنے مکان اور مسجد کے درمیان ہمارے پاس آتے جاتے تھے، جب آپ عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو ہماری طرف آجاتے، ہم بات چیت کرتے رہتے، آپ قریش اور اہل مکہ کی ایذاء رسانیوں کی بات کرتے تھے ''۔

(۵) ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابوموسی اشعری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ نقل کیا ہے، حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''أتيت عمر أكلمه في حاجة بعد العشاء، فقال: هذه الساعة؟ فقلت: إنه شيء من الفقه، قال: نعم، فكلمته، فذهبت لأقوم، فقال: اجلس، فقلت. الصلاة! فقال: إنا في صلاة، فلم نزل جلوسا حتى طلع الفجر''۔ (۱)

یعنی ''میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عشاء کے بعد ایک ضرورت کے تحت آیا، انہوں نے فرمایا: اس وقت؟! میں نے عرض کیا کہ دین کی بات ہے، چنانچہ انہوں نے اجازت دی، میں نے جب بات کرلی تو اٹھنے لگا، فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میں نے عرض کیا کہ نماز پڑھوں گا، فرمایا کہ ہم نماز ہی میں ہیں، چنانچہ فجر تک ہم بیٹھے رہے''۔

ایک اشکال اور اس کا حل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے، جو وہ مرفوعاً نقل کرتے ہیں ''لا سمر إلا لمصل أو مسافر''۔ (۲) یعنی ''مصلی اور مسافر کے علاوہ کسی کے لئے سمر کی گنجائش نہیں''۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں افراد کے علاوہ کسی کے لئے ''سمر'' کی اجازت نہیں ہے، اس طرح ''سمر'' کی رخصت اور ''نهى عن السمر'' کی احادیث کے درمیان ظاہراً تعارض

(۱) شرح ابن بطال (ج۱ص۱۹۲)۔

(۲) دیکھئے مسند أحمد (ج۱ص۲۱۲)، رقم (۳۹۱۷)، و(ج۱ص۴۴۴)، رقم (۴۲۴۴)، و(ج۱ص۴۶۳)، رقم (۴۴۱۹)۔

ہو جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں تخریج کی ہے(۱)، اس کے دو طرق میں انقطاع ہے، چنانچہ اس کو خیثمہ بن عبدالرحمٰن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، جب کہ خیثمہ کو حضرت عبداللہ بن مسعود سے سماع حاصل نہیں ہے (۲)، جبکہ ایک اور طریق میں خیثمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے واسطہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں اور اس کو مبہم کر کے یوں ذکر کیا ہے "عمن سمع ابن مسعود" اور یہ مبہم واسطہ مجہول ہے۔(۳)

اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح اور ثابت ہو تب بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ "سمر في العلم" کرنے والا "مصلي" کے حکم میں ہے(۴)، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا "إنا في صلاة"۔(۵)

حدیثِ بیتوتتِ ابن عباس سے علماء نے بہت سے فوائد مستنبط کئے ہیں، جن کا مختصر ذکر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔(٦) واللّٰہ أعلم وعلمه وأتم وأحکم

---

(۱) حوالہ جات پیچھے آچکے ہیں۔

(۲) چنانچہ تہذیب الکمال میں خیثمہ کے شیوخ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ہے۔دیکھئے تہذیب الکمال (ج۸ ص ۳۷۱)۔

(۳) دیکھئے فتح الباري (ج۱ ص ۲۱۳)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) شرح ابن بطال (ج۱ ص ۱۹۲)۔

(٦) عمدۃ القاري (ج۲ ص ۱۸۰)۔

٤٢ – باب : حِفْظِ ٱلْعِلْمِ .

بابِ سابق کے ساتھ مناسبت

گذشتہ باب میں "سمر في العلم" کا ذکر تھا اور اس باب میں "حفظ علم" کا، دونوں ابواب میں مناسبت بالکل واضح ہے، سمر فی العلم کے مقاصد میں سے حفظِ علم ہے۔(۱)

مقصدِ ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد اسبابِ حفظِ علم کو بیان کرنا ہے اور احادیث کے ذریعہ بتادیا کہ حفظِ علم اس وقت حاصل ہوگا جب اپنے آپ کو علم کے واسطے مکمل طور پر فارغ کرلے۔(۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ تعلّم کے بعد حفظ اور عدمِ نسیان کی سعی وکوشش بھی لازم ہے، ظاہر ہے کہ بھلا دینے میں اول تو کفرانِ نعمت ہے، دوسرے تعلیم وتبلیغ و عمل جملہ امورِ ضروریہ حفظ پر موقوف ہیں۔

اس باب کی پہلی روایت سے معلوم ہوگیا کہ جس قدر علم میں اشتغال کرے گا اسی قدر حفظ میں قوت ومدد ملے گی، دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظہ کا قوی ہونا بھی مطلوب ومفید ہے، اگرچہ قوتِ حافظہ ایک خِلقی امر ہے، مگر اس کے لئے مؤیدات اور مضرات ہوتی ہیں، ان کی رعایت رکھنا مستحسن ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر اسی حال کو بیان کررہا ہے:

شكوت إلى وكيع سوء حفظي فأوصاني إلى ترك المعاصي

---

(۱) عمدة القاري (ج۲ ص ۱۸۰)۔

(۲) الكنز المتواري (ج۲ ص ۳٦٥)۔

فإن العلم نور من إلهي ونور الله لا يعطى لعاص(۱)

یعنی"میں نے اپنے استاذ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنی قوتِ حافظہ کی کمی کی شکایت کی، انہوں نے مجھے گناہ چھوڑنے کی وصیت کی، اس لئے کہ علم اللہ تعالیٰ کے نور میں سے ایک نور ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ اپنا نور کسی عاصی اور نافرمان کو نہیں دے گا"۔

حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمۃ الباب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ طالب علم کو حدیث کو یاد کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں تین روایات ذکر کی ہیں، ان روایات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے یاد کرنے کی کئی صورتیں ہیں:-

۱۔ اول ملازمت، یعنی استاذِ حدیث کی صحبت اختیار کرنا اور کثرت سے اس کے پاس آمد ورفت رکھنا، تاکہ اس کے علوم بار بار سننے اور دیکھنے میں آئیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک چیز تکرار کے ساتھ سامنے آتی ہے تو وہ دل میں قرار پکڑ لیتی ہے۔ یہ ملازمت معلوم ہورہی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول "كان يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشبع بطنه ويحضر ما لا يحضرون" سے۔

۲۔ دوسری چیز ہے مذاکرہ، یعنی جو علم حاصل کیا جائے اس کا تکرار ہو، اسے بار بار رٹا جائے، یاد کیا جائے، اس کی طرف اشارہ "ويحفظ ما لا يحفظون" سے ملتا ہے۔

۳۔ تیسری چیز دعا اور الحاح وزاری ہے کہ آدمی کے پاس کتنا ہی ذہن ہو، اس کی فہم کتنی ہی تیز ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا، لہذا حق تعالیٰ سے دعا کرے اور بزرگوں سے دعا کرائے، جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرائی۔

۴۔ اور چوتھی چیز نشر علم ہے کہ اس علم کو پھیلانے کی جتنی کوشش کی جائے گی اسی قدر یہ علم محفوظ ہوتا رہے گا، جیسا کہ باب کی آخری حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ والله أعلم

(۱) دیکھئے الأبواب والتراجم (ص ۵٦)۔

۱۱۸ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : إِنَّ النَّاسَ يَقُولُونَ أَكْثَرَ أَبُو هُرَيْرَةَ . وَلَوْلَا آيَتَانِ فِي كِتَابِ اللهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيثًا . ثُمَّ يَتْلُو : «إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ – إِلَى قَوْلِهِ – الرَّحِيمُ» . إِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ . وَإِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الْعَمَلُ فِي أَمْوَالِهِمْ . وَإِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ رَسُولَ اللهِ ﷺ بِشِبَعِ بَطْنِهِ . وَيَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُونَ . وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُونَ . [۱۹۴۲ ، ۲۲۲۳ ، ۶۹۲۱]

تراجم رجال

(۱) عبدالعزیز بن عبداللہ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن یحیی قرشی عامری اویسی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات اسی "کتاب" میں "باب الحرص على الحديث" کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۲) مالک

یہ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث اور " کتاب

---

(۱) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج۱ص۲۲)، في كتاب العلم، باب حفظ العلم، رقم (۱۱۹)، وفي (ج۱ص۲۷۴ و ۲۷۵)، في كتاب البيوع، باب ماجاء في قول الله تعالى: ﴿فإذا قضيت الصلوة فانتشروا في الأرض ....﴾، رقم (۲۰۴۷)، و(ج۱ص۳۱۶) كتاب الحرث والمزارعة، باب ما جاء في الغرس، رقم (۲۳۵۰)، و(ج۱ص۵۱۴و۵۱۵) كتاب المناقب، باب (بدون ترجمة، بعد باب سؤال المشركين أن يريهم النبي صلى الله عليه وسلم آية، فأراهم انشقاق القمر)، رقم (۳۶۴۸)، و(ج۲ص۱۰۹۳) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الحجة على من قال: إن أحكام النبي صلى الله عليه وسلم كانت ظاهرة ... ، رقم (۷۳۵۴)، ومسلم في صحيحه، في كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي هريرة الدوسي رضي الله عنه، رقم (۶۳۹۷ - ۶۴۰۰)، والترمذي في جامعه، في أبواب المناقب، باب مناقب أبي هريرة رضي الله عنه، رقم (۳۸۳۴ و ۳۸۳۵)۔

الإيمان، باب من الدين الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۳) ابن شہاب

یہ امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۲)

(۴) الأعرج

یہ ابوداود عبدالرحمن بن ہرمز اعرج مدنی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "کتاب الإيمان، باب حب الرسول صلی اللہ علیه وسلم من الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإيمان، "باب أمور الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

إن الناس يقولون: أكثر أبوهريرة

لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ نے حد کردی کہ اتنی حدیثیں بیان کرتے ہیں!!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں صرف ان ہی کی روایات ذکر کی ہیں۔

---

(۱) کشف الباری (ج۱ص۲۹۰)، (ج۲ص۸۰)۔

(۲) کشف الباری (ج۱ص۳۲۶)۔

(۳) کشف الباری (ج۲ص۱۱)۔

(۴) کشف الباری (ج۱ص۶۵۹)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حافظ ہونے کی وجہ سے موقع بہ موقع کثرت سے احادیث نقل کیا کرتے تھے، بعض لوگوں نے ایسے موقع پر کہہ دیا، "أكثر أبو هريرة" کہ ابو ہریرہ نے بھی حد کر دی، جہاں دیکھو حدیث پیش کر دیتے ہیں، جبکہ دیگر مہاجرین وانصار ان کی طرح ہر وقت حدیثیں روایت نہیں کرتے۔

ولولا آيتان في كتاب الله ما حدثت حديثاً

اگر کتاب اللہ میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔

ثم يتلو: ﴿إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات — إلى قوله — الرحيم﴾ (۱)

پھر وہ یہ آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے، جن کا مفہوم ہے:

"جو لوگ ان مضامین کو چھپاتے ہیں جن کو ہم نے نازل کیا ہے، جو کہ اپنی ذات میں واضح ہیں اور دوسروں کے لئے ہادی ہیں اور چھپانا بھی اس کے بعد کہ ہم ان کو کتاب میں عام لوگوں کے لئے ظاہر کر چکے ہیں، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور دوسرے بہتیرے لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں، ہاں مگر جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور ان چھپائے گئے مضامین کو ظاہر اور بیان کر دیں تو ایسے لوگوں کے حال پر میں عنایت سے متوجہ ہو جاتا ہوں اور ان کی خطا معاف کر دیتا ہوں اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کر لینا اور مہربانی فرمانا"۔

إن إخواننا من المهاجرين كان يشغلهم الصفق (۲) بالأسواق، وإن إخواننا من الأنصار كان يشغلهم العمل في أموالهم۔

میرے مہاجر بھائیوں کو بازار میں ان کی تجارت اور بیع وشراء کے معاملات مشغول رکھتے تھے اور میرے انصاری بھائیوں کو ان کی زمینوں میں کھیتی باڑی کا عمل انہیں مصروف رکھتا تھا۔

(۱) سورة البقرة/۱۵۹و ۱۶۰۔

(۲) الصفق: بسكون الفاء، هو ضرب اليد على اليد، وجرت به عادتهم عند عقد البيع۔ فتح الباري (ج۱ص۲۱٤)۔

وإن أبا هريرة كان يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشبع بطنه ويحضر مالا يحضرون ويحفظ مالا يحفظون

جبکہ ابو ہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہر بار میں صرف اتنی بات پر حاضر باش رہتا تھا کہ پیٹ بھر کر کھانا مل جائے، چنانچہ وہ ان مقامات پر حاضر رہتا تھا جن میں دوسرے حاضر نہیں ہوتے اور ان باتوں کو یاد کرلیا کرتا تھا جن کو وہ یاد نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اپنے اکثار کی ایک وجہ تو یہ بیان فرمائی کہ کتاب اللہ میں کتمان علم پر وعید وارد ہوئی ہے، اس وجہ سے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے ارشادات حسب موقع روایت کرتا رہتا ہوں۔

اس کے بعد انہوں نے دیگر مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کے کثرت سے روایت حدیث نہ کرنے کی وجہ بیان کی کہ مہاجرین بھائی تجارت پیشہ لوگ تھے، بازار میں وہ بیع وشراء کے معاملات میں الجھے رہتے تھے اور حضرات انصار کھیتی باڑی کرنے والے لوگ تھے، انہیں اس سے فرصت نہیں ملتی تھی، اس لئے ان کی حدیثیں میرے مقابلہ میں کم ہیں۔

پھر انہوں نے اپنی کیفیت بتائی کہ میری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر باشی اور آپ کی ملازمت کی یہ حالت ہے کہ میں ہر دم آپ کی مجلس میں پڑا رہتا تھا، مجھے پیٹ بھر کھانا مل جائے یہی میرے لئے بہت تھا، مجھے کسی چیز کی فکر نہیں ہوتی تھی، کیونکہ میرا نہ تو کوئی گھر بار تھا اور نہ ہی کمانے یا جمع کرنے کی فکر تھی، بس! میری ایک ہی فکر ہوا کرتی تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہوں اور آپ کے ارشادات اپنے سینے میں محفوظ کرتا رہوں، یہی وجہ ہے کہ حضرات مہاجرین وانصار نہ تو میری طرح ملازمت اور حاضر باشی اختیار کرسکتے تھے اور نہ ہی میری طرح حفظ حدیث کا اہتمام کرسکتے تھے، لہذا اس کا منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ میری حدیثوں کے ذخیرہ میں اضافہ ہوتا ہے اور وعید سے بچنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں نے خوب پھیلائے۔

وإن أبا هريرة كان يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشبع بطنه

اور ابو ہریرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگا رہتا تھا، اس کو دنیا کی کسی اور چیز کی ہوس نہیں تھی، اس کے لئے اتنا بہت تھا کہ پیٹ بھر کر کھانا مل جائے۔

یہی مفہوم اوپر بھی بیان ہوا ہے، یہی صحیح اور متبادر مطلب ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طباعی اور ذہانت سے اس کا ایک مطلب اور بھی بیان کیا ہے، جو غیر متبادر ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے، وہ فرماتے ہیں:

"كان يلازمه ما يريده من المدة، ولا يقوم من مجلسه حتى يستوفي حظه منه، كقولهم: فلان يحدث شبع بطنه، ويسافر شبع بطنه"۔ (۱)

یعنی "وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جمے رہتے تھے وہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب تک ان کو ان کا پورا حصہ نہیں مل جاتا تھا اور ان کا علم سے پیٹ نہیں بھر جاتا تھا، جیسے کہتے ہیں کہ فلاں پیٹ بھر کر بات چیت کرتا ہے اور فلاں پیٹ بھر کر سفر کرتا ہے۔

تنبیہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہاں جو کچھ بیان فرمایا وہ حقیقت حال کے اظہار کے لئے اور لوگوں کے اعتراض کا جواب دینے کے لئے فرمایا تھا، حضرات مہاجرین وانصار کی تحقیر شان ہرگز مقصود نہیں تھی۔ (۲) والله أعلم

۱۱۹: حدّثنا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ أَبُو مُصْعَبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ٱبْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ ٱلْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ(۳) قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ ٱللهِ، إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنْسَاهُ؟ قَالَ: (ٱبْسُطْ رِدَاءَكَ). فَبَسَطْتُهُ. قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: (ضُمَّهُ). فَضَمَمْتُهُ، فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ.

---

(۱) راجع أبواب البخاري (ص ۱۵)۔

(۲) دیکھئے لامع الدراری مع الکنز المتواری (ج ۲ ص ۳۶۶، ۳۶۷)۔

(۳) قوله "عن أبي هريرة رضي الله عنه" قد مر تخريجه في الحديث السابق أول حديث الباب۔

تراجم رجال

(۱) احمد بن ابی بکر ابو مصعب

یہ ابو مصعب احمد بن ابی بکر القاسم بن الحارث بن زُرارہ بن مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف قرشی زہری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یہ مدینہ منورہ کے قاضی اور فقیہ تھے۔ (۱)

یہ امام مالک، عبدالعزیز بن محمد دراوردی، مغیرہ بن عبدالرحمٰن، محمد بن ابراہیم بن دینار، عبدالعزیز بن ابی حازم اور یوسف بن یعقوب بن ابی سلمۃ الماجشون رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداود، امام ابن ماجہ، بقی بن مخلد اندلسی، زکریا بن یحیی السجزی، امام احمد بن حنبل، ابوزرعہ رازی اور ابو حاتم رازی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔ (۲)

امام ابوزرعہ اور امام ابو حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "صدوق"۔ (۳)

امام مسلمہ بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مدني ثقة"۔ (۴)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وکان فقیها متقنا، عالماً بمذهب أهل المدينة"۔ (۵)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وهو من فقهاء أهل المدينة"۔ (۶)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة حجة"۔ (۷)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۱ص۲۷۸)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۱ص۲۷۹و۲۸۰)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) تعليقات تهذيب الكمال (ج۱ص۲۸۰)۔

(٥) الثقات لابن حبان (ج۸ص۲۱)۔

(٦) الطبقات لابن سعد (ج۵ص٤٤۱)۔

(۷) ميزان الاعتدال (ج۱ص۸٤)، رقم (۳۰۳)۔

نیز وہ فرماتے ہیں "قاضي المدينة وعالمها"۔(۱)

نیز وہ فرماتے ہیں "أحد الأثبات، وشيخ أهل المدينة وقاضيهم ومحدثهم"۔(۲)

زبیر بن بکار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مات وهو فقيه أهل المدينة غير مدافع"۔(۳)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة في الموطأ"۔(۴)

حافظ خزرجی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے "كان إماماً في السنة والأحكام، فقيها، فصيحا، بليغاً"۔(۵)

یہ ابومصعب احمد بن ابی بکر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مختلف علماء رجال کے توثیقی کلمات ہیں، کسی نے بھی ان پر کوئی جرح نہیں کی۔

البتہ ابوخیثمہ رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے صاحبزادے نے دریافت کیا کہ میں کس کس سے احادیث سنوں؟ ابوخیثمہ نے کہا "لاتكتب عن أبي مصعب واكتب عمن شئت"۔(۶)

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے "ثقة حجة، ما أدري ما معنى قول أبي خيثمة لابنه أحمد: لا تكتب عن أبي مصعب واكتب عمن شئت؟"۔(۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"ويحتمل أن يكون مراد أبي خيثمة دخوله في القضاء أو إكثاره من الفتوى بالرأي"۔(۸)

---

(۱) الكاشف للذهبي (ج۱ص۱۹۱)، رقم (۱۳)۔

(۲) تذكرة الحفاظ (ج۲ص۴۸۲)، رقم (۴۹۷)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۱ص۲۸۰)۔

(۴) تذكرة الحفاظ (ج۲ص۴۸۳)۔

(۵) خلاصة الخزرجي (ص۴)۔

(۶) تعليقات تهذيب الكمال (ج۱ص۲۸۰)، نقلاً عن تاريخ ابن أبي خيثمة۔

(۷) ميزان الاعتدال (ج۱ص۸۴)، رقم (۳۰۳)۔

(۸) تهذيب التهذيب (ج۱ص۲۰)۔

یعنی "ابوخیثمہ نے اپنے صاحبزادے کو جوان کی روایات کی کتابت سے منع کیا تھا اس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ انہوں نے قضاء کا منصب سنبھالا تھا، یا یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ رائے اور نظر کے لحاظ سے فتوے دیا کرتے تھے"۔

اسی طرح قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وإنما قال ذلك؛ لأن أبا مصعب كان يميل إلى الرأي، وأبو خيثمة من أهل الحديث، وممن ينافر ذلك، فلذلك نهى عنه، وإلا فهو ثقة، لا نعلم أحدا ذكره إلا بخير"۔ (۱)

یعنی "ابوخیثمہ نے جو کچھ کہا وہ اس بنیاد پر کہا ہے کہ ابومصعب فقیہ تھے، قیاس واجتہاد سے کام لیتے تھے، جبکہ ابوخیثمہ کا تعلق محدثین کے مکتب فکر سے تھا، جو قیاس ورائے کو ناپسند کرتے تھے، اس وجہ سے انہوں نے اپنے بیٹے کو منع فرمایا، ورنہ ابومصعب ثقہ ہیں، ہمارے علم کے مطابق تمام حضرات نے ان کی تعدیل وتوثیق ہی کے ساتھ تذکرہ کیا ہے"۔

ظاہر ہے کہ یہ کلام مؤثر اور قادح نہیں ہے۔

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "صدوق" قرار دیا ہے، (۲) غالبًا ایسا انہوں نے ابوخیثمہ کے کلام سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔

لیکن حق یہ ہے کہ ان کو ثقہ اور حجت ہی کہنا چاہئے، جیسا کہ نقادِ حدیث کے تبصروں سے معلوم ہوتا ہے اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ (۳) واللہ أعلم

۲۴۲ھ میں ان کا انتقال ہوا، عمر نوے سال سے متجاوز تھی۔ (۳) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

---

(١) تعليقات الرفع والتكميل لشيخنا عبدالفتاح أبو غدة رحمه الله تعالى (ص٤٢٣)، نقلاً عن "ترتيب المدارك" للقاضي عياض رحمه الله تعالى (ج٣ص٣٤٧ و٣٤٨)۔

(٢) تقريب التهذيب (ص٧٨)، رقم (١٧)۔

(٣) دیکھئے تحرير تقريب التهذيب (ج١ص٥٨)، رقم (١٧)۔

(٤) تقريب التهذيب (ص٧٨)، رقم (١٧)۔

(۲) محمد بن ابراہیم بن دینار

یہ مدینہ منورہ کے مشہور فقیہ ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن دینار مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بعض حضرات نے ان کا لقب ''صندل'' بتایا ہے۔(۱)

یہ اسامہ بن زید لیثی، محمد بن عبدالرحمان بن ابی ذئب، محمد بن عجلان، موسی بن عقبہ رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے روایتِ حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابومصعب احمد بن ابی بکر، عبداللہ بن وھب، ابوھشام محمد بن مسلمہ، یحیی بن ابراہیم اور یعقوب بن محمد زہری رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔(۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "معروف الحديث"۔(۳)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان من فقهاء المدينة نحو مالك، وكان ثقة"۔(۴)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۵)

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"كان مفتي أهل المدينة مع مالك، وعبد العزيز بن أبي سلمة وبعدهما، وكان فقيها فاضلاً، له بالعلم رواية وعناية"۔ (٦)

یعنی ''یہ امام مالک اور عبدالعزیز بن ابی سلمۃ رحمہما اللہ کے ہم پلہ، ان کے زمانہ میں اور ان کے بعد مدینہ منورہ کے مفتی رہے ہیں، فاضل فقیہ تھے، ان کو علم سے اچھی مناسبت تھی اور روایتِ حدیث کرتے تھے''۔

---

(۱) تهذيب الكمال (ج٢٤ص٣٠٦)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج٢٤ص٣٠٦ و ٣٠٧)۔

(۳) التاريخ الكبير (ج١ص٢٥)، رقم (٢٥)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج٢٤ص٣٠٧)۔

(٥) تهذيب التهذيب (ج٩ص٨)۔

(٦) تهذيب الكمال (ج٢٤ص٣٠٧)۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے "كان مدار الفتوى في آخر زمان مالك عليه على المغيرة بن عبدالرحمن ومحمد بن إبراهيم بن دينار"۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة فقيه"۔(۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۳)

۱۸۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۴) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۳) ابن ابی ذئب

یہ امام محمد بن عبدالرحمن بن المغیرۃ بن الحارث بن ابی ذئب قرشی عامری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابوالحارث ہے، ابن ابی ذئب کے نام سے معروف ہیں، ابوذئب کا نام ہشام ہے۔(۵)

یہ عکرمہ مولی ابن عباس، شرحبیل بن سعد، سعید مقبری، نافع مولی ابن عمر، صالح مولی التوأمہ، شعبہ مولی ابن عباس، ابن شہاب زہری، اسحاق بن یزید الہذلی، محمد بن المنکدر اور مسلم بن جندب رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے عبداللہ بن المبارک، یحیی بن سعید القطان، ابن ابی فدیک، شبابہ بن سوار، حجاج بن محمد، ابونعیم، وکیع، آدم بن ابی ایاس، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، عبداللہ بن وھب، عبداللہ بن نمیر اور ابوعاصم الضحاک بن مخلد رحمہم اللہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔(۶)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان عالماً، ثقة، فقيها، ورعا، عابداً، فاضلا"۔(۷)

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) تقریب التہذیب (ص ۵۶۵) رقم (۶۶۹۲)۔

(۳) الثقات لابن حبان (ج۹ ص۳۹)۔

(۴) تہذیب التہذیب (ج۹ ص۸)۔

(۵) تہذیب الکمال (ج۲۵ ص۶۳۰)۔

(۶) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۵ ص۶۳۱-۶۳۴)۔

(۷) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۵ ص۶۳۴)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ابن أبي ذئب يشبه بسعيد بن المسيب"۔(۱)

امام احمد سے پوچھا گیا کہ مدینہ میں ابن ابی ذئب نے اپنے پیچھے کس کو اپنے جیسا چھوڑا؟ فرمایا کہ نہ مدینہ میں اور نہ مدینہ کے سوا کسی اور جگہ کوئی اُن جیسا ہے۔(۲)

نیز امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ابن أبي ذئب كان ثقة صدوقاً، أفضل من مالك بن أنس، إلا أن مالكاً أشد تنقية للرجال منه، ابن أبي ذئب كان لا يبالي عمن يحدث"۔ (۳)

یعنی "ابن ابی ذئب ثقہ اور صدوق ہیں اور امام مالک سے بھی بڑھ کر ہیں، البتہ امام مالک رجال کے انتخاب میں ابن ابی ذئب سے بڑھے ہوئے ہیں، کیونکہ ابن ابی ذئب اس بات کی زیادہ پروا نہیں کرتے تھے کہ کس معیار کے راویوں سے روایت کر رہے ہیں"۔

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ابن أبي ذئب ثقة، وكل من روى عنه ابن أبي ذئب ثقة إلا أبا جابر البياضي ..."۔(۴)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۵)

حماد بن خالد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان ثقة في حديثه، صدوقاً، رجلاً صالحاً ورعاً"۔(۶)

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ابن ابي ذئب ثبت"۔ (۷)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۶۳۴)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۶۳۴)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۶۳۵)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۶۳۶)۔

(۶) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۶۳۸)۔

(۷) تعليقات تهذيب الكمال (ج۲۵ص۶۴۳)۔

ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة يفقه، أوثق من أسامة بن زيد"۔ (۱)

ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ابن أبي ذئب مدني، قرشي، مخزومي، ثقة"۔ (۲)

خلیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة، أثنى عليه مالك، فقيه من أئمة أهل المدينة"۔ (۳)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "هو أورع وأقول بالحق من مالك"۔ (۴)

مصعب الزبیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان ابن أبي ذئب فقيه المدينة"۔ (۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان من فقهاء أهل المدينة وعبادهم، وكان من أقول أهل زمانه بالحق"۔ (۶) یعنی "یہ اہل مدینہ کے فقہاء اور عابدوں میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر حق گو تھے"۔

ان کی حق گوئی کے واقعات مؤرخین واصحاب سیر نے ذکر کیے ہیں۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے مدینہ منورہ کے فقہاء کو بلایا، ان میں دیگر فقہاء کے علاوہ امام مالک اور ابن ابی ذئب رحمہما اللہ بھی تھے۔

ہارون نے ان سے اپنے بارے میں پوچھا، ہر شخص نے اس کی تعریف ہی کی اور خوبیاں گنوائیں۔

جب ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو اولاً انہوں نے معذرت چاہی کہ میں تبصرہ نہیں کرنا چاہتا، لیکن جب اصرار بڑھا تو فرمایا:

"أما بعد، إن سألت فإني أراك ظالماً غشوماً، تأخذ الأموال من حيث لا يحل لك، وتنفقها فيما لا يرضى الله ورسوله، ولو وجدت أعوانا لخلعتك من هذا الأمر، وأدخلت فيه من هو أنصح لله وللمسلمين منك"۔

---

(۱) تهذيب تهذيب الكمال (ج۲۵ص۶۴۳)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج۹ص۳۰۷)۔

(۴) سير أعلام النبلاء (ج۷ص۱۴۲)۔

(۵) سير أعلام النبلاء (ج۷ص۱۴۴)۔

(۶) الثقات لابن حبان (ج۷ص۳۹۰)۔

مطلب یہ ہے کہ "میں آپ کو ظالم اور غاصب سمجھتا ہوں، آپ اس طرح مال حاصل کرتے ہیں کہ اس طرح لینا آپ کے لئے حلال نہیں اور ایسی جگہ خرچ کرتے ہیں جہاں خرچ کئے جانے پر اللہ اور اس کے رسول راضی نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر مجھے مخلص مددگار مل جائیں تو آپ کو خلافت سے معزول کردوں اور خلافت ایسے شخص کو دے دوں جو آپ کے مقابلہ میں اللہ اور مسلمانوں کے حق میں زیادہ خیر خواہ ہو"۔

کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے سر جھکالیا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے، کیونکہ مجھے یقین تھا کہ ابھی ان کا سر تن سے جدا کردیا جائے گا اور مجھ پر خون کے چھینٹے آپڑیں گے۔

آخر میں خلیفہ نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ آپ ان سب کے مقابلہ میں سچے ہیں، اس کے بعد انہیں رخصت کردیا اور ابن ابی ذئب کے عطیہ میں اضافہ کردیا۔(۱)

ایک دفعہ ابوجعفر المنصور سے ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگ مر رہے ہیں، آپ مال فیٔ سے ان کی مدد کیوں نہیں کرتے؟

منصور نے کہا کہ میں نے سرحدوں کی حفاظت میں مال خرچ کردیے، اگر میں سرحدوں کو بند نہ کرتا تو تمہیں تمہارے گھر میں ذبح کردیا جاتا۔

ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً فرمایا سرحدوں کی حفاظت اور اس کی بندش کے ساتھ ساتھ لوگوں کو ان کا حق دینا بھی ضروری ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تم سے بہتر تھے، انہوں نے دونوں کام کئے تھے۔

منصور نے گردن جھکالی اور کہہ اٹھا "هذا خير أهل الحجاز"۔(۲)

ایک مرتبہ اس ابوجعفر منصور کو آمنے سامنے کہا "الظلم فاش ببابك" کہ "تمہارے دروازے پر ظلم پھیلا ہوا ہے"۔(۳)

(۱) الثقات لابن حبان (ج۷ص۳۹۰و۳۹۱)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء (ج۷ص۴۳و۴۴)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (ج۷ص۴۴)۔

ایک مرتبہ ابوجعفر نے ان سے اپنے بارے میں پوچھا کہ میں کیسا خلیفہ ہوں؟ فرمایا "ورب هذه البنية، إنك لجائر" (۱) یعنی "بخدا! تم ظالم ہو"۔

ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ پر بعض حضرات نے قدری ہونے کا الزام لگایا ہے، چنانچہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان مع ذلك يرى القدر، ويقول به، وكان مالك يهجره من أجله"۔

یعنی "باوجود صاحب فضائل ومناقب ہونے کے قدریہ کی رائے رکھتے تھے، امام مالک نے اسی وجہ سے انہیں متروک کر رکھا تھا"۔ (۲)

اسی طرح واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے "وكانوا يرمونه بالقدر"۔ (۳)

لیکن یہ الزام درست نہیں، چنانچہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وما كان قدريا، لقد كان يتقي قولهم ويعيبه"۔ (۴)

اسی طرح مصعب الزبیری رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ کیا ابن ابی ذئب قدری تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا "معاذ الله أن يكون قدريا"۔ (۵)

بلکہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس الزام کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"ولكنه كان رجلاً كريما، يجلس إليه كل أحد، ويغشاه، فلا يطرده، ولا يقول له شيئا، وإن مرض عاده، فكانوا يتهمونه بالقدر لهذا وشبهه"۔ (۶)

یعنی "یہ بہت شریف آدمی تھے، ان کے پاس ہر قسم کے لوگ آ بیٹھتے تھے اور یہ کسی کو کچھ نہیں کہتے تھے اور نہ ہی اپنے پاس سے کسی کو اٹھ جانے کو کہتے تھے، اسی طرح جب لوگ بیمار پڑتے تو

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) الثقات لابن حبان (ج۷ص۳۹۱)۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج۹ص۳۰۵)۔

(۴) سير أعلام النبلاء (ج۷ص۱۴۰)۔

(۵) سير أعلام النبلاء، (ج۷ص۱۴۵)۔

(۶) سير أعلام النبلاء (ج۷ص۱۴۱)۔

یہ سب کی بلا امتیاز عیادت کے لئے چلے جاتے تھے، اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے یہ متہم بالقدر سمجھے گئے''۔

تقریباً یہی بات مصعب الزبیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

"إنما كان زمن المهدي قد أخذوا أهل القدر وضربوهم، ونفوهم، فجاء منهم قوم إلى ابن أبي ذئب، فجلسوا إليه واعتصموا به من الضرب، فقيل: هو قدري؛ لأجل ذلك، لقد حدثني من أثق به أنه ما تكلم فيه قط"۔ (۱)

یعنی ''خلیفہ مہدی کے زمانہ میں جب قدریہ کی گرفتاری شروع ہوئی، ان کو مارا پیٹا جانے لگا اور ان کو جلا وطن بھی کیا جا رہا تھا، ایسے وقت میں کچھ لوگ ابن ابی ذئب کے پاس آ کر بیٹھ گئے تھے اور ان کی پناہ لی تھی، اس وجہ سے ان کو قدری کہہ دیا گیا، ورنہ مجھ سے معتمد علیہ حضرات نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کبھی قدریہ کی رائے اختیار نہیں کی''۔

حاصل یہ کہ ان کے اوپر قدری ہونے کا جو الزام ہے وہ بالکل ثابت نہیں۔

جہاں تک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ''ہجران'' کا تعلق ہے سو اس کا مدار ان کے ''قدری'' ہونے پر تھا، جب اصلاً قدری ہونا ثابت نہیں تو امام مالک کا ''ہجران'' بھی غیر ثابت سمجھا جائے گا۔

پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی توصیف وثنا بھی منقول ہے، جو ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں، البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے دوسرے کے حق میں نامناسب تبصرے صادر ہوئے ہیں، علماء رجال نے ایسے اقوال کو غیر معتبر قرار دیا ہے، چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"...... وبكل حال فكلام الأقران بعضهم في بعض لا يعوّل على كثير منه، فلا نقصت جلالة مالك بقول ابن أبي ذئب فيه، ولا ضعف العلماء ابن أبي ذئب بمقالته هذه، بل هما عالما المدينة في زمانهما، رضي الله عنهما"۔ (۲)

یعنی ''بہر حال معاصرین کے حق میں معاصرین کا کلام بیشتر معتبر نہیں، ابن ابی ذئب کے کلام

(۱) سير أعلام النبلاء (ج۷ص۱۴۵)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج۷ص۱۴۳)۔

کی وجہ سے امام مالک کی جلالتِ شان میں کوئی کمی نہیں آئی اور نہ ہی اس قسم کے کلام کی وجہ سے ابن ابی ذئب کی کسی نے تضعیف کی ہے۔ دونوں کے دونوں اپنے زمانے میں مدینہ منورہ کے عالم اور فقیہ سمجھے جاتے تھے۔ اللہ ان دونوں سے راضی ہو"۔

ان کے بارے میں ایک اور بات جو قابل تنقیح ہے، وہ یہ کہ بعض حضرات نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث میں ان کو قدرے کمزور قرار دیا ہے، چنانچہ علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ سے جب ان کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

"كان عندنا ثقة، وكانوا يوهنونه في أشياء رواها عن الزهري"۔(۱)

یعنی "یہ ہمارے نزدیک ثقہ ہیں، کچھ لوگ ان کو بعض ان روایات کے بارے میں کمزور قرار دیتے ہیں جو یہ زہری سے نقل کرتے ہیں"۔

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے، تاہم انہوں نے بھی زہری کی روایات کے سلسلہ میں تحفظات کا اظہار کیا ہے۔(۲)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کے سلسلہ میں کمزور قرار دینا بھی درست نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أخذه عن الزهري عرض، والعرض عند جميع من أدركنا صحيح"۔(۳)

یعنی "انہوں نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایتیں لیں وہ عرضاً (قراءت علی الشیخ کے طور پر) لیں اور "عرض" تمام علماء کے نزدیک درست ہے"۔

بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے سے اس کی حقیقت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ابن ابی ذئب اور امام زہری رحمہما اللہ کے درمیان کسی بات میں مباحثہ اور مناقشہ ہوا، اس سلسلہ میں امام زہری کو کوئی بات ناگوار محسوس ہوئی اور انہوں نے حلف اٹھالیا کہ ان کو حدیث نہیں سنائیں گے۔ بعد میں ابن

---

(۱) ميزان الاعتدال (ج۳ص ۶۲۰)، رقم (۷۸۳۷)۔

(۲) ميزان الاعتدال (ج۳ص ۶۲۰)، رقم (۷۸۳۷)۔

(۳) سير أعلام النبلاء (ج۷ص ۱۴۷)۔

ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ کوشرمندگی ہوئی اور معافی تلافی کے بعد انہوں نے امام زہری سے عرض کیا کہ آپ مجھے اپنی کچھ حدیثیں لکھ کر دے دیں، چنانچہ امام زہری نے کچھ حدیثیں لکھ کر دے دیں، وہ وہی حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی بیشتر روایات مکاتبت یا مناولہ کے ذریعہ حاصل شدہ ہیں اور اس طرح حاصل شدہ روایات بھی محدثین کے نزدیک معتبر ہیں۔(۲)

یہی وجہ ہے کہ امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے جب عثمان دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا "ابن أبي ذئب ما حاله في الزهري؟"۔فرمایا "ابن أبي ذئب ثقة"۔(۳)

اسی طرح عمرو بن علی الفلاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ابن أبي ذئب في الزهري أحب إليّ من كل شامي"۔(۴)

پھر یہاں یہ بھی واضح رہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی ذئب رحمۃ اللہ علیہ کی زہری کی جو مرویات لی ہیں وہ سب متابعۃً لی ہیں۔(۵) واللہ أعلم

۱۵۸ھ میں ان کا کوفہ میں انتقال ہوا۔(۶)

رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

(۴) سعید المقبری

یہ ابوسعد سعید بن ابی سعید کیسان مقبری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب صوم رمضان احتساباً من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۷)

(۱) تهذيب التهذيب (ج۹ص۳۰۷)۔

(۲) دیکھئے شرح شرح نخبة الفكر لعلي القاري (ص۶۷۷-۶۸۳)۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج۹ص۳۰۶)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) هدى الساري (ص۴۴۰)۔

(۶) سير أعلام النبلاء (ج۷ص۱۴۸)۔

(۷) كشف الباري (ج۲ص۳۳۶)۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

قلت: یا رسول اللّٰه، إني أسمع منك حديثا كثيراً أنساه

میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں آپ سے کافی حدیثیں سنتا ہوں، جو بھول جاتا ہوں۔

قال: ابسط رداءك فبسطتُه

آپ نے فرمایا اپنی چادر بچھادو، میں نے اسے بچھادیا۔

قال: فغرف بيديه، ثم قال: ضُمّه، فضممتُه

فرمایا آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے لپیں بھر کر چادر میں ڈالیں۔ پھر فرمایا اس کو اپنے سینے سے لگالو، میں نے اسے اپنے سینے سے لگالیا۔

فما نسيت شيئا بعده

اس کے بعد پھر میں نے کوئی چیز نہیں بھلائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس روایت کے ذریعہ اپنی کثرت محفوظ کی ایک اور وجہ بیان کی ہے، پہلی حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کثرت سے رہتے تھے اور آپ کی باتوں کو سنتے اور محفوظ کرتے جاتے تھے اور اس روایت سے معلوم ہوگیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے واسطے دعا اور خاص توجہ فرمائی تھی۔

---

(۱) کشف الباري (ج۱ص۶۵۹)۔

چنانچہ اس کی ایک مخصوص صورت یہ اختیار کی کہ آپ نے دونوں چلو بھر کر ان کی چادر میں کوئی چیز ڈالی، ظاہراً یہ کوئی حسی چیز نہیں تھی، لیکن معنوی اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیض ومعرفت کا ایک بڑا حصہ اور اس کی حفاظت کے واسطے قوتِ حافظہ ودیعت فرمادی اور حکم دیا کہ اس کو اپنے سینے سے چمٹالے، انہوں نے اسے چمٹالیا، اس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ وہ پھر کبھی کوئی حدیث نہیں بھولے۔

حدیثِ باب کے مختلف طرق میں تعارض اور اس کا حل

یہاں "فما نسبت شيئا بعده" میں "شيئا" نکرہ تحت النفی واقع ہے، جس سے عموم معلوم ہو رہا ہے۔

اسی طرح سفیان بن عیینہ عن الزہری کی روایت میں ہے "فوالذي بعثه بالحق، مانسبت شيئا سمعتُه منه"۔(۱)

اور ابراہیم بن سعد عن الزہری کے طریق میں ہے "فوالذي بعثه بالحق، ما نسيت من مقالته تلك إلى يومي هذا"۔(۲)

اسی طرح امام مسلم نے اپنی صحیح میں "يونس عن ابن شهاب" کے طریق سے نقل کیا ہے، جس کے الفاظ ہیں "فما نسبت بعد ذلك اليوم شيئا حدثني به"۔(۳)

ان تمام روایات سے یہی عموم سمجھ میں آرہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پھر کوئی بات بعد میں نہیں بھولے۔

لیکن "شعيب عن الزهري" کے طریق سے مروی روایت میں ہے "فما نسبت من مقالة رسول

---

(۱) صحيح البخاري (ج۲ص۱۰۹۳)، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الحجة على من قال: إن أحكام النبي صلى الله عليه وسلم كانت ظاهرة . . ، رقم (۷۳۵٤)۔

(۲) صحيح البخاري (ج۱ص۳۱٦)، كتاب الحرث والمزارعة، باب ما جاء في الغرس، رقم (۲۳۵۰)۔

(۳) صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي هريرة الدوسي رضي الله عنه، رقم (٦۳۹۹ و ٦٤۰۰)۔

اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تلك من شيء"۔(۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ "اس واقعہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت کے مخصوص کلام میں سے میں کچھ نہیں بھولا، اس پورے کلام کو میں نے مکمل یاد کر لیا"۔

ظاہر ہے کہ اس کے اندر عموم نہیں ہے، اس طرح ان مختلف طرق کے درمیان تعارض ہو جاتا ہے۔

اس کا جواب تطبیق کی صورت میں بھی دیا جا سکتا ہے اور ترجیح کی صورت میں بھی۔

ترجیح کی صورت میں عموم والی روایت کو راجح قرار دیا جا سکتا ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی کثرت محفوظات کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔(۲)

تطبیق کی صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ دو مختلف اور الگ الگ واقعات ہیں، شعیب عن الزہری والے واقعہ میں اس مخصوص واقعہ ہی کا ذکر ہے، باقی محفوظات ومسموعات کا ذکر نہیں، جبکہ باقی روایات دوسرے واقعہ سے متعلق ہیں، جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی محفوظات کی مطلقاً کثرت بیان فرمانا چاہ رہے ہیں۔(۳)

تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ "شعیب عن الزہری" والے طریق میں "فما نسیت من مقالة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تلك من شيء" میں جو "من مقالة " ہے اس "من" کو سببیہ سمجھا جائے۔ اب مطلب ہو جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ اور ارشاد کی وجہ سے میں پھر کوئی چیز نہیں بھولا۔(۴)

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس طریق میں "مــــن" ابتداء غایت کے بیان کے لئے ہو، اب مطلب ہو جائے گا کہ جب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مقالہ صادر ہوا، اس وقت سے پھر میں کوئی چیز نہیں بھولا۔(۵)

---

(۱) صحیح البخاري (ج ۱ ص ۲۷۵)، کتاب البیوع، باب ما جاء في قول اللّٰہ تعالی: ﴿فإذا قضیت الصلاة ... ﴾ رقم (۲۰٤۷)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۵)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۵)۔

(٤) الکنز المتواري (ج ۲ ص ۳٦۷)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے بعد کچھ نہیں بھولے، جبکہ کتاب الطب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ ان سے مرفوع حدیث "لا یورد ممرض علی مصح" نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وأنكر أبو هريرة حديث الأول (وهو حديث: "لا عدوى ولا صفر ..") قلنا: ألم تحدث أنه: "لا عدوى" فرطن بالحبشية، قال أبو سلمة: فما رأيته نسي حديثا غيره"۔ (۱)

یعنی "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے "لا عدوی..." والی حدیث کا انکار کیا، ہم نے عرض کیا کہ کیا آپ ہی نے ہم سے "لا عدوی ......" والی حدیث بیان نہیں کی تھی؟! حضرت ابو ہریرہ نے مبہم سی بات کہہ کر بات ختم کردی، ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو نہیں دیکھا کہ اس حدیث کے سوا کوئی اور حدیث وہ بھولے ہوں"۔

اسی طرح امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح مشکل الآثار" میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "نسيت أفضلها أو أخيرها......"۔ (۲) یعنی "اے ابو ہریرہ! آپ اس ارشاد کا سب سے افضل یا سب سے بہتر حصہ بھول گئے"۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھول گئے، حالانکہ حدیث باب اس بات میں صریح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اوپر پھر کوئی نسیان طاری نہیں ہوا۔

اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ یہ نسیان کا واقعہ حدیث باب کے واقعہ سے پہلے کا ہے، حدیث

---

(۱) صحيح البخاري (ج۲ ص۸۵۹) كتاب الطب، باب لا هامة، رقم (۵۷۷۱)۔

(۲) شرح مشكل الآثار (ج۵ ص۲۵۲) باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما كان من قوله، وأبو هريرة حاضره: أيكم يبسط ثوبه، ثم أحد من حديثي هذا، فإنه لا ينسى شيئا سمعه، وأن أبا هريرة فعل ذلك، فما نسي بعد ذلك شيئا سمعه۔

باب کے واقعہ کے بعد سے پھر نسیان طاری نہیں ہوا۔(۱)

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دراصل عدم نسیان کا وعدہ عمومی نہیں تھا، بلکہ ایک مخصوص حدیث سے متعلق تھا، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیثِ مرفوع نقل فرماتے ہیں:

"إنه لن يبسط أحد ثوبه حتى أقضي مقالتي هذه ثم يجمع إليه ثوبه، إلا وعى ما أقول، فبسطت نمرة علي حتى إذا قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم مقالته، جمعتها إلى صدري، فما نسيت من مقالة رسول الله صلى الله عليه وسلم تلك من شيء"۔(۲)

یعنی "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا جو شخص اپنے کپڑے کو بچھادے گا، یہاں تک کہ میں اپنی بات پوری کرلوں اور پھر اسے اپنے سینہ سے چمٹالے گا تو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ اسے اچھی طرح محفوظ کرلے گا، چنانچہ میں نے اپنی چادر پھیلادی، حتی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات پوری کرلی، میں نے چادر اپنے سینے سے لگالی، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات میں سے میں کوئی چیز نہیں بھولا"۔

وہ مخصوص حدیث کون سی ہے؟ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے اس کو ذکر کیا ہے:

"ما من رجل يسمع كلمة أو كلمتين أو ثلاثاً أو أربعاً أو خمساً مما فرض الله، فيتعلمهن، ويعلمهن إلا دخل الجنة "(۳)

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ درحقیقت نسیان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو لاحق نہیں ہوا تھا، بلکہ حضرت ابوسلمہ کو لاحق ہوا تھا کہ انہوں نے یہ حدیث کسی اور شیخ سے سنی اور یہ سمجھ لیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی

---

(۱) دیکھئے شرح مشكل الآثار (ج٤ص٣٥٣)۔

(۲) صحيح البخاري (ج١ص٢٧٥) كتاب البيوع، باب ما جاء في قول الله تعالى: ﴿فإذا قضيت الصلاة﴾، رقم (٢٠٤٧)۔

(۳) فتح الباري (ج١ص٢١٥)، نقلا عن جامع الترمذي والحلية لأبي نعيم، وانظر المسند للإمام أحمد (ج٢ص٢٣٤) رقم (٨٣٩٠)، و(ج٢ص٤٢٧)، رقم (٩٥١٣)۔

اللہ عنہ سے سنی ہے، حالانکہ حضرت ابو ہریرہ سے نہیں سنی تھی، خود بھول گئے اور نسیان کی نسبت حضرت ابو ہریرہ کی طرف کردی۔(۱)

بعض حضرات نے یہ بھی امکان ظاہر کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حقیقۃً روایت کا انکار نہیں کیا، البتہ انہوں نے یہ سمجھا کہ شاگرد مرویات کے درمیان تطبیق کو سمجھ نہیں پائے گا، اس لئے انہوں نے انکار کا عنوان اختیار کیا۔(۲)

ان تمام جوابات میں زیادہ قرین قیاس یہ لگتا ہے کہ یہ الگ الگ واقعات ہیں:-

پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث یاد کرنے کی ترغیب کے واسطے ارشاد فرمایا "إنه لن يبسط أحد ثوبه حتى أقضي مقالتي هذه، ثم يجمع إليه ثوبه إلا وعى ما أقول......"۔ اس موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بموجب ارشاد نبوی عمل کیا تو حسب وعدہ تمام ارشادات از بر ہوگئے، ان مخصوص ارشادات میں سے کسی چیز کو وہ بھولے نہیں۔

دوسری دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جب نسیان کی شکایت محسوس ہونے لگی اور وہ آپ کے پچھلے تصرف اور توجہ کا مظہر دیکھ بھی چکے تھے اس لئے مطلقا قوت حفظ کے لئے درخواست کی، آپ نے اسی طرح کا عمل کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ساتھ لپ بھر کر اشارہ بھی کیا، اس کے بعد سے وہ مطلقا نسیان سے محفوظ ہوگئے، لہذا جہاں جہاں ان کی طرف نسیان کی نسبت ہے خواہ خود انہوں نے کی ہو یا کسی اور نے ان کی طرف نسبت کی ہو، یہ اس آخری واقعہ سے پہلے کے واقعات ہیں۔

اور اگر الگ الگ واقعات قرار دینے میں اشکال محسوس ہو کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہیں، پھر الگ الگ واقعہ کیسے قرار دیں گے تو ایسی صورت میں عموم والی حدیث کو اپنی جگہ برقرار رکھیں گے اور خصوص والی حدیث کے اندر وہ تاویل کریں گے جو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ یا تو "من مقالة ......" میں "من" کو سبیہ مانا جائے یا "من" کو ابتداء غایت کے لئے قرار دیا جائے۔

(۱) الکبر ... (ج ۲ ص ۳۶۷)۔

(۲) حوالہ بالا۔

ایک اور اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک روایت سے بھی اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ الفضل بن حسن بن عمرو بن امیہ ضمری اپنے والد حسن بن عمرو سے نقل کرتے ہیں:

"تحدثت عند أبي هريرة بحديث فأنكره، فقلت: إني قد سمعته منك، قال: إن كنت سمعته مني فهو مكتوب عندي، فأخذ بيدي إلى بيته، فأرانا كتبا كثيرة، من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوجد ذلك الحديث، فقال: فقد أخبرتك أني إن كنت قد حدثتك به فهو مكتوب عندي"۔ (۱)

یعنی "میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک حدیث کا تذکرہ کیا، انہوں نے اس کا انکار کیا، میں نے عرض کیا کہ یہ حدیث تو میں نے آپ سے سنی ہے! انہوں نے فرمایا کہ اگر مجھ سے سنی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی، پھر وہ مجھے ہاتھ پکڑ کر گھر لے گئے اور بہت سارے نوشتے دکھائے، ان میں وہ حدیث مل گئی، فرمایا کہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہوگی تو وہ میرے پاس مکتوب ہوگی"۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر نسیان طاری ہوا تھا اور وہ بھی مابعد کے زمانے میں۔

اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ یہ روایت منکر ہے اور نہایت ضعیف ہے (۲) کیونکہ اس میں "حسن بن عمرو" راوی انتہائی مجہول ہے۔ (۳) اور اگر اس کو ثابت مان بھی لیا جائے تو بقول حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ ایک نادر واقعہ ہے (۴)، ایک آدھ نادر واقعہ کی وجہ سے ان کی قوت حفظ کی مسلّم خصوصیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ والله سبحانه وتعالى أعلم۔

---

(۱) جامع بيان العلم وفضله (ج۱ص۳۲٤)، رقم (٤۲۲)۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص۲۱٥)۔

(۳) عيفات جامع بيان العلم وفضله (ج۱ص۳۲٤)، رقم (٤۲۲)۔

(٤) فتح الباري (ج۱ص۲۱٥)۔

حدّثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ :حَدَّثنا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ بِهٰذَا . أَوْ قَالَ : غَرَفَ بِيَدِهِ فِيهِ . [۳٤٤٨]

تراجم رجال

(۱) ابراہیم بن المنذر

یہ ابواسحاق ابراہیم بن المنذر قرشی اسدی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "كتاب العلم" کی ابتدامیں "باب من سئل علماً وهو مشتغل في حديثه..." کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) ابن ابی فُدیک

یہ محمد بن اسماعیل بن مسلم بن ابی فُدیک دیلی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابواسماعیل ان کی کنیت ہے، ابن ابی فُدیک کے نام سے معروف ہیں، ابوفُدیک کا نام دینار ہے۔(۲)

یہ سلمہ بن وردان، ضحاک بن عثمان، ابن ابی ذئب، ابراہیم بن الفضل مخزومی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ اہل مدینہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن المنذر، سلمۃ بن شبیب، احمد بن الأزہر، عبد بن حُمید، ہارون الحمّال، حسین بن عیسی بسطامی اور محمد بن مصفّی رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔(۳)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۴)

نیز وہ فرماتے ہیں "كان أروى الناس عن ابن أبي ذئب، وهو ثقة"۔(۵)

---

(۱) دیکھئے کشف الباري (ج۳ص۴۸-۵۰) کتاب العلم۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۲٤ص٤٨٥)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲٤ص٤٨٥-٤٨٧)۔

(٤) تاريخ الدارمي (ص۲۱۸) رقم (۸۱۹)۔

(٥) عمدة تهذيب الكمال (ج۲٤ص٤٨٨)۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ليس به بأس"۔(۱)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں "الإمام، الثقة، المحدث ..."۔(۲)

نیز وہ فرماتے ہیں "صدوق، مشهور، يحتج به في الكتب الستة"۔(۳)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۴)

البتہ یعقوب بن سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "ضعیف" قرار دیا ہے۔(۵)

اسی طرح ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان كثير الحديث، وليس بحجة"۔(۶)

لیکن واضح رہے کہ ان کے بارے میں مطلقاً "ضعف" کا اطلاق کرنا درست نہیں، جیسا کہ پیچھے علماء کے اقوال سے معلوم ہو رہا ہے۔

نیز ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی تردید کرتے ہوئے حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "قال ابن سعد وحده: ليس بحجة، ووثقه جماعة"۔(۷)

یعنی "ان کو غیر صحیح بصرف ابن سعد نے قرار دیا ہے، ورنہ ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے"۔

چنانچہ حافظ ذہبی ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"وقد احتج بابن أبي فديك الجماعة، ووثقه غير واحد، لكن معن أحفظ منه وأتقن"۔(۸)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج ۲۴ ص ۴۸۸)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج ۹ ص ۴۸۶)۔

(۳) ميزان الاعتدال (ج ۳ ص ۴۸۳) رقم (۷۲۳۶)۔

(۴) الثقات لابن حبان (ج ۹ ص ۴۲)۔

(۵) تعليقات تهذيب الكمال (ج ۲۴ ص ۴۸۸) نقلا عن المعرفة والتاريخ (۳ / ۵۳)۔

(۶) الطبقات الكبرى لابن سعد (ج ۵ ص ۴۳۷)۔

(۷) ميزان الاعتدال (ج ۳ ص ۴۸۳) رقم (۷۲۳۶)۔

(۸) سير أعلام النبلاء (ج ۹ ص ۴۸۷)۔

یعنی ''ابن ابی فدیک کو اصحاب اصول ستہ نے صحیح بہ قرار دیا ہے اور ایک سے زائد حضرات نے ان کی توثیق کی ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ معن بن عیسی ان کے مقابلہ میں زیادہ متقن اور حافظ ہیں''۔

دراصل ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الطبقات میں پہلے ''معن بن عیسی'' رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ لکھا ہے اور ان کے بارے میں ذکر کیا ہے "وکان ثقة كثير الحديث ثبتا مأمونا"۔(۱) اس کے بعد ابن ابی فدیک رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ لکھا ہے، اس کے تحت انہوں نے لکھا "وكان كثير الحديث، وليس بحجة" حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کو "ليس بحجة" جو کہا ہے وہ معن بن عیسی کے ساتھ تقابل کے اعتبار سے کہا گیا ہے، ورنہ فی نفسہ وہ ثقہ ہیں۔ واللہ أعلم

ابن ابی فدیک رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۲۰۰ھ میں ہوا۔(۲) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

اس طریق کو ذکر کرنے کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود متن کے الفاظ کی تبدیلی کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

وہ یہ کہ اس مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث "أحمد بن أبي بكر أبو مصعب، عن محمد بن إبراهيم بن دينار، عن ابن أبي ذئب، عن سعيد المقبري، عن أبي هريرة" کے طریق سے نقل کی ہے، جس کے الفاظ ہیں "فغرف بيديه ......"۔ جبکہ یہی حدیث امام بخاری "إبراهيم بن المنذر، عن ابن أبي فديك، عن ابن أبي ذئب" کے طریق سے بھی نقل کرتے ہیں(۳)، لیکن اس میں الفاظ ہیں "غرف بيده فيه"۔

بعض حضرات سے یہاں عجیب خبط ہوا ہے، چونکہ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا ہے

---

(۱) دیکھئے طبقات ابن سعد (ج۵ص۴۳۷)۔

(۲) الکاشف (ج۲ص۱۵۸) رقم (۴۷۲۷)۔

(۳) دیکھئے صحيح البخاري (ج۱ص۵۱۴و۵۱۵)، باب (بدون ترجمة، بعد باب سؤال المشركين أن يريهم النبي صلى الله عليه وسلم آية) رقم (۳۶۴۸)۔

"حدثنا إبراهیم بن المنذر، قال: حدثنا ابن أبي فدیك بهذا" أي بالحدیث الذي تقدم اور پیچھے ابن ابی فدیک کا کوئی تذکرہ نہیں آیا "بهذا" ایسے وقت میں کہتے ہیں جب ایک حدیث سند ومتن کے ساتھ آگئی ہو، اس کے بعد دوسری سند آئے اور اس کے بعد دونوں کی متحد سند آجائے تو اس کو ذکر کر کے "بهذا" کہہ دیتے ہیں اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو سند اور متن گذرا ہے اس حدیث کی سند آگے بھی وہی ہے اور اس کا متن بھی وہی ہے۔

جبکہ یہاں جہاں سند دوسری ہے، وہاں متن کے الفاظ بھی مختلف ذکر کیے ہیں۔

اس اشکال کی وجہ سے بعض حضرات نے تو کہہ دیا کہ یہ ابن ابی فدیک وہی محمد بن ابراہیم بن دینار ہیں جو ابن ابی ذئب کے شاگرد ہیں اور اوپر حدیث کی سند میں گذرے ہیں۔

لیکن یہ غلط ہے، کیونکہ ابن ابی فدیک بالکل الگ شخصیت ہیں اور محمد بن ابراہیم بن دینار ایک دوسری شخصیت، ابن ابی فدیک محمد بن اسماعیل بن مسلم ہیں اور وہ لیثی ہیں اور ان کی کنیت ابواسماعیل ہے، جبکہ محمد بن ابراہیم بن دینار جُہنی ہیں اور ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے، البتہ دونوں ابن ابی ذئب سے روایت کرنے کے اعتبار سے اور مدنی ہونے کی حیثیت سے کچھ اشتراک رکھتے ہیں۔(۱)

دراصل یہ غلطی اس حدیث کے دوسرے طرق کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے پیش آئی ہے، ہم نے پیچھے جو حوالہ دیا ہے اس کو پیش نظر رکھ لیتے تو یہ غلطی واقع نہ ہوتی۔

اصل میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں ساری روایت مقصود نہیں تھی، اس لئے انہوں نے یہ کیا کہ ابراہیم بن المنذر کے بعد ابن ابی فدیک کا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایک دوسری سند سے یہی روایت منقول ہے، اس میں "غرف بیده" بصیغۂ مفرد وارد ہے، نہ کہ بصیغۂ تثنیہ، نیز اس میں "فیه" کی زیادتی بھی ہے۔(۲) واللہ أعلم۔

---

(۱) دونوں حضرات کے تراجم ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔ مرتب عفی عنہ۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۱۶)۔

۱۲۰ : حدَّثنا إسْماعِيلُ قال : حدَّثني أخِي ، عن ابْنِ أبي ذئْب ، عنْ سَعِيدٍ المَقْبُرِيِّ ، عَنْ أبي هُرَيْرَةَ قال[1] : حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وِعاءَيْنِ : فأمَّا أحَدُهُما فَبَثَثْتُهُ ، وأمَّا الآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هذا البُلْعُومُ .

تراجم رجال

(۱) اسماعیل

یہ ابوعبداللہ اسماعیل بن ابی اُویس عبداللہ بن عبداللہ بن اُویس بن مالک بن ابی عامر اصبحی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب تفاضل أهل الإیمان في الأعمال" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) أخي

یہ اسماعیل بن ابی اویس کے بھائی عبدالحمید بن ابی اویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر اصبحی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابوبکر ہے۔ (۳)

یہ سلیمان بن بلال، امام مالک، ابن ابی ذئب، محمد بن عجلان، سفیان ثوری اور اپنے والد ابواویس رحہم اللہ تعالی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن المنذر، اسحاق بن راہویہ، اسحاق بن موسی انصاری، ان کے بھائی اسماعیل بن ابی اویس، ایوب بن سلیمان بن بلال، محمد بن رافع نیسابوری، محمد بن سعد کاتب الواقدی

(۱) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": هذا الحديث انفرد به البخاري عن الجماعة، عمدة القاري (ج۲ص۱۸۵)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص۱۱۳)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۱۶ص۴۴۴)۔

اور یعقوب بن محمد زہری رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔(۱)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۲)

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ ان کو اسماعیل بن ابی اویس سے بہت زیادہ فوقیت دیتے تھے۔(۳)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حجة"۔(۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۶)

البتہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۷)

اسی طرح ازدی نے کہا کہ "كان يضع الحديث"۔(۸)

جہاں تک امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف کا تعلق ہے، سو وہ مبہم ہے، جبکہ ان کی توثیق کرنے والے کئی حضرات ہیں۔

اور جہاں تک ازدی کے قول کا تعلق ہے، سو اول تو ازدی خود حجت نہیں ہے۔(۹)

پھر ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سخت تردید کی ہے اور کہا ہے "هذا رجم بالظن الفاسد وكذب محض ...."۔(۱۰)

---

(۱) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۱٦ص٤٤٤، ٤٤٥)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۱٦ص٤٤٥)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) ميزان الاعتدال (ج۲ص٥۳۸) رقم (٤٧٦٤)، وتهذيب التهذيب (ج٦ص١١٨)۔

(٥) الكاشف (ج۱ص٦١٧) رقم (۳۱۱۰)۔

(٦) الثقات لابن حبان (ج۸ص۳۹۸)۔

(٧) تهذيب التهذيب (ج٦ص١١٨)، وهدي الساري (ص٤١٦)۔

(٨) ميزان الاعتدال (ج۲ص٥۳۸) رقم (٤٧٦٤)۔

(٩) دیکھئے الرفع والتكميل للكنوي مع التعليقات الحافلة على الرفع والتكميل للشيخ عبد الفتاح أبو غدة (ص۲۷۲-۲۷٤)۔

(١٠) هدي الساري (ص٤١٦)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وهذه منه زلة قبيحة"۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں ازدی نے وضع حدیث کا الزام عبدالحمید بن ابی اویس پر نہیں لگایا، بلکہ ابوبکر الأعشیٰ نامی ایک راوی کے بارے میں کہا ہے(۲) اگرچہ عبدالحمید کی کنیت بھی "أبو بكر الأعشى" ہے۔

عبدالحمید بن ابی اویس سے ابن ماجہ کے سوا باقی تمام حضرات اصحاب اصول ستہ نے احادیث لی ہیں۔(۳)

ان کا انتقال ۲۰۲ھ میں ہوا۔(۴) رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

(۳) ابن ابی ذئب

یہ امام محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب قرشی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ابھی پچھلی حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔

(۴) سعید المقبری

ابوسعد سعید بن ابی سعید کیسان مقبری مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب الإيمان، "باب صوم رمضان احتساباً من الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۵)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات "كتاب الإيمان، باب أمور الإيمان" کے تحت گذر

(۱) ميزان الاعتدال (ج۲ص۵۳۸)۔

(۲) هدي الساري (ص۴۱۶)، وتهذيب التهذيب (ج۶ص۱۱۸)۔

(۳) هدي الساري (ص۴۱۶)۔

(۴) خلاصة الخزرجي (ص۲۲۲)۔

(۵) كشف الباري (ج۲ص۳۳۶)۔

چکے ہیں۔(۱)

حفظت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وعاء ین

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو وعاء (تھیلے) علم کے یاد کئے۔

"وعاء" ظرف کو کہتے ہیں، گویا ظرف بول کر مظروف یعنی محل کا ذکر کر کے ''حال'' مراد لیا گیا ہے۔(۲)

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ پیچھے آ چکا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہا کرتے تھے "کان یکتب ولا أکتب"۔ (۳) کہ ''وہ تو لکھا کرتے تھے لیکن میں لکھتا نہیں تھا''۔ تو پھر ان کے پاس دو "وعاء" کہاں سے آ گئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں "وعائین" سے "نوعین من العلم" مراد ہیں، یعنی مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی دو نوعیں یاد تھیں، اگر ان کو لکھ لیا جاتا تو دو برتن یا تھیلے بھر جاتے۔(۴)

یا یہ کہا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شروع میں تو نہیں لکھتے تھے تاہم بعد میں لکھ لیا تھا، یا دوسروں سے لکھوا لیا تھا۔(۵)

پھر یہ سمجھو کہ اس روایت میں تو "وعائین" ہے، جبکہ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے "حفظت ثلاثة أجربة بثثت منها جرابین"(۶) کہ ''میں نے تین تھیلیاں یاد کیں، ان میں سے دو تھیلیاں پھیلا چکا''۔

ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، عین ممکن ہے کہ ایک وعاء دوسرے کے مقابلہ میں بڑا ہو کہ بڑے وعاء میں جتنا ہے وہ دو جرابوں میں آتا ہو اور چھوٹے میں ایک جراب کے بقدر ہو۔(۷)

---

(۱) کشف الباري (ج۱ص۶۵۹)۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص۲۱۶)۔

(۳) صحیح البخاري (ج۱ص۲۲) کتاب العلم، باب کتابة العلم، رقم (۱۱۳)۔

(٤) فتح الباري (ج۱ص۲۱٦)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(٦) فتح الباري (ج۱ص۲۱٦)۔

(۷) حوالۂ بالا۔

بلکہ "المحدث الفاصل" کے ایک منقطع طریق میں "خمسة أجربة" بھی آیا ہے، اس کو بھی بتقدیرِ ثبوت سابقہ محمل پر محمول کیا جاسکتا ہے۔(۱) والله أعلم

فأما أحدهما فبثثته

سو دو نوع میں سے ایک نوع علم تو میں نے پھیلا دی۔

اسماعیلی کی روایت میں "في الناس" کا اضافہ بھی ہے۔(۲) مطلب یہ ہے کہ میں نے علم کی ایک نوع لوگوں میں پھیلا دی۔

وأما الآخر فلو بثثتُه قطع هذا البلعوم

رہی دوسری نوع، سواے اگر پھیلا دوں تو یہ گلا کاٹ دیا جائے۔

اس نوع ثانی میں کیا تھا؟

ا۔حضرات علماء فرماتے ہیں کہ اس میں ظالم حکمرانوں کے نام تھے، اسی طرح اس میں ان کے حالات اور زمانوں کی تعیین تھی، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی اس طرف اشارے بھی کیا کرتے تھے، مثلاً کہا کرتے تھے "أعوذ بالله من رأس الستين وإمارة الصبيان"۔ یعنی "میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ساٹھ کے اواخر سے اور لڑکوں کی امارت سے"۔ اس سے ان کا اشارہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف تھا، کیونکہ یزید ۶۰ھ میں ہی خلیفہ بنا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی اور ۵۹ھ میں ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔(۳)

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) كذا قال الحافظ رحمه الله في فتح الباري (ج١ ص٢١٦)، وقال أيضاً في فتح الباري (ج١٣ ص١٠، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم هلاك أمتي على يدي أغيلمة سفهاء): وفي رواية ابن أبي شيبة أن أبا هريرة كان يمشي في السوق ويقول: "اللهم لا تدركني سنة ستين ولا إمارة الصبيان". ولكن الذي رواه أحمد عن أبي هريرة مرفوعاً "تعوذوا بالله من رأس السبعين وإمارة الصبيان". انظر المسند (ج٢ ص٣٢٦)، رقم (٨٣٠٢ و٨٣٠٣)، و(ج٢ ص٣٥٥)، رقم (٨٦٣٩)، و(ج٢ ص٤٤٨)، رقم (٩٧٨٢)، فتنبه.

۲۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس نوع ثانی میں ان فتنوں کا تذکرہ تھا جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد واقع ہوئے۔(۱) جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور اسی طرح کعبہ کا محاصرہ اور اس کا جلنا، پھر کعبہ کو منہدم کر کے اس کی تعمیر کرنا وغیرہ۔

۳۔ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ مہلب اور ابوالزناد رحمہما اللہ تعالی سے نقل کرتے ہیں:

"يعني أنها كانت أحاديث أشراط الساعة وما عرّف به عليه السلام من فساد الدين وتغير الأحوال، والتضييع لحقوق الله تعالى، كقوله عليه السلام: "يكون فساد هذا الدين على يدي أغيلمة سفهاء من قريش"۔(۲)

حاصل یہ ہے کہ اس نوع علم سے مراد وہ احادیث ہیں جو قیامت کی علامات سے متعلق ہیں نیز وہ روایات بھی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فساد دین، تغیر احوال اور تضییع حقوق خداوندی کا ذکر کیا ہے، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اس دین میں بگاڑ قریش کے چند بے وقوف لڑکوں کے ہاتھوں ہوگا"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ان سفہاء قریش کا علم نام بنام تھا۔(۳)

اس حدیث سے اشراط ساعت کی روایات مراد لینے پر ممکن ہے کسی کو اشکال ہو کہ اشراط ساعت دوسرے صحابہ کو بھی معلوم تھیں اور انہوں نے ان کو بیان بھی کیا ہے، لہذا ایسی روایات مراد لینا بعید ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علامات قیامت بہت سی ایسی ہیں کہ عامۃ الناس کی عقول میں ان کے تحمل کی قوت نہیں ہوتی، البتہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان جیسے بہت سے حضرات کو آپ نے بتا بھی دیا اور عامۃ الناس سے ان کا اخفاء کیا گیا۔ واللّٰہ أعلم۔

---

(۱) دیکھئے رسالہ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری (ص۱۵و۱۶)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج۱ص۱۹۵)۔ حدیث شریف کے لئے دیکھئے صحیح البخاري (ج۲ص۱۰۴۶)، کتاب الفتن، باب قول النبي ﷺ: "هلاك أمتي على يدي أغيلمة سفهاء" رقم (۷۰۵۸)، ومسند أحمد (ج۲ص۲۸۸)، رقم (۷۸۵۸)، و(ج۲ص۲۹۹)، رقم (۷۹۶۱)، و(ج۲ص۳۰۴)، رقم (۸۰۲۰)، و(ج۲ص۳۲۸)، رقم (۸۳۲۹)، و(ج۲ص۴۸۵)، رقم (۱۰۲۹۷)۔

(۳) دیکھئے صحیح البخاري (ج۲ص۱۰۴۶)، کتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: هلاك أمتي على يدي أغيلمة سفهاء، رقم (۷۰۵۸)۔

۴۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض متصوفین اس سے علم الاسرار مراد لیتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں نوع اول علم الأحکام والاخلاق ہے اور نوع ثانی علم الاسرار ہے، جو علماء واہل معرفت کے ساتھ مختص ہے، چنانچہ ان حضرات میں سے کسی کا شعر ہے:

يا رُبّ جوهر علم لو أبوح به لقيل لي: أنت ممن يعبد الوثنا

ولاستحل رجال مسلمون دمي يرون أقبح ما يأتونه حسنا

(میرے پاس بعض ایسے علمی جواھر ہیں کہ اگر میں ان کو ظاہر کردوں تو مجھ سے کہا جائے گا کہ تو بت پرستوں میں سے ہے اور بہت سے مسلمان میرے خون کو حلال قرار دیں گے، گویا کہ وہ اپنے قبیح ترین فعل کو مستحسن سمجھتے ہیں۔)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے متصوفین جن کے اعمال واخلاق قید شریعت سے آزاد ہیں، ان کی خبر لی ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث میں علم الاسرار کا مراد لینا بعید تو نہیں، تاہم قواعد شریعت اور عقائد حقہ کی پابندی کی قید ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔(۱)

۵۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل حقیقت یعنی حضرات صوفیہ نے اس حدیث کو اپنے مدعا پر محمول کیا ہے اور یہ کوئی بعید نہیں ہے۔(۲)

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد وہ باطنیہ اور متصوفین نہیں ہیں جن کا ذکر پہلے آیا ہے، بلکہ اس سے مراد اہل حق عارفین کاملین ہیں، جن کے اندر معرفت باللہ کی خصوصیت شریعت پر عمل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے آتی ہے۔(۳)

چنانچہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

اس سے مراد علم الاسرار ہے، جو اہل عرفان ومشاہدات اور اہل اتقان ورسوخ کے ساتھ مختص

(۱) شرح الكرماني (ج۲ص۱۳۷، ۱۳۸)۔

(۲) لامع الدراري (ج۲ص۳۶۹)۔

(۳) الكنز المتواري (ج۲ص۳۶۹)۔

ہے، جو درحقیقت علم شرائع اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ ہے، ایسے علوم مجاہدے کے سمندروں کی غواصی کرنے والوں ہی کو حاصل ہوتے ہیں۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ایسے علوم کا مراد ہونا ذرا بعید ہے، کیونکہ ان کو چھپانے اور مخفی رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔(۱) واللہ أعلم۔

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باطنیہ نے اس حدیث کو باطل عقائد ونظریات کی تصحیح کیلئے بطور ہتھیار استعمال کیا ہے اور کہا ہے کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے ......، یہ باطن کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ دین کے بخیے ادھیڑ دینے کا نام انہوں نے باطنِ شریعت رکھا ہے۔(۲) واللہ أعلم

قال أبوعبداللّٰه: البلعوم مجرى الطعام

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ بلعوم کھانے کی نالی کو کہتے ہیں۔

یہ عبارت صرف مستملی کی روایت میں ہے۔(۳)

بُلعوم باء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔(۴)

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بلعوم حلقوم کے معنی میں ہے، پھیپھڑے تک سانس کی نالی کو کہتے ہیں، اس سے متصل معدہ تک کھانے کی نالی کا نام "مریء" ہے۔(۵)

بلعوم سے یہاں مراد حلق اور نرخرہ ہے(۶)۔ واللہ أعلم

---

(۱) شرح القسطلاني (ج۱ص۲۱۲)۔
(۲) دیکھئے فتح الباري (ج۱ص۲۱۶)۔
(۳) عمدة القاري (ج۲ص۱۸۶)۔
(۴) فتح الباري (ج۱ص۲۱۶)۔
(۵) شرح ابن بطال (ج۱ص۱۹۶)۔
(۶) دیکھئے القاموس الوحید (ص۱۷۹)۔

احادیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

یہ باب "باب حفظ العلم" ہے اس میں تین حدیثیں مذکور ہیں، پہلی حدیث کی مناسبت باب سے واضح ہے اس میں اشتغال علمی مذکور ہے اور جس قدر علمی اشتغال ہوگا اسی قدر حفظ علم میں مدد ملے گی۔

پھر اس حدیث میں لزوم حضور اور مذاکرہ علمی بھی مذکور ہیں "وإن اباهريرة كان يلزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشبع بطنه ويحضر مالا يحضرون ويحفظ مالا يحفظون" یہ سب حفظ علم کے اسباب ہیں۔

دوسری حدیث میں الحاح وزاری اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی طلب ہے، جو ظاہر ہے کہ حفظ حدیث کے لئے اہم ترین سبب ہیں۔

تیسری حدیث میں بث ونشر علم مذکور ہے اور یہ بھی حفظ علم اور حفاظت علم کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالی أعلم

۴۳ – باب: الْإِنْصَاتِ لِلْعُلَمَاءِ.

باب سابق کے ساتھ مناسبت

گذشتہ باب "باب حفظ العلم" گذرا ہے اور اس باب میں انصات یعنی سکوت واستماع کا ذکر ہے، دونوں میں مناسبت واضح ہے کہ علم علماء سے حاصل کر کے حفظ کیا جاتا ہے اور اس کے لئے انصات یعنی سکوت واستماع ضروری ہے، تاکہ کوئی بات سننے سے رہ نہ جائے (۱)۔ واللہ أعلم۔

مقصد ترجمۃ الباب

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود متعلمین کو تنبیہ کرنا ہے کہ علماء کے واسطے انصات اور ان کی توقیر لازمی ہے، کیونکہ حضرات علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور اللہ جل شانہ نے اپنے ایمان والے بندوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سامنے رفع صورت سے منع فرمایا کہ کہیں حبط اعمال نہ ہو جائے۔ اور حضرات علماء چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں، اس لئے ان کے ساتھ بھی توقیر و اجلال کا معاملہ ہونا چاہیے اور متعلمین کو ان کے سامنے استماع وسکوت سے کام لینا چاہئے۔ (۲)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باب سابق کے ساتھ مناسبت کے ذیل میں ترجمۃ الباب کے مقصد کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ حفظ علم جو مطلوب ہے اس کے حاصل کرنے کے لئے علماء کے سامنے بیٹھنا اور سکوت کے ساتھ ان کی باتیں سننا اور استفادہ کرنا

---

(۱) عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۸۶)۔

(۲) شرح ابن بطال (ج ۱ ص ۱۹۶)۔

ضروری ہے۔(۱)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ وعظ ونصیحت کے موقع پر لوگوں کو خاموش کرانا جائز ہے، اگر چہ لوگ ذکر وتلاوت وغیرہ میں ہی مشغول کیوں نہ ہوں۔(۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: "لا ألفينك تأتي القوم وهم في حديث من حديثهم، فتقص عليهم، فتقطع عليهم حديثهم فتملهم "۔(۳)

یعنی "میں تمہیں اس طرح نہ پاؤں کہ کسی جماعت کے پاس آؤ، وہ اپنی کسی گفتگو میں مشغول ہوں، تم ان کی بات قطع کر کے اپنی بات شروع کر دو اور ان کو اکتاہٹ میں مبتلا کر دو"۔

اس ارشاد سے نیز اس قسم کے دوسرے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کو خاموش کرنا درست نہیں، جبکہ انصات للعلما اس کے مخالف ہے۔

اس لئے مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کر دیا کہ تعلیم وتبلیغ کی ضرورت سے اوقات خاصہ میں یہ استنصات مباح اور مستحسن ہے۔ واللہ تعالی أعلم(۴)

بعض حضرات نے یہ مقصد بیان کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں حفظ علم اور تحصیل علم کا طریقہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شاگرد کو چاہئے کہ طالب علم اور درس کے دوران کسی چیز کے ساتھ مشغول نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اسے چاہئے کہ وہ کلی طور پر اپنے معلم اور شیخ کی طرف متوجہ رہے اور قلب وذہن کو یکسو کر کے استاد کی طرف ملتفت رہے۔(۵) واللہ أعلم

(۱) عمدة القاري (ج۲ص۱۸۶)۔
(۲) لامع الدراري (ج۲ص۳۷۱)۔
(۳) صحيح البخاري (ج۲ص۹۳۸) كتاب الدعوات، باب ما يكره من السجع في الدعاء، رقم (۶۳۳۷)۔
(۴) الأبواب والتراجم (ص۵۶-۵۷)۔
(۵) ینظر الكنز المتواري (ج۲ص۳۷۰، ۳۷۱)۔

۱۲۱ : حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ : أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ مُدْرِكٍ ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ ، عَنْ جَرِيرٍ[۱] : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ ٱلْوَدَاعِ : (ٱسْتَنْصِتِ ٱلنَّاسَ) . فَقَالَ : (لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا ، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ) . [۴۱۴۳ ، ۶۴۷۵ ، ۶۶۶۹]

تراجم رجال

(۱) حجاج

یہ ابومحمد حجاج بن منہال انماطی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب ما جاء أن الأعمال بالنية والحسبة، ولكل امرئ ما نوى" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۲) شعبہ

امیرالمومنین فی الحدیث امام شعبہ بن الحجاج رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب الایمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۳) علی بن مدرک

یہ ابو مدرک علی بن مدرک نخعی وہبیلی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۴)

---

(۱) قوله: "عن جرير رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه (ج۲ص۶۳۲)، كتاب المغازي، باب حجة الوداع، رقم (۴۴۰۵)، و(ج۲ص۱۰۱۵)، كتاب الديات، باب قول الله تعالى: ﴿ومن أحياها﴾، رقم (۶۸۶۹)، و(ج۲ص۱۰۴۸)، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا ترجعوا بعدي كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض، رقم (۷۰۸۰)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الإيمان، باب معنى قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا ترجعوا بعدي كفاراً...، رقم (۲۲۳)، والنسائي في سننه، في كتاب المحاربة، باب تحريم القتل، رقم (۴۱۳۶) و(۴۱۳۷)، وابن ماجه في سننه، في كتاب الفتن، باب: لا ترجعوا بعدي كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض، رقم (۳۹۴۲)۔

(۲) کشف الباري (ج۲ص۷۴۴)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ص۶۷۸)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج۲۱ص۱۲۶)۔

یہ ابراہیم نخعی، تمیم بن طرفۃ طائی، عبدالرحمن بن یزید نخعی ھلال بن یساف، ابوزرعہ بن عمرو بن جریر اور ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں اشعث بن سوار، حنش بن الحارث نخعی، سلیمان الاعمش، شعبہ بن الحجاج اور عبدالرحمن بن عبداللہ المسعودی رحمہم اللہ تعالی ہیں (۱)

امام یحیی بن معین اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۲)

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صالح صدوق"۔ (۳)

نیز وہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۴)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كوفي ثقة"۔ (۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے (۶)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۷)

ان کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا۔ (۸) رحمه اللّٰه تعالى رحمة واسعة

(۴) ابوزرعہ

یہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، ان کے حالات کتاب الإيمان، "باب الجهاد من الإيمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۹)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج۲۱ص۱۲۷)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۲۱ص۱۲۷)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) تهذيب التهذيب (ج۷ص۳۸۱)۔

(۶) الثقات لابن حبان (ج۵ص۱٦۵)۔

(۷) تقريب التهذيب (ص۴۰۵)، رقم (۴۷۹٦)۔

(۸) الثقات لابن حبان (ج۵ص۱٦۵)۔

(۹) كشف الباري (ج۲ص۳۰۴)۔

(۵) جریر

یہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب قول النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: الدین النصیحة" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال له في حجة الوداع

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔

بعض علماء نے اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چالیس دن پیشتر مسلمان ہوئے ہیں۔(۲) لہذا وہ حجۃ الوداع میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ اس حدیث میں "له" کا لفظ وھم ہے۔(۳)

لیکن یہ صحیح نہیں، چنانچہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ رمضان ۱۰ھ میں مسلمان ہوئے ہیں (۴)، صحیح بخاری میں باب حجۃ الوداع میں اسی حدیث کے دوسرے طریق میں ہے "أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال في حجة الوداع لجریر "۔(۵)

لہذا راجح یہی ہے کہ یہ حجۃ الوداع سے قبل مسلمان ہوئے ہیں۔(۶)

استنصت الناس

لوگوں کو خاموش کرو

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہی ہے، آپ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "استنصت الناس، أي اطلب الإنصات من الناس"۔

(۱) کشف الباری (ج۲ص۷۶۴)۔

(۲) عمدۃ ابن عبد البر في الاستیعاب (بهامش الإصابة ج۱ص۲۳۲)۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج۱ص۲۱۷)۔

(۴) فتح الباری (ج۱ص۲۱۷)۔

(۵) صحیح البخاري (ج۲ص۶۳۲)، کتاب المغازي، باب حجة الوداع، رقم (۴۴۰۵)۔

(۶) فتح الباری (ج۱ص۲۱۷)۔

انصات واستماع میں فرق

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ جل شانہ نے: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ (۱) فرمایا ہے اور اس میں استماع وانصات میں فرق کیا گیا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں، کہ "إنصات" مطلق سکوت کو کہتے ہیں، خواہ اس کے ساتھ کان لگا کر سننا پایا جائے یا نہ پایا جائے، مثلاً یہ کہ سکوت کے ساتھ کسی کی بات سنے، لیکن وہ دوسری چیز کی فکر میں ہو۔

اسی طرح "استماع" کبھی تو سکوت کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی نطق کے ساتھ، اس طرح کہ بولنے والا سن بھی رہا ہوتا ہے۔ (۲)

لیکن علماء لغت کے اقوال کی روشنی میں صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ انصات خاص ہے اور "استماع" عام ہے، استماع کے معنی مطلقاً کان لگانے کے ہیں، چاہے سکوت ہو یا نہ ہو۔ (۳) اور انصات ایسے سکوت کو کہتے ہیں جس میں استماع بھی ہو۔ (۴)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "كان يقال: أول العلم الاستماع، ثم الإنصات، ثم الحفظ، ثم العمل، ثم النشر"۔ (۵)

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مطرف رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا "الإنصات من العينين" تو انہوں نے اس کی تشریح دریافت کی، فرمایا "إذا حدثت رجلا فلم ينظر إليك لم يكن منصتا"۔ (۶)

یعنی "اگر تم کسی سے کوئی گفتگو کرو اور وہ تمہاری بات اس طرح سنے کہ تمہاری طرف دیکھ نہ رہا ہو تو وہ

---

(۱) الأعراف: ۲۰۴۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص۲۱۷)۔

(۳) استمع له: أصغى، تاج العروس (ج۵ص۳۸۹) مادة "سمع"۔

(٤) قد قيده الراغب والصغاني بالاستماع، قالوا: أنصت ينصت إنصاتا إذا سكت سكوت مستمع، انظر تاج العروس (ج۱ص۵۹۵) مادة "نصت"۔

(٥) جامع بيان العلم وفضله (ج۱ص٤٧٧)، باب منازل العلماء، رقم (٧٦٠)۔

(٦) فتح الباري (ج۱ص۲۱۷)۔

"منصت" نہیں کہلائے گا"۔

فقال: لا ترجعوا بعدي كفاراً يضرب بعضكم رقاب بعض

آپ نے فرمایا میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے اور یہی خوارج کی رائے ہے۔

مرجئہ نے تو اس جیسی حدیث ہی کو رد کر دیا، کیونکہ ان کے نزدیک ایمان کے بعد پھر کوئی معصیت مضر نہیں۔

اہل السنۃ والجماعۃ اس کی مختلف توجیہات کرتے ہیں:

۱۔ ایک توجیہ جو بہت مشہور ہے، یہ ہے کہ یہ مستحل پر محمول ہے، لیکن یہ توجیہ ضعیف ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ "کفر" کا اطلاق مخصوص جرائم پر کیا ہے اور استحلالِ معصیت میں کسی جرم کی کوئی خصوصیت نہیں، جس معصیت کو بھی کوئی شخص حلال سمجھے گا وہ کافر ہو جائے گا۔

۲۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ کافروں کے مشابہ نہ ہو جاؤ یعنی یہ کافروں کا کام ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتل کریں لہذا تم ان کے افعال جیسے افعال نہ کرو۔ خلاصہ یہ کہ یہ فعل کافر کا ہے اور یہ کفر کی ایک قسم ہے۔

۳۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ "لاترجعوا کفارا" کے معنی ہیں "لاترتدوا" یعنی مرتد نہ ہو جانا۔

۴۔ چوتھی توجیہ یہ ہے "لاترجعو بعدي كفاراً أي بنعمة الإسلام"۔ نعمت اسلام کی ناشکری کرنے والے نہ ہو جانا، کیونکہ اسلام تو سلم سے ماخوذ ہے، وہ چاہتا ہے مصالحت کو اور مسالمت کو، نہ یہ کہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی جائے اور مقاتلہ کیا جائے۔

۵۔ پانچویں توجیہ یہ ہے کہ یہاں کافر سے مراد کافر باللہ نہیں، بلکہ کافر سے متکفر بالسلاح مراد ہے، یعنی ہتھیار باندھ کر ایک دوسرے کے مقابل نہ آنا۔ (۱) واللہ تعالی أعلم

ان تمام توجیہات میں دوسری توجیہ تبادر ذہنی کے اعتبار سے راجح ہے، یعنی ایک دوسرے کی گردنیں مارنا کافرانہ فعل ہے، اس طرح کی حرکت کر کے کافروں کے مشابہ نہ ہونا۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) توجیہات کے لئے دیکھئے: شرح النووي علی صحیح مسلم (ج۱ ص۵۸)، کتاب الإیمان، باب معنی قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم: لا ترجعوا بعدي کفارا...، وعمدۃ القاري (ج۲ ص۱۸۷)۔

يضرب بعضكم رقاب بعض

"يضرب" مرفوع ہے، یہی صحیح روایت ہے۔

یہ یا تو "كفارًا" کی صفت ہے، یا "لاترجعوا" کے فاعل سے حال ہے۔ بعض حضرات نے "یضرب" کے "باء" پر جزم بھی درست قرار دیا ہے، لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے۔(۱) واللہ أعلم۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث سے بعض حضرات نے اجماع کی عدم حجیت پر استدلال کیا ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے "لاترجعوا بعدي كفارًا" یعنی میرے بعد تم کافر نہ بن جاؤ، اس سے معلوم ہوا کہ تمام لوگوں کے کافر بن جانے کا امکان ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے کافر بن جانے کا امکان ہو وہ معصوم نہیں، لہذا امت کا اجماع بھی حجت نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اجماع امت کی حجیت امت کی اجتماعی معصومیت کی وجہ سے ہے، جو خبر صادق "لاتجتمع أمتي على ضلالة" (۲) سے ثابت ہے، حجیت اجماع ہم اس بات سے ثابت نہیں کرتے کہ فی نفسہ امت کی گمراہی ممکن نہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں باوجود آپ کے معصوم ہونے کے ارشاد فرمایا گیا ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (۳) آپ کے واسطے اشراک کا ممتنع ہونا قطعی طور پر ثابت ہے، تاہم نفس امکان کی بنیاد پر ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ کہا گیا ہے۔

یہاں بھی امت کی عصمت اور اس کے نتیجہ میں اس کے اجماع کی حجیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لاتجتمع" سے ثابت ہے اور "لاترجعوا بعدي كفارًا" نفس امکان کی بنیاد پر کہا گیا ہے۔(۴) واللہ أعلم

---

(۱) تفصیلات کے لئے دیکھئے، شرح النووي (ج ۱ ص ۵۸)، وعمدة القاري (ج ۲ ص ۱۸۷)۔

(۲) قال العجلوني في كشف الخفاء (ج ۲ ص ۳۵۰): رواه أحمد والطبراني في الكبير وابن أبي خيثمة في تاريخه ... وابن أبي عاصم في السنة، ... وأبو نعيم والحاكم، ... وابن منده، ومن طريقه الضياء، ... وكذا هو عند الترمذي... ورواه عبد بن حميد وابن ماجه ... ورواه الحاكم ... بالجملة، فالحديث مشهور المتن، وله أسانيد كثيرة وشواهد عديدة في المرفوع وغيره"۔

(۳) الزمر / ۶۵۔

(۴) دیکھئے عمدة القاري (ج ۲ ص ۱۸۷ و ۱۸۸)۔

٤٤ – باب : مَا يُسْتَحَبُّ لِلعَالِمِ إِذا سُئِل : أَيُّ ٱلنَّاس أَعْلَمُ ؟ فَيَكِلُ ٱلْعِلْمَ إِلَى ٱللهِ .

"ما يستحب" میں "ما" موصولہ بھی ہوسکتا ہے اور مصدریہ بھی، "إذا سئل" میں "إذا" ظرفیہ ہے، جس کا تعلق ماقبل میں واقع فعل "يستحب" سے ہے۔

"فيكل" میں "فاء" فصیحہ ہے اور یہ جملہ شرط محذوف کی جزا ہے، تقدیری عبارت ہے "إذا سئل أي الناس أعلم فيكل العلم إلى الله" اور پھر "فيكل" اگرچہ خبر ہے لیکن انشاء کے معنی میں ہے "فليكل العلم إلى الله"۔ (۱)

بابِ سابق کے ساتھ مناسبت

گذشتہ باب "باب الإنصات للعلماء" تھا، اس کی حقیقت یہ ہے کہ شاگرد حالت سماع میں شیخ کی طرف متوجہ ہوکر اپنے معاملات اس کے سپرد کردیتا ہے اور اس باب میں بھی جو مذکور ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب عالم سے پوچھا جائے کہ کون سب سے بڑھ کر عالم ہے؟ تو اس معاملہ کو اللہ تعالی کے سپرد کردے۔ اس طرح دونوں ابواب کے درمیان مناسبت واضح ہوجاتی ہے۔ (۲)

مقصدِ ترجمۃ الباب

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم سے جب "أي الناس أعلم؟" کا سوال کیا جائے تو "أنا أعلم" کہنا پسندیدہ نہیں، اگرچہ اس کا اس وقت "أعلم الناس" ہونا محقق ہو، بلکہ مستحب یہ ہے کہ اس کے جواب میں "الله أعلم" کہے، چنانچہ حدیث باب سے یہ امر واضح ہے۔

---

(۱) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ ص۱۸۸)، والكنز المتواري (ج۲ ص۳۷۱)۔

(۲) عمدة القاري (ج۲ ص۱۸۸)۔

اس سے مؤلف کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو بالخصوص علم کے بارے میں ہر حالت میں تواضع اختیار کرنا چاہیے اور اپنے نقصان اور حق سبحانہ وتعالی کے کمال کا دھیان رکھنا مناسب ہے، نیز بڑائی اور عجب کے اسباب چونکہ علماء کو زیادہ میسر ہیں، اس لئے بھی علماء کو اس میں پوری احتیاط کرنی چاہیے۔ واللہ أعلم(۱)

۱۲۲ : حدَّثنا عَبْدُ ٱللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ : حدَّثنا سُفْيَانُ قَالَ : حدَّثنا عَمْرٌو قَالَ : أَخْبَرَنِي سعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ : قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ : إِنَّ نَوْفًا ٱلْبَكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى لَيْسَ بِمُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ ، إِنَّمَا هُوَ مُوسَى آخَرُ ؟ فَقَالَ : كَذَبَ عَدُوُّ ٱللهِ ، حدَّثنا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ(۲) عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : (قَامَ مُوسَى ٱلنَّبِيُّ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ فَسُئِلَ : أَيُّ ٱلنَّاسِ أَعْلَمُ ؟ فَقَالَ : أَنَا أَعْلَمُ . فَعَتَبَ ٱللهُ عَلَيْهِ ، إِذْ لَمْ يَرُدَّ ٱلْعِلْمَ إِلَيْهِ ، فَأَوْحَى ٱللهُ إِلَيْهِ : إِنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ ٱلْبَحْرَيْنِ ، هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ . قَالَ : يَا رَبِّ ، وَكَيْفَ بِهِ ؟ فَقِيلَ لَهُ : ٱحْمِلْ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ ، فَإِذَا فَقَدْتَهُ فَهُوَ ثَمَّ . فَٱنْطَلَقَ وَٱنْطَلَقَ بِفَتَاهُ يُوشَعَ بْنِ نُونٍ ، وَحَمَلَ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ ، حَتَّى كَانَا عِنْدَ ٱلصَّخْرَةِ وَضَعَا رُؤُوسَهُمَا وَنَامَا ، فَٱنْسَلَّ ٱلْحُوتُ مِنَ ٱلْمِكْتَلِ فَٱتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي ٱلْبَحْرِ سَرَبًا ، وَكَانَ لِمُوسَى وَفَتَاهُ عَجَبًا ، فَٱنْطَلَقَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِهِمَا وَيَوْمَهُمَا ، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ : آتِنَا غَدَاءَنَا ، لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ، وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى مَسًّا مِنَ ٱلنَّصَبِ حَتَّى جَاوَزَ ٱلْمَكَانَ ٱلَّذِي أُمِرَ بِهِ ، فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ : أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى ٱلصَّخْرَةِ ؟ فَإِنِّي نَسِيتُ ٱلْحُوتَ . قَالَ مُوسَى : ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي ، فَٱرْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا ، فَلَمَّا ٱنْتَهَيَا إِلَى ٱلصَّخْرَةِ ، إِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى بِثَوْبٍ ، أَوْ قَالَ تَسَجَّى بِثَوْبِهِ ، فَسَلَّمَ مُوسَى ، فَقَالَ ٱلْخَضِرُ : وَأَنَّى بِأَرْضِكَ ٱلسَّلَامُ ؟ فَقَالَ : أَنَا مُوسَى . فَقَالَ : مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ ؟ قَالَ : نَعَمْ . قَالَ : هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ؟ قَالَ : إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا . يَا مُوسَى ، إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ ٱللهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ ، وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ لَا أَعْلَمُهُ . قَالَ : سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ ٱللهُ صَابِرًا ، وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا . فَٱنْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ ٱلْبَحْرِ ، لَيْسَ لَهُمَا سَفِينَةٌ ، فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ ، فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمَا ، فَعُرِفَ ٱلْخَضِرُ ، فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ ، فَجَاءَ عُصْفُورٌ ، فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ ٱلسَّفِينَةِ ، فَنَقَرَ نَقْرَةً أَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي ٱلْبَحْرِ . فَقَالَ ٱلْخَضِرُ : يَا مُوسَى

---

(۱) الأبواب والتراجم (ص ۵۷)۔

(۲) قوله: "أبي بن كعب" قد مر تخريج هذا الحديث في كتاب العلم، باب ما ذكر في ذهاب موسى صلى الله عليه وسلم في بحر إلى الخضر ..."۔

مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ ٱللهِ إِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذَا الْعُصْفُورِ فِي ٱلْبَحْرِ . فَعَمَدَ ٱلْخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِنْ أَلْوَاحِ ٱلسَّفِينَةِ فَنَزَعَهُ . فَقَالَ مُوسَى : قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ ، عَمَدْتَ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ؟ قَالَ : أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ؟ قَالَ : لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ – فَكَانَتِ ٱلْأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا – فَانْطَلَقَا . فَإِذَا غُلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ ٱلْغِلْمَانِ . فَأَخَذَ ٱلْخَضِرُ بِرَأْسِهِ مِنْ أَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَأْسَهُ بِيَدِهِ . فَقَالَ مُوسَى : أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ؟ قَالَ : أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ؟ – قَالَ ٱبْنُ عُيَيْنَةَ : وَهٰذَا أَوْكَدُ – فَانْطَلَقَا . حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ ٱسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا . فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا . فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ . قَالَ ٱلْخَضِرُ بِيَدِهِ فَأَقَامَهُ . فَقَالَ لَهُ مُوسَى : لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ، قَالَ : هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ) . قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (يَرْحَمُ ٱللهُ مُوسَى ، لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا) . [ر : ٧٤]

تراجم رجال

(۱) عبداللہ بن محمد

یہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن جعفر بن الیمان بن اخنس جعفی مسندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) سفیان

یہ امام ابومحمد سفیان بن عیینہ بن ابی عمران ہلالی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، "باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبانا" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۱) کشف الباري (ج۱ ص۶۵۷)۔

(۲) کشف الباري (ج۳ ص۸۶)۔

(۳) عمرو

یہ مشہور امام وفقیہ عمرو بن دینار مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات پیچھے اسی جلد میں "بـاب كتـابة العلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۴) سعید بن جبیر

یہ مشہور تابعی عالم امام سعید بن جبیر کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ابھی پیچھے "باب السمر في العلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات "بدء الوحي" کی چوتھی حدیث کے ذیل میں (۱) اور کتاب الإیمان "باب كفران العشير وكفر دون كفر" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۶) نوف بکالی

یہ نوف —بفتح النون وسكون الواو، بعد ها فاء—بن فضالة —بفتح الفاء— الحميري البكالي بكسر الباء الموحدة وتخفيف الكاف— رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ان کی ابوالرشید، ابو رشدین، ابوعمرو مختلف کنیتیں بتائی گئی ہیں۔اہل دمشق یا اہل فلسطین میں ان کا شمار ہے، ایک قول کے مطابق یہ کعب احبار کے سوتیلے بیٹے ہیں۔(۳)

یہ حضرت ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت علی بن ابی طالب، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم اور کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۱) كشف الباري (ج۱ص۴۳۵)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص۲۰۵)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۳۰ص۶۵)۔

ان سے خالد بن صُبیح، سعید بن جبیر، شہر بن حوشب، نسیر بن ذعلوق، ابواسحاق ہمدانی، ابوعمران جونی اور ابوھارون عبدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔(۱)

ابوعمران جونی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "كان نوف ابن امراة كعب، أحد العلماء"۔(۲)

یحیٰ بن ابی عمرو الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان نوف إماما لأهل دمشق"۔(۳)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "يروي القصص"۔(۴)

صحیحین میں ان کا ذکر حدیث موسیٰ والخضر کے ذیل میں آیا ہے۔(۵)

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نوف بکالی رحمۃ اللہ علیہ سے آ کر کہا کہ میں نے خواب میں آپ کو دیکھا ہے کہ آپ کے ہاتھ میں ایک طویل نیزہ ہے، اس کے سرے پر ایک روشنی ہے، جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور آپ ایک لشکر کی قیادت کر رہے ہیں۔

نوف بکالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر واقعی تم سچے ہو تو مجھے شہادت حاصل ہوگی اور ایسا ہی ہوا، یہ محمد بن مروان کے ساتھ جہاد کے لئے نکلے اور وہیں شہادت پائی۔(۶)

۹۰ھ سے ۱۰۰ھ کے درمیان شہادت پائی۔(۷) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۷) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب العلم، "باب ما ذكر في ذهاب موسى صلى

(۱) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج۳۰ ص۶۵)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج۱۰ ص۴۹۰)۔

(۴) الثقات لابن حبان (ج۵ ص۴۸۳)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۳۰ ص۶۶)۔

(۶) تهذيب الكمال (ج۳۰ ص۶۶)۔

(۷) تهذيب التهذيب (ج۱۰ ص۴۹۰)۔

الله عليه وسلم في البحر إلى الخضر" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

قلت لابن عباس: إن نوفا البكالي يزعم أن موسى ليس بموسى بني إسرائيل، إنما هو موسى آخر

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ نوف بکالی کا دعویٰ ہے کہ (قصۂ خضر میں) موسیٰ بنی اسرائیل کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد نہیں ہیں، بلکہ یہ کوئی اور موسیٰ ہیں۔

یہ روایت پیچھے گذر چکی ہے (۲)۔ اس میں حضرت ابن عباس اور حضرت حر بن قیس رضی اللہ عنہما کے درمیان مناظرہ مذکور ہے، وہ مناظرہ اور ہے، اس کا تعلق حضرت خضر علیہ السلام سے ہے، یعنی اس میں یہ اختلاف تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جس کے پاس گئے تھے وہ کون تھا؟ حضرت ابن عباس کہتے تھے کہ یہ خضر تھے اور حر بن قیس کسی اور کو کہتے تھے، لیکن کسی روایت میں وارد نہیں کہ وہ کس کو کہتے تھے۔

جبکہ روایت باب میں جو مناظرہ ہے اس کا تعلق "موسیٰ" سے ہے، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور نوف بکالی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اس بات کا مناظرہ ہوا تھا کہ جو موسیٰ حضرت خضر کے پاس گئے تھے وہ موسیٰ بن عمران نبی بنی اسرائیل ہیں یا کوئی اور؟ سعید بن جبیر تو کہتے تھے کہ موسیٰ بن عمران نبی بنی اسرائیل ہیں اور نوف کہتے تھے کہ وہ ایک دوسرے موسیٰ ہیں، یعنی موسیٰ بن میشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام (نبی بنی اسرائیل) سے پہلے گذرے ہیں اور وہ بھی نبی مرسل تھے، اہل تورات کی بھی یہی رائے ہے۔(۳)

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انہوں نے نبی اکرم

---

(۱) كشف الباري (ج۳ص۲۹۱)۔

(۲) دیکھئے صحيح البخاري (ج۱ص۱۷)، كتاب العلم، باب ما ذكر في ذهاب موسى عليه السلام في البحر إلى الخضر، رقم (۷٤)، وباب الخروج في طلب العلم، رقم (۷۸)۔

(۳) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ص۱۹۳)۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی اور یہ بتلایا کہ جو موسیٰ خضر سے ملنے گئے تھے، وہ موسی بنی اسرائیل تھے۔

فقال: كذب عدو الله

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کے دشمن نے غلط کہا۔

ابن التین وغیرہ تمام شراح کی رائے یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو یہ کلمہ کہہ دیا ان کا مقصد یہ نہیں کہ نوف بکالی اولیاء اللہ سے خارج ہیں اور اعداء اللہ میں داخل ہیں۔ بلکہ علما حق کی عادت ہے کہ جب وہ کوئی خلافِ حق بات سنتے ہیں تو ان کی طبیعت میں حرکت پیدا ہوتی ہے، ایسے موقع پر سخت کلمات کہہ جاتے ہیں، ان کی حقیقت مراد نہیں ہوتی۔ (۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نوف کی صحت اسلام کے بارے میں شک ہو گیا ہو، اس لئے یہ سخت بات کہہ دی ہو۔ (۲)

لیکن یہ احتمال محض ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں، دراصل حضرت ابن عباس اور حر بن قیس رضی اللہ عنہما کا جب آپس میں مناظرہ ہوا تھا اس وقت حضرت ابن عباس کو حضرت ابی رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا علم نہیں تھا، اس لئے حضرت ابی آئے اور انہوں نے فیصلہ کر دیا اور جب سعید بن جبیر اور نوف بکالی کے درمیان مناظرہ ہوا تو اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حدیث معلوم تھی اور چونکہ نوف کا کلام بالکل حدیث کے خلاف تھا، اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جوش آیا اور فرما دیا "كذب عدو الله"۔ واللہ اعلم

حدثنا أبي بن كعب عن النبي صلى الله عليه وسلم: قام موسى النبي خطيبا في بني إسرائيل، فسئل: أي الناس أعلم؟ فقال: أنا أعلم

ہمیں ابی بن کعب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر کے حدیث سنائی کہ حضرت موسی علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے، ان سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والا کون

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج۱ ص۲۱۹)، وعمدۃ القاری (ج۲ ص۱۹۳)۔

(۲) فتح الباری (ج۱ ص۲۱۹)۔

ہے؟ فرمایا کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں۔

دو روایتوں کے
درمیان تعارض اور اس کا ازالہ

یہ روایت جو پیچھے گذری ہے اس میں ہے "هل تعلم أحدا أعلم منك؟" تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "لا"۔ جبکہ روایت باب میں ہے "أي الناس أعلم؟ فقال: أنا أعلم"۔

حاصل یہ ہے کہ روایت باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے اعلمیت ثابت کی ہے اور دوسری روایت کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے سے بڑھ کر اعلم کی نفی کی، ظاہر ہے کہ اعلمیت کی نفی سے اپنے اعلم ہونے کا اثبات نہیں ہوتا۔

اس کا حل یہ ہے کہ اصل میں بظاہر سائل نے اولاً یہ پوچھا "أي الناس أعلم؟" تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا "أنا أعلم"۔ اس نے پھر پوچھا "هل تعلم أحدا أعلم منك؟" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا "لا"۔

کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام
کا "أعلم" کی نفی کرنا درست ہے؟

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے "لا" کہہ کر "أعلم" کی نفی کیسے کردی؟! یہ تو خلاف واقعہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں "بلی، عبدنا خضر" کہ ہمارا بندہ خضر تم سے زیادہ اعلم ہے۔

لیکن یہ اشکال یہاں اس لئے نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے علم اور زعم کے اعتبار سے نفی کی تھی، لہذا ان کا "أنا أعلم" کہنا خلاف واقعہ نہیں، اپنے گمان میں جیسا وہ سمجھے ہوئے تھے ویسی ہی خبر دی، اپنے لئے اعلمیت انہوں نے اپنے گمان کے اعتبار سے ثابت کی ہے نہ کہ نفس الامر کے اعتبار سے، لہذا اللہ جل شانہ کا قول "بلی، عبدنا خضر" ٹھیک ہے، وہ نفس الامر کے اعتبار سے ہے۔ واللہ أعلم۔

فائدہ

یہاں سے ایک مسئلہ اور حل ہوگیا، وہ یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک کذب اس خبر کو کہتے ہیں جو عمداً خلاف واقعہ بیان کی جائے۔

اور اہل السنہ فرماتے ہیں کہ کذب وہ خبر ہے جو خلاف واقعہ ہو، خواہ عمداً ہو یا سہواً ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ''أنا أعلم'' کہنا اہل سنت کے نزدیک صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ خلاف واقعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ''أنا أعلم'' کہنے کو رد کردیا اور فرمایا ''بلی، عبدنا خضر''۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے فی الواقع اعلمیت ثابت نہیں کی، بلکہ اپنے گمان اور ظن کے اعتبار سے ثابت کی ہے اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے،اب گمان وظن کے اعتبار سے ان کی بات ٹھیک ہے، ان کا جو گمان تھا ان کی خبر اس کے مطابق تھی۔ واللہ اعلم

فعتب اللّٰه عليه إذ لم يرد العلم إليه

سو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کہ انہوں نے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹایا اور یہ نہیں کہا "اللّٰه أعلم"۔

''عتاب'' کہتے ہیں ناراض ہونے کو، یہ تغیر نفسانی کا اثر ہے اور اللہ تعالیٰ تغیرات سے پاک ہے، اس لئے علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ ''عتب اللّٰه'' کے معنی ہیں "آخذه" اللہ تعالیٰ نے ان سے مواخذہ فرمایا، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین بندے ہیں، ان سے معمولی باتوں پر بھی مواخذہ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو یہ عنوان پسند نہیں آیا، بلکہ ان کو چاہئے تھا کہ اس کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا کر "اللّٰه أعلم" کہہ دیتے۔(۱)

ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس لئے ہوا کہ ان کو مطلق اس سوال کا جواب ہی نہیں دینا چاہئے تھا۔(۲)

---

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج۱ص۲۱۹)، وعمدۃ القاری (ج۲ص۱۹۳)۔

(۲) فتح الباری (ج۱ص۲۱۹)۔

لیکن ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ان کو جواب ہی نہیں دینا چاہئے تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف بات کولوٹانا متعین تھا، اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام "أنا" کہنے کے ساتھ "واللّٰہ أعلم" بھی کہہ دیتے تو عتاب نہ ہوتا۔ عتاب کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے "أنا أعلم" تو کہہ دیا، لیکن اس کے ساتھ "اللّٰہ أعلم" نہیں کہا۔(۱) واللّٰہ أعلم

فأوحی اللّٰہ إلیہ أن عبداً من عبادي بمجمع البحرین هو أعلم منك

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ مجمع البحرین میں میرے بندوں میں سے ایک بندہ ہے، جو تم سے بڑھ کر عالم ہے۔

مجمع البحرین سے مراد بحر فارس وروم کا ملتقی ہے، جہاں دونوں ملتے ہیں۔(۲)

پھر حضرت خضر علیہ السلام کی جو اعلمیت یہاں مذکور ہے وہ علم مخصوص کے اعتبار سے ہے، حضرت خضر علیہ السلام کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے "کونیات" کا علم زیادہ تھا، جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بہ نسبت حضرت خضر علیہ السلام کے "شرعیات" کا علم زیادہ تھا، لیکن بہر حال ایک جزئی حیثیت سے حضرت خضر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک قسم کا تفوق حاصل تھا۔

قال: یا رب، وکیف بہ؟

عرض کیا، اے پروردگار! اس تک رسائی کیسے ہو؟

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ بڑے عالم اس وقت موجود ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان سے ملنے اور ان کے علم کو حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گمان کے اعتبار سے "أنـــا أعـــلـــم" کہہ دیا تھا، غور اور تتبع کے ساتھ نہیں کہا تھا، اب جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کا ذکر کیا تو عرض کیا "کیف بہ؟" أي "کیف اللقاء بہ؟" کہ ان سے ملنے کی صورت کیا ہوگی؟

---

(۱) المتواری علی تراجم أبواب البخاري (ص ۶۴)، وفتح الباري (ج ۱ ص ۲۱۹)۔

(۲) دیکھئے الجامع لأحکام القرآن للقرطبي (ج ۱۱ ص ۹)۔

فقيل له: احمل حوتاً في مكتل

ان سے کہا گیا کہ ایک زنبیل میں ایک مچھلی لے لو۔

کتاب التفسیر کی ایک روایت میں ہے "خذ نوناً ميتاً حيث ينفخ فيه الروح"۔ (۱) ایک مردہ مچھلی لے لو، جہاں اس میں روح پھونکی جائے وہیں خضر ملیں گے۔

فإذا فقدته فهو ثَم

جب تم اسے گم کردو تو وہ وہیں موجود ہوں گے۔

مچھلی گم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس میں روح پھونک دی جائے اور وہ پانی میں جا پڑے تو تم کو وہ وہاں ملیں گے۔

فانطلق وانطلق بفتاه يوشع بن نون وحملا حوتاً في مكتل، حتى كانا عند الصخرة وضعا رؤسهما وناما.

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم یوشع بن نون کو لے کر چلے، ان دونوں نے ایک مچھلی زنبیل میں ڈال لی، حتی کہ جب وہ ایک چٹان تک پہنچے تو دونوں نے اپنے سر رکھ دیے اور سو گئے۔

فانسل الحوت من المكتل

مچھلی زنبیل سے چپکے سے سرک گئی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر میں سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے یہی حدیث نقل کی ہے، اس میں ہے:

"قال سفيان: وفي حديث غير عمرو، قال: وفي أصل الصخرة عين، يقال لها:

---

(۱) صحيح البخاري (ج۲ ص۶۸۹)، كتاب التفسير، باب: ﴿فلما بلغا مجمع البحرين نسيا حوتهما﴾، رقم (۴۷۲۶)۔

الــحياة، لا يصيب من مائها شيء إلا حيي، فأصاب الحوت من ماء تلك العين، قال: فتحرك، وانسل من المكتل، فدخل البحر"۔ (۱)

''سفیان کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار کے سوا دوسرے حضرات کی روایت میں ہے کہ اس چٹان کی جڑ میں ایک چشمہ تھا، جس کو ''حیات'' یعنی آب حیوان کہتے ہیں، اس کا پانی جس چیز کو بھی لگ جاتا تھا وہ زندہ ہو جاتی تھی، چنانچہ مچھلی کو اس چشمہ کا پانی لگ گیا، مچھلی کے اندر حرکت پیدا ہوئی اور وہ زنبیل سے سرک کے سمندر میں داخل ہوگئی''۔

فاتخذ سبيله في البحر سربا وكان لموسى وفتاه عجبا

سو مچھلی نے سمندر میں سرنگ بنا کر اپنی راہ لی اور یہ سرنگ موسی اور ان کے خادم کے لئے تعجب کا سبب بنی۔

کتاب التفسیر کی روایت میں ہے: "وأمسك الله عن الحوت جرية الماء، فصار عليه مثل الطاق"۔ (۲) ''اللہ تعالی نے مچھلی سے پانی کے بہاؤ کو روک لیا اور وہ اس کے لئے طاقچہ بن گیا''۔

حضرت یوشع نے جب یہ کیفیت دیکھی تو انہیں بہت تعجب ہوا، بعد میں حضرت موسی علیہ السلام کو جب اس کیفیت کا علم ہوا اور واپس آنے کے بعد وہ جگہ دیکھی تو انہیں بھی بہت تعجب ہوا۔

فانطلقا بقية ليلتهما ويومهما

وہ دونوں بقیہ رات اور دن بھر چلے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ دراصل "بقية يومهما وليلتهما" ہے، یہاں قلب واقع ہوا ہے، چنانچہ کتاب التفسیر کی روایت میں درست طور پر آیا ہے (۳)۔

---

(۱) صحيح البخاري (ج۲ص ۶۹۰) كتاب التفسير، باب: ﴿فلما جاوزا قال لفتاه: آتنا غداءنا ... ﴾، رقم (۴۷۲۷)۔

(۲) صحيح البخاري (ج۲ص۶۸۷) كتاب التفسير، باب: ﴿وإذ قال موسى لفتاه: لا أبرح حتى أبلغ مجمع البحرين أو أمضي حقبا ﴾ رقم (۴۷۲۵)۔

(۳) حوالہ بالا۔

اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد "فلما أصبح" آیا ہے اور "إصباح" رات کے بعد ہوتا ہے، نہ کہ دن کے بعد۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ہوسکتا ہے "فلما أصبح" کے معنی ہوں: "اس رات کی صبح ہوئی جو اس دن کے بعد آتی ہے جس دن کا یہاں تذکرہ ہے"۔ مطلب یہ ہوا کہ بقیہ رات چلتے رہے، پھر دن بھر چلے اور اس کے بعد جو رات آئی اس میں بھی چلنا ہوا اور پھر صبح ہوئی۔(۲)

لیکن اقرب وہی ہے جو پہلے کہا گیا، اس لئے کہ اس روایت کے دوسرے طریق میں "یوم" کی تقدیم "لیلة" پر وارد ہے۔

فلما أصبح قال موسى لفتاه: آتنا غداء نا، لقد لقينا من سفرنا هذا نصبا

جب صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا کھانا لاؤ، ہمیں اس سفر کی وجہ سے تھکاوٹ ہورہی ہے۔

جب صخرہ سے آگے چل دیئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگی، اس سے پہلے بھوک اور تھکان کا احساس نہیں ہوا۔

ولم يجد موسى مسّا من النصب حتى جاوز المكان الذي أمر به

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکان کا کچھ بھی اثر محسوس نہیں ہوا، یہاں تک کہ اس جگہ سے تجاوز کر گئے جہاں پہنچنے کا حکم ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں تک تو خدائی طاقت وتائید ان کے ساتھ تھی، اس لئے ان کو تھکان نہیں ہوئی اور اس کے بعد چونکہ منزل سے وہ ہٹ رہے تھے اس لئے تھکاوٹ طاری ہونے لگی، تاکہ بہت زیادہ آگے نہ چلے جائیں۔

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۰)۔

(۲) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۰)۔

فقال له فتاه: أرأيت إذ أوينا إلى الصخرة فإني نسيت الحوت، قال موسىٰ: ذلك ما كنا نبغي

ان کے خادم نے عرض کیا، بھلا میں آپ کو بتاؤں! جب چٹان کے پاس پہنچے تھے تو مچھلی نکل بھاگی اور میں اس کا ذکر کرنا بھول گیا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہی تو ہم تلاش کررہے تھے۔

فارتدا على آثارهما قصصا

سو دونوں کھوج لگاتے ہوئے اپنے پاؤں کے نشانوں پر لوٹے۔

فلما انتهيا إلى الصخرة إذا رجل مسجى بثوب أو قال: تسجى بثوبه

جب وہ دونوں چٹان کے پاس پہنچے تو اچانک ایک شخص ملا جو ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھا، یا اس شخص نے کپڑا اوڑھ رکھا تھا۔

یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں، ان کے تفصیلی حالات اور ان سے متعلقہ مباحث ہم پیچھے "باب ما ذكر في ذهاب موسى ...." کے تحت لکھ چکے ہیں۔

علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو "وھــــم" قرار دیا ہے، اس کی بنیاد یہ ہے کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو چٹان کے پاس نہیں، بلکہ "جزیرہ" میں پایا تھا، جبکہ اس روایت میں مذکور ہے کہ چٹان کے پاس پہنچ کر ان سے ملاقات ہوگئی۔(۱)

لیکن "وھــم" قرار دینے کی ضرورت نہیں، دونوں رواتیوں کو جمع کرسکتے ہیں کہ پہلے وہ چٹان تک پہنچے، اس کے بعد تتبع وتلاش کے بعد وہ جزیرہ میں مل گئے۔(۲)

چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے "فأراه مكان الحوت، قال: ههنا وُصف لي، فذهب

(۱) فتح الباری (ج۸ص ۴۱۷) کتاب التفسیر، باب ﴿فلما بلغا مجمع بینهما﴾۔

(۲) حوالہ بالا۔

يلتمس فإذا هو بالخضر مسجّى ثوبا"۔(۱)

فسلم موسى

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا۔

فقال الخضر: وأنى بأرضك السلام؟

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری اس سرزمین پر سلام کیسے؟ اور کہاں سے؟

''أنی'' "کیف" کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ کتاب التفسیر کی روایت میں ہے "هل بأرضي من سلام؟"(۲) کیا میری اس سرزمین میں بھی سلام ہے؟

اور یہ "من أين" کے معنی میں بھی ممکن ہے کہ یہاں سلام کہاں سے آیا؟ گویا اس سرزمین میں یا تو بلاد کفر ہونے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ وہاں تحیہ وسلام کا کوئی دوسرا طریقہ مروج ہوگا، انہوں نے سوال کیا کہ یہاں سلام کہاں سے وارد ہوگیا؟ (۳)

مسلم شریف کی روایت میں ہے ''فكشف الثوب عن وجهه قال: وعليكم السلام"۔(۴)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا۔ دونوں روایتوں میں تطبیق یوں دی جائے گی کہ حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے سلام کا جواب دیا، پھر تعجب سے پوچھا ''أنى بأرضك السلام؟"۔(۵)

فقال: أنا موسى

---

(۱) صحيح مسلم كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر، رقم (٦١٦٥)۔

(۲) صحيح البخاري (ج٢ ص٦٨٩) كتاب التفسير، باب: ﴿فلما بلغا مجمع بينهما...﴾، رقم (٤٧٢٦)۔

(۳) دیکھئے فتح الباري (ج١ ص٢٢٠)۔

(٤) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر، رقم (٦١٦٥)۔

(٥) فتح الباري (ج٨ ص٤١٧) كتاب التفسير، باب ﴿فلما بلغا مجمع بينهما...﴾۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔

کتاب التفسیر کی روایت میں ہے "من أنت" قال: أنا موسی"۔(۱) گویا "أنا موسی" حضرت خضر علیہ السلام کے سوال کے جواب میں کہا گیا ہے۔

فقال: موسیٰ بنی إسرائیل؟ قال: نعم

انہوں نے پوچھا کہ بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ فرمایا کہ ہاں!

صحیح مسلم میں ابواسحاق کی روایت میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے "أنا موسی" فرمایا تو حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا "ومن موسی؟ قال: موسی بني إسرائیل"۔(۲)

البتہ عبد بن حمید کی روایت سے یہاں اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے "السلام علیك یا خضر" کہہ کر سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا "وعلیك السلام یا موسیٰ" گویا شروع ہی سے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہچان چکے تھے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا "وما یدریك أني موسی؟" کہ "آپ کو کس نے بتایا کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) ہوں؟!" انہوں نے جواب دیا "أدراني بك الذي أدراك بي" "مجھے آپ کے بارے میں انہوں نے بتایا جنہوں نے آپ کو میرے بارے میں بتایا۔(۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "من أنت؟" اور "موسی بني اسرائیل؟" کہہ کر سوال کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیحین کی روایت کے مقابلہ میں عبد بن حمید والی روایت کا ثبوت مشکوک ہے۔(۴) واللہ أعلم

قال: هل أتبعك علی أن تعلمني مما علمت رشداً

(۱) صحیح البخاري (ج۲ص۶۸۹) کتاب التفسیر، باب: ﴿فلما بلغا مجمع بینهما﴾، رقم (۴۷۲۶)۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر، رقم (۶۱۶۵)۔

(۳) فتح الباري (ج۸ص۴۱۷) کتاب التفسیر، باب: ﴿فلما بلغا مجمع بینهما﴾۔

(۴) حوالۂ بالا۔

فرمایا کہ کیا میں آپ کے پیچھے چلوں کہ اللہ تعالی کی طرف سے آپ کو جو علم و ہدایت اور دین سکھایا گیا ہے اس میں سے آپ مجھے سکھادیں؟

"رُشد" (بضم الراء وسکون الشین المعجمة) اور "رَشَد" (بفتحتین) دونوں طرح پڑھا گیا ہے،(۱) اکثر علماء کے نزدیک یہ دونوں ہم معنی ہیں۔(۲)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ بفتحتین "دین" کے معنی میں ہے اور "رُشد" (بضم فسکون) صلاح نظر یعنی ہدایت کو کہتے ہیں۔(۳)

پھر "رشداً" "تعلمني" کا مفعول ثانی ہے، اس لئے منصوب ہے۔ "عُلمت" کا مفعول ثانی بنانا بعد ہے۔(۴)

قال: إنك لن تستطيع معي صبراً

فرمایا کہ اے موسیٰ! آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر پائیں گے۔

یا موسی! إني على علم من علم الله علمنيه لا تعلمه أنت، وأنت على علم علمكه لا أعلمه

اے موسیٰ! میں اللہ تعالیٰ کے علوم میں سے ایک مخصوص علم میں ہوں، جو مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے، آپ اسے نہیں جانتے اور آپ ایک مخصوص علم پر ہیں، جو اس نے آپ کو سکھایا ہے، اسے میں نہیں جانتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس علومِ تشریعیہ تھے اور حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علوم تکوینیہ۔

اور یہ جو فرمایا "لاتعلمه أنت" اور "لا أعلمه" اس کا مطلب یہ ہے کہ کلی طور پر نہ آپ میرے علوم سے

(۱) فتح الباري (ج۸ص۴۱۷و۴۱۸)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) فتح الباري (ج۸ص۴۱۸)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

واقف ہیں اور نہ میں آپ کے علوم سے واقف ہوں۔

ظاہر یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کو بعض "کونیات" کا علم ہوگا اور حضرت خضر علیہ السلام کو شریعت کا اتنا علم تو ہوگا ہی کہ جس کی روشنی میں وہ اپنے اعتقاد کو صحیح رکھیں اور عمل کرتے رہیں۔(۱)

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام پر جو نکیر فرمائی تھی اس میں حضرت خضر علیہ السلام کو "أعلم" قرار دیا گیا تھا، چنانچہ فرمایا "أن عبدا من عبادي بمجمع البحرين هو أعلم منك" (كما في حديث الباب) یعنی ایک بندہ مجمع البحرین میں رہتا ہے وہ تم سے زیادہ علم والا ہے۔

"أعلم" اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اسم تفضیل اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ مفضل اور مفضل علیہ نفس فعل میں شریک ہوں، لہذا اب یہ مطلب نکلا کہ موسی اور خضر علیہما السلام دونوں "علم" میں مشترک ہیں اور جب دونوں کے علم کی نوعیت تشریعی اور تکوینی کے اعتبار سے مختلف ہوگئی تو پھر اشتراک کہاں پایا گیا؟! لہذا "أعلم" کہنا کیسے صحیح ہوا؟!

اس اشکال کا جواب وہی ہے جس کی طرف ابھی اشارہ ہوا کہ فی الجملہ دونوں عقائد واعمال کے علوم میں متحد تھے، حضرت موسی علیہ السلام اگر ایک علم میں زبردست ماہر تھے تو حضرت خضر علیہ السلام بقدرِ ضرورت اس سے واقف تھے، اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کو کونیات کا علم زیادہ حاصل تھا، جبکہ کچھ نہ کچھ تکوینیات کا علم حضرت موسی علیہ السلام کو بھی تھا، گویا نفس علم شریعت وعلمِ کونیات میں فی الجملہ دونوں شریک ہیں، اس کے بعد علومِ کونیہ میں حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسی علیہ السلام پر تفوق حاصل ہے، لہذا حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسی علیہ السلام کے مقابلہ میں "أعلم" کہنے میں کوئی اشکال نہیں اور نہ دونوں میں تعارض ہے۔ واللہ أعلم۔

---

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۸ ص ۴۱۸)۔

قال: ستجدني إن شاء الله صابراً ولا أعصي لك أمراً

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ مجھے ان شاء اللہ صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی سرتابی نہیں کروں گا۔

فانطلقا يمشيان علىٰ ساحل البحر، ليس لهما سفينة، فمرّت بهما سفينة، فكلموهم أن يحملوهما، فعُرف الخضر فحملوهما بغير نول۔

سو وہ دونوں دریا کے کنارے چل پڑے، ان کے پاس کوئی کشتی نہیں تھی، چنانچہ ان کے پاس سے ایک کشتی گذری، انہوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ ہمیں سوار کرلو، حضرت خضر علیہ السلام پہچانے گئے تو انہوں نے ان دونوں کو بغیر کسی معاوضہ کے سوار کرلیا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے اول تو معذرت کی کہ آپ میرے ساتھ نہیں چل سکتے، کیونکہ میرے معاملات تکوینیات سے متعلق ہیں، ظاہر شریعت کے اعتبار سے وہ قابل اعتراض ہیں اور آپ کسی ظاہری برائی اور منکر کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر مکمل اتباع اور کسی مرحلہ پر تنقید و اعتراض نہ کرنے کا عہد کرلیا تو انہوں نے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دی۔

اس کے بعد ساحل دریا پر چلتے رہے، ان کے پاس اپنی کوئی کشتی تھی نہیں کہ اس میں سوار ہوتے، اتنے میں ایک کشتی آ گئی، کشتی والوں سے ان کی بات چیت چلی، انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا تو بغیر کسی معاوضہ اور اجرت کے ان کو بٹھالیا۔

فجاء عصفور فوقع على حرف السفينة، فنقر نقرة أو نقرتين في البحر

ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر آ کر بیٹھ گئی، اس نے دریا میں ایک دو مرتبہ چونچ ماری۔

"عصفور" چھوٹے پرندہ کو کہتے ہیں۔

اس سے مراد بعض حضرات نے "صرد" نامی پرندہ کہا ہے(۱)، جسے اردو میں "لٹورا" کہتے ہیں (۲)۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ "خطاف" یعنی چمگادڑ تھی۔ (۳) واللہ أعلم

فقال الخضر: یا موسی، ما نقص علمي وعلمك من علم اللّٰہ إلا کنقرة هذا العصفور في البحر

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ! میرے اور آپ کے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم میں سے صرف اتنا ہی لیا ہے جتنا کہ اس چڑیا نے سمندر میں سے لیا۔

یہاں لفظ وارد ہے "نقص" جس کے معنی کم کرنے کے ہوتے ہیں، لہذا اب مطلب ہوگا کہ میرے اور آپ کے دونوں کے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم میں سے اتنا ہی کم کیا ہے جتنا کہ اس چڑیا نے سمندر کے پانی میں سے کیا ہے۔

جبکہ یہ بات مسلّم ہے کہ اللہ جل شانہ کا علم غیر متناہی ہے، متناہی کی اس سے کوئی نسبت ہی نہیں، لہذا اس میں نقص کا کیا سوال ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے شارحین نے لکھا ہے کہ یہاں "نقص" اپنے ظاہری معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی "اخذ" کے ہیں، لہذا اب مطلب ہوگا "ما أخذ علمي وعلمك من علم اللّٰہ إلا کنقرة هذا العصفور من البحر" ۔ کہ میرے اور آپ کے یعنی دونوں کے علم نے مل کر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں سے لیا ہے اس کی نسبت اتنی ہی ہے جتنی اس پرندے کی چونچ میں موجود پانی کی نسبت سمندر کے ساتھ ہے۔ (۴)

بعض علماء لکھتے ہیں کہ یہاں "علم" بمعنی "معلوم" ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی معلومات اور ہماری معلومات میں بس یہی نسبت ہے جو کسی قطرے کو سمندر کے ساتھ ہے۔ (۵)

---

(۱) فتح الباری (ج۱ص۲۲۰)۔

(۲) دیکھئے مصباح اللغات (ص۷۶٤)۔

(۳) فتح الباری (ج۱ص۲۲۰)۔

(٤) فتح الباری (ج۱ص۲۲۰)۔

(۵) حوالہ بالا۔

بعض حضرات نے کہا ہے اس میں "إلا"، "ولا" کے معنی میں ہے، گویا اب تقدیر ہوگی "ما نقص علمي وعلمك من علم الله ولا كنقرة هذا العصفور". میرے اور تیرے علم نے خدا کے علم میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا حتی کہ اس چڑیا کی چونچ کے پانی کے بقدر بھی کم نہیں کیا۔(۱)

امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ طرز تعبیر مبالغۃ نفی مطلق کے لئے ہے، یعنی چڑیا یا پرندے نے سمندر میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کی، اسی طرح میرے اور تمہارے علم نے بھی اللہ تعالی کے علم میں کوئی کمی نہیں کی اور یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔

ولا عيب فيهم غير أن سيوفهم بهن فلول من قراع الكتائب

(یعنی ان میں کوئی عیب نہیں سوائے اس عیب کے کہ ان کی تلواروں میں دشمنوں کے لشکر کے ساتھ مقابلہ کی وجہ سے دندانے پڑے ہوئے ہیں۔)

اس شعر میں بتانا یہی مقصود ہے کہ ان ممدوحین میں کوئی عیب نہیں، اس طرح یہاں بھی اللہ جل شانہ کے علم میں کسی قسم کا نقص نہ ہونا بیان کرنا مقصود ہے۔(۲)

کتاب التفسیر میں یہ مفہوم بہت واضح طور پر آیا ہے، چنانچہ فرمایا "والله، ما علمي وما علمك في جنب علم الله، إلا كما أخذ هذا الطائر بمنقاره من البحر"۔ (۳)

"بخدا! میرا اور تمہارا علم اللہ تعالی کے علم کی نسبت سے بس ایسا ہی ہے جیسے اس پرندے نے سمندر سے اپنی چونچ کے ذریعہ پانی لیا ہو"۔

فعمد الخضر إلى لوح من ألواح السفينة فنزعه

حضرت خضر علیہ السلام کشتی کی تختیوں میں سے ایک تختی کی طرف گئے اور اسے اکھاڑ ڈالا۔

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) فتح الباری (ج۱ص۲۲۰)۔

(۳) صحیح البخاری (ج۲ص۶۸۹) كتاب التفسير باب: ﴿فلما بلغا مجمع بينهما﴾، رقم (۴۷۲۶)۔

فقال موسى: قوم حملونا بغير نول عمدت إلى سفينتهم فخرقتها لتغرق أهلها!

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان لوگوں نے ہمیں بغیر اجرت کے سوار کرلیا اور آپ ہیں کہ ان کی کشتی کی طرف جا کر اسے پھاڑ دیا، تاکہ کشتی والوں کو غرق کردیں!

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر ذرا سخت کلمات بھی کہے، ربیع بن انس کی روایت میں ہے:

"أن موسى لما رأى ذلك امتلأ غضبا وشد ثيابه، وقال: أردت إهلاكهم، ستعلم أنك أول هالك"۔ (۱)

یعنی ''حضرت موسیٰ علیہ السلام غصہ سے بھر گئے اور اپنی آستینیں چڑھالیں اور کہا کہ آپ ان لوگوں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں، آپ کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ سب سے پہلے آپ خود ہلاک ہوں گے''۔

قال: ألم أقل لك: إنك لن تستطيع معي صبرا؟

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس موقع پر تنبہ ہوا کہ میں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے، فوراً انہوں نے معذرت کی۔

قال: لاتؤاخذني بما نسيت

عرض کیا کہ آپ میری بھول پر مؤاخذہ نہ فرمائیے۔

فكانت الأولىٰ من موسىٰ نسيانا

---

(۱) فتح الباري (ج۸ص۴۱۹)، كتاب التفسير، باب: ﴿فلما بلغا مجمع بينهما...﴾۔

پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اعتراض بھولے سے ہی تھا۔

کتاب التفسیر کی روایت میں ہے "كانت الأولى نسياناً، والوسطى شرطاً، والثالثة عمداً"۔ (۱)

"پہلی مرتبہ اعتراض بھولے سے تھا، دوسری مرتبہ شرط لگا کر کہا تھا ﴿إن سألتك عن شيء بعدها فلا تصاحبني﴾ (۲) کہ "اگر اب کے اعتراض کروں تو آپ اپنے ساتھ مجھے نہ رکھیں" اور تیسری مرتبہ عمداً اور قصداً تھا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک مرفوع روایت میں ہے "الأولى نسيان، والثانية عذر، والثالثة فراق"۔ (۳) "پہلی دفعہ بھولے سے اعتراض کیا، دوسری دفعہ عذر پیش کیا اور تیسری دفعہ میں فراق ہو گیا"۔

البتہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فراء رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ "ولم ينس موسى ولكنه من معاريض الكلام"۔ (٤) یعنی "حضرت موسیٰ علیہ السلام بھولے تو نہ تھے، البتہ یہ اشاروں، کنایوں اور توریہ کے قبیل سے تھا"۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے، اس لئے اصل اعتماد پہلی روایات پر ہے، اگر یہ بات درست ہوتی تو حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے دوسرے تیسرے موقع پر معاریض کلام سے کام کیوں نہیں لیا؟!۔ (۵)

فانطلقا، فإذا غلام يلعب مع الغلمان، فأخذ الخضر برأسه من أعلاه فاقتلع رأسه بيده

پھر دونوں چلے، اچانک ایک لڑکا ملا، جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے اس کے سر کو اوپر سے پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کے سر کو بدن سے جدا کر دیا۔

عبد بن حمید نے ابن جریج کی روایت نقل کی ہے، جس میں ہے:

---

(١) صحيح البخاري (ج٢ص٦٨٩) كتاب التفسير، باب: فلما بلغا مجمع بينهما ... رقم (٤٧٢٦)۔

(٢) الكهف (٧٦)۔

(٣) رواه ابن مردويه من طريق عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما، فتح الباري (ج٨ص٤١٩)۔

(٤) فتح الباري (ج٨ص٤١٩)۔

(٥) حوالہ بالا۔

"فأضجعه ثم ذبحه بالسكين"۔(۱) کہ "اس کولٹایا اور پھر چھری سے ذبح کر دیا"۔

اسی طرح طبری کی ایک روایت میں ہے "فأخذ صخرة فثلغ رأسه(۲)"۔ یعنی "انہوں نے ایک پتھر لیا اور اس سے اس کے سر کو پچکا دیا"۔

ان میں سے یہ آخری روایت کمزور ہے(۳)، اگرچہ ان تینوں میں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ اول پتھر مار کر سر کو پچکا دیا، پھر چاقو یا چھری سے اس کی گردن کاٹ ڈالی، کوئی کھال وغیرہ اٹک گئی ہوگی، پھر اس کو انہوں نے ہاتھ سے کھینچ کر جسم سے الگ کر دیا۔(۴) واللہ اعلم۔

کتاب التفسیر کی روایت میں ہے "فأخذ غلاما كافرا ظريفا"۔(۵)

اسی طرح صحیح مسلم وغیرہ کی ایک روایت میں ہے "وأما الغلام فطبع يوم طبع كافرا"۔(۶)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ لڑکا فی الحال کافر ہو گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر زندہ رہا تو کافر ہو جائے گا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، حدیث میں ہے "كل مولود يولد على الفطرة ..."۔(۷) کہ "ہر بچہ فطرت دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے" جبکہ اس بچے کے بارے میں حدیث میں تصریح آگئی کہ یہ بچہ کافر مطبوع ہوا ہے۔

---

(۱) [illegible] (ج۸ص۴۱۹)۔

(۲) [illegible]۔

(۳) فتح [illegible] (ج۸ص۴۱۹)۔

(۴) [illegible] (ج۸ص۴۱۹)۔

(۵) صحیح بخاری (ج۲ص۶۸۴) کتاب [illegible] رقم (۴۷۲۶)۔

(۶) صحیح مسلم، کتاب [illegible] رقم (۲۶۶۱)، ومسند احمد (ج۵ص۱۲۱) رقم (۲۱۴۳۵) [illegible] (ج۴ص۲۳۱)۔

(۷) صحیح البخاری (ج۱ص۱۸۵) کتاب [illegible] رقم (۱۳۸۵)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلام ان میں سے مستثنیٰ ہے، یا یہ کہا جائے کہ ''فطرت'' سے مراد استعداد اسلام ہے، یعنی ہر ایک میں اسلام قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد رکھی ہوئی ہے، لیکن یہ اس صلاحیت کو صحیح استعمال کے بجائے غلط استعمال کر کے کافر بنے گا۔ واللہ أعلم

فقال موسیٰ: أقتلت نفسا زكية بغير نفس؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ جان کا ناحق خون کر دیا؟!

قال: ألم أقل لك إنك لن تستطيع معي صبراً؟

کہا کہ میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟!

قال ابن عيينة: هذا أوكد

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلے کلام سے زیادہ سخت ہے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام شرما گئے اور کہا کہ ﴿إن سألتك عن شيء بعدها فلا تصاحبني﴾ (۱) ''اب آئندہ اگر کسی چیز کے بارے میں کوئی اعتراض کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ رہنے نہ دیں''۔

فانطلقا، حتى إذا أتيا أهل قرية استطعما أهلها فأبوا أن يضيفوهما

وہ دونوں آگے چلے، یہاں تک کہ جب وہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے تو ان سے کھانا طلب کیا، انہوں نے ان دونوں کی مہمانداری سے انکار کیا۔

فوجدا فيها جداراً يريد أن ينقض فأقامه، قال الخضر بيده فأقامه

پھر دونوں نے دیکھا کہ گاؤں میں ایک دیوار ہے جو گرا ہی چاہتی ہے، سو اُسے سیدھا کر دیا، یعنی خضر نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اسے سیدھا کر دیا۔

(۱) كما في رواية سعيد بن جبير عند ابن مردويه، انظر فتح الباري (ج۸ص۴۲۰)۔

فقال له موسى: لو شئت لاتخذت عليه أجرًا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام پر اجرت لے لیتے۔
ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"إنا دخلنا هذه القرية، فلم يضيفونا، ولم يطعمونا، لو شئت لاتخذت عليه أجرا"۔(۱)

یعنی "ہم اس بستی میں داخل ہوئے ان لوگوں نے نہ تو ہمیں مہمان رکھا اور نہ ہی کھانے کو کچھ دیا، اس کے مقابلے میں اگر آپ چاہتے تو اس کام پر اجرت لے سکتے تھے!"۔

قال: هذا فراق بيني وبينك

فرمایا کہ یہ میری اور تمہاری جدائی کی گھڑی ہے۔

قرآن کریم میں (۲) نیز اس حدیث کے دوسرے طرق میں اس کے بعد تفصیل موجود ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جدا ہونے سے پہلے ان واقعات کے پوشیدہ اسرار بیان کئے۔(۳)

قال النبي صلى الله عليه وسلم: يرحم الله موسى، لوددنا لو صبر حتى يقص علينا من أمرهما

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، ہماری خواہش تھی کہ کاش وہ صبر کرتے تو ان کے اور حالات بھی ہم سے بیان کئے جاتے۔

---

(۱) صحيح البخاري (ج۲ص۶۹۰) كتاب التفسير، باب [illegible] رقم (۴۷۲۷)۔

(۲) دیکھئے سورۃ الکہف از آیت ۷۹ تا ۸۲۔

(۳) دیکھئے صحيح البخاري (ج۲ص۶۸۷-۶۹۰)، كتاب التفسير، رقم (۴۷۲۵-۴۷۲۷)، وصحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر، رقم (۶۱۶۳-۶۱۶۸)

قال محمد بن یوسف: ثنا به علي بن خشرم، قال: ثنا سفیان بن عیینة بطوله

محمد بن یوسف فربری کہتے ہیں کہ علی بن خشرم نے ہمیں یہ حدیث سنائی، انہوں نے کہا کہ سفیان بن عیینہ نے ہمیں یہ پوری حدیث بیان کی۔

یہ عبارت بعض نسخوں میں ہے اور اکثر میں نہیں ہے، محمد بن یوسف فربری رحمۃ اللہ علیہ جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، وہ اپنے علو اسناد کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ روایت امام بخاری عبداللہ بن محمد مسندی عن ابن عیینہ نقل کرتے ہیں، جبکہ مجھے یہ روایت علی بن خشرم عن ابن عیینہ کے طریق سے حاصل ہے، اس طرح گویا فربری امام بخاری کے برابر ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

کیا حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تھے؟

بعض جاہلوں کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں حضرت خضر علیہ السلام افضل تھے اور یہ قصہ اس کی دلیل اور شاہد ہے۔

لیکن اس بات کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو رسالت، کلام اور تورات کے ساتھ مختص فرمایا، پھر ان کی شریعت میں تمام انبیاء بنی اسرائیل شامل اور داخل رہے۔ ان دلائل کی طرف نظر کرتے ہوئے کوئی بھی عقل مند شخص یہ بات نہیں کہہ سکتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ یٰمُوسیٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِي وَبِكَلَامِي ﴾۔ (۱)

جبکہ حضرت خضر علیہ السلام اگر نبی تھے تو اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول نہیں تھے اور یہ بات معلوم و مسلّم ہے کہ رسول افضل ہوتا ہے اس شخص کے مقابلہ میں جو محض نبی ہو۔

اور علی سبیل التنزل اگر مان بھی لیں کہ حضرت خضر علیہ السلام رسول تھے، تب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت بڑی اور آپ کی امت کثیر اور افضل تھی۔

(۱) الأعراف: ۱۴۴

اور اگر حضرت خضر علیہ السلام ولی ہوں، نبی نہ ہوں تب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی افضلیت واضح اور بیّن ہے۔(۱)

کیا احکام شریعت کو نظر انداز کرنے کی گنجائش ہے؟

مذکورہ واقعہ سے بعض زنادقہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ عام احکام شریعت کا تعلق عوام اور غبی لوگوں سے ہے، جبکہ اولیاء اور خواص امت کو نصوص اور ظاہر شریعت کی ضرورت نہیں، بلکہ ان کے لئے تو حکم یہ ہے کہ جس بات کی طرف ان کا دل مائل ہو جائے وہی کریں، کیونکہ ان کے دل کدورتوں اور آلودگیوں سے پاک ہیں، اس لئے ان دلوں پر علوم الہیہ اور حقائق ربانیہ کا ورود ہوتا ہے، اس طرح وہ کائنات کے اسرار سے بھی واقف ہوتے ہیں اور جزئی احکام بھی جانتے ہیں، اس لئے شریعت کے کلی احکامات کی انہیں چنداں حاجت نہیں رہتی، جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ انہیں جو علوم حاصل تھے ان کی بنیاد پر وہ احکام شرعیہ ظاہرہ سے مستغنی ہو گئے تھے، انہوں نے اپنی تائید کے واسطے مشہور حدیث "استفت قلبك واستفت نفسك ثلاث مرات ... وإن أفتاك الناس وأفتوك" (۲) سے بھی تمسک کیا ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نظریہ محض کفر اور زندقہ ہے، کیونکہ اس کی آڑ میں یقینی شریعت کا انکار مقصود ہے، کیونکہ اللہ جل شانہ نے طریقہ اور سنت یہ مقرر کی ہے کہ احکام خداوندی پر مطلع ہونا بغیر حضرات رسل وانبیاء کے واسطے کے ممکن نہیں اور اللہ جل شانہ نے ان حضرات انبیاء ورسل کی اطاعت کا حکم دیا اور اسی کو ہدایت کا راستہ بتایا، اس بات پر سلف کا اجماع بھی ہے۔

اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام ورسل عظام اوامر ونواہی کے جن طریقوں کو لے کر آئے ہیں ان کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے، جس سے حضرات انبیاء کے راستے سے استغناء ہو جائے تو ایسا شخص کافر ہے۔

---

(۱) دیکھئے صحیح بخاری (ج۱ ص۲۲۱)۔

(۲) مسند أحمد (ج٤ ص٢٢٨) أحاديث وابصة بن معبد رضي الله عنه، رقم (١٨١٦٩)۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کا دعویٰ عین دعوائے نبوت ہے، گویا حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ شخص اپنے لئے نبوت ثابت کرنا چاہتا ہے، کیونکہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں اپنے دل سے فتویٰ لیتا ہوں اور یہی حکم خداوندی ہے، تو اب اسے نہ کتاب کی ضرورت اور نہ سنت کی حاجت ہے، گویا وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دعویٰ کر رہا ہے "إن روح القدس نفث في روعي" (۱) اور ظاہر ہے کہ یہ محض زندقہ اور کفر ہے (۲)۔

قصۂ موسیٰ وخضر علیہما السلام سے مستنبط چند فوائد

حضرت موسیٰ وخضر علیہما الصلوۃ والسلام کے اس قصہ سے بہت سے فوائد مستنبط کئے گئے ہیں، چند فوائد یہ ہیں:

(۱) اس قصہ سے معلوم ہوا کہ طالب علم کو عالم کا ادب بہرحال ملحوظ رکھنا چاہیے، ان کے اوپر اعتراضات نہیں کرنے چاہئیں اور اگر ان کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو تاویل کرنی چاہئے۔

(۲) ایک فائدہ یہ معلوم ہوا کہ جب دو مفاسد سامنے آئیں ایک اعظم ہو اور ایک اخف، تو مفسدۂ عظیمہ کو دفع کرنے کے لئے خفیف مفسدہ کا ارتکاب کیا جا سکتا ہے۔

(۳) اسی قصہ سے شریعت کی یہ عظیم اصل بھی سامنے آئی کہ جو کچھ شریعت میں وارد ہے سب کو دل سے تسلیم کرنا چاہئے، خواہ ان میں سے بعض کی حکمتیں ہماری سمجھ میں نہ آئیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہمیں جو شرائع واحکام دیے ہیں وہ بہرحال حجت اور واجب التسلیم ہیں، وہ عقول پر حجت ہیں، عقول ان پر حجت نہیں ہیں کہ ان کی حکمتیں اگر سمجھ میں نہ آئیں تو ان شرائع واحکام کو چھوڑ دیا جائے۔ (۳)

---

(۱) حلية الأولياء لأبي نعيم (ج۱ص۲۷)، ترجمة أحمد بن أبي الحواري، وانظر شعب الإيمان للبيهقي (ج۲ص۶۷) رقم (۱۱۸۵)، و(ج۷ص۲۹۹)، رقم (۱۰۳۷۶)، ومشكاة المصابيح (ج۳ص۱۴۵۸)، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني، رقم (۵۳۰۰)۔

(۲) دیکھئے فتح الباري (ج۱ص۲۲۱و۲۲۲)۔

(۳) فوائد مذکورہ، نیز دیگر فوائد کے لئے دیکھئے عمدة القاري (ج۲ص۱۹۷)۔

۴۵ – باب : مَنْ سَأَلَ ، وَهُوَ قَائِمٌ ، عَالِمًا جَالِسًا .

"وهو قائم" من سأل سے حال ہے اور "عالماً جالساً" سأل کا مفعول بہ ہے۔(۱)

بابِ سابق سے مناسبت

گذشتہ باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام سے سوال کرنا اور علم سیکھنا مذکور ہے، جبکہ اس باب میں بیٹھے ہوئے عالم سے کھڑے ہوئے طالب کا علمی سوال کرنا مذکور ہے، اسی طرح دونوں ابواب میں مناسبت ظاہر ہے۔(۲)

مقصدِ ترجمۃ الباب

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اتباع میں حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ امام بخاری کا مقصود اس باب سے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑے کھڑے بیٹھے ہوئے عالم سے کوئی مسئلہ دریافت کرے تو یہ اس حدیث کی وعید میں داخل نہیں ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"من أحب أن يمثل له الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار"۔ (۳) یعنی" جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے واسطے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے"۔ گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیٹھا ہوا ہو اور اس سے کھڑا ہوا شخص سوال کرے اور عجب سے بھی مامون ہو تو ایسی صورت میں کوئی

---

(۱) عمدة القاري (ج۲ص۱۹۶)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب الرجل يقوم للرجل يعظمه بذلك، رقم (۵۲۲۹)، نیز دیکھئے جامع الترمذي، كتاب الأدب، باب ما جاء في كراهية قيام الرجل للرجل، رقم(۲۷۵۴)۔

حرج نہیں۔(۱)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلے باب گذرا ہے "باب من برك على ركبتيه عند الإمام أو المحدث" اس سے معلوم ہوا کہ محدث کے سامنے تواضع اور ادب واطمینان سے بیٹھنا مناسب ہے، اب یہ بتلانا ہے کہ عندالحاجۃ کھڑے ہونے کی حالت میں بھی سوال کرسکتا ہے، جلوس ضروری اور لازمی نہیں۔(۲)

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ترجمہ میں دو چیزیں ہیں ایک جلوس عالم اور قیام سائل۔

حافظ وغیرہ نے غرض بیان کرتے ہوئے جلوس عالم پر نظر کی ہے۔جبکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے غرض بیان کرتے ہوئے قیام سائل پر نظر کی ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس حالت میں سوال سوء ادب سمجھا جاتا ہے، اس توہم کو دور کرنے کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ قائم فرمایا ہے، کیونکہ قاعدہ ہے "الضرورات تبيح المحظورات"۔(۳)

یہ بھی عین ممکن ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب سے اس بات پر تنبیہ کی ہو کہ اگر بضرورت طالب علم کھڑا ہوکر عالم سے علم حاصل کرے اور عالم بیٹھا ہوا ہو تو یہ مباح اور جائز ہے، بعض سلف کھڑے کھڑے علم حاصل کرنے کو ناپسند کرتے تھے، ان پر رد کیا ہے، چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا "لم لم تكتب عن عمرو بن دينار؟" آپ نے عمرو بن دینار سے حدیثیں کیوں نہیں لکھیں؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: "أتيته والناس يكتبون عنه قياما، فأجللت حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أكتبه وأنا قائم"۔(۴)

---

(۱) [illegible] (ص۱/۶۴، ۶۵)، وفتح الباري (ج۱ص۲۲۲)، وعمدة القاري (ج۲ص۱۹۶)۔

(۲) الأبواب والتراجم (ص۵۷)۔

(۳) لامع الدراري (ج۲ص۳۷۹)۔

(۴) الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع (ص۲۲۵)، باب إصلاح المحدث هيئته ... الأحوال التي يكره التحدث فيها، رقم (۹۷۹)۔

یعنی ''میں جبکہ ان کے پاس آیا تو دیکھا کہ لوگ کھڑے کھڑے ان سے حدیثیں لکھ رہے ہیں، مجھے حدیث پاک کے احترام کے خلاف محسوس ہوا کہ میں کھڑے کھڑے لکھوں''۔

اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ اپنے حلقے میں حدیثیں بیان کررہے ہیں، امام مالک وہاں سے گذرتے چلے گئے اور فرمایا:

"إني لم أجد موضعا أجلس فيه، فكرهت أن آخذ حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا قائم"۔(۱)

یعنی ''مجھے بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں ملی، اس لئے مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث کھڑے کھڑے حاصل کروں''۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلادیا کہ اس طرح علم حاصل کرنے اور مسئلہ معلوم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگر ضرورت ہو، البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر ادب کا غلبہ تھا، اس لئے اس حالت میں انہوں نے اخذ حدیث کو پسند نہیں فرمایا۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''من سأل ...'' کا لفظ لاکر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہو کہ کھڑے کھڑے سوال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ مستقل طور پر کھڑے کھڑے آدمی کا علم حاصل کرنا مناسب نہیں۔ حدیث سے کھڑے کھڑے عالم سے سوال کرنے کی اجازت نکلتی ہے، لیکن کھڑے کھڑے مستقل علم حاصل کرنے کی اجازت نہیں نکلتی۔

لہذا ممکن ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا رد نہ کیا ہو، بلکہ یہ بتلایا ہو کہ اگر کوئی بضرورت کھڑے کھڑے سوال کرلے اور عالم بیٹھا ہو تو اس میں مضائقہ نہیں ہے، بلکہ جائز ہے۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جو کراہت منقول ہے وہ تو مستقل حدیثیں لکھنے کے سلسلے میں ہے کہ استاد بیٹھ کر بیان کررہا ہو اور سارے لوگ کھڑے کھڑے حدیثیں لکھ رہے ہوں۔ واللہ اعلم۔

(۱) حوالہ بالا، رقم (۹۰۱)۔

۱۲۳ : حدَّثنا عُثْمَانُ قَالَ : أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوسَىٰ(۱) قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ٱلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، مَا ٱلْقِتَالُ فِي سَبِيلِ ٱللهِ ؟ فَإِنَّ أَحَدَنَا يُقَاتِلُ غَضَبًا ، وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً ، فَرَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ ، قَالَ : وَمَا رَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا ، فَقَالَ : (مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ ٱللهِ هِيَ ٱلْعُلْيَا ، فَهُوَ فِي سَبِيلِ ٱللهِ عَزَّ وَجَلَّ) . [۲٦٥٥ ، ۲۹٥۸ ، ۷۰۲۰]

تراجم رجال

(۱) عثمان

یہ مشہور محدث عثمان بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) جریر

یہ جریر بن عبدالحمید بن قرط ضبی رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة" کے تحت گذر چکے ہیں (۳)

(۱) قوله: "عن أبي موسى": الحديث، أخرجه البخاري أيضا في صحيحه (ج۱ص۳۹٤)، كتاب الجهاد والسير، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، رقم (۲۸۱۰)، و(ج۱ص٤٤۰) كتاب فرض الخمس، باب من قاتل للمغنم، هل ينقص من أجره؟ رقم (۳۱۲٦)، و(ج۲ص۱۱۱۱) كتاب التوحيد، باب: ﴿ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين﴾ رقم (۷٤٥۸)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الإمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، فهو في سبيل الله، رقم (٤٩١٩-٤٩٢۲)، والنسائي في سننه، في كتاب الجهاد، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، رقم (۳۱۳۸)، وأبو داود في سننه، في كتاب الجهاد، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، رقم (۲٥۱۷)، والترمذي في جامعه، في كتاب فضائل الجهاد، باب ما جاء فيمن يقاتل رياء وللدنيا، رقم (۱٦٤٦)، وابن ماجه في سننه، في كتاب الجهاد، باب النية في القتال، رقم (۲۷۸۳)۔

(۲) كشف الباري (ج۳ص۲۲۹)۔

(۳) كشف الباري (ج۳ص۲۳۰)۔

(۳) منصور

یہ مشہور محدث ابوعتاب منصور بن المعتمر السلمی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب العلم، "باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة" کے تحت گذر چکے ہیں (۱)۔

(۴) ابووائل

یہ ابووائل شقیق بن مسلم اسدی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله وهو لا يشعر" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۲)

(۵) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب أي الإسلام أفضل" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۳)

قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم

ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔

"رجل مبهم" سے کون مراد ہے؟

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے قال أعرابي للنبي صلى الله عليه وسلم۔(٤) یہ اعرابی یا "رجل مبهم" کون ہے؟

طبرانی کی ایک روایت میں ہے "عن أبي موسى أنه قال: يارسول الله......(٥)" اس سے معلوم

(١) كشف الباري (ج٣ص٢٣٢)۔

(٢) كشف الباري (ج٢ص ٥٥٩)۔

(٣) كشف الباري (ج٢ص٦٩٠)۔

(٤) صحيح البخاري (ج١ص٤٤٠) كتاب فرض الخمس، باب من قاتل للمغنم هل ينقص من أجره؟ رقم(٣١٢٦)

(٥) فتح الباري (ج١ص٢٨) كتاب الجهاد، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا۔

ہوتا ہے کہ سائل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ''وھــــم'' ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ اشعری اگرچہ اپنا نام مبہم رکھ کر روایت تو کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات بہت بعید ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ''اعرابی'' کہا ہو۔(۱)

اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے ''أنــه قــال: یــا رسول اللّٰه، کل بني سلمة یقاتل، فمنهم من یقاتل ریاء......''۔ (۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کو ''أعــرابی'' قرار دینا ممکن نہیں، اس لئے یا تو یہ کہا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اگر ثابت ہو تو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے گا۔(۳)

البتہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہاں ''رجـل مبهم'' یا ''أعـرابی'' سے حضرت لاحق بن ضمیرہ رضی اللہ عنہ ہو سکتے ہیں، جن کی روایت ابوموسیٰ المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الصحابہ میں نقل کی ہے ''وفـدت عـلـی الـنبی صلی اللّٰه علیه وسلم، فسألته عن الرجل یلتمس الأجر والذکر، فقال: لاشيء له(٤)''۔ واضح رہے کہ اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے(۵) واللہ اعلم۔

فقال: یا رسول اللّٰه، ما القتال في سبیل اللّٰه؟ فإن أحدنا یقاتل غضبا، ویقاتل حمیة۔

اس شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! اللہ کے راستے میں لڑنا کون سا لڑنا ہے؟ ہم میں سے کوئی غصہ کی وجہ سے لڑتا ہے اور کوئی غیرت کی وجہ سے لڑتا ہے۔

(١) فتح الباري (ج٦ ص٢٨)۔

(٢) نقله الحافظ عن "فوائد أبي بکر بن أبي الحدید" انظر فتح الباري (ج٦ ص٢٨)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) حوالۂ بالا۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے "الرجل يقاتل للمغنم، والرجل يقاتل للذكر، والرجل يقاتل ليرى مكانه ....." کہ "آدمی غنیمت کے مال کے واسطے لڑتا ہے، آدمی شہرت کے لئے لڑتا ہے اور آدمی ریاکاری اور دکھاوے کے لئے لڑتا ہے"۔

ان دونوں روایتوں کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ قتال کا سبب پانچ چیزیں ہیں غضب، حمیت، غنیمت، شہرت، ریاکاری۔(۱)

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہے کہ غضب کا مآل جلب منفعت ہے اور غیرت اور حمیت کا مآل دفع مضرت۔(۲)

فرفع إليه رأسه

آپ نے اس شخص کی طرف اپنا سر مبارک اٹھایا۔

قال: وما رفع رأسه إلا أنه كان قائما

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ نے سر مبارک اسی لئے اٹھایا تھا کہ وہ شخص کھڑا تھا۔

اس جملہ کے قائل کے بارے میں ظاہر یہی ہے کہ یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہوں گے، اگرچہ یہ احتمال بھی ہے کہ اس کا قائل کوئی اور راوی ہو۔(۳)

یہیں سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ اخذ فرمایا ہے "من سأل وهو قائم عالماً جالساً"۔

فقال: من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله عزوجل

آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے اس بات کے پیش نظر قتال کیا ہو کہ اللہ جل جلالہ کا کلمہ اور اس کا دین ہی

(۱) قاله الحافظ رحمه الله تعالى في الفتح (ج۶ ص۲۸)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالۂ بالا۔

سر بلند ہو تو وہ "فی سبیل اللّٰہ" ہے یعنی اس کا لڑنا اللہ تعالیٰ کے راستے میں سمجھا جائے گا۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم میں سے ہے کہ مختصر سا جملہ ہے، اس میں شان جامعیت نمایاں ہے۔

آپ سے جب پوچھا گیا کہ انسان بہت سے امور مثلاً غضب، غنیمت، شہرت، ریا کاری کی بنیاد پر قتال کرتا ہے ان میں سے کون سی صورت اللہ کے راستے میں سمجھی جائے گی؟ تو آپ نے جواب میں نہ تو یہ فرمایا ان میں سے کوئی بھی صورت اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہیں اور نہ ہی آپ نے یہ فرمایا کہ یہ سب صورتیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں داخل ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک صورت میں مدح کا پہلو بھی نکل سکتا ہے اور ذم کا پہلو بھی، اگر آپ اثبات میں جواب دیتے تو جو ذم کا پہلو تھا وہ بھی "فی سبیل اللہ" میں داخل ہو جاتا اور اگر آپ نفی میں جواب دیتے تو "مدح" کا پہلو بھی نفی ہو جاتا، اس لئے آپ نے مستقلاً ارشاد فرمایا کہ کسی بھی وجہ کو سامنے رکھ کر قتال کرے، ضروری ہے کہ اللہ جل جلالہ کے کلمہ کی سر بلندی مقصود ہو اور نیت خالص ہو۔ (۱)

حاصل یہ ہے کہ قتال کا سبب کبھی تو قوت عقلیہ ہوتی ہے، کبھی قوت غضبیہ اور کبھی قوت شہوانیہ، ان میں سے "فی سبیل اللہ" ہونے کی صلاحیت صرف قوت عقلیہ میں ہے (۲)۔

قتال میں اعلاءِ کلمۃ اللہ کے علاوہ کسی اور غرض کی نیت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد اور مجاہدین کے جو فضائل وارد ہیں وہ سب ان مجاہدین کے لئے ہیں جو کلمۃ اللہ کی سر بلندی کے لئے جہاد و قتال کرتے ہوں لہذا "من قاتل لتکون کلمة اللّٰه هي العليا فهو في سبيل اللّٰه عزوجل" کا مطلب ہوگا "لا يكون في سبيل اللّٰه إلا من كان سبب قتاله طلب إعلاء

---

(۱) فتح الباری (ج۱ص ۲۲۲)، (ج۶ص ۲۹)۔

(۲) فتح الباری (ج۶ص ۲۸)۔

کلمة الله فقط"۔ یعنی جس شخص کا سبب قتال فقط اعلاءِ کلمۃ اللہ ہوگا اس کا قتال فی سبیل اللہ سمجھا جائے گا اور اگر اس میں مذکورہ اسباب میں سے کسی سبب کا اضافہ کردیا تو وہ فی سبیل اللہ نہیں رہے گا۔

لیکن اس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ جو شخص قصد تو اعلاءِ کلمۃ اللہ کا کرتا ہے تاہم ضمناً۔ نہ اصالۃً اور مقصوداً۔ کسی اور سبب کی نیت بھی کر لیتا ہے تو یہ بھی "فی سبیل اللہ" کے اندر داخل ہے، اس سے خارج نہیں۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے، جمہور علماء اور حضرات محققین کی بھی یہی رائے ہے(۱)۔ واللّٰہ أعلم

ابوالولید بن الشحنہ حلبی حنفی کا ایک واقعہ

امیر تیمور لنگ نے اپنی سلطنت کی توسیع کا ارادہ کیا اور بلادِ اسلامیہ کو یکے بعد دیگرے اپنے قبضہ میں کرنا شروع کیا۔

جب بلادِ شامیہ میں پہنچا اور حلب میں کشت و خون کیا تو اس موقع پر اس نے وہاں کے علماء و اعیان کو بلایا، ان کے سامنے اپنا سوال رکھا کہ یہ قتال فی سبیل اللہ ہے یا نہیں؟ اور پھر دونوں طرف کے مقتولین کہاں ہونگے؟ جنت میں یا جہنم میں؟

علامہ ابن الشحنہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے زبردست ذہانت کا مظاہرہ فرمایا، اس لئے کہ اگر خدانخواستہ اگر کہہ دیتے کہ "قتلاکم في النار" کہ تمھارے مقتولین جہنم میں ہیں تو تیمور لنگ ناراض ہوتا اور وہ اس کے زیر عتاب آجاتے اور اگر کہہ دیتے "قتلانا" یعنی ہمارے مقتولین جہنم میں ہیں تو پھر خطرہ تھا کہ تیمور کہتا کہ پھر تم نے اپنے لوگوں کو قتال سے روکا کیوں نہیں؟

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں بات ڈال دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث سنا دی، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرے گا وہ حقیقی مجاہد اور جہاد کے فضائل کا مستحق ہوگا۔ امیر تیمور خاموش ہوگئے(۲)۔

---

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج۶ص۲۹)۔

(۲) دیکھئے عمدۃ القاری (ج۱۰ص۴)۔

٤٦ – باب : اَلسُّؤَالِ وَالْفُتْيَا عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ .

باب سابق کے ساتھ مناسبت

باب سابق اور اس باب میں مناسبت بالکل واضح ہے، کیونکہ گذشتہ باب میں جس طرح سوال عن العلم مذکور ہے اسی طرح اس باب میں بھی سوال کا ذکر ہے۔

مقصدِ ترجمۃ الباب

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتاتے ہیں کہ اگر عالم مشغول ہو تو مشغولی کی حالت میں اس سے سوال کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ اپنی مشغولی میں بالکل مستغرق نہ ہو۔(۱)

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف لفظ "سؤال" پر نظر کی، حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ میں سوال کے ساتھ لفظ "فتیا" کا بھی ذکر کیا ہے، "سؤال" طالب کا کام ہے اور "فتیا" عالم کا، اس لئے ترجمہ کی غرض ایسی بیان کرنی چاہئے جس میں ان دونوں لفظوں کا لحاظ ہو۔

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اتباع میں علامہ کرمانی اور علامہ عینی رحمہما اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر عالم مشغول ہو تو اس سے اس حالت میں سوال کیا جا سکتا ہے اور وہ مشغولی ہی کی حالت میں جواب بھی دے سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی مشغولیت ایسی ہو کہ اس میں جواب دینا جائز ہو۔(۲)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب اور گذشتہ باب دونوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ

---

(۱) فتح الباری (ج۱ ص۲۲۳)۔

(۲) شرح صحیح البخاری لابن بطال (ج۱ ص۲۰۴)، وشرح الکرمانی (ج۲ ص۱۴۹)، وعمدۃ القاری (ج۲ ص۱۹۸)۔

چونکہ مشغولیت کے عالم میں سوال سوءِ ادب سمجھا جاتا ہے، اس توہم کو دور کرنے کی غرض سے یہاں یہ باب لائے ہیں کہ ضرورت کے وقت یہ سوءِ ادب میں داخل نہیں۔(۱)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس ترجمہ سے یہ ہے کہ اگرچہ وقت مشغولی کا ہو، عند الضرورت ایسے مشاغل کی حالت میں سوال وجواب میں کوئی حرج نہیں۔(۲)

حاصل یہ کہ رمی جمار کے وقت اگر عالم سے سوال کیا جائے تو سوال کرنا جائز ہے اور عالم جواب دے سکتا ہے، اس پر تنبیہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ رمی جمار کے وقت سوال جواب کرنے میں ازدحام کا خطرہ ہے، جو رمی کرنے والوں کی تنگی کا سبب ہے، کہ آنے جانے والوں کو تنگی ہوگی، اس کا تقاضا یہ تھا کہ جائز نہ ہو، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بتادیا کہ جائز ہے، یا اس لئے جواز بیان کیا کہ وہ راستہ ہے اور راستہ میں علم کا تذکرہ کرنا علم کی بے قدری ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بتلادیا کہ وہ محل عبادت ہے، اب اگر سوال کا تعلق اس عبادت سے ہے جو وہاں ادا کی جاتی ہے تو سوال کرنا مناسب ہے، چونکہ سوال نہ کیا گیا تو عبادت کا وقت گذر جانے کا خطرہ ہے۔ واللہ اعلم

۱۲٤ - حدَّثنا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ(۳): حدَّثنا عَبْدُ ٱلْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ ، عَنِ ٱلزُّهْرِيِّ ، عَنْ عِيسَى ابْنِ طَلْحَةَ ، عَنْ عَبْدِ ٱللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ : رَأَيْتُ ٱلنَّبِيَّ ﷺ عِنْدَ ٱلْجَمْرَةِ وَهُوَ يُسْأَلُ ، فَقَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ ٱللَّهِ ، نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ ؟ قَالَ : (ارْمِ وَلَا حَرَجَ) . قَالَ آخَرُ : يَا رَسُولَ ٱللَّهِ ، حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَنْحَرَ ؟ قَالَ : (انْحَرْ وَلَا حَرَجَ) . فَمَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ : (افْعَلْ وَلَا حَرَجَ) . [ر : ۸۳]

---

(۱) دیکھئے [illegible] ج۲ ص۳۷۹)۔

(۲) [illegible] ص۵۰)۔

(۳) [illegible] في كتاب العلم [illegible]

[illegible] (ص۳)۔

تراجم رجال

(۱) ابونعیم

یہ مشہور محدث ابونعیم الفضل بن دکین الملائی الکوفی الأحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، "باب فضل من استبرأ لدینه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) عبدالعزیز بن ابی سلمہ

یہ مشہور فقیہ ومحدث عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ الماجشون المدنی التیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابوعبداللہ یا ابوالاصبغ ہے، ان کے دادا ابوسلمہ کا نام میمون یا دینار ہے۔(۲)

یہ امام زہری، محمد بن المنکدر، وهب بن کیسان، بلال بن ابی میمونہ، اپنے چچا یعقوب بن ابی سلمہ، سہیل بن ابی صالح، عبدالرحمن بن القاسم بن محمد، عبداللہ بن الفضل الہاشمی، عبداللہ بن دینار، سعد بن ابراہیم، ہشام بن عروہ اور ایوب سختیانی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابراہیم بن طہمان ۔وهو من أقرانه۔ زہیر بن معاویہ، لیث بن سعد، وکیع بن الجراح، عبدالرحمن بن مہدی، عبداللہ بن وهب، ابوداود طیالسی، ابوسلمہ التبوذکی اور ابونعیم الفضل بن دکین رحمہم اللہ تعالی وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔(۳)

ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا "عبدالعزیز بن الماجشون هو مثل ابنه، وإبراهيم بن سعد؟" تو انہوں نے فرمایا:

"لا، هو دونهم، إنما كان رجلاً يقول بالقدر والكلام، ثم تركه وأقبل إلى السنة ولم يكن من شأنه الحديث، فلما قدم بغداد كتبوا عنه، فكان بعد يقول: جعلني أهل بغداد

---

(۱) کشف الباری (ج۱ص۶۶۹)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج۱۸ص۱۵۲)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۱۸ص۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵)، وسیر أعلام النبلاء (ج۷ص۳۰۹، ۳۱۰)۔

محدثا، وكان صدوقا ثقة"۔(۱)

یعنی "عبدالعزیز بن ابی سلمہ کا مقام لیث بن سعد اور ابراھیم بن سعد سے کمتر ہے، یہ پہلے قدریہ کی طرح کے نظریات رکھتے تھے، پھر ان کو چھوڑ کر سنت کی طرف آ گئے، حدیث کا اشتغال بہت زیادہ نہیں رکھتے تھے، البتہ جب بغداد گئے تو وہاں لوگوں نے ان سے کثرت سے حدیثیں لکھیں، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ اہل بغداد نے مجھے محدث بنا دیا، وہ صدوق اور ثقہ تھے"۔

امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم، امام ابوداود اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۲)

ابن خراش کہتے ہیں "صدوق"۔(۳)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان ثقة كثير الحديث"۔(۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة مشهور" (۵) نیز وہ فرماتے ہیں "وكان إماماً معظما"۔(۶)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة مأمون رجل صالح"۔(۷)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حافظ"۔(۸)

امام احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان نزها، صاحب سنة، ثقة"۔(۹)

امام ابوبکر البزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۱۰)

---

(۱) تہذیب الکمال (ج۱۸ص۱۵۶)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) طبقات ابن سعد (ج۷ص۳۲۳)۔

(۵) میزان الاعتدال (ج۲ص۶۲۹) رقم (۵۱۰۵)۔

(۶) الکاشف (ج۱ص۶۵۶) رقم (۳۳۹۵)۔

(۷) تعلیقات تہذیب الکمال (ج۱۸ص۱۵۷)۔

(۸) حوالہ بالا۔

(۹) تہذیب التہذیب (ج۶ص۳۴۴)۔

(۱۰) حوالہ بالا۔

امام اشہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "هو أعلم من مالك"۔(١)

موسیٰ بن هارون الحمال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان ثبتا متقنا"۔(٢)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة فقيه مصنف"۔(٣)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "وكان فقيها، ورعا، متابعا لمذهب أهل الحرمين من أسلافه، مفرعا على أصولهم، ذابا عنهم"۔(٤)

بشر بن السری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "لم يسمع ابن أبي ذئب ولا الماجشون من الزهري"۔(٥)

لیکن احمد بن سنان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مطلقاً سماع کا انکار درست نہیں معلوم ہوتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عبدالعزیز نے امام زہری سے عرضاً حدیثیں لی ہیں۔(٦)

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے "سمع الزهري ..."۔(٧)

لفظ "ماجشون" کی تحقیق

"ماجشون" بعض حضرات نے اس کے جیم کو مکسور پڑھا ہے، بعض نے مفتوح، بلکہ بعض حضرات اس پر تینوں حرکتیں درست قرار دیتے ہیں۔(٨)

پھر وجہ تسمیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ یہ اصبہان گئے تھے، وہاں لوگوں سے حال احوال

---

(١) [illegible]

(٢) [illegible]

(٣) تهذيب التهذيب (ج٦ ص٣٤٧)، رقم (٤١٠٤)۔

(٤) الثقات لابن حبان (ج٧ ص١١١)۔

(٥) تهذيب الكمال (ج١٨ ص١٥٦)۔

(٦) حوالۂ بالا۔

(٧) التاريخ الكبير (ج٦ ص١٣)، رقم (١٥٣٠)۔

(٨) دیکھئے تهذيب التهذيب (ج٦ ص٣٤٧)، رقم (٤١٠٤)، والمغني في ضبط أسماء الرجال (ص٢٦٧ و٢٦٨)۔

دریافت کرنے کے لئے "چونی چونی" (تم کیسے ہو؟) کہتے تھے، اس لئے ان کا لقب "ماجشون" پڑ گیا۔

جبکہ ابراھیم حربی کہتے ہیں کہ یہ فارسی سے معرب ہے، اصل میں "ماہ گون" تھا، یعنی چاند کے رنگ کا، چونکہ ان کے دونوں رخسار سرخ تھے، اس لئے ان کو "ماہ گون" کہا جاتا تھا، اس کو معرب کر کے "ماجشون" بنا لیا گیا۔ (۱)

عبدالعزیز بن ابی سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۶۴ھ میں ہوا۔ (۲)

رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۳) الزھری

یہ امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحي" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۳)

(۴) عیسیٰ بن طلحہ

یہ ابومحمد عیسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ قرشی تیمی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، "باب الفتیا وهو واقف على الدابة وغيرها" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۴)

(۵) عبداللہ بن عمرو

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الإيمان، "باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۵)

---

(۱) دیکھئے تهذيب الكمال (ج۱۸ص۱۵۵)، وسير أعلام النبلاء (ج۷ص۳۱۰)۔

(۲) الكاشف (ج۱ص۶۵۶)، رقم (۳۳۹۵)۔

(۳) کشف الباری (ج۱ص۳۲۶)۔

(۴) کشف الباری (ج۳ص۴۰۳)۔

(۵) کشف الباری (ج۱ص۶۷۹)۔

قال: رأیت النبي صلی اللّٰه علیه وسلم عند الجمرة وهو یسئل

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "جمرہ" کے پاس دیکھا کہ آپ سے پوچھا جارہا تھا۔

"الجمرة" میں الف لام یا تو جنس کے لئے ہے لہذا کوئی بھی جمرہ متعین ہے، یا عہد کے لئے ہے اور مراد جمرة العقبہ ہے کیونکہ "الجمرة" جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس کا اطلاق جمرة العقبہ پر ہوتا ہے۔ (۱)

ترجمۃ الباب پر اشکالات

بعض حضرات نے ترجمۃ الباب پر یہ اشکال کیا ہے کہ حدیث باب میں یہ مذکور نہیں ہے کہ یہ سوال حالت رمی میں ہوا تھا، بلکہ اس میں صرف اتنی بات ہے کہ آپ جمرہ کے پاس تھے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اکثر عموم سے تمسک فرماتے ہیں اور سوال عند الجمرہ عام ہے خواہ اشتغال بالرمی کی حالت میں ہو یا اس سے فارغ ہونے کی حالت میں، اس لئے ترجمہ پر کوئی اشکال نہیں۔ (۲)

امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب پر اشکال کیا ہے کہ ترجمہ میں جو مکان کی تصریح کی گئی ہے اس کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ سوال وجواب میں مکان کی تخصیص کے کیا معنی ہیں؟ پھر تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو "باب السؤال والمسئول علی الراحلة" اور "باب السؤال یوم النحر" بھی قائم کرنا چاہئے تھا۔

علامہ اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں تک ترجمہ کے بے فائدہ ہونے کی بات کی ہے وہ درست نہیں۔ ابھی پیچھے ہم اس کے فوائد ذکر کر چکے ہیں۔

البتہ انہوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر لازم قرار دیتے کہ ان کو یہ ابواب بھی قائم کرنے چاہئیں سو "باب السؤال والمسئول علی الراحلة" کے مضمون کا ترجمہ منعقد کردیا ہے "باب الفتیا وهو واقف علی الدابة وغیرها"۔

---

(۱) عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۱۹۸)۔

(۲) فتح الباری ج ۱ ص ۲۲۳۔

اور باب السؤال یوم النحر کے جس ترجمہ کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے وہ واقعی اہم ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو یہ خیال ہو کہ یوم النحر یوم اکل وشرب ولہو ہے، لہذا اس دن تعلیم وتعلم میں مشغولی نہیں ہونی چاہئے تو اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ ترجمہ قائم فرماتے تو کہا جاتا کہ امام بخاری نے یہ بتلایا ہے کہ اگرچہ یہ دن کھانے پینے اور کھیل تماشے کا ہے، تاہم علم حاصل کرنا جائز ہے، یہ لہو کے منافی نہیں ہے، بلکہ لہو میں مشغول ہونے کے بجائے علم میں مشغول ہونا اولی ہے۔(۱)

فقال: رجل یا رسول اللّٰہ، نحرت قبل أن أرمي، قال: ارم ولا حرج، قال آخر: یارسول اللّٰہ، حلقت قبل أن أنحر، قال: انحر ولا حرج، فما سئل عن شيء قدم ولا أخر إلا قال: افعل ولا حرج۔

ایک شخص نے پوچھا یارسول اللہ! میں نے رمی سے پہلے نحر کرلیا، آپ نے فرمایا اب رمی کرلو، کوئی حرج نہیں، ایک دوسرے نے پوچھا یارسول اللہ! میں نے نحر کرنے سے پہلے حلق کرالیا، آپ نے فرمایا اب قربانی کرلو، اس میں کوئی حرج نہیں، آپ سے کسی بھی چیز کی تقدیم وتاخیر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کرلو، کوئی حرج نہیں۔

یہ حدیث پیچھے گذر چکی ہے اور وہیں اس سے متعلقہ مباحث تفصیل سے آچکے ہیں، فلیرجع إلیہ۔(۲)

حدیث باب کا

ترجمۃ الباب پر انطباق

پیچھے اشارۃً گذر چکا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "رأیت النبي صلی اللہ علیہ وسلم عند الجمرۃ وھو یسئل" کے عموم سے ترجمہ ثابت کیا ہے کہ آپ جمرہ کے پاس تھے خواہ رمی میں مشغول تھے یا رمی سے فارغ تھے۔ واللہ اعلم

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج۳ص۵۰۴-۱۰۵) کتاب العلم، باب الفتیا وھو واقف علی الدابۃ وغیرھا۔

٤٧ – باب : قَوْلِ اللهِ تَعَالَى : «وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلًا» .

باب سابق کے ساتھ مناسبت

دونوں ابواب میں مناسبت اس طرح ہے کہ دونوں میں سوال کرنا مذکور ہے، البتہ پہلے باب میں مسئول مذکور ہے کہ سائل کو اس کے علم کی احتیاج ہے، جبکہ اس باب میں مسئول کا ذکر نہیں ہے۔ (۱)

ترجمۃ الباب کا مقصد

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ بعض علوم ایسے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ملائکہ میں بھی کسی کو مطلع نہیں کیا۔ (۲)

اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب یہودیوں کے سامنے آپ نے ﴿وما أوتيتم من العلم إلا قليلا﴾ (۳) والی آیت پڑھی تو انہوں نے پوچھا کہ یہ خطاب صرف ہمارے لئے ہے یا آپ بھی اس میں داخل ہیں؟ تو آپ نے فرمایا "بل نحن وأنتم لم نؤت من العلم إلا قليلا"۔ (٤)

اس پر بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ پھر تو اس باب کو "کتاب الإيمان" میں ذکر کرنا چاہئے تھا، کیونکہ اس کا تعلق مسائل اعتقادیہ سے ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس کا تعلق کتاب العلم سے بھی ہے، اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو "کتاب العلم" میں ذکر کیا ہے۔

---

(۱) عمدۃ القاری (ج۲ص۱۹۹)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) الإسراء/۸۵۔

(۴) عمدۃ القاری (ج۲ص۱۹۹)۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا ہے کہ آدمی کو تواضع اختیار کرنی چاہئے اور خلاف تواضع سے احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ جب سب مخلوقات کا علم مل کر بھی قلیل ہے تو ایک ایک فرد کے علم کی قلت وحقارت کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں، حکماء نے کہا ہے کہ کتنا ہی بڑا عالم ہو مگر بالبداہت اس کا جہل علم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے، یعنی آدمی کا علم متناہی اور جہل غیر متناہی ہے، لہذا معلوم ہوا کہ علماء کو اپنے علم کی قلت اور حقارت ملحوظ رکھنی چاہئے اور خلاف تواضع سے احتراز کرنا ضروری ہے۔(۱)

مذکورہ باب اور گذشتہ

ایک باب کے درمیان فرق

اس کے بعد سمجھئے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے پیچھے جو ایک باب گذرا ہے "باب ما یستحب للعالم إذا سئل أي الناس أعلم؟ فیکل العلم إلی اللّٰہ" اس کی غرض بھی یہی بیان کی تھی کہ علماء کو تواضع اختیار کرنی چاہئے اور یہاں اس باب کی غرض بھی یہی بیان کی گئی ہے، آخر دونوں میں فرق کیا ہے؟

ان دونوں ابواب میں یہ فرق کیا جا سکتا ہے کہ گذشتہ باب یعنی "ما یستحب للعالم ..... " سے تواضع کا مسنون طریقہ بیان کیا گیا ہے اور اس باب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی علت کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی تواضع اس لئے اختیار کرنی چاہئے کہ آدمی کا علم جتنا بھی بڑا ہو وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا، اللہ تعالی ساری مخلوقات کو خطاب کرتا ہے ﴿وما أوتیتم من العلم إلا قلیلا﴾۔ تم سب کا علم قلیل ہے، ساری مخلوق کا علم قلیل ہے تو ایک شخص کے علم کی کیا حیثیت ہے؟

یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تواضع کی تعلیم وتبلیغ تو اس باب سے کی ہے اور "باب ما یستحب ....." سے ادب سکھایا ہے، یعنی بہت سے علماء جمع ہوں اور اتفاق سے کسی شخص سے یہ پوچھا جائے "أي الناس أعلم؟ "تو عالم جواب کس طرح دے، حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اللہ کے حوالے کرنا چاہئے اور کہنا چاہئے "اللّٰہ أعلم" اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کون زیادہ عالم ہے۔

---

(۱) الأبواب والتراجم (ص۵۸)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمۂ اولی کی غرض تواضع للعلماء ہے، یعنی کسی عالم کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو اعلم الناس سمجھے، اگر چہ واقعی وہ اعلم ہو، جبکہ حضرات رسل علیہم السلام اپنی امتوں کے مقابلہ میں اعلم ہیں، پھر بھی ان کو "أي الناس أعلم" کے جواب میں "اللہ أعلم" کہنے کی تلقین کی گئی ہے، ظاہر ہے کہ یہ واضح طور پر تواضع ہے، جبکہ اس ترجمہ کی غرض اللہ تعالی کے علم کے مقابلہ میں مخلوقات حتی کہ انبیاء ورسل کے علم کی قلت بیان کرنی ہے، جو قطعی اور یقینی ہے۔ اس طرح دونوں تراجم میں فرق ہو جاتا ہے(۱)، اللہ اعلم۔

۱۲۵ : حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ : حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ سُلَيْمَانُ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ ، عَنْ عَلْقَمَةَ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ(۲) قَالَ : بَيْنَا أَنَا أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي خَرِبِ الْمَدِينَةِ ، وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ مَعَهُ . فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ . فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ : سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ ؟ وَقَالَ بَعْضُهُمْ : لَا تَسْأَلُوهُ . لَا يَجِيءُ فِيهِ بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ : فَقَالَ بَعْضُهُمْ : لَنَسْأَلَنَّهُ . فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَالَ : يَا أَبَا الْقَاسِمِ . مَا الرُّوحُ ؟ فَسَكَتَ . فَقُلْتُ : إِنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ . فَقُمْتُ . فَلَمَّا انْجَلَى عَنْهُ . فَقَالَ : «وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتُوا مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا» . قَالَ الْأَعْمَشُ : هٰكَذَا فِي قِرَاءَتِنَا . [۴۴۴۴ ، ۶۸۶۷ ، ۷۰۱۸ ، ۷۰۲۴]

تراجم رجال

(۱) قیس بن حفص

یہ ابو محمد قیس بن حفص بن القعقاع التمیمی الدارمی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

---

(۱) الكنز المتواري (ج۲ص۳۸۱و۳۸۲)۔

(۲) قوله: "عن عبدالله رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا في صحيحه (ج۲ص۶۸۶) كتاب التفسير، سورة الإسراء، باب "ويسألونك عن الروح"، رقم (۴۷۲۱)، و(ج۲ص۱۰۸۳) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من كثرة السؤال وتكلف ما لا يعنيه، رقم (۷۲۹۷)، و(ج۲ص۱۱۱۱) كتاب التوحيد، باب "ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين"، رقم (۷۴۵۶)، وباب قول الله تعالى: "إنما قولنا لشيء..." رقم (۷۴۶۲)، ومسلم في صحيحه، في كتاب صفات المنافقين، باب سؤال اليهود النبي ﷺ عن الروح وقوله تعالى: "ويسألونك عن الروح..." رقم (۷۰۵۹-۷۰۶۱)، والترمذي في جامعه في أبواب التفسير، باب ومن سورة بني إسرائيل، رقم (۳۱۴۱)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۲۴ص۲۱)، رقم (۴۸۹۴)۔

یہ اسماعیل بن علیہ، عبدالواحد بن زیاد، ہشیم بن بشیر، معتمر بن سلیمان، عبدالوارث بن سعید، یزید بن زریع اور ابوعوانہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام ابوداود، احمد بن الحسن الترمذی، ابوزرعہ، ابوحاتم، یعقوب بن سفیان، عبدالعزیز بن معاویہ اور فضل بن محمد شعرانی رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔(۱)

امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۲)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۳)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لا بأس به"۔(۴)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "شیخ"۔ (۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے "یغرب"۔ (۶)

یعنی "یہ تفرد اختیار کرتے اور غریب احادیث لاتے ہیں"۔

غالباً انہی سے متاثر ہو کر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "ثقة له أفراد"۔(۷)

جبکہ ان کے بارے میں "یغرب" کی تصریح ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد ہے، ورنہ باقی کسی نے بھی ان پر کلام نہیں کیا، جیسا کہ اوپر ان حضرات کے اقوال نقل کئے جا چکے ہیں۔(۸)

۲۲۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۹) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تہذیب الکمال (ج۲۴ ص۲۲، ۲۳)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج۲۴ ص۲۳)۔

(۳) تہذیب التہذیب (ج۸ ص۳۹۰)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج۲۴ ص۲۳)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) الثقات لابن حبان (ج۹ ص۱۵)۔

(۷) تقریب التہذیب (ص۴۵۶)، رقم (۵۵۶۹)۔

(۸) دیکھئے تحریر تقریب التہذیب (ج۳ ص۱۸۶)، رقم (۵۵۶۹)۔

(۹) دیکھئے حاشیۃ سبط ابن العجمی علی الکاشف (ج۲ ص۱۳۹)، رقم (۵۵۹۴)۔

(۲) عبدالواحد

یہ ابوبشر یا ابوعبیدہ عبدالواحد بن زیاد عبدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب الجهاد من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۳) الأعمش سلیمان بن مہران

یہ امام ابومحمد سلیمان بن مہران اسدی کوفی المعروف بالأعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۴) ابراہیم

یہ مشہور تابعی امام وفقیہ ابراہیم بن یزید بن قیس بن اسود نخعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۵) علقمہ

یہ کوفہ کے مشہور تابعی فقیہ وامام ابوشبل علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک نخعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

(۶) عبداللہ رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، "باب

---

(۱) كشف الباري (ج۲ص ۳۰۱)۔

(۲) كشف الباري (ج۲ص ۲۵۱)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ص ۲۵۳)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ص ۲۵٦)۔

ظلم دون ظلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

قال: بينا أنا أمشي مع النبي صلى الله عليه وسلم في خرب المدينة

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ کے کھنڈرات سے گذر رہا تھا۔

خرب: خاء معجمہ کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ مفرد بھی استعمال ہوتا ہے اور "خربة" کی جمع کے طور پر بھی مستعمل ہے، جیسے "کلمة" اور "کلم"۔(۲)

اس لفظ کو خِرَب (بكسر الخاء المعجمة وبفتح الراء المهملة) بھی ضبط کیا گیا ہے۔(۳)

اس کے معنی ویران اور کھنڈر کے ہیں۔

صحیح بخاری کے اس مقام پر تو یہ لفظ ایسا ہی ہے، یعنی "خرب" جبکہ اس کے علاوہ دیگر مقامات میں "حرث" واقع ہوا ہے۔(۴)

اسی طرح صحیح مسلم میں بھی "حرث" واقع ہوا ہے۔(۵) البتہ اس کے ایک طریق میں "نخل" وارد ہے۔(۶)

ان تمام روایات میں تطبیق یوں دی جاسکتی ہے کہ وہ اصل میں کھنڈر رہا ہو، بعد میں وہاں کھیتی ہونے لگی ہو اور کچھ لوگوں نے کھجور کے درخت لگا دیے ہوں اور کھنڈر کے کچھ آثار باقی ہوں۔ واللہ أعلم

وهو يتوكأ على عسيب معه

آپ کھجور کی ایک چھڑی پر جو آپ کے ساتھ تھی ٹیک لگاتے جا رہے تھے۔

---

(۱) کشف الباري (ج۲ ص۲۵۷)۔

(۲) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ ص۲۰۰)۔

(۳) فتح الباري (ج۱ ص۳۲٤)، وعمدة القاري (ج۲ ص۲۰۰)۔

(۴) پیچھے ہم نے اس حدیث کی تخریج کردی ہے، فليراجع إليه.

(۵) دیکھئے صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقين، باب سؤال اليهود النبي صلى الله عليه وسلم عن الروح، رقم (۷۰۵۹) و(۷۰۶۰)۔

(۶) حوالۂ بالا، رقم (۷۰۶۱)۔

علامہ صنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کھجور کی شاخ کو "سعف" کہتے ہیں، پھر "سعف" میں جڑ کا جو چوڑا حصہ ہے، اس کو "کَرَب" کہتے ہیں، اس سے اوپر وہ حصہ جس پر کھجور کے پتے نہ ہوں "عسیب" کہلاتا ہے اور اس کے آگے جس حصہ پر پتے ہوں وہ بھی "سعف" کہلاتا ہے۔(۱)

بعض حضرات کہتے ہیں کہ "عسیب" کھجور کی وہ شاخ ہے جس سے پتے صاف کر لئے گئے ہوں۔(۲)

فمرّ بنفر من اليهود

کہ آپ یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گذرے۔

بخاری شریف کے دیگر مقامات میں اسی طرح ہے "مرّ بنفر من اليهود" البتہ کتاب التفسیر والے طریق میں ہے "إذ مرّ اليهود"(۳) نیز طبری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں "إذ مررنا على يهود"(٤) آیا ہے۔

ان دونوں قسموں کی روایات کے درمیان تطبیق یوں ہے کہ ہوسکتا ہے کہ راستے میں ملاقات ہوئی ہو کہ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ جا رہے ہوں اور اُدھر سے یہودی آ رہے ہوں۔

فقال بعضهم لبعض: سلوه عن الروح، وقال بعضهم: لا تسألوه، لا يجيء فيه

---

(۱) عمدة القاري (ج۲ ص۲۰۰)۔

(۲) حوالہ بالا۔

فائدہ: کھجور کا درخت: نخلة، تنہ: جذع النخلة، چھال اور ریشے: لیف، شاخ کاٹنے کے بعد جو حصہ تنے کے ساتھ رہ جائے: کرناف، شاخ کی جڑ کا چوڑا حصہ: کرب، شاخ کا باریک حصہ: عسیب، پوری شاخ: سعف، پتے: خوص۔ دیکھئے القاموس الوحید۔

کھجور کا گچھا: کباسة، قنو، عِذق، گچھے کی بیچ کی ڈنڈی جہاں سے مڑ جائے: عُرجون، کھجوریں جن کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں شماریخ (مفرد: شمروخ یا شمراخ)۔

پھر کھجوروں کی ترتیب یہ ہے: طلع، بلح، بُسر، زهو، معو، رُطب، تمر۔ دیکھئے کفاية المتحفظ (ص۳۸) وفقه اللغة (ص۲۷۱) والمعاجم العربية الأخرى۔

(۳) صحيح البخاري (ج۲ ص۶۸۶) كتاب التفسير، سورة بني اسرائيل، باب: ويسئلونك عن الروح، رقم (٤۷۲۱)۔

(٤) تفسير الطبري (ج۱۵ ص۶۸) تحت تفسير قوله تعالى: ويسألونك عن الروح۔

بشيء تكرهونه، فقال بعضهم: لنسألنه، فقام رجل منهم، فقال: يا أباالقاسم، ما الروح؟ فسكت، فقلت: إنه يوحى إليه، فقمت، فلما انجلى عنه، فقال: ﴿يسئلونك عن الروح، قل الروح من أمر ربي، وما أوتوا من العلم إلا قليلا﴾

یہودیوں میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ ان سے روح کے بارے میں سوال کرو، ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ ان سے سوال مت کرو، ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی بات کہہ دیں جس سے تمہیں ناگواری یا شرمندگی ہو، کچھ نے کہا کہ نہیں! ہم ضرور پوچھیں گے، چنانچہ ان میں سے ایک اٹھا اور کہا اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے؟ آپ خاموش ہوگئے، میں نے کہا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، میں کھڑا ہوگیا، پھر جب وحی کے آثار ختم ہوگئے تو آپ نے فرمایا ﴿ویسئلونك......﴾ یعنی یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا حکم ہے اور ان لوگوں کو کم ہی علم ملا ہے۔

واقعۂ مذکورہ مدینہ منورہ میں پیش آیا یا مکہ مکرمہ میں؟

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا۔

جبکہ امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ تعالی کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

"قالت قريش ليهود: أعطونا شيئا نسأل عنه هذا الرجل، فقال: سلوه عن الروح، فأنزل الله تعالى: ﴿ويسئلونك عن الروح، قل الروح من أمر ربي وما أوتيتم من العلم إلا قليلا﴾، قالوا: أوتينا علماً كبيراً، أوتينا التوراة، ومن أوتي التوراة فقد أوتي خيراً كثيراً، فأنزلت: ﴿قل لو كان البحر مداداً لكلمت ربي لنفد البحر ﴾ إلى آخر الآية (۱) (اللفظ للترمذي)۔

(۱) جامع الترمذي، أبواب التفسير، ومن سورة بني إسرائيل، رقم (۳۱۴۰)، ومسند الإمام أحمد (ج۱ ص۲۵۵)، رقم (۲۳۰۹)۔

یعنی "قریش نے یہود سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی ایسی چیز دو کہ ہم اس شخص (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کر سکیں، یہودیوں نے کہا کہ "روح" کے بارے میں سوال کرو، اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی ﴿ويسئلونك …﴾ آپ سے یہ لوگ روح کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کا حکم ہے اور تمہیں تو کم ہی علم دیا گیا ہے۔ یہود کہنے لگے کہ ہمیں تو بڑا علم دیا گیا ہے!! ہمیں تو تورات دی گئی ہے!! اور جس کو تورات دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی (کیونکہ اس میں حکمت ودانش ہے اور جسے حکمت ودانش کی باتیں دی گئیں اسے خیر کثیر سے نوازا گیا) اس پر آیت نازل ہوئی ﴿قل لو كان …﴾ یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے واسطے روشنائی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائے اور میرے رب کے کلمات ختم نہ ہوں۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ آیت سورۂ بنی اسرائیل کی ہے جو مکیۃ النزول ہے۔(۱)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ آیت مکرر نازل ہوئی ہے، ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں اور ایک دفعہ مدینہ منورہ میں۔(۲)

مگر حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق یہ واقعہ مدینہ منورہ ہی کا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ناطق ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آ چکا ہوتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دے دیا گیا ہوتا تو آپ یہودیوں کے سوال پر سکوت کیوں فرماتے؟ بلکہ فوراً جواب دے دیتے، آپ کا سکوت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اب تک آپ کو اس کے متعلق کوئی علم نہیں دیا گیا۔(۳)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مکیۃ النزول ہونے پر دلالت کرنے والی ان روایات کو یکسر رد کرنا ممکن نہیں،

---

(۱) دیکھئے مجموع (احکام القرآن للقرطبی (ج۱۰ص۳۲۳) تفسیر سورۃ الإسراء۔

(۲) دیکھئے تفسیر ابن کثیر (ج۳ص۶۰) سورۃ الإسراء، ویسألونک عن الروح۔

(۳) دیکھئے کتاب الروح لابن القیم (ص۳۶۶)۔

کیونکہ یہ کم از کم حسن ضرور ہیں، بلکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "رجاله رجال مسلم"۔(۱)

لہذا اب یا تو تعددِ نزول کا قول اختیار کر کے دونوں روایات کو جمع کیا جائے۔

جہاں تک ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراض کا تعلق ہے، سو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ میں دوبارہ سوال ہوا تو آپ مزید بیان کے انتظار میں خاموش ہو گئے کہ شاید اس کے متعلق کوئی تفصیلی بیان آجائے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ نے آکر بتا دیا کہ یہی آیت پڑھ دیجئے۔(۲)

اور یا صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی جائے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "أگر یہ جمع ممکن ہو توفیھا وإلا فما في الصحیح أصح۔(۳) واللہ أعلم

خلاصۂ کلام

بہر حال خلاصہ یہ نکلا کہ صحیحین کی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت جو مسند احمد اور جامع ترمذی میں ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ مکہ مکرمہ کا اور آیت مکیۃ النزول ہے۔

اب یا تو ترجیح کا طریق اختیار کیا جائے، جیسا کہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے یا اس کو جمع کیا جائے اور تعدد النزول کا قول اختیار کیا جائے۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ایک اور بات بھی کہی ہے، وہ یہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات بے حد مضطرب ہیں۔(۴)

اب یا تو یہ کہا جائے کہ ان کے تلامذہ کے بیانات مختلف ہو گئے اور یا یہ کہا جائے کہ خود ان کے متعدد اقوال ہیں۔

---

(۱) فتح الباری (ج۸ص۴۰۱) کتاب التفسیر، باب: ويسألونك عن الروح۔

(۲) دیکھئے تفسیر ابن کثیر (ج۳ص۶۰)۔

(۳) فتح الباری (ج۸ص۴۰۱)۔

(۴) کتاب الروح لابن القیم (ص۳۶۶)۔

گویا اب مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیانات میں اختلاف ہے لہذا اس کے مقابل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت (جو صحیحین کی روایت ہے) راجح ہوگی۔ (والعلم عنداللّٰہ سبحانہ وتعالی)

روح سے متعلق چند مباحث

بحث اول

یہاں پہلی بحث یہ ہے کہ یہودیوں نے جس ''روح'' سے متعلق سوال کیا تھا اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

(۱) سب سے مشہور قول یہ ہے کہ روحِ حیات کے متعلق سوال کیا تھا۔

امام فخر الدین رازی، قاضی ابوبکر بن العربی رحمہما اللہ تعالی نے اسی کو اختیار کیا ہے (۱)، علامہ خطابی (۲)، علامہ کرمانی (۳) رحمہم اللہ تعالی نے اکثر علماء سے یہی نقل کیا ہے۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں روح انسانی سے متعلق سوال کیا تھا۔

''روح حیات'' اور روحِ انسانی'' میں فرق واضح ہے کہ ''روح حیات'' عام ہے کہ اس سے کسی بھی زندہ مخلوق کی روح مراد ہے خواہ وہ انسان ہو یا انسان کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہو، جبکہ ''روح انسانی'' خاص ہے، یعنی مخلوق میں سے صرف انسان کی روح۔

(۳) بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔

(۴) بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے حضرت عیسی علیہ السلام مراد ہیں۔

---

(۱) دیکھئے تفسیر الکبیر للرازی (ج ۲۱ ص ۳۶)، وعارضۃ الأحوذی (ج ۱۱ ص ۲۹۸)۔

(۲) فتح الباری (ج ۸ ص ۴۰۲)۔

(۳) شرح الکرمانی (ج ۲ ص ۱۵۰)۔

(۵) بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

(۶) بعض نے اس سے مراد ''وحی'' کو قرار دیا ہے۔

(۷) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایک مخصوص فرشتہ ہے جو قیامت کے دن اپنی صف میں تنہا کھڑا ہوگا۔

(۸) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایک مخصوص فرشتہ ہے جس کے گیارہ ہزار پَر اور چہرے ہوں گے۔

(۹) ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جس کی ستر ہزار زبانیں ہوں گی، اور ایک قول کے مطابق اس کے ستر ہزار چہرے ہوں گے، ہر چہرے پر ستر ہزار زبانیں ہوں گی اور ہر زبان کی ہزار لغات ہوں گی، وہ فرشتہ اللہ کی تسبیح کرے گا تو ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوگا، جو دیگر فرشتوں کے ساتھ اڑے گا، اسی طرح ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ فرشتہ ایسا ہوگا جس کے دونوں پاؤں تو بالکل نیچے کی زمین میں ہوں گے اور سر عرش کے پائے سے لگ رہا ہوگا۔

(۱۰) ایک قول یہ بھی ہے کہ روح سے مراد بنی آدم ہی کی طرح ایک مخلوق ہے، جس کا نام ''روح'' ہے، یہ مخلوق کھاتی پیتی ہوگی، آسمان سے جب بھی کوئی فرشتہ نازل ہوتا ہے یہ روح بھی اس کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔

(۱۱) ایک قول یہ ہے کہ اس سے ملائکہ کی ایک خاص صنف مراد ہے، جو کھاتی پیتی ہے۔(۱)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ روح سے متعلق اتنے سارے اقوال جو جمع ہو رہے ہیں یہ اس صورت میں ہیں جب قرآن کریم میں وارد ''روح'' کے معنی کا تتبع کریں، خصوصی طور پر ﴿ویسألونك عن الروح﴾ والی آیت میں جو ''روح'' وارد ہے اس کے بارے میں یہ تمام اقوال نہیں ہیں۔(۲)

ان اقوال میں سب سے مشہور قول پہلا ہی ہے اور اکثر علماء کی رائے یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔

---

(۱) یہ تمام اقوال حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری (ج۸ص۴۰۲) میں ابن التین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کئے ہیں نیز دیکھئے تفسیر قرطبی (ج۱۰ص۳۲۴) وروح المعانی (ج۱ص۱۹۷) وتفسیر ابن کثیر (ج۳ص۶۱)۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج۸ص۴۰۲)۔

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت میں روح انسانی مراد نہیں ہے، اکثر سلف بلکہ سب کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ''روح'' یعنی عظیم فرشتہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے خبر دی ہے کہ وہ دیگر فرشتوں کے ساتھ قیامت کے روز کھڑا ہوگا، بنی آدم کی ارواح مراد نہیں ہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہودیوں نے جو سوال کیا ہے اس کا منشی یہ ہے کہ وہ ایسی بات پوچھنا چاہ رہے تھے جس کا علم بدون وحی الٰہی کے نہ ہو سکے اور وہ وہی ''روح'' ہے جس سے اللہ تعالی ہی واقف ہے، جبکہ بنی آدم کی ارواح کوئی غیب کی چیز نہیں ہیں اور مختلف لوگوں نے اور مختلف اہل ملل نے ان پر کلام کیا ہے، لہذا ارواح بنی آدم سے متعلق جواب دینا کوئی نبوت کی علامات میں سے نہیں ہے۔ (۱)

حاصل یہ کہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں ''روح'' سے مراد ایک فرشتہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالی نے ﴿یوم یقوم الرّوح والملٰئکۃ صفًّا...﴾ (۲) اور ﴿تنزّل الملٰئکۃ والرّوح فیها باذن ربّهم﴾ (۳) میں کیا ہے۔ (۴)

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر تبصرہ

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بظاہر بہت قوی ہے، تاہم علی الاطلاق انکار کرنا کہ اس سے مراد روح حیات یا روح انسانی نہیں ہے بہت مشکل ہے۔

آخر اس میں کیا استعجاب ہے کہ اگر فلاسفہ، حکماء اور مختلف طوائف واہل ملل نے روح کے متعلق گفتگو کی ہو تو کسی نبی سے سوال کیا جائے؟!

فلاسفہ اور حکماء کی باتیں اٹکل کی اور ظنی ہوں گی، اور نبی جو بات کہے گا وہ ثابت، واضح اور مستحکم ہوگی۔

---

(۱) دیکھئے کتاب الروح (ص ۳۶۳ و ۳۶٤)۔

(۲) سورۃ النبأ/ ۳۸۔

(۳) سورۃ القدر/ ٤۔

(٤) کتاب الروح (ص ۳۷۰)۔

لہذا یہین ممکن ہے کہ سوال روح انسانی یا روح حیات کے متعلق ہی ہو، اس کی حقیقت معلوم کی گئی ہو کہ یہ روح بدنِ انسانی میں کس طرح سمائی ہوئی ہے؟!، اس کی کیا نوعیت ہے؟! چنانچہ بعض اہل نظر کی رائے یہی ہے کہ امتزاج الروح بالبدن کے متعلق سوال تھا۔ (۱)

بحث دوم

دوسری بحث یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سوال کا جواب عطا کیا گیا تھا یا نہیں، یعنی آپ کو روح کی حقیقت بتائی گئی یا نہیں؟

ایک جماعت کہتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت نہیں بتائی گئی۔

چنانچہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے مہلب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے

"هذا يدل على أن من العلم أشياء لم يطلع الله عليها نبياً، ولا غيره، أراد الله تعالى أن يختبر خلقه فيوقفهم على العجز عن علم ما لا يدركون حتى يضطرهم إلى رد العلم إليه، ألا تسمع قوله تعالى: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ فعلم الروح مما لم يشأ تعالى أن يطلع عليه أحد من خلقه"۔ (۲)

مطلب یہ ہے کہ "یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے نہ کسی نبی کو دیا ہے اور نہ کسی اور کو، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اپنی مخلوق کا امتحان لیں اور جن چیزوں کا ادراک مخلوق نہیں کر سکتی اس سے عاجز ہو جانا سمجھ لے، تاکہ مجبوراً وہ ان کے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "لوگ اللہ تعالیٰ کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے"۔ "روح" کا علم بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص کر رکھا ہے، اللہ کی مشیت نہیں ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اس سے واقف ہو"

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۸ ص ۴۰۲)۔

(۲) دیکھئے شرح ابن بطال (ج ۱ ص ۲۰۴)۔

ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ آپ کو "روح" کا علم دیا گیا تھا، آپ اس کی حقیقت سے واقف تھے، چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جل منصب النبي صلى الله عليه وسلم ـوهو حبيب الله وسيد خلقه ـأن يكون غير عالم بالروح، وكيف وقد من الله عليه بقوله: ﴿وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ وقد قال أكثر العلماء: ليس في الآية دليل على أن الروح لا يعلم، ولا على أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يكن يعلمها" ـ (۱)

یعنی "حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے حبیب اور مخلوق کے سردار ہیں، آپ کا منصب اور مقام اس بات سے بہت برتر و بالا ہے کہ آپ روح کو نہ جانتے ہوں اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اللہ تعالی نے اپنے ارشاد سے احسان عظیم ظاہر فرمایا" اور اللہ تعالی نے آپ کو ایسے ایسے امور کا علم عطا فرمایا جن کا علم آپ کو پہلے نہیں تھا اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے" جبکہ اکثر علماء کہتے ہیں کہ آیت میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ روح کا علم نہیں ہوسکتا اور نہ اس بات کی کوئی دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم نہیں تھا۔"

امام ابو القاسم سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (۲)

بحث سوم

یہاں تیسری بحث یہ ہے کہ آپ نے یہودیوں کے سوال کا جواب عنایت فرمایا یا نہیں؟

اس میں اختلاف ہے:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ یہودیوں نے علی وجہ التعنت سوال کیا تھا، تحقیق مقصود نہیں تھی بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنا مقصود تھا، اس لئے آپ نے انہیں جواب نہیں دیا۔ (۳)

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آپ نے جواب دیا، اس طرح کہ اللہ تعالی نے آپ سے فرمایا ﴿قُلِ

(۱) عمدۃ القاری (ج۲ص۲۰۱)۔

(۲) دیکھئے الروض الأنف (ج۱ص۱۹۷)۔

(۳) دیکھئے الروض الأنف (ج۱ص۱۹۷)۔

الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ آپ کہہ دیجئے کہ ''روح'' میرے رب کے امر سے ہے، اور ''امر'' سے مراد شریعت ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس امر کی جنس سے ہے جس کے لئے آپ کو مبعوث کیا گیا، یعنی ایک دینی اور شرعی چیز ہے، اس کی حقیقت طبیعت، فلسفہ، قیاس اور رائے سے سمجھنا ممکن نہیں بلکہ دین کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہوگی، تم دین میں داخل ہو جاؤ، تمہیں خود اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔(۱)

چنانچہ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''روح'' قبض کی جاتی ہے، اس کو عذاب دیا جاتا ہے، وہ متألم ہوگی، اس کو جنت میں بھیجا جائے گا تو وہاں لذت اندوز ہوگی اور اس طرح کے بہت سے اوصاف نصوص میں وارد ہوئے ہیں۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ روح ایک جسم لطیف ہے، چنانچہ حضرات علماء محققین فرماتے ہیں کہ روح وہ جسم لطیف ہے جو بدن انسانی میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے جیسے گلاب کا پانی گلاب میں سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے اور اس کی خوشبو اس میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے۔(۳) واللہ أعلم۔

بحث چہارم

یہاں ایک بحث ضمنی سی یہ ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں ﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ یہاں ''امر'' کا ذکر ہے، قرآن کریم نے اللہ جل شانہ کے لئے ''امر'' کے ساتھ ساتھ ''خلق'' کو بھی ثابت کیا ہے، ارشاد ہے ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾۔(۴)

''خلق'' و ''امر'' میں کیا فرق ہے؟ اس کو مختصر طور پر سمجھ لیجئے۔

اس میں اختلاف ہے:

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے "الخلق ما دون العرش والأمر ما فوق

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) التفسیر الکبیر للرازي (ج ۲۱ ص ٤٤) و کتاب الروح لابن القیم (ص ۲۲۲)۔

(٤) الأعراف: ٥٤۔

ذلك"۔(۲)

اسی طرح ابن ابی حاتم اور بیہقی نے سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے "الخلق هو الخلق والأمر هو الكلام"۔(۳)

ان دونوں تفسیروں میں لفظی فرق ہے، معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ "امر" کا تعلق تو عرش کے اوپر سے ہے، خدا کی طرف سے امر نکلتا ہے اور خلق کا تعلق نیچے سے ہے، باقی نیچے تمام مخلوقات ہی مخلوقات ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "فالأجسام ذوات الكمية والمقادير من عالم الخلق، وكل موجود منزه عن الكمية والمقدار، فإنه من عالم الأمر"۔(۳)

یعنی "عالم خلق کا تعلق ان اجسام سے ہے جو کمیت اور مقدار والے ہیں اور عالم امر کا تعلق ان موجودات سے ہے جو کمیت اور مقدار سے منزہ ہیں۔

شیخ اکبر محی الدین بن عربی فرماتے ہیں عالم خلق وہ ہے جو بالواسطہ پیدا ہو، لہذا جس کو اللہ تعالیٰ نے "کن" سے پیدا کیا وہ عالم امر کی چیز ہے اور جو چیز کسی اور چیز سے پیدا ہوئی ہو وہ عالم خلق کی چیز ہے۔(۴)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات صوفیہ سے نقل کیا ہے کہ عالم امر کا تعلق مجردات سے ہے، اس سے مطلب یہ نکلا کہ عالم خلق مادیات میں سے ہے۔(۵)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "لفظ "امر" قرآن میں بیسیوں جگہ وارد ہوا ہے اور اس کے معنی میں علماء نے کافی کلام کیا ہے، لیکن ہماری غرض سورۂ اعراف کی آیت ﴿ألا له الخلق والأمر﴾ کی طرف توجہ دلانا ہے، جہاں "امر" کو "خلق" کے مقابل رکھا ہے، جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مد بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک "امر" دوسرا "خلق"۔

---

(۱) الدر المنثور (ج۲ص۹۲) سورة الأعراف۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) احياء علوم الدين (۱۳۴۶) كتاب ذم العجب۔

(٤) الفتوحات المكية (ج۳ص۱۷۵) السؤال الثالث والخمسون ومائة۔

(۵) مسائل السلوك على هامش بيان القرآن تحت آية "ألا له الخلق والأمر"۔

دونوں میں کیا فرق ہے؟ ہم اس کو سیاق آیات سے بسہولت سمجھ سکتے ہیں، پہلے فرمایا ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾ (۱) (بے شک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا) یہ تو "خلق" ہوا، درمیان میں "استواء علی العرش" کا ذکر کر کے جوشان حکمرانی کو ظاہر کرتا ہے، فرمایا ﴿يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ﴾۔ (۲) یعنی ان مخلوقات کو ایک معین نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیر وتصریف کہہ سکتے ہیں، یہ "امر" ہوا۔

اسی طرح سورۂ طلاق میں ارشاد ہے ﴿اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ﴾ (۳) گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانے کی سمجھو، جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں، کوئی کپڑا بن رہی ہے، کوئی آٹا پیس رہی ہے، کوئی کتابیں چھاپتی ہے، کوئی شہر میں روشنی پہنچا رہی ہے، کسی سے پنکھے چل رہے ہیں، وغیر ذلک۔

ہر ایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں، جو مشین کی غرض وغایت کا لحاظ کر کے ایک معین انداز سے ڈھالے جاتے اور لگائے جاتے ہیں، پھر سب پرزے جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جاتا ہے، جب تمام مشینیں فٹ ہو کر کھڑی ہو جاتی ہیں تب الیکٹرک (بجلی) کے خزانے سے ہر مشین کی طرف جدا جدا راستہ سے کرنٹ چھوڑ دیا جاتا ہے، آن واحد میں ساکن وخاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کے موافق گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں، بجلی ہر مشین اور ہر پرزہ کو اس کی مخصوص ساخت اور غرض کے مطابق گھماتی ہے، حتی کہ جو قلیل وکثیر کہربا روشنی کے لیمپوں اور قمقموں میں پہنچتی ہے وہاں پہنچ کر ان ہی قمقموں کی ہیئت اور رنگت اختیار کر لیتی ہے۔

اس مثال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا، اس کے پرزوں کا ٹھیک انداز رکھنا، پھر فٹ کرنا ایک سلسلہ کے کام ہیں، جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز بجلی یا اسٹیم اس کے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے، اسی طرح سمجھو کہ حق تعالی نے اول آسمان وزمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو "خلق" کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک انداز ے کے موافق تیار کیا جس کو "تقدیر" کہا گیا ہے،

(۱) الأعراف / ٥٤۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) الطلاق / ١٢۔

سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے ''تصور'' اور ''تسویہ'' کہتے ہیں ﴿خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ﴾ (۱) اور ﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهٗ﴾ (۲) یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔

اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے لگا دیا جائے، مشین کو چالو کرنے کے لئے ''امر الٰہی'' کی بجلی چھوڑ دی گئی، شاید اس کا تعلق اسم ''باری'' سے ہے ﴿الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾۔(۳)

اور حدیث میں ہے "فلق الحبة وبرأ النسمة"(۴) سورۂ حدید میں ہے ﴿مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا﴾ (۵) أي النفوس كماهو مروي عن ابن عباس وقتادة والحسن۔(۶)

غرض ادھر سے حکم ہوا ''چل'' تو فوراً چلنے لگی، اسی ''امرِ الٰہی'' کو فرمایا ﴿إِنَّمَا أَمْرُهٗ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (۷) دوسری جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ امرِ ''کن'' کو خلق جسد پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد ہوا: ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (۸) بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ﴿كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ کا مضمون جتنے مواضع میں آیا عموماً خلق اور ابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے، جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمۂ ''کُن'' کا خطاب ''خلق'' کے بعد تدبیر وتصرف وغیرہ کے لئے ہوتا ہوگا۔

بہرحال ''امر'' کے معنی یہاں ''حکم'' کے ہیں اور وہ ''حکم'' یہی ہے جسے لفظ ''کن'' سے تعبیر کیا گیا اور ''کن'' جنسِ کلام سے جو حق تعالیٰ کی صفتِ قدیمہ ہے، جس طرح ہم اس کی تمام صفات مثلاً حیات، سمع، بصر وغیرہ کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کلام اللہ اور کلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہی مسلک رکھنا چاہئے۔

(۱) الأعراف/۱۱۔

(۲) ص/۷۲۔

(۳) الحشر/۲۴۔

(۴) صحيح البخاري (ج۱ص۴۲۸) كتاب الجهاد والسير، باب فكاك الأسير، رقم (۳۰۴۷) من قول سيدنا علي رضي الله عنه۔

(۵) الحديد/۲۲۔

(۶) انظر الدرالمنثور (ج۶ص۱۷۶و۱۷۷)۔

(۷) يس/۸۲۔

(۸) آل عمران/۵۹۔

خلاصہ یہ ہوا کہ "روح" کے ساتھ اکثر جگہ قرآن کریم میں "امر" کا لفظ استعمال ہوا ہے، مثلاً ﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ (۱) ﴿وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ (۲) ﴿يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ (۳) ﴿يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ (٤)۔

اور پہلے گذر چکا ہے کہ "امر" عبارت ہے کلمۂ "کُن" سے، یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر وتصریف اس طریقہ پر کی جائے جس سے غرضِ ایجاد وتکوین مرتب ہو۔

لہذا ثابت ہوا کہ "روح" کا مبدأ حق تعالی کی صفت قدیمہ کلام ہے، جو صفت علم وحیات کے ماتحت ہے، شاید اسی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے "نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي" میں اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ "کلام" اور "امر" کی نسبت متکلم اور آمر سے صادر ومصدر کی ہوتی ہے، مخلوق وخالق کی نہیں ہوتی، اسی لئے ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ میں "امر" کو "خلق" کے مقابل رکھا۔ (۵) واللہ أعلم

قال الأعمش: هكذا في قراء تنا

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہماری قراءت میں اسی طرح ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں متواتر اور مشہور قراءت ﴿وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ہے۔

لیکن امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت ﴿وما أوتوا ......﴾ صیغۂ غائب کے ساتھ ہے۔

شارحین نے تصریح کی ہے کہ یہ قراءت نہ قراءاتِ سبعہ میں سے ہے اور نہ کوئی مشہور قراءت ہے۔ (۱)

والله أعلم بالصواب

(۱) بني إسرائيل/۸۵۔

(۲) الشوری/۵۲۔

(۳) المؤمن/۱۵۔

(٤) النحل/۲۔

(۵) دیکھئے الروح فی القرآن (ص ۱۰۸–۱۱۱) مطبوعہ در ضمن مجموعہ "تالیفات عثمانی"۔

(٦) دیکھئے فتح الباري (ج۱ ص ۲۲٤)، وعمدة القاري (ج۲ ص ۲۰۲)۔

۴۸ – باب : مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الِاخْتِيَارِ ، مَخَافَةَ أَنْ يَقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ عَنْهُ ، فَيَقَعُوا فِي أَشَدَّ مِنْهُ .

اس ''ترجمہ'' میں "الاختیار" سے "المختار" یعنی "الشيء المختار" یا "العمل المختار" مراد ہے، مطلب ترجمۃ الباب کا ہے:

''یہ باب اس شخص کے بیان میں ہے جو اپنے بعض مستحب عمل کو یا قول کو اس وجہ سے چھوڑ دیتا ہے کہ بعض لوگوں کی فہم جو قاصر ہے، اس عمل کو یا بات کو سمجھیں گے نہیں، پھر اس سے سخت بات میں پھنس جائیں گے''۔(۱)

بابِ سابق کے ساتھ مناسبت

اس باب کی گذشتہ باب کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ سابق باب میں سائل کے سوال کا جواب کسی حکمت کی وجہ سے نہیں دیا گیا تھا، یہاں بھی بعض اعمال مختارہ ومستحبہ کے ترک کا ذکر ہے۔(۲)

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کسی مستحب پر عمل کرنے کی وجہ سے لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس مستحب کو چھوڑ دینا چاہئے، اس لئے کہ مستحب کے چھوڑنے سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس پر اجر وثواب نہیں ملے گا اور لوگوں کے خطرے میں پڑ جانے کا مسئلہ بڑا مشکل ہے کہ لوگ کسی علمی یا عملی غلطی میں مبتلا ہو جائیں گے اور یہ غلطی چلتی رہے گی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے مطابق کعبہ کی تعمیر فرماتے، لیکن اس خوف سے چھوڑ دیا کہ قریش یہ کہیں گے کہ

(۱) عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۲۰۲)۔

(۲) حوالہ بالا۔

ہماری چیزوں کو بگاڑ کر اپنی چیز کرنا چاہتے ہیں۔

مقصدِ ترجمۃ الباب

پر ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ترجمۃ الباب کا تعلق کتاب العلم سے تو ہوا نہیں، اس لئے کہ اس میں تو اعمال کے ترک کا ذکر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیم جس طرح قولی ہوتی ہے اسی طرح فعلی بھی ہوتی ہے، حضرات اساتذہ وعلماء لوگوں کی ہر طرح کی اصلاح کرتے ہیں، جہاں وہ ان کے علوم کو سنوارتے ہیں اسی طرح ان کے اعمال کی بھی اصلاح کرتے ہیں، لہذا اگر اعمال کی اصلاح کی ضرورت پیش آئے اور اصلاح عملی صورت اختیار کرنے کی مقتضی ہو اور خطرہ یہ ہو کہ بعض اعمال کے اختیار کرنے سے حاضرین غلطی میں مبتلا ہو سکتے ہیں تو مصلحین کو چاہئے کہ وہ ایسے مندوب اعمال کو چھوڑ دیں۔

خلاصہ یہ کہ کبھی تعلیم قولی ہوتی ہے اور کبھی عملی، اگر عملی تعلیم کے اندر کسی خاص مسئلہ میں یہ خطرہ ہو کہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے تو اس کو کرنا نہیں چاہئے، چھوڑ دینا چاہئے۔ (۱)

بعض علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "من ترك بعض الاختيار" میں اقوال وافعال دونوں داخل ہیں۔

لہذا مطلب ہوگا کہ بعض افعال اس خطرے سے چھوڑ دیے جائیں کہ کوئی غلط فہمی میں نہ پڑ جائے اور بعض اقوال اس خطرے سے نہ بیان کئے جائیں کہ سننے والے غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں، چھوڑنا تو دونوں کو ہو سکتا ہے، مختار اور پسندیدہ جیسے افعال ہوتے ہیں، ایسے ہی اقوال بھی ہوتے ہیں۔

بعض علوم ایسے ہوتے ہیں جو عوام کے سامنے بیان کرنے کے نہیں ہوتے، اگر بیان کر دیے جائیں تو عوام غلط فہمی میں پڑ جائیں گے، وہاں سکوت کیا جائے۔ (۲)

---

(۱) دیکھئے الکنز المتواری علی لامع الدراری (ج ۲ ص ۳۸۳)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

۱۲۶ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى ، عَنْ إِسْرَائِيلَ ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ ، عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ : قَالَ لِي ابْنُ الزُّبَيْرِ : كَانَتْ عَائِشَةُ[1] تُسِرُّ إِلَيْكَ كَثِيرًا ، فَمَا حَدَّثَتْكَ فِي الْكَعْبَةِ ؟ قُلْتُ : قَالَتْ لِي : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (يَا عَائِشَةُ لَوْلَا قَوْمُكِ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ - قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ - بِكُفْرٍ ، لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ ، فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ : بَابٌ يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابٌ يَخْرُجُونَ) . فَفَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ .

[۱۵۰۶–۱۵۰۹ ، ۳۱۸۸ ، ۴۲۱۴ ، ۶۸۱۶]

تراجم رجال

(۱) عبید اللہ بن موسیٰ

یہ عبید اللہ بن موسی بن باذام عبسی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب الإیمان وقول النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: بني الإسلام علی خمس" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) اسرائیل

یہ مشہور محدث اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق ہمدانی سبیعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابو یوسف ہے، یہ عیسی بن یونس کے بھائی ہیں۔ (۳)

---

(۱) قوله: "عائشة رضي اللّٰه عنها": الحديث، أخرجه البخاري أيضا في (ج۱ص۲۱۵ و ۲۱۶)، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنيانها، رقم (۱۵۸۳ - ۱۵۸۶)، و(ج۱ص۴۷۷)، كتاب أحاديث الأنبياء، باب (بدون ترجمة، بعد باب: يزفون: النسلان في المشي)، رقم (۳۳۶۸)، و(ج۲ص۶۴۴)، كتاب التفسير، باب قوله تعالى: ﴿وإذ يرفع إبراهيم القواعد من البيت وإسمعيل ...﴾، رقم (۴۴۸۴)، و(ج۲ص۱۰۷۵ و ۱۰۷۶)، كتاب التمني، باب مايجوز من اللو، رقم (۷۲۴۳)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الحج، باب نقض الكعبة وبنائها، وباب جدر الكعبة وبابها، رقم (۳۲۴۰ - ۳۲۵۰)، والنسائي في كتاب المناسك، باب بناء الكعبة، رقم (۲۹۰۳ - ۲۹۰۹)، وباب الحجر، رقم (۲۹۱۳)، والترمذي في جامعه، في أبواب الحج، باب ما جاء في كسر الكعبة، رقم (۸۷۵)۔

(۲) كشف الباري (ج۱ص۶۳۶)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۲ص۵۱۵)، رقم (۴۰۲)۔

یہ اپنے دادا ابو اسحاق سبیعی کے علاوہ زیاد بن علاقہ، زید بن جبیر، عاصم بن بہدلہ، عاصم الأحول، سماک بن حرب، امام اعمش، عثمان بن ابی زرعہ، مجزأة بن زاہر اسلمی، موسی بن ابی عائشہ اور ہشام بن عروہ رحمہم اللہ تعالی وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے مہدی، ابو احمد الزبیری، نضر بن شمیل، ابو داود طیالسی، ابوالولید طیالسی، عبدالرزاق صنعانی، وکیع، یحیی بن آدم، محمد بن سابق، ابوغسان نہدی، ابونعیم اور علی بن الجعد رحمہم اللہ تعالی وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔(۱)

عیسی بن یونس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ سے اسرائیل نے بیان کیا "كنت أحفظ حديث أبي إسحاق كما أحفظ السورة من القرآن"۔(۲)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ان کے حافظہ پر تعجب کیا کرتے تھے اور کہتے تھے "كان شيخنا ثقة"۔(۳)

یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۴)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كوفي ثقة"۔(۵)

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة، صدوق، من أتقن أصحاب أبي إسحاق"۔(۶)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان ثقة، حدث عنه الناس كثيراً، ومنهم من يستضعفه"۔(۷)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ابوطالب نے پوچھا "أيهما أثبت: شريك أو إسرائيل؟" تو فرمایا "إسرائيل كان يؤدي ما سمع، كان أثبت من شريك"۔ پھر انہوں نے پوچھا "من أحب إليك: يونس أو

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲ص۵۱۵-۵۱۸)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۲ص۵۱۹)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۲ص۵۲۱)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(٦) تهذيب الكمال (ج۲ص۵۲۱)۔

(۷) الطبقات (ج٦ص۳۷٤)۔

إسرائيل في أبي إسحاق؟" تو فرمایا "اسرائیل؛ لأنه كان صاحب كتاب"۔(۱)

نیز امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ اسرائیل اگر کسی حدیث میں متفرد ہوں تو حجت ہیں یا نہیں؟ فرمایا "إسرائيل ثبت الحديث"۔ (۲)

عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب سفیان اور شریک وغیرہ کے درمیان جب ابواسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث کے بارے میں اختلاف ہوتا تو میرے والد یونس بن ابی اسحاق کے پاس آتے، وہ کہتے کہ میرے بیٹے اسرائیل کے پاس جاؤ "فهو أروى عنه مني، وأتقن لها مني"۔(۳)

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے جب کہا گیا "حدثنا حديث أبي إسحاق" قال: سلوا عنها إسرائيل، فإنه أثبت فيها مني"۔ (۴)

امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابواسحاق سبیعی کی حدیثیں سفیان کے طریق سے اس لئے روایت نہیں کرتا کہ میں نے ان روایات کے سلسلہ میں سفیان ثوری کے بجائے اسرائیل پر اعتماد کیا ہے، کیونکہ اسرائیل ان روایات کو مکمل روایت کرتے ہیں۔ (۵)

یہی امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "إسرائيل في أبي إسحاق أثبت من شعبة والثوري"۔(۶) یعنی "اسرائیل ابواسحاق کی روایات میں شعبہ اور ثوری رحمہما اللہ کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہیں"۔

محمد بن عبداللہ بن نمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۷)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۲ص۵۱۹)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۲ص۵۲۰)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۲ص۵۲۲)۔

(۴) الكامل (ج۱ص۴۲۲)۔

(۵) الكامل (ج۱ص۴۲۳)۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) تهذيب التهذيب (ج۱ص۲۶۳)۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "إسرائيل ثبت في حديث أبي إسحاق"۔(۱)

اسرائیل بن یونس کے بارے میں محدثین اور علماء جرح وتعدیل کے اقوال آپ کے سامنے ہیں، ان تمام حضرات نے ان کی بھرپور توثیق کی ہے، جبکہ بعض حضرات نے ان پر کلام بھی کیا ہے، چنانچہ:

امام یحیی القطان رحمۃ اللہ علیہ ان کی ابو یحیی القتات سے لی ہوئی روایات کی وجہ سے کلام کیا کرتے تھے اور کہتے تھے "روى عنه مناكير"۔(۲)

اسی طرح یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "صالح الحديث، وفي حديثه لين"۔(۳)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں "ثقة صدوق، وليس في الحديث بالقوي ولا بالساقط"۔(۴)

اسی طرح ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اسرائیل کو مطلقاً ضعیف قرار دے دیا اور ان کی روایات میں سے بہت سی روایات کو رد کر دیا۔(۵)

اسی طرح علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "إسرائيل ضعيف"۔(۶)

اسرائیل بن یونس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مذکورہ حضرات کے کلام میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو جرح مبہم ہے، جیسا کہ علی بن المدینی، یعقوب بن شیبہ یا ابن حزم کا کلام ہے، جہاں تک یحیی القطان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا تعلق ہے، سو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں تفصیل ذکر کی ہے، جس سے اسرائیل کا دامن بالکل صاف ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"وقد بحثت عن ذلك، فوجدت الإمام أبا بكر بن أبي خيثمة قد كشف علة ذلك، وأبانها بما فيه الشفاء لمن أنصف، قال ابن أبي خيثمة في تاريخه: قيل ليحيى بن

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) تهذيب التهذيب (ج ۱ ص ۲٦٢)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(٤) تهذيب التهذيب (ج ۱ ص ۲٦٢)۔

(٥) تهذيب التهذيب (ج ۱ ص ۲٦٣)۔

(٦) تهذيب الكمال (ج ۲ ص ٥٢٢)۔

معين: إن إسرائيل روى عن أبي يحيى القتات ثلاثمائة، وعن إبراهيم بن مهاجر ثلاثمائة يعني مناكير، فقال: لم يؤت منه، أتي منهما"۔ (۱)

مطلب یہ ہے کہ ''میں نے امام یحیی القطان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی، چنانچہ مجھے اس کی وجہ امام ابوبکر بن ابی خیثمہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوگئی، انہوں نے جو وجہ بیان کی ہے اس سے ہر انصاف پسند شخص مطمئن ہوسکتا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ امام یحیی بن معین سے کسی نے کہا کہ اسرائیل نے ابویحیی القتات سے تین سو اور ابراہیم بن مہاجر سے تین سو منکر روایات نقل کی ہیں، ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہ نکارت اسرائیل کی وجہ سے نہیں، بلکہ ابویحیی القتات اور ابراہیم بن المہاجر کی وجہ سے آئی ہے''۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''بات حقیقت میں یہی ہے جو ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں، لہذا ابن القطان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے ان احادیث منکرہ پر نکیر کی ہے، جو وہ ابویحیی القتات سے نقل کرتے ہیں اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ نکارت اسرائیل کی وجہ سے ہے، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ نکارت ابویحیی کی وجہ سے ہے، ویسے بھی ابویحیی کی ائمۂ ناقدین نے تضعیف کی ہے اور اسرائیل کی علماء نے توثیق کی ہے، لہذا یہاں بھی کلام ابویحیی پر محمول کرنا اولی ہوگا، بہ نسبت اسرائیل کے''۔ (۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ دیگر حضرات کی تضعیف کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وبعد ثبوت ذلك، واحتجاج الشيخين به لا يحمل من متأخر لا خبرة له بحقيقة من تقدمه أن يطلق على إسرائيل الضعف، ويرد الأحاديث الصحيحة التي يرويها دائما، لاستناده إلى كون القطان كان يحمل عليه من غير أن يعرف وجه ذلك الحمل ....."۔ (۳)

---

(۱) هدی الساری (ص۳۹۰)۔

(۲) هدی الساری (ص۳۹۰)۔

(۳) حوالہ بالا۔

مطلب یہ ہے کہ ”جب علماء جرح وتعدیل کی توثیقات سامنے آگئیں اور شیخین کا ان سے احتجاج بھی ثابت ہوگیا تو اب کسی ایسے متأخر شخص کے لئے جس کو اپنے متقدمین کے بارے میں صحیح علم نہ ہو ان پر ضعف کا اطلاق کردینا اور اس بنیاد پر ان کی صحیح روایات کو رد کردینا بالکل نامناسب ہے، اس سلسلہ میں ابن القطان کے قول سے استناد بھی فائدہ مند نہیں جبکہ وہ ابن القطان کے قول کا صحیح محمل نہ جانتا ہو“۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بہت زوردار انداز سے ان کا دفاع کیا ہے، چنانچہ فرمایا:

"إسرائيل اعتمده البخاري ومسلم في الأصول، وهو في الثبت كالأسطوانة، فلا يلتفت إلى تضعيف من ضعفه"۔ (۱)

یعنی ”اسرائیل پر امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اصول میں احتجاج کیا ہے نہ کہ متابعات وفروع میں، وہ ثقہ اور ثبت ہونے میں اسطوانہ (ستون) کی طرح ہیں، لہذا ان کو ضعیف قرار دینے والوں کے کلام کی طرف التفات ہی نہیں کرنا چاہئے“۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة تكلم فيه بلا حجة"۔ (۲)

نیز حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وسماع إسرائيل من أبي إسحاق في غاية الإتقان؛ للزومه إياه، لأنه جده، وكان خصيصا به"۔ (۳)

یعنی ”اسرائیل کا ابواسحاق سے سماع انتہائی مضبوط ہے، کیونکہ وہ ابواسحاق کے ساتھ لازم رہتے تھے، کیونکہ وہ ان کے دادا تھے اور ان کے ساتھ مختص ہوگئے تھے“۔

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ ان کی کچھ روایات، جو منکر سمجھی جاتی ہیں، نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

(۱) میزان الاعتدال (ج۱ ص۲۰۹)۔

(۲) تقریب التهذیب (ص ۱۰٤) رقم (٤٠١)۔

(۳) فتح الباری (ج۱ ص۳٥١)، کتاب الوضوء، باب: إذا ألقي على ظهر المصلي قذر أو جيفة لم تفسد عليه صلاته۔

"وإسرائيل بن يونس بن أبي إسحاق السبيعي كثير الحديث، مستقيم الحديث، في حديث أبي إسحاق وغيرهم، وقد حدث عنه الأئمة، ولم يتخلف أحد في الرواية عنه، وهذه الأحاديث التي ذكرتها من أنكر أحاديثه، رواها، وكل ذلك يحتمل"۔ (۱)

یعنی "اسرائیل بن یونس کثیر الحدیث اوران کی روایات، خواہ ابواسحاق کی ہوں یا کسی اور کی، درست ہیں، ان سے بڑے بڑے ائمہ نے روایت کی ہے، کسی نے ان کی روایات کا انکار نہیں کیا، یہ حدیثیں جو میں نے ذکر کی ہیں ان کی منکرترین روایات میں سے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو بھی گوارا کیا جا سکتا ہے"۔

اسی طرح وہ آگے جا کر فرماتے ہیں:

"وسائر ما ذكرت من حديثه وما لم أذكره كلها محتملة، وحديثه عامتها مستقيمة، وهو من أهل الصدق والحفظ"۔ (۲)

یعنی "ان کی تمام حدیثیں جو میں نے ذکر کیں یا ذکر نہیں کیں سب قابل قبول ہیں، ان کی اکثر حدیثیں درست ہیں، وہ صدق اور حفظ سے متصف رواۃ میں سے ہیں"۔

نیز وہ فرماتے ہیں

"ولإسرائيل أخبار كثيرة غير ما ذكرته، وأصنافها عن الشيوخ الذين يروي عنهم، وحديثه الغالب عليه الاستقامة، وهو ممن يكتب حديثه ويحتج به"۔ (۳)

یعنی "اسرائیل کی جو احادیث میں نے ذکر کی ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں، بلکہ اس سے کئی گنا زائد روایات، وہ اپنے شیوخ سے نقل کرتے ہیں، ان کی اکثر احادیث درست ہیں، وہ ان رواۃ میں سے ہیں جن کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں اور جن کی روایات سے استدلال و

(۱) الکامل لابن عدی (ج۱ص۴۲۵)۔

(۲) الکامل لابن عدی (ج۱ص۴۲۶)۔

(۳) حوالہ بالا۔

احتجاج کیا جاتا ہے"۔

اسرائیل بن یونس رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ یا ۱۶۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۱) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۳) ابواسحاق

یہ مشہور تابعی محدث ابواسحاق عمرو بن عبداللہ بن عبید سبیعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب الصلاة من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۴) الأسود

یہ مشہور تابعی اسود بن یزید بن قیس نخعی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی کنیت ابوعمرو یا ابوعبدالرحمٰن ہے۔(۳)

یہ عبدالرحمٰن بن یزید کے بھائی، علقمہ بن قیس کے بھتیجے اور ابراہیم نخعی کے ماموں تھے، یہ عمر میں اپنے چچا علقمہ سے بڑے تھے۔(۴)

انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت بلال، حضرت عائشہ، حضرت ابومحذورہ اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت حدیث کی ہے۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے عبدالرحمٰن، بھائی عبدالرحمٰن بن یزید، بھانجے ابراہیم نخعی، عمارۃ بن عمیر، ابواسحاق سبیعی، ابو بردہ بن ابی موسی، محارب بن دثار اور اشعث بن ابی الشعثاء رحمہم اللہ

(۱) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲ص۵۲۴)۔

(۲) کشف الباری (ج۲ص۳۷۰)۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۳ص۲۳۳)۔

(۴) تہذیب الأسماء واللغات (ج۱ص۱۲۲)۔

وغیرہ ہیں۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "ما بالعراق رجل أكرم عليّ من الأسود"۔ (۲) یعنی "عراق میں میرے نزدیک اسود سے زیادہ کوئی محترم نہیں"۔

عمارۃ بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما كان الأسود إلا راهباً من الرهبان"۔ (۳) یعنی "اسود کی عبادت گذاری اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ عالم تھا کہ گویا وہ تارک الدنیا راہبوں میں سے تھے"۔

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كوفي، جاهلي، ثقة، رجل صالح"۔(۴)

یعنی "یہ کوفہ کے ہیں، زمانہ جاہلیت پایا ہے، ثقہ اور نیک آدمی ہیں"۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان شاگردوں اور اصحاب میں شمار کیا ہے جن کو فتویٰ دینے کی اجازت تھی۔(۵)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان فقيها زاهداً"۔(۶)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة من أهل الخير"۔(۷)

امام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۸)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "قال أحمد بن حنبل: هو ثقة، من أهل الخير، واتفقوا على توثيقه وجلالته"۔(۹)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے، تهذيب الكمال (ج۳ص۲۳۳، ۲۳۴)۔

(۲) طبقات ابن سعد (ج٦ص٧٣)۔

(۳) تعليقات تهذيب الكمال (ج٣ص٢٣٥)۔

(٤) تهذيب التهذيب (ج١ص٣٤٣)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(٦) الثقات لابن حبان (ج٤ص٣١)۔

(٧) تهذيب الكمال (ج٣ص٢٣٤)۔

(۸) حوالہ بالا۔

(٩) تهذيب الأسماء واللغات (ج١ص١٢٢)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وھو نظیر مسروق في الجلالة والعلم والثقة والسن، يضرب لعبادتهما المثل"۔(۱)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وكان ثقة وله أحاديث صالحة"۔(۲)

اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ عابد، زاہد اور شب زندہ دار بزرگ تھے، ان کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ رمضان میں دو راتوں میں اور غیر رمضان میں چھ راتوں میں ایک قرآن کریم مکمل کرنے کا معمول تھا، جبکہ روزانہ سات سو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔(۳)

اس پر بھی لوگ کہتے تھے کہ اسود اپنے خاندان میں سب سے کم عبادت کرنے والے سمجھے جاتے تھے۔(۴)

یہی وجہ ہے کہ لوگ کہا کرتے تھے "آل الأسود أهل الجنة"۔(۵) یعنی "اسود کے خاندان والے جنتی ہیں"۔

اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے سلسلہ میں علماء سے بہت سے اقوال منقول ہیں، تاہم حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب سے راجح قول ۷۵ھ کا ہے۔(۶) رحمه الله تعالى رحمة واسعة۔

(۵) ابن الزبیر

یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہما ہیں، ان کے حالات پیچھے "باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔

---

(۱) سير أعلام النبلاء، (ج۴ص۵۰)۔

(۲) طبقات ابن سعد (ج۶ص۷۵)۔

(۳) سير أعلام النبلاء، (ج۴ص۵۱)۔

(۴) تهذيب الأسماء واللغات (ج۱ص۱۲۲)۔

(۵) عمدة القاري (ج۲ص۲۰۲)۔

(۶) سير أعلام النبلاء، (ج۴ص۵۳)

(۶) عائشہ

یہ ام المؤمنین صدیقہ بنت صدیق حضرت عائشہ بنت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے ذیل میں مختصراً آچکے ہیں۔(۱)

قال: قال لي ابن الزبير: كانت عائشة تسر إليك كثيراً فما حدثتك في الكعبة؟

اسود کہتے ہیں کہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمہیں بہت سی راز کی باتیں بتایا کرتی تھیں، انہوں نے تمہیں کعبہ کی تعمیر کے سلسلہ میں کیا بتایا؟

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور انہوں نے سماع بھی کیا ہے، تاہم اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کے علوم حاصل کرنے کے لئے کثرت سے آمدورفت رکھتے تھے، اس لئے ان کو بہت سی باتیں لوگوں کی غیر موجودگی میں بتایا کرتی تھیں، غالباً اسی خصوصیت کے بنا پر حضرت ابن الزبیر نے "تسر إليك كثيرا" کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے جو اسود رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت عبداللہ بن الزبیر نے کعبہ کی تعمیر جدید کا ارادہ کیا تھا، صورت یہ ہوئی تھی کہ حصین بن نمیر، یزید بن معاویہ کی طرف سے حضرت عبداللہ بن الزبیر کو مغلوب کرنے کے لئے ایک لشکر جرار کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوا، محرم ۶۴ھ کے اواخر میں مکہ پہنچا، تقریباً چونسٹھ دنوں تک اس نے محاصرہ کیا، اس کے بعد جب یزید کی موت واقع ہوگئی تو یہ لشکر واپس چلا گیا، یزید کے بعد اس کا بیٹا معاویہ بن یزید خلیفہ بنا، جو چار مہینے کے بعد مرگیا، پھر مروان حاکم بنا، دس مہینے زندہ رہا، وہ بھی مرگیا، اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا اور اس نے آہستہ آہستہ تمام بلاد پر قبضہ کرلیا اور مکہ مکرمہ کی طرف حجاج بن یوسف ثقفی کو بھیجا، اس نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کرڈالا اور اس طرح بیت اللہ شریف اور مکہ مکرمہ پر بھی عبدالملک کا قبضہ ہوگیا۔

---

(۱) کشف الباری (ج ۱ ص ۲۹۱)۔

اہل شام کی اس چڑھائی کے دوران انہوں نے بیت اللہ شریف کے اردگرد پہاڑوں پر منجنیق نصب کر کے پتھر برسائے اور آگ برسائی، جس سے کعبہ کی تعمیر اور اس کے غلاف کو نقصان پہنچا۔

جب حصین بن نمیر کا محاصرہ ختم ہوا اور حضرت عبداللہ بن الزبیر کو کچھ سکون حاصل ہوا تو انہوں نے کعبہ کی جدید تعمیر کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں مشورے کئے، بعض تو ان کے ہم خیال تھے، لیکن بہت سے حضرات کی رائے تھی کہ کعبہ کو علی حالہا باقی رکھا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہی تھی اور ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ جس عمارت کے اطراف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا، جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی نظریں پڑیں ان میں تغیر نہ کیا جائے، بلکہ اصلاح وترمیم کردی جائے۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا واہ! اگر تم میں سے کسی آدمی کا مکان جل جائے تو ہمیشہ تجدید ہی کی کوشش کرتے ہو، کبھی ترمیم واصلاح پر راضی نہیں ہوتے، پھر بیت اللہ کی جدید تعمیر کیوں نہ کی جائے!!۔

لوگوں کو جب تأمل ہوا تو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ خود اپنے ہاتھ میں کدال لے کر اوپر چڑھ گئے اور اپنے ہاتھ سے پتھر گرانے شروع کردیے، جب لوگوں نے دیکھا کہ ان کو کوئی گزند نہیں پہنچا تو دوسرے بھی شامل ہوگئے، اس کے بعد کعبۃ اللہ کو بنیاد تک کھود ڈالا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں تلاش کی گئیں جو مل گئیں، حضرت ابن الزبیر نے اسی کے مطابق تعمیر کی۔ (۱)

حضرت ابن الزبیر کو چونکہ اپنی تائید مقصود تھی، اس لئے اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا بیان کیا تھا؟

چنانچہ حضرت ابن الزبیر نے کعبہ کی تعمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے مطابق کردی، دروازوں کو نیچے کردیا، دو دروازے کردیے اور حطیم کے حصے کو کعبہ کی تعمیر کے اندر لے لیا۔

---

(۱) تفصیلات کے لئے دیکھئے الکامل فی التاریخ (ج ۳ ص ۳۱٦-۳۵٤)، والبدایۃ والنہایۃ (ج ۸ ص ۲۵۰ و ۳۵۱)۔ نیز دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الحج، باب نقض الکعبۃ وبنائہا، رقم (۳۲٤۵)، وفتح الملہم (ج ۳ ص ۳٦٤-۳٦٦)۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے بعد جب عبدالملک کے سپہ سالار حجاج بن یوسف کا غلبہ ہوا تو اس نے عبدالملک کے حکم سے بیت اللہ شریف کو ڈھا کر دوبارہ قریش کی تعمیر کے مطابق کر دیا۔

عبدالملک بن مروان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں پہنچا تھا، بعد میں جب اسے علم ہوا تو اس نے افسوس کیا اور کہا "وددنا أنا تركناه وماتولى من ذلك" یعنی " کاش ہم کعبہ کو ابن الزبیر نے جس طرح کیا تھا اس حال میں چھوڑ دیتے!"

بعد میں عباسی خلیفہ مہدی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا کہ کعبہ کو از سر نو حضرت ابن الزبیر کی تعمیر کے مطابق بنادیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت حکیمانہ مشورہ دیا اور فرمایا "إني أكره أن يتخذها الملوك لعبة" یعنی مجھے یہ اندیشہ ہے کہ امراء و حکام بیت اللہ شریف کو کھلونا بنا ڈالیں گے کہ ایک کو ابن الزبیر کی تعمیر پسند آئے گی، دوسرے کو حجاج کی اور کسی تیسرے کو کوئی اور صورت پسند آسکتی ہے، اس طرح کعبہ کھلونا بن کے رہ جائے گا، چنانچہ خلیفہ مہدی نے اپنا ارادہ ختم کر دیا۔ (۱) واللہ اعلم

قلت: قالت لي:

میں نے کہا (یعنی اسود بن یزید نے کہا) کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیان کیا۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے "قلت: لقد حدثتني حديثا كثيراً نسيت بعضه، وأنا أذكر بعضه، قال: أي ابن الزبير، ما نسيت أذكرتك، قلت: قالت ..... "۔ (۲)

مطلب یہ ہے کہ " اسود کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے مجھے بہت سی حدیثیں سنائیں ان میں بعض مجھے یاد ہیں اور بعض میں بھول چکا ہوں، ابن الزبیر نے فرمایا کہ آپ سنائیں، جو آپ بھول رہے ہوں گے میں یاد دلا دوں گا، پھر اسود نے مذکورہ حدیث سنائی"۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: يا عائشة، لو لا قومك حديث عهدهم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! اگر تیری قوم (یعنی قریش) نو مسلم نہ ہوتی۔

(۱) دیکھئے البداية والنهاية (ج۸ ص ۲۵۰)۔

(۲) انظر فتح الباري (ج۱ ص ۲۲٤)۔

"حديث عهدهم" میں "حدیث" پر تنوین ہے اور "عهدهم" میں "عهد" مرفوع ہے، جو "حدیث" صفت مشبہ کا فاعل ہے۔(۱)

قال ابن الزبير : بكفر

ابن الزبیر نے فرمایا: یعنی کفر کا زمانہ ابھی ابھی گزرا نہ ہوتا۔

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے یہاں پہنچ کر "بكفر" کا جو لقمہ دیا اس کا کیا مطلب ہے؟

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ جب "حديث عهدهم" تک اسود پہنچے تو حضرت ابن الزبیر نے "بكفر" کہہ کر بقیہ تتمۂ حدیث کی طرف اشارہ کر دیا۔

یا یہ مطلب ہے کہ اسود نے اول حدیث بیان کر کے آخر حدیث تک اشارہ کر دیا، اور یہ اسی طرح ہے جیسے کہا جاتا ہے "قرأت الٓمٓ ذلك الكتاب" یعنی میں نے "الٓمٓ ذلك الكتاب" پڑھی ہے۔ جس کا مقصد پوری سورت کے پڑھنے کی خبر دینا ہے، جب اسود نے حدیث کے اول حصے کو پڑھا، ابن الزبیر نے یہ بتادیا کہ اس کا آخر حصہ یہ ہے۔(۲)

لیکن اقرب بات یہ ہے کہ اسود نے جب "لولا قومك حديث عهدهم" تک حدیث سنائی تو ان کو اگلے لفظ کے بارے میں شک ہوا اور وہ اس پر اٹکے، ابن الزبیر نے اس موقع پر بتایا کہ اگلا لفظ "بكفر" ہے، یہ لفظ ان کو یاد نہیں تھا۔

رہا اس سے اگلا مضمون سو اس میں دو احتمال ہیں، ہوسکتا ہے کہ اگلا مضمون اسود کو یاد نہ ہو، ابن الزبیر نے پڑھا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسود کو وہ حصہ یاد ہو اور انہوں نے ہی اسے پڑھا ہو۔

کیا اس روایت میں ادراج ہے؟

یہ روایت مستخرج اسماعیلی میں ہے، اس میں ہے کہ اسود نے کہا "حدثني حديثا حفظت أوله

(۱) فتح الباري (ج۱ص۲۲٤)۔

(۲) شرح الكرماني (ج۲ص۱۵۲)۔

ونسيت آخره" اسماعیلی نے اس کو "زهير بن معاوية عن أبي إسحاق" کے طریق سے نقل کیا ہے اور اسے اسرائیل کی روایت باب پر راجح قرار دیا ہے۔(۱)

اسماعیلی کی اس روایت سے احتمال اول کی تائید ہوتی ہے کہ اسود نے صرف پہلا حصہ سنایا، آخر کا حصہ نہیں سنایا کہ وہ انہیں یاد نہیں تھا۔

لیکن اسود ہی کی روایت مصنف نے آگے کتاب الحج (۲) اور کتاب التمنی (۳) میں نقل کی ہے، اس میں پوری روایت اسود ہی سے مروی ہے، نیز صحیح مسلم (۴) سنن نسائی (۵) اور جامع ترمذی (۶) میں یہی روایت اسود بن یزید سے مروی ہے، ان سب میں مکمل حدیث ان ہی سے منقول ہے، البتہ ان سب میں "بکفر" کی جگہ "بالجاهلية" کا لفظ ہے۔

اس سے احتمال ثانی کی تائید ہوتی ہے کہ اسود کو پوری روایت یاد تھی اور انہوں نے ہی پوری روایت نقل کی ہے۔

اگر اسماعیلی کی روایت کو صحیح مانا جائے تو کہا جائے گا کہ اسود کی بقیہ روایات میں ادراج ہے، یعنی ایک حصہ تو کسی راوی نے اسود سے سن کر نقل کیا اور دوسرا حصہ ابن الزبیر کا روایت کردہ ہے، جس کو کسی راوی نے ادراج کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔

اور اگر اسماعیلی کی روایت کو صحیح نہ مانا جائے، یا یہ کہا جائے کہ "نسيت آخره" کا مطلب صرف ایک آدھ کلمہ ہے، پورا بقیہ حصہ نہیں، تو پھر یہ کہا جائے گا کہ پوری روایت اسود ہی نے نقل کی ہے اور یہ ان ہی کی مرویات میں سے ہے (۷)۔ واللہ اعلم

(۱) فتح الباري (ج۱ ص۲۲۵)۔

(۲) دیکھئے صحيح البخاري (ج۱ ص۲۱۵)، كتاب الحج، باب فضل مكة وبنيانها، رقم (۱۵۸۴)۔

(۳) دیکھئے صحيح البخاري (ج۲ ص۱۰۷۵ و۱۰۷۶)، كتاب التمني، باب ما يجوز من اللو، رقم (۷۲۴۳)۔

(۴) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جدر الكعبة وبابها، رقم (۳۲۴۹)۔

(۵) سنن النسائي، كتاب المناسك، باب بناء الكعبة، رقم (۲۹۰۵)۔

(۶) جامع الترمذي، أبواب الحج، باب ما جاء في كسر الكعبة، رقم (۸۷۵)۔

(۷) دیکھئے فتح الباري (ج۱ ص۲۲۵)۔

لنقضت الكعبة، فجعلت لها بابين: باب يدخل الناس وباب يخرجون، ففعله ابن الزبير

تو میں کعبہ کو توڑتا، پھر اس کے دو دروازے بناتا، ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے اور ایک دروازے سے لوگ نکلتے، چنانچہ ابن الزبیر نے ایسا ہی کر دیا۔

ابوذر کے نسخہ میں یہاں دونوں جگہ "بابا" منصوب واقع ہے، اس صورت میں اس کو "بابین" سے بدل قرار دیں گے۔

جبکہ باقی تمام حضرات کے نسخوں میں "باب" رفع کے ساتھ ہے، جو استئناف پر محمول ہے۔(۱) واللہ اعلم

حدیثِ باب کی
ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث باب کی مطابقت بالکل واضح ہے کہ چونکہ قریش کعبہ شریف کے سلسلے میں نہایت حساس اور اس کی بہت زیادہ تعظیم کرنے والے تھے، چونکہ وہ نومسلم تھے، اسلام میں نئے نئے آئے تھے، ان کے دل میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کعبہ کی تعمیر میں تبدیلی کی ہے وہ اس وجہ سے کہ قریش کے اوپر آپ کو امتیاز حاصل ہو جائے اور اس سے پھر فتنہ ہو سکتا تھا، آپ نے اس اندیشہ کی وجہ سے اس کام کو ترک کر دیا۔(۲) واللہ أعلم۔

---

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۵)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

۴۹ – باب : مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُونَ قَوْمٍ ، كَرَاهِيَةَ أَنْ لَا يَفْهَمُوا .

یہ باب اس شخص کے بارے میں ہے جو علم کو ایک جماعت کے ساتھ خاص کر دیتا ہے، دوسری جماعت کو وہ علم نہیں سکھاتا، اس خوف سے کہ یہ دوسری جماعت سمجھ نہیں پائے گی۔ یہاں پر "دون" غیر کے معنی میں ہے، "أدون" کے معنی میں نہیں۔(۱)

باب سابق سے مناسبت

اس باب کی مناسبت باب سابق سے بہت ہی واضح ہے کہ پہلے باب میں لوگوں کی کم فہمی کی وجہ سے بعض اعمال مختارہ ومستحبہ اور امور مباحہ کا ترک مذکور تھا، جبکہ اس باب میں اسی خوف سے کچھ لوگوں کو علمی باتیں نہ بتانا مذکور ہے۔(۲)

مقصدِ ترجمۃ الباب

اور سابق باب اور اس باب میں فرق

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس باب سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حاضرین کے فہم کے اعتبار سے کلام کرنا چاہئے، ان کی عقل ودانش کے اعتبار سے کوئی بات کہنی چاہئے، ایسی بات نہ کہنی چاہئے جو ان کے دائرۂ فہم سے باہر ہو اور وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں، لہذا اگر کچھ غامض علوم ہوں، جو ہر شخص کے سامنے بیان نہیں کئے جاسکتے ہوں وہ ہر شخص کے سامنے بیان نہ کئے جائیں، بلکہ جو اس کے اہل ہوں، سمجھ دار ہوں، ان کے سامنے بیان کئے جائیں، اسی طرح اگر کوئی آدمی ایک خاص جماعت کو علم سکھائے، دوسری کو نہ سکھائے اس خوف کی وجہ سے کہ وہ سمجھ نہیں پائیں گے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، یہ جائز ہے۔

---

(۱) فتح الباري (ج۱ص۲۲۵)، وعمدة القاري (ج۲ص۲۰٤)۔

(۲) عمدة القاري (ج۲ص۲۰٤)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب سے مقصود یہی ہے کہ اگر شیخ اپنے کسی ذکی شاگرد کو یا کسی مخصوص جماعت کو مخصوص وقت میں خصوصی استفادہ کا موقع دے اور دوسروں کو نہ دے تو اس کی اجازت ہے اور یہ کتمان علم میں داخل نہیں ہے اور نہ ہی دوسروں کو اس پر کسی قسم کے اعتراض کا حق ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دو مجلسیں ہوا کرتی تھیں، ایک مجلس عام ہوتی تھی اور دوسری مجلس میں صرف علماء حفاظ ہی حاضر ہوتے تھے۔(۱)

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ پہلا ترجمۃ الباب عام ہے، جو اقوال وافعال دونوں کو شامل ہے، جبکہ یہ باب مختص بالاقوال ہے۔(۲)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ترجمہ کا تعلق تو شریف ووضیع کے درمیان تفریق سے ہے اور ترجمہ سابق کا تعلق غبی وبلید اور ذکی وفطین کے درمیان تفریق سے ہے۔(۳)

حاصل یہ ہے کہ حضرات علماء کرام کو علمی بات یا مسئلہ بیان کرتے ہوئے مخاطبین کا خیال رکھنا چاہئے، اگر قاصر الفہم اور غبی وبلید قسم کے لوگ ہوں تو ان کے سامنے علمی اور دقیق مسائل نہ بیان کئے جائیں اسی طرح شریف اور وضیع کے فرق کا بھی خیال رکھا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرات علماء کرام مخصوص مخصوص چیزوں کو بیان کرنا پسند نہیں کرتے تھے، مثلاً حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث کے بیان کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے جن سے خروج علی السلطان یعنی "سلطان المسلمین" کے خلاف بغاوت کا مضمون معلوم ہوتا ہو۔(۴)

امام مالک احادیثِ صفات کو بیان کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔(۵)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: "من تتبع غریب الحدیث کُذِّب"۔(۶)

---

(۱) الكنز المتواري (ج۲ص۳۸۵)۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص۲۲۵)۔

(۳) فیض الباري (ج۱ص۲۲۳)۔

(۴) دیکھئے فتح الباري (ج۱ص۲۲۵)۔

(۵) حوالۂ سابقہ۔

(۶) المحدث الفاصل بين الراوي والواعي (ص۵۶۲) فقرہ (۷۶۹)، نیز دیکھئے الكفاية في علم الرواية (ص۱۴۲)، وجامع بيان العلم وفضله (ج۲ص۱۰۳۳)، رقم (۱۹۸۶)۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دوظروف حاصل کئے تھے، جن میں سے ایک ظرف تو انہوں نے لوگوں میں پھیلا دیا اور دوسرے کو بیان نہیں فرمایا(۲)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب حجاج بن یوسف کے سامنے عرنیین کی حدیث بیان کی تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پسند نہیں کیا، اس لئے کہ حجاج نے اس حدیث کو خونریزی کا ذریعہ بنایا۔(۳)

اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ جہاں ظاہر حدیث مراد نہ ہو اور ظاہر حدیث سے بدعت کو تقویت مل رہی ہو ایسے مواقع میں احادیث کو چھپانا چاہئے کہ سننے والا ظاہر کو لے کر بیٹھ جائے گا۔(۴)

۱۲۷ : وَقَالَ عَلِيٌّ : حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ ، أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللهُ وَرَسُولُهُ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو (دین کی) وہی باتیں بتاؤ جن کو وہ سمجھ سکتے ہوں، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول جھٹلائے جائیں؟

اللہ اور اللہ کے رسول کی تکذیب اس لئے ہوگی کہ یہ بات ان کی سمجھ میں آئے گی نہیں، وہ ان کے دائرۂ فہم سے باہر ہوگی تو وہ اس کو محال سمجھیں گے اور انکار کر دیں گے، اگر وہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی تکذیب لازم آئے گی اور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آئے گی۔

آدم بن ابی ایاس کی "کتاب العلم" اور ابونعیم کی "مستخرج" کی روایت میں مزید اضافہ ہے "ودعوا ماینکرون"۔ (۵) یعنی "جو معروف نہ ہو اور جس کی فہم مشتبہ ہو جائے اسے چھوڑ دو"۔

---

(۱) فتح المغیث للسخاوی (ج ٤ ص ١٠)۔

(۲) صحیح البخاری (ج ١ ص ٢٣) کتاب العلم، باب حفظ العلم، رقم (١٢٠)۔

(۳) دیکھئے فتح الباری (ج ١ ص ٢٢٥)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) فتح الباری (ج ١ ص ٢٢٥)۔

اس اثر سے معلوم ہوا کہ متشابہات کو عام لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "ما أنت بمحدث قوما حديثا لا تبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة"۔ (۱) یعنی "جب بھی تم کسی کو ایسی حدیث سناؤ گے جہاں تک اس کی عقل نہ پہنچ پائے تو اس کے لئے وہ آزمائش کا ذریعہ بن جائے گی"۔

اسی طرح حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما حدثت أحدا شيء من العلم قط لم يبلغه عقله إلا كان ضلالا عليه"۔ (۲) یعنی "میں نے جب بھی کسی سے اس کی عقل سے اونچی بات کی وہ اس کے لئے غلطی اور گمراہی میں پڑنے کا باعث بن گئی"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "لقد حدثتكم بأحاديث لو حدثت بها زمن عمر لضربني بالدِّرة" (۳) یعنی "میں نے تمہیں وہ احادیث سنائی ہیں کہ اگر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ حدیثیں سناتا تو وہ میری درے سے خبر لیتے"۔

حدّثنا عُبَيْدُ ٱللّٰهِ بْنُ مُوسَى ، عَنْ مَعْرُوفِ بْنِ خَرَّبُوذٍ ، عَنْ أَبِي ٱلطُّفَيْلِ ، عَنْ عَلِيٍّ : بِذَٰلِكَ .

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر کی سند ہے، ابوذر کی روایت میں سند حسب معمول مقدم ہے، اور کشمیہنی کی روایت میں یہ پورا اثر مع سند ساقط ہے، جبکہ باقی حضرات کے نسخوں میں پہلے متن ہے اور بعد میں سند مذکور ہے۔ (۴)

تقدیم متن علی السند کی کیا وجہ ہے؟

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے کئی نکتے ذکر کئے ہیں، ایک یہ کہ حدیث مرفوع اور اثر صحابی میں

---

(۱) مقدمة صحيح مسلم، باب النهي عن الحديث بكل ماسمع، رقم (۱۳)، وجامع بيان العلم وفضله (ج۱ص۵۳۹) رقم (۸۸۸)۔

(۲) جامع بيان العلم وفضله (ج۱ص۵۳۹)، رقم (۸۸۹)۔

(۳) جامع بيان العلم وفضله (ج۲ص۱۰۰۲)، رقم (۱۹۱۳)۔

(۴) دیکھئے فتح الباري (ج۱ص۲۲۵)۔

فرق ظاہر کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس اثر کو ترجمہ کا جزء بنانا چاہتے ہیں، اس لئے سند سے پہلے ہی متن کو ذکر کر دیا۔

تیسری محتمل وجہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ اس سند میں معروف بن خرّبوذ راوی ضعیف ہے، اس ضعیف راوی کے ضعف کی وجہ سے یہ تفریق کی ہے۔

یا مقصود تفنن اور تنوع ہے، کوئی امر زائد ملحوظ نہیں۔(۱)

تراجم رجال

(۱) عبیداللہ بن موسیٰ

یہ عبیداللہ بن موسیٰ بن باذام عبسی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب الإیمان وقول النبي صلی اللہ علیه وسلم:بني الإسلام علی خمس" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۲) معروف بن خرّبوذ

یہ معروف بن خرّبوذ (بفتح الخاء المعجمة، وتشدید الراء المفتوحة، بعدها باء موحدة مضمومة وبعدها واو ساكنة، وآخره ذال معجمة) مکی مولیٰ عثمان ہیں(۳) ان کا شمار صغار تابعین میں ہوتا ہے۔(۴)

یہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن بریدہ (إن كان محفوظاً)، ابوجعفر محمد

(۱) دیکھئے شرح الکرمانی (ج۲ص۱۵۵)۔

(۲) کشف الباری (ج۱ص۶۳۶)۔

(۳) تهذیب الکمال (ج۲۸ص۲۶۳)۔

(۴) هدی الساري (ص۴۴۴)۔

بن علی بن الحسین، محمد بن عمرو بن عتبہ اور ابوعبداللہ مولی ابن عباس رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ابو داود طیالسی، ابو عاصم النبیل، عبیداللہ بن موسیٰ، فضل بن موسیٰ سینانی، وکیع بن الجراح اور ابوبکر بن عیاش رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات ہیں۔(۱)

امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ضعیف"۔(۲)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما أدري كيف حديثه؟" (۳) یعنی "مجھے نہیں معلوم کہ ان کی حدیثیں کس درجہ کی ہیں؟"

امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے "لايتابع على حديثه، ولا يعرف إلا به"۔(٤)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الضعفاء میں نقل کیا ہے کہ یہ کتابیں خریدتے تھے اور ان سے حدیثیں بیان کیا کرتے تھے، بعد میں ان کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا، چنانچہ یہ توہم کے ساتھ روایت کر دیا کرتے تھے۔(۵)

لیکن حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معروف بن خربوذ کی روایات میں یہ بات نہیں پائی جاتی ممکن ہے کہ ابن حبان نے کسی اور کے حالات ان کے نام اور ترجمہ کے تحت ذکر کر دیے ہوں۔(۶)

ان کے مقابلہ میں ساجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صدوق"۔(۷)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "يكتب حديثه"۔(۸)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے تہذیب الكمال (ج۲۸ص۲٦۳و۲٦٤)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۲۸ص۲٦٤)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) كتاب الضعفاء للعقيلي (ج٤ص۲۲۰)۔

(٥) تهذيب التهذيب (ج۱۰ص۲۳۱)۔

(٦) حوالۂ بالا۔ قال الدكتور بشار في تعليقاته على تهذيب الكمال (ج۲۸ص۲٦٥): "كذا قال الحافظ، ولم نقف عليه في المطبوع من "المجروحين"۔

(۷) تهذيب التهذيب (ج۱۰ص۲۳۱)۔

(۸) تهذيب الكمال (ج۲۸ص۲٦٤)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صدوق، ربما وهم، وكان أخباريا، علامة"۔(۲)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صدوق شيعي"۔(۳)

حاصل یہ ہے کہ معروف بن خربوذ کی بیشتر حضرات نے تضعیف کی ہے، تاہم کچھ حضرات نے نرم الفاظ میں ان کی تعدیل بھی کی ہے۔

ان کی احادیث بہت کم ہیں (۴) پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف یہی ایک اثر ایسا نقل کیا ہے جس میں ان کا واسطہ موجود ہے، اس کے سوا کہیں ان سے کوئی روایت نہیں لی۔(۵)

جبکہ امام مسلم، امام ابوداود اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی صرف ایک حدیث کا اخراج کیا ہے "سمعت أبا الطفيل يقول: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يطوف بالبيت، ويستلم الركن بمحجن معه، ويقبل المحجن"۔(٦) (اللفظ لمسلم)

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کوئی مرفوع روایت نقل نہیں کی، ساتھ ساتھ متن کو مقدم کر کے اور سند کو مؤخر کر کے اشارہ بھی کر دیا کہ اس سند میں کچھ ضعف ہے، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی حدیث استشہاداً نقل کی ہے، اصالۃً نہیں۔(۷) واللہ أعلم

رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

---

(۱) الثقات لابن حبان (ج۵ص۴۳۹)۔

(۲) تقريب التهذيب (ص۵۴۰)، رقم (٦٧٩١)۔

(۳) ميزان الاعتدال (ج۴ص۱۴۴)، رقم (۸٦۵۵)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) هدي الساري (ص۴۴۴)۔

(٦) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز الطواف على بعير وغيره......، رقم (۳۰۷۷)، وسنن أبي داود، كتاب المناسك، باب الطواف الواجب، رقم (۱۸۷۹)، وسنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب من استلم الركن بمحجنه، رقم (۲۹۴۹)۔

(۷) دیکھئے تعليقات الكاشف (ج۲ص۲۸۰)، رقم (۵۵۵۱)۔

(۳) حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ

یہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ بن عبداللہ بن عمرو بن جحش لیثی رضی اللہ عنہ ہیں، بعض حضرات نے ان کا نام عامر کے بجائے عمرو بتایا ہے، لیکن اصح قول عامر ہی ہے۔(۱)

یہ غزوہ احد کے سال میں پیدا ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے انہوں نے تقریباً آٹھ سال پائے ہیں۔(۲)

انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت حدیث کی ہے۔

جبکہ ان سے روایت کرنے والوں میں حبیب بن ابی ثابت، امام زہری، ابوالزبیر مکی، علی بن زید بن جدعان، عبداللہ بن عثمان بن خثیم، معروف بن خربوذ، سعید الجریری اور فطر بن خلیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ بہت سے حضرات ہیں۔(۳)

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں سکونت اختیار کرلی تھی، پھر مکہ مکرمہ آگئے تھے، وہیں وفات پائی۔(۴)

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص محبین میں سے اور ان کے خصوصی اصحاب میں سے تھے، ان کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے فضل وکمال کا اعتراف کیا کرتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے تھے، تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا کرتے تھے۔(۵)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اہل بیت کے ساتھ اتصال وارتباط کی وجہ سے خوارج ان سے ناراض اور ان

---

(۱) تہذیب الکمال (ج ۱٤ ص ۷۹)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج ۱٤ ص ۷۹ و ۸۰)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) دیکھئے الاستیعاب بھامش الإصابة (ج ٤ ص ۱۱۷)۔

کے بارے میں مختلف قسم کی الزام تراشیاں کرتے تھے۔(۱)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں "وكان أبو الطفيل ثقة فيما ينقله، صادقا، عالما، شاعرا، فارسا، عمر دهرا طويلا، وشهد مع علي حروبه"۔(۲)

یعنی "آپ نقل میں معتمد اور ثقہ تھے، سچے تھے، عالم، شاعر اور شہسوار تھے، طویل عمر پائی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی تمام جنگوں میں شریک رہے"۔

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ وہ آخری صحابی ہیں جن کی وفات سے دنیا سے حضرات صحابہ کا دور ختم ہوا۔(۳)

آپ سے تقریباً بیس احادیث مروی ہیں (۴)، جن میں سے بخاری شریف میں صرف یہی ایک روایت ہے، جبکہ مسلم شریف میں دو روایتیں ہیں۔(۵)

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان سے چار حدیثیں مروی ہیں۔(۶) غالباً ان کی مراد اصول ستہ میں مروی احادیث ہیں، جو کل چار ہی ہیں۔(۷)

اصح قول کے مطابق ان کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا۔(۸) رضي الله عنه وأرضاه۔

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا تذکرہ اسی جلد میں باب "إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم" کے تحت گذر چکا ہے۔

(۱) تهذيب التهذيب (ج ۵ ص ۸۳)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج ۳ ص ۴۷۰)۔

(۳) دیکھئے سیر أعلام النبلاء (ج ۳ ص ۴۶۷)۔

(٤) الكامل لابن عدي (ج ٥ ص ٨٧)۔

(٥) خلاصة الخزرجي (ص ١٨٥)، وحاشية جامع المسانيد (ج ٣ ص ٩٦)۔

(٦) تعليقات معجم الصحابة (ج ١١ ص ٣٨٨٦)۔

(۷) دیکھئے حاشیہ جامع المسانید (ج ۳ ص ۹۶)۔

(٨) سير أعلام النبلاء (ج ٣ ص ٤٧٠)۔

۱۲۸ : حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ (۱) : أَنَّ ٱلنَّبِيَّ ﷺ ، وَمُعَاذٌ رَدِيفُهُ عَلَى ٱلرَّحْلِ ، قَالَ : (يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ) . قَالَ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ، قَالَ : (يَا مُعَاذُ) . قَالَ : لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ، ثَلَاثًا . قَالَ : (مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا ٱللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ ٱللّٰهِ ، صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ ، إِلَّا حَرَّمَهُ ٱللّٰهُ عَلَى ٱلنَّارِ) . قَالَ : يَا رَسُولَ ٱللّٰهِ ، أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ ٱلنَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوا ؟ قَالَ : (إِذًا يَتَّكِلُوا) . وَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا .

تراجم رجال

(۱) اسحاق بن ابراھیم

یہ فقہ وحدیث کے مشہور امام اسحاق بن ابراھیم بن مخلد حنظلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو ابن راھویہ اور اسحاق بن راھویہ کے نام سے معروف ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، "باب فضل من علم وعلم،" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۲)

(۲) معاذ بن ھشام

یہ معاذ بن ھشام بن ابی عبداللہ سنبر الدستوائی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ (۳)

یہ اشعث بن عبدالملک، بکیر بن ابی السمیط، شعبہ بن الحجاج، عبداللہ بن عون، یحییٰ بن العلاء الرازی اور اپنے والد ھشام الدستوائی رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے امام احمد، اسحاق بن راھویہ، علی بن المدینی، عمرو بن علی الصیرفی، محمد بن بشار بندار، عبیداللہ بن

(۱) قوله: "أنس بن مالك رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضا مباشرة في هذا الباب، رقم (۱۲۹)، ومسلم في صحيحه، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعا، رقم (۱۴۳) و (۱۴۸)۔

(۲) کشف الباري (ج۳ص۳۷۱)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۲۸ص۱۳۹)۔

عمر القواریری، بکر بن خلف، ابراہیم بن عرعرہ، ابوسعید الاشج، نصر بن علی، ابوہشام الرفاعی، یزید بن سنان اور زید بن اخزم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات کے علاوہ اور بہت سے حضرات روایت کرتے ہیں۔(۱)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صدوق، ولیس بحجة"۔ (۲)

نیز امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔ (۳)

نیز وہ فرماتے ہیں "لیس بذاك القوي"۔ (۴)

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة مأمون"۔ (۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صدوق، صاحب حدیث ومعرفة"۔ (۶)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرہ کے شروع میں لکھتے ہیں "معاذ بن هشام بن أبي عبدالله بن سنبر، الإمام، المحدث، الثقة، البصري"۔ (۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صدوق، ربما وهم"۔(۸)

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ولمعاذ بن هشام عن أبيه عن قتادة حديث كثير، ولمعاذ عن غير أبيه أحاديث صالحة، وهو ربما يغلط في الشيء بعد الشيء، وأرجو أنه صدوق"۔(۹)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "وكان من المتقنين"۔(۱۰)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۸ص۱۴۰ و ۱۴۱)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج۲۸ص۱۴۱)۔

(۳) تہذیب التہذیب (ج۱۰ص۱۹۷)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) میزان الاعتدال (ج۴ص۱۳۳)، رقم (۸۶۱۵)۔

(۷) سیر أعلام النبلاء (ج۹ص۳۷۲)۔

(۸) تقریب التہذیب (ص۵۳۶) رقم (۶۷۴۲)۔

(۹) الکامل (ج۶ص۴۳۴)۔

(۱۰) الثقات لابن حبان (ج۹ص۱۷۶ و ۱۷۷)۔

حاصل یہ ہے کہ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ان کے بارے میں مختلف ہے، کبھی تو انہوں نے ''ثقۃ'' کہہ کر توثیق کی ہے اور کبھی "صدوق، ولیس بحجۃ" کہہ کر توثیق کے ساتھ ساتھ ان کا درجہ بھی بتایا ہے کہ وہ ''حجت'' نہیں ہیں، ابن قانع، حافظ ذہبی اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالی نے ان کی توثیق کی ہے، تاہم ان کے اندر کچھ کمزوری اگر ہو تب بھی یہ قابل تحمل واحتجاج ہیں، حضرات شیخین نے ان پر اعتماد کیا ہے، اگر چہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بہت زیادہ حدیثیں نہیں لیں (۱)۔

۲۰۰ھ میں ان کی وفات ہوئی (۲)۔ رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

(۳) أبي

یہ معاذ بن ہشام کے والد ہشام بن ابی عبداللہ سنبر دستوائی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، "باب زيادة الإيمان ونقصانه" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۳)

(۴) قتادة

یہ امام قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان "باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۴)

(۵) انس بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات بھی کتاب الایمان "باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۵)

(۱) دیکھئے هدي الساري (ص٤٤٤)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج۹ ص۳۷۳)۔

(۳) كشف الباري (ج۲ ص٤٥٦)۔

(٤) كشف الباري (ج۲ ص۳)۔

(٥) كشف الباري (ج۲ ص٦)۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم ومعاذ رديفه على الرحل قال: يامعاذ بن جبل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ بن جبل! اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پالان پر ردیف تھے۔

"ردیف" یا "ردف" وہ شخص کہلاتا ہے جو کسی سواری کے پیچھے سوار ہو۔(۱)

"رحل" دراصل اونٹ کے پالان کو کہتے ہیں۔(۲) لیکن یہاں "رحل" کا اطلاق تجوزاً کیا گیا ہے کیونکہ کتاب الجہاد کی روایت میں آرہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حمار پر سوار تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اس حمار پر آپ کے ردیف تھے، اس حمار کا نام "عفیر" (بالعین المهملة والفاء مصغرا) تھا۔(۳)

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں، ایک میں سواری کا جانور اونٹ تھا اور دوسرے میں حمار۔(۴)

لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور "علی الرحل" کے معنی "على قدر مؤخرة الرحل" ہوں۔(۵)

اس کے بعد یہ سمجھو کہ بخاری شریف میں تو ہے "على حمار يقال له: عفير" (۶) لیکن مسند احمد میں ہے "يقال له يعفور"۔(۷)

اس سلسلے میں عبدوس اور ابن القیم رحمہما اللہ تعالیٰ کی رائے تو یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی حمار کے دو نام ہیں، لیکن حافظ دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ دو الگ الگ حمار تھے، ایک مقوقس نے بطور ہدیہ بھیجا

---

(۱) دیکھئے مختار الصحاح (ص ۲٤٠)۔

(۲) الرحل: رحل البعير، مختار الصحاح (ص ۲۳۷)، وانظر فتح الباري (ج ۱ ص ۲۲٦)۔

(۳) عن معاذ رضي الله عنه قال: "كنت ردف النبي صلى الله عليه وسلم على حمار، يقال له: عفير ..." صحيح البخاري (ج ۱ ص ٤٠٠)، كتاب الجهاد، باب اسم الفرس والحمار، رقم (۲۸٥٦)۔

(٤) دیکھئے شرح النووي على صحيح مسلم (ج ۱ ص ٤٤)، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعا۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(٦) صحيح البخاري (ج ۱ ص ٤٠٠)، كتاب الجهاد، باب اسم الفرس والحمار، رقم (۲۸٥٦)۔

(۷) مسند أحمد (ج ۵ ص ۲۳۸)، رقم (۲۲٤۲۳) حديث معاذ بن جبل رضي الله عنه۔

تھااور ایک فروہ بن عمر نے۔(۱) واللہ أعلم

"یا معاذ بن جبل" میں "ابن" تو بالاتفاق منصوب ہے، البتہ "معاذ" پر نصب پڑھیں گے یا ضمہ، اس میں اختلاف ہے، ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ ضمہ پڑھنے کے قائل ہیں اور ابن الحاجب رحمۃ اللہ علیہ فتحہ کے۔

ضمہ پڑھنے کی وجہ واضح ہے کہ یہ منادی مفرد ہے، اور منادی مفرد معرفہ کو علامتِ رفع پر مبنی قرار دیتے ہیں، اور ضمہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ منادی جو "ابن" یا "ابنة" کے ساتھ متصف ہوکر آئے اس کا استعمال بہت ہے، کثرتِ استعمال تخفیف چاہتی ہے، لہذا چونکہ یہ مفعول بہ ہے، اس کی حرکتِ اصلیہ فتحہ ہے، اس لئے تخفیفاً فتحہ دے دیا۔(۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

یہ مشہور انصاری صحابی حضرت معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔(۳)

اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام لائے، بیعت عقبۂ ثانیہ، غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔(۴)

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث کیا کرتے ہیں۔

ان سے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر، حضرت انس، حضرت ابوامامہ، حضرت ابوثعلبہ خشنی، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ تابعین میں سے ابوالاسود دوئلی، کثیر بن مرہ، ابووائل، ابن ابی لیلیٰ، عمرو بن میمون، ابومسلم خولانی، مسروق اور عبدالرحمٰن بن غنم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بہت سے حضرات روایت حدیث کرتے ہیں۔(۵)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا شمار علماءِ صحابہ میں ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بہت

---

(۱) دیکھئے فتح الباري (ج٦ص٥٩) كتاب الجهاد، باب اسم الفرس والحمار۔

(۲) دیکھئے أوضح المسالك (ج٣ص٧٩) باب النداء، الفصل الثاني في أقسام المنادى وأحكامه۔ نیز دیکھئے شرح الجامي (ص١٢٧) المنصوبات، توابع المنادى۔

(۳) دیکھئے تهذيب الكمال (ج٢٨ص١٠٥و١٠٦)۔

(٤) تهذيب الكمال (ج٢٨ص١٠٧)۔

(۵) رواۃ کی تفصیلات کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج٢٨ص١٠٨و١٠٩)۔

سے مناقب منقول ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور پھر حضرت عبداللہ بن مسعود، سالم مولی ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔(۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "....أعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل ...."۔(۲)

نیز آپ نے ارشاد فرمایا "نعم الرجل معاذ بن جبل"۔(۳)

اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا "یامعاذ، إني لأحبك في الله"۔(۴)

سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فتوی دینے والے حضرات چھ افراد تھے، مہاجرین میں سے تین: حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اور انصار میں سے تین: حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ اور حضرت زید رضی اللہ عنہم۔(۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "من أراد الفقه فليأت معاذ بن جبل"۔(۶)

ایک مرتبہ مدینہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص تقریباً دو سال اپنے گھر سے غائب رہا، اس کے بعد جب آیا تو بیوی حاملہ تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو سنگسار کرنا چاہا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا اور فرمایا کہ اس عورت کو سنگسار کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کو تو اس کے ساتھ مارا نہیں جا سکتا؟ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا، اس کے بعد اس کے ہاں جو بچہ پیدا ہوا اس کی مشابہت اس کے شوہر کے ساتھ بھی تھی اور اس کے سامنے کے دانت بھی نکل آئے تھے، اس شخص نے خود بھی کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "عجزت النساء أن يلدن مثل

---

(۱) دیکھئے صحیح البخاري (ج۱ ص۵۳۷)، کتاب فضائل أصحاب النبي صلی الله علیه وسلم، باب مناقب معاذ بن جبل رضي الله عنه، رقم (۳۸۰۶)۔

(۲) جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل وزيد بن ثابت وأبي بن كعب وأبي عبيدة بن الجراح رضي الله عنهم، رقم (۳۷۹۰، ۳۷۹۱)۔

(۳) جامع الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل ...، رقم (۳۷۹۵)۔

(۴) سنن النسائي، كتاب السهو، باب: نوع آخر من الدعاء، رقم (۱۳۰۴)۔

(۵) سير أعلام النبلاء (ج۱ ص۴۵۲)۔

(۶) المستدرك للحاكم (ج۳ ص۲۷۱، ۲۷۲)، وصححه ووافقه الذهبي۔

معاذ، لولا معاذ لهلك عمر" یعنی "عورتیں معاذ جیسی شخصیت پیدا کرنے سے عاجز ہیں، اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا"۔ (۱)

شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپس میں بات چیت کرتے اور ان میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی ہوتے تو دوسرے حضرات ان کی طرف پُر ہیبت نظروں سے دیکھتے تھے۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "إن معاذا كان أمة قانتاً للّٰه حنيفاً ...."۔ (۳)

کسی نے کہا کہ یہ صفت تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (٤) حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا "الأمة: الذي يعلم الخير ويؤتم به، والقانت: المطيع للّٰه عزوجل، وكذلك كان معاذ معلماً للخير، مطيعاً للّٰه عزوجل ولرسوله صلى اللّٰه عليه وسلم"۔ (۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ پر کس قدر اعتماد تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جب آپ مکہ مکرمہ سے حنین کی طرف روانہ ہوئے اس موقع پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ اس غرض سے چھوڑا کہ وہ لوگوں کو دین اور قرآن سکھائیں۔ (۶)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آخر عمر میں یمن قاضی اور دینی رہنما بنا کر بھیجا۔ (۷)

یمن سے واپس آنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اجازت سے بغرض جہاد شام چلے گئے، وہیں طاعون عمواس کے زیر اثر وفات پائی۔ (۸)

---

(۱) سير أعلام النبلاء (ج۱ ص۴۵۲)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج۱ ص۴۵۲ و ۴۵۳)۔

(۳) تهذيب الأسماء واللغات (ج۲ ص۹۹)۔

(۴) النحل/۱۲۰۔

(۵) تهذيب الأسماء واللغات (ج۲ ص۹۹)۔

(۶) سير أعلام النبلاء (ج۱ ص۴۵۹)۔

(۷) تهذيب الأسماء واللغات (ج۲ ص۱۰۰)۔

(۸) حوالۂ بالا۔

وفات کے وقت ان کی عمر تینتیس یا چونتیس سال تھی۔(۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر طاعون کا اثر ہوا تو بار بار غشی طاری ہورہی تھی، افاقہ ہوتے ہی کہا اٹھتے تھے "رب، غمني غمك، فوعزتك، إنك لتعلم أني أحبك"(۲)۔ یعنی "اے میرے رب! مجھے صرف تیرا ہی غم فراق ہے، تیری عزت کی قسم! تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں"۔

اسی طرح اس موقع پر فرمایا:

"اللهم، إنك تعلم أني كنت أخافك، وأنا اليوم أرجوك، إني لم أكن أحب الدنيا وطول البقاء فيها؛ لكري الأنهار، ولا لغرس الأشجار، ولكن لظمأ الهواجر ومكابدة الساعات، ومزاحمة العلماء بالركب عند حلق الذكر"۔(۳)

یعنی "اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ سے ڈرا کرتا تھا اور آج مجھے تجھ سے امید عفو و کرم ہے، میں دنیا سے محبت اور اس میں عرصۂ دراز تک جینے کی تمنا اس لئے نہیں کرتا کہ نہریں کھودوں، درخت اگاؤں، بلکہ یہ محبت دوپہر کی گرمیوں میں پیاسا رہنے کے لئے، اوقات زندگی کو بھرپور محنت اور جدوجہد میں گذارنے کے لئے اور حلقۂ ذکر و تعلیم میں علماء کے زانوؤں سے زانو ملا کر بیٹھنے کے لئے ہے"۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے تقریباً ایک سو ستاون حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے متفق علیہ دو حدیثیں ہیں، جبکہ بخاری تین حدیثوں سے اور مسلم ایک حدیث سے متفرد ہیں۔(۴)

۱۸ھ طاعون عمواس میں آپ کا انتقال ہوا۔(۵) رضي الله تعالى عنه وأرضاه۔

قال: لبيك يا رسول الله وسعديك، قال: يا معاذ، قال: لبيك يا رسول الله

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) تهذيب الأسماء واللغات (ج۲ص۱۰۰)۔

(٤) تهذيب الأسماء اللغات (ج۲ص۹۸)، وخلاصة الخزرجي (ص۳۷۹)۔

(٥) سير أعلام النبلاء (ج۱ص٤٦١)۔

وسعديك ثلاثا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "لبيك يا رسول الله وسعديك" (یارسول اللہ میں حاضر ہوں اور آپ کی فرمانبرداری کے لئے تیار ہوں) آپ نے پھر آواز دی اے معاذ! انہوں نے عرض کیا "لبيك يا رسول الله وسعديك"، اس طرح تین مرتبہ ہوا۔

"لبيك"

عربی میں کہتے ہیں "ألبّ بالمكان يُلبّ إلباباً: کسی جگہ مقیم ہونا اور اسے لازم پکڑنا، اسی طرح "ألبّ" کی جگہ "لبّ" بھی کہتے ہیں۔(۱)

امام فراء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اسی سے "لبيك" کا لفظ بنا ہے، جس کے معنی ہیں، "میں آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری پر مقیم اور ثابت ہوں" (۲)۔

یہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، جیسے "حمداً لله" اور "شكراً لله" میں "حمداً" اور "شكراً" منصوب ہیں۔(۳)

"لبيك" تثنیہ کا صیغہ ہے، تاکید کے واسطے اس کو تثنیہ لایا گیا ہے، گویا "لبيك" کے معنی ہیں "ألبّ لك إلبابا بعد إلباب وإقامة بعد إقامة"۔(٤)

امام خلیل نحوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ "لبّ يلبّ" سے بنا ہے، کہا جاتا ہے "دار فلان تلبّ داري" یعنی فلاں کا مکان میرے مکان کے مواجہہ میں یعنی مقابل ہے، لہذا "لبيك" کا مطلب ہے "أنا مواجهك بما تحب إجابة لك" (٥) یعنی "آپ جس چیز کا مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں میں اس کا عین آپ کی مرضی کے مطابق مواجہہ یعنی سامنا کرنے والا ہوں"۔

---

(۱) دیکھئے مختار الصحاح (ص ٥٨٩)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) حوالۂ سابقہ۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) حوالۂ بالا۔

واضح رہے کہ یہ تثنیہ تثنی پر دلالت کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ تکثیر پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔(۱)

نیز یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ لفظ ہمیشہ ضمیر مخاطب کی طرف مضاف ہوا کرتا ہے، نہ کہ غائب کی طرف، الا شاذا۔(۲)

"سعدیك"

"سعد" إسعاد یعنی مساعدہ اور اعانت کے معنی میں ہے، گویا "أسعدك إسعادا بعد إسعاد" کے معنی میں ہے اور مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔(۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر اہتمام کے ساتھ مکرر سہ کرر جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آواز دی، دراصل آپ یہ چاہتے تھے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ کی بات سننے اور سمجھنے کے لئے پوری طرح اپنی روح وقلب کے ساتھ متوجہ ہو جائیں۔ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پوری طرح متوجہ ہو گئے تو آپ نے اس وقت آگے ارشاد فرمایا۔

قال: ما من أحد يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله صدقاً من قلبه إلا حرمه الله على النار

آپ نے فرمایا کہ جو کوئی شخص سچے دل سے اس بات کی شہادت دے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ آگ کو حرام کر دیں گے۔

"صدقا" "صادقا" کے معنی میں ہے۔ "من قلبه" کا تعلق "صدقا" سے بھی ہو سکتا ہے اور مطلب ہوگا کہ وہ شخص زبان سے شہادت کا تلفظ کرتا ہے اور دل سے اس کی تصدیق کرتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا تعلق "يشهد" سے ہو، یعنی دل سے سچی گواہی دیتا ہے۔ ان میں پہلا احتمال اولی ہے۔(۴)

(۱) معجم المفصل في الإعراب للأستاذ طاهر يوسف الخطيب (ج۳ ص۲۰۲)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) دیکھئے مختار الصحاح (ص۲۹۹)، والمعجم المفصل في الإعراب (ج۳ ص۲۲۸)۔

(۴) دیکھئے فتح الباری (ج۱ ص۲۲٦)، وعمدة القاري (ج۲ ص۲۰۷)۔

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ "صـــدق" کا اطلاق افعال واقوال دونوں پر ہوتا ہے۔ اقوال صادقہ وہ اقوال ہیں جو واقع کے مطابق ہوں اور افعال صادقہ وہ افعال ہیں جو پسندیدہ ہوں۔ یہاں دونوں معنی یعنی استقامت قولی وفعلی مراد ہیں۔(۱)

حدیث باب سے

مرجئہ کا استدلال اور اس کا رد

اس حدیث سے مرجئہ نے استدلال کیا ہے کہ ایمان کے بعد کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

خوارج نے تو ان جیسی احادیث ہی کو رد کر دیا۔ جبکہ اہل السنۃ والجماعۃ تمام احادیث کو اپنی جگہ رکھتے ہیں اور سب کو مانتے ہیں اور ان کے مناسب معنی بتاتے ہیں، اس حدیث شریف کے بھی متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ ایک معنی یہ بیان کئے گئے ہیں کہ یہ اگرچہ مطلق ہے کہ جو کوئی شخص توحید ورسالت کی شہادت دے گا وہ جہنم میں نہیں جائے گا، تاہم یہ حکم حقیقت میں مقید ہے "مامن أحد يشهد ... تائبا" کے ساتھ، یعنی جو کوئی شخص توحید ورسالت کی شہادت کے ساتھ ساتھ توبہ کرتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہوگا اس پر آگ حرام ہوگی۔

۲۔ ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ یہ اور اس قسم کی جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں، وہ سب نزول فرائض واحکام سے پہلے وارد ہوئی ہیں، لہذا نزول فرائض کے بعد صرف شہادتین کافی نہیں، فرائض واحکام پر بھی عمل کرنا ہوگا۔

اس جواب پر اشکال ہے، کیونکہ یہ روایات حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہیں(۲)، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا متاخر الاسلام ہونا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قدوم

---

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۶)۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة قطعا، رقم (۱۴۷) اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے دیکھئے مسند أحمد (ج ۴ ص ۴۰۲ و ۴۱۱) رقم (۱۹۸۲۶) و (۱۹۹۲۵)۔

حضرت ابو ہریرہ کے اسلام لانے کے سال ہونا معروف ہے، اس وقت تک اکثر فرائض کا نزول ہو چکا تھا۔

۳۔ ایک معنی یہ بتائے گئے ہیں کہ یہ حکم غالب احوال کے اعتبار سے ہے، کیونکہ موحد عموماً اطاعت کرتا اور معصیت سے اجتناب کرتا ہے۔

۴۔ ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ "حرمه اللّٰه على النار" سے مراد تحریم خلود ہے، نہ کہ مطلق دخول۔

۵۔ ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ "تحریم على النار" سے مراد فی الجملہ تحریم ہے کیونکہ حدیث شفاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کے مواضع سجود کو آگ نہیں کھائے گی، اسی طرح زبان کو بھی جس سے اس نے توحید کی شہادت دی۔

۶۔ ایک مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں "نار" سے مراد جہنم کا وہ طبقہ ہے جس کو کافروں کے لئے تیار کیا گیا ہے نہ کہ وہ طبقہ جس کو موحدِ عصاۃ کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

۷۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أن ذلك لمن قال الكلمة وأدى حقها وفريضتها" یعنی "یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو اس کلمہ کو کہنے کے بعد اس کے حقوق وفرائض کو بھی بجالائے"۔ (۱)

۸۔ ایک مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کلمہ کی تاثیر حقیقۃً یہی ہے کہ آگ حرام ہو جاتی ہے بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو، اگر کوئی مانع ہوگا تو اس کلمہ کا یہ اثر نہیں رہے گا، دیکھو! نہر کا پانی چلتا ہے، جدھر نہر کا رخ ہے اس طرف بہتا چلا جاتا ہے، لیکن اگر کوئی بند لگا دے تو رک جاتا ہے اور اگر وہ بند ہٹ جائے تو پھر پانی اپنے رخ پر بہنے لگتا ہے، ایسے ہی اس کلمہ کی خاصیت ہے کہ وہ جہنم کو حرام کر دے گا اور جنت میں لے جائے گا بشرطیکہ اس خاصیت کو روکنے والی کوئی چیز اور کوئی عمل ظاہر نہ ہو، اگر کوئی عمل ایسا ظاہر ہوگا اور وہ طاقتور ہوا تو اس کی خاصیت کو روک دے گا اور جب اس عمل کا اثر زائل ہو جائے گا تو اس کلمہ کی خاصیت ظاہر ہوگی۔

اور اثر کے جانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہٹا دیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی عذاب چکھ لے، سزا بھگت لے اور سزا بھگتنے کی وجہ سے وہ روک ختم ہو جائے، بہر حال

(۱) تفصیلات کے لئے دیکھئے عمدۃ القاری (ج ۲ ص ۲۰۷، ۲۰۸)، وفتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۶ و ۲۲۷)۔

اس کلمہ کا اثر ظاہر ہو کے رہے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالی أعلم

قال: یارسول اللہ، أفلا أخبر بہ الناس فیستبشروا؟

حضرت معاذ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں لوگوں کو اس بات کی بشارت نہ دوں کہ وہ خوش ہوں؟

قال: إذًا یتکلوا

آپ نے ارشاد فرمایا کہ تب تو لوگ اعتماد کر کے اعمال میں کوتاہی کرنے لگیں گے۔

عام نسخوں میں تو "فیستبشروا" حذف نون کے ساتھ ہے، جبکہ ابوذر کے نسخہ میں "فیستبشرون" باثبات النون ہے۔

پہلی صورت میں "فیستبشروا"، "أن" ناصبہ مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے اور دوسری صورت میں تقدیر عبارت ہوگی "فھم یستبشرون"۔ (۱)

"إذًا یتکلوا" "إن أخبرتھم یتکلوا" کے معنی میں ہے۔ (۲)

اصیلی اور کشمیہنی کے نسخہ کے مطابق یہ لفظ "ینکلوا" بالنون ہے، جس کے معنی انکار کے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ تب تو لوگ عمل سے انکار کر دیں گے۔ (۳)

مسند بزار میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا "من قال: لاالہ إلا اللہ، وجبت لہ الجنۃ"۔ اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو خوش خبری سنانے کی غرض سے اجازت طلب کی، آپ نے اجازت دے دی، وہ خوش ہو کر جلدی سے نکلے، راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے، انہوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ حضرت معاذ نے انہیں وہ بات بتادی، حضرت عمر نے فرمایا کہ جلدی مت کرو، ذرا ٹھہر جاؤ، پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! آپ کی رائے ہی افضل ہے،

(۱) فتح الباري (ج۱ص۲۲۷)، وتحفۃ الباري لشیخ الإسلام زکریا الأنصاري (ج۱ص۱٤۳)۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا۔

تاہم میری رائے یہ ہے کہ لوگ جب یہ خوشخبری سنیں گے تو اعتماد کر کے بیٹھ جائیں گے اور عمل نہیں کریں گے، آپ نے فرمایا کہ ان کو واپس بلاؤ، چنانچہ ان کو واپس بلا لیا۔(۱)

وأخبر بها معاذ عند موته تأثما

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات کے وقت خود کو گناہ سے بچانے کی غرض سے لوگوں کو اس کی خبر دی۔

"موتہ" کی ضمیر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ رہی ہے، علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے (۲)، پہلی صورت میں "عند موته" کا مطلب ہوگا "قبل موت معاذ" اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا "بعد موت النبي صلی اللّٰه عليه وسلم"۔

یہ بات احتمال کی حد تک تو درست ہے، تاہم صحیح یہاں پہلی صورت ہے (۳)، کیونکہ مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت ہے، وہ فرماتے ہیں "أخبرنا من شهد معاذا حين حضرته الوفاة، يقول: اكشفوا عني سجف القبة، أحدثكم حديثا سمعته من رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم لم يمنعني أن أحدثكم الا أن تتكلوا..."۔ (۴)

"تأثم" باب تفعّل کا مصدر ہے، اس میں سلب ماخذ یا خروج عن الشيء کی خاصیت پائی جا رہی ہے، گویا "تأثما" کے معنی "خروجاً عن الإثم" کے ہیں (۵)۔ اور مطلب ہوگا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے

(۱) كشف الأستار عن زوائد البزار (ج۱ص۱۲)، رقم (۸) كتاب الإيمان، باب ما حمد الله سبحانه۔

(۲) شرح الكرماني (ج۱ص۱۵۵)۔

(۳) دیکھئے فتح الباري (ج۱ص۲۲۷)۔

(۴) مسند أحمد (ج۵ص۳۳۷)، رقم (۲۲٤۱۰)۔

(۵) قال الزبيدي في تاج العروس (ج۸ص۱۷۹) مادة "أثم": "تأثم الرجل: تاب منه، أي: من الإثم، واستغفر منه، وهو على السلب، كأنه سلب ذات الإثم بالتوبة والاستغفار، أو رام ذلك بهما، وأيضا: فعل فعلا خرج به من الإثم كما يقال: تحرج، إذا فعل فعلا خرج به من الحرج، وفي حديث معاذ: فأخبر بها عند موته تأثما"۔

انتقال کے وقت کتمان علم کے گناہ سے نکلنے کے لئے یہ روایت بیان کردی۔

باب تفعل کے اندر دخول فی الشيء کی خاصیت بھی پائی جاتی ہے، اس اعتبار سے تقدیر عبارت ہوگی "أخبر بها معاذ عند موته مخافة الدخول في الإثم" یعنی گناہ میں داخل ہونے کے خوف سے حضرت معاذ نے یہ روایت نقل کردی۔

ممانعت کے باوجود حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت لوگوں کے سامنے کیسے نقل کی؟

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرمایا تھا کہ لوگوں سے بیان نہ کرو، اگر بیان کروگے تو لوگ اسی پر تکیہ کرلیں گے تو پھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو کتمان علم کا خوف کیوں ہوا؟

اس کے کئی جوابات دیے گئے ہیں:

۱۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کو تحریم پر محمول نہیں کیا، بلکہ وہ یہ سمجھے کہ میرے اندر جو تبشیر کا عزم پیدا ہوگیا ہے اس کو توڑنا مقصود ہے۔ (۱)

۲۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قصہ (۲) (جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لوگوں کو بشارت سنانے کی اجازت دی تھی) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کے بعد کا ہو، لہذا انہوں نے اس کو ناسخ اور اپنے واقعہ کو منسوخ سمجھا اور اس طرح آخر وقت میں یہ حدیث لوگوں کے سامنے نقل کردی۔

۳۔ ہوسکتا ہے کہ ممانعت کا تعلق علی وجہ العموم ہو۔ مخصوص لوگوں کے سامنے بیان سے

---

(۱) فتح الباري (ج۱ ص۲۲۷)۔

(۲) دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة قطعا، رقم (۱٤۷)۔

ممانعت نہ ہو۔(۱)

لیکن ان تمام جوابات پر اشکالات ہیں۔

چنانچہ پہلے جواب پر اشکال یہ ہے کہ جب روایت میں صراحۃً ممانعت مذکور ہے(۲) تو اس کو کسے عزیمت پر کیوں محمول کیا جاسکتا ہے؟!

اسی طرح دوسرے جواب پر اشکال یہ ہے کہ سیاق روایت سے سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے پہلے کا ہے، اس لئے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ جاؤ! جولوگ اس باغ کے باہر ہیں ان سب کو اطلاع کردو کہ جو "لا إلــٰـه إلا الله" یقین کے ساتھ کہے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریں گے، وہ باغ سے نکل رہے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راستے میں مل گئے، انہیں جب معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بزور روکا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر وجہ بتائی کہ یارسول اللہ! لوگوں کو عمل کرنے دیجئے، ایسا نہ ہو کہ لوگ اس پر تکیہ کرنے لگیں، آپ نے تصویب فرماتے ہوئے فرمایا "فخلهم" (۳)۔

چنانچہ بعد میں آپ نے یہی مفہوم اور مضمون حضرت انس رضی اللہ عنہ کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا، اس میں آپ نے لوگوں کو سنانے کا حکم نہ صرف یہ کہ نہیں دیا بلکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے تبشیر کے جذبہ کو بھی ٹھنڈا کردیا۔

اس کے علاوہ صرف احتمال کی بنا پر نسخ ثابت نہیں ہوتا۔(۴)

---

(۱) فتح الباری (ج۱ ص۲۲۸)۔

(۲) جیسا کہ اس باب میں اگلی روایت میں ہے "... إذاً يتكلوا"۔

(۳) دیکھئے صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً، رقم (۱٤٧)۔

(٤) قال السخاوي في فتح المغيث (ج٤ ص٢٢، بحث الناسخ والمنسوخ): "فقال الشافعي فيما رواه البيهقي في المدخل من طريقه: ولا يستدل على الناسخ والمنسوخ إلا بخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أو بوقت يدل على أن أحدهما بعد الآخر، أو بقول من سمع الحديث يعني من الصحابة أو العامة يعني الإجماع وهو كما قال المصنف أوضح، أشهره إذ النسخ لا يصار إليه بالاجتهاد والرأي، وإنما صار إليه عند معرفة التاريخ ..."۔

اور تیسرے جواب پر اشکال ہے کہ مسند احمد میں وارد ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو میرے پاس بلالاؤ، جب سارے آ گئے تو انہوں نے یہ حدیث سنائی۔(۱)

لہذا یہ کہا جائے گا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ یہ نہی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے اور ممانعت کی وجہ ''خوف الاتکال'' ہے اور اتکال ابتدا میں ہوتا ہے جب آدمی اعمال کا خوگر اور عادی نہ ہو، جب آدمی اعمال کا عادی بن جاتا ہے تو اس کے بعد آدمی اتکال نہیں کرتا، خود اس میں طاعات کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے، وہ خود بخود کرتا ہے۔

گویا ابتدا میں اتکال کا خوف تھا، اعمال میں کوتاہی کا اندیشہ تھا، اس کے بعد یہ خطرہ جاتا رہا اور حضرت معاذ سمجھ گئے کہ جس علت کی وجہ سے منع کیا گیا تھا وہ علت باقی نہیں رہی، لہذا اگر یہ حدیث بیان نہ کی گئی تو کتمان علم کے گناہ کا خطرہ ہے۔ واللہ أعلم

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں سے ایک اشکال کا جواب بھی سمجھ میں آ گیا، اشکال یہ ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو کتمان علم کے گناہ سے نکلنے کا ارادہ ہوا اور اس کی وجہ سے حدیث بیان کر دی تو ان کو یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ حدیث بیان کرنے کی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح ممانعت کی مخالفت کا گناہ لازم آئے گا۔

سو اس کا جواب یہی ہے کہ ان کو یہ علم تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ممانعت ''اتکال'' کے ساتھ مقید تھی، جب ''قید'' یعنی اتکال کا زوال ہو گیا تو مقید بھی ختم ہو گیا۔(۲) واللہ أعلم۔

---

(۱) عن معاذ بن جبل أنه لما حضر قال: أدخلوا علي الناس، فأدخلوا عليه فقال: إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من مات لا يشرك بالله شيئا جعله الله في الجنة، وما كنت أحدثكموه إلا عند الموت، والشهيد على ذلك عويمر أبو الدرداء، فأتوا أبا الدرداء، فقال: صدق أخي، وما كان يحدثكم به إلا عند موته». مسند أحمد (ج٦ ص٤٥٠)، رقم (٢٨٠٩٨) أحاديث أبي الدرداء۔

(٢) شرح الكرماني (ج٢ ص١٥٦)۔

(۱)
۱۲۹ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ : سَمِعْتُ أَبِي قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ : ذُكِرَ لِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِمُعَاذٍ : (مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ) . قَالَ : أَلَا أُبَشِّرُ النَّاسَ ؟ قَالَ : (لَا . إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَّكِلُوا) .

تراجم رجال

(۱)مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسربل بن مرعبل الاسدی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابوالحسن ان کی کنیت ہے۔(۲)

منصور بن عبداللہ خالدی نے ان کا نسب نامہ یوں ذکر کیا ہے،''مسدد بن مسرہد بن مسربل بن مغربل بن مرعبل بن ارندل بن سرندل، بن عرندل بن ماسک بن مستورد الاسدی''۔(۳)

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نسب کا یہ سیاق منکر اور عجیب ہے اور لگتا ہے کہ یہ نسب نامہ گھڑا ہوا ہے، منصور قابل اعتماد نہیں ہیں۔(۴)

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز ہے(۵)، گویا''مسدد''لقب ہے۔

یہ مہدی بن میمون، حماد بن زید، عبداللہ بن یحییٰ بن ابی کثیر، ھشیم، عبدالوارث، ابوعوانہ، ابوالاحوص، معتمر، سفیان بن عیینہ، فضیل بن عیاض، یحییٰ القطان، عیسیٰ بن یونس، وکیع اور ان کے والد الجراح بن ملیح رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری، امام ابوداود، ابوزرعہ، ابوحاتم، یعقوب بن سفیان الفسوی

---

(۱) [illegible]

(۲) دیکھئے التاریخ الکبیر للبخاری (ج۸ص۷۲)، رقم (۲۲۰۹)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (ج۱۰ص۵۹۴)، وتہذیب التہذیب (ج۱۰ص۱۰۹)۔

(۴) سیر أعلام النبلاء (ج۱۰ص۵۹۴)۔

(۵) تہذیب التہذیب (ج۱۰ص۱۰۹)۔

یعقوب بن شیبہ السدوسی، ابو اسحاق جوزجانی، محمد بن یحییٰ ذہلی اور احمد بن عبداللہ عجلی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ حضرات ہیں۔(۱)

یحییٰ القطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر میں ان کے گھر جا کر ان کو حدیثیں سناؤں تو یہ اس کے اہل تھے۔(۲)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مسدد صدوق، فما كتبت عنه فلا تعد"۔(۳) یعنی ''مسدد صدوق ہیں، ان سے جو حدیثیں لکھو تو کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہیں''۔

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "صدوق"۔(۴)

نیز وہ فرماتے ہیں "إنه ثقة ثقة"۔(۵)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۶)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مسدد ...... بصري ثقة"۔(۷)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان ثقة"۔ (۸)

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان ثقة"۔(۹)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۱۰)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "...... الإمام الحافظ الحجة ...... أحد أعلام الحديث

(۱) دیکھئے شیوخ وتلامذہ کے لئے تہذیب الکمال (ج۲۷ص۴۴۴و۴۴۵)، وسیر أعلام النبلاء (ج۱۰ص۵۹۱و۵۹۲)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۲۷ص۴۴۶)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) تهذيب الكمال (ج۲۷ص۴۴۷)۔

(۸) كتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (ج۸ص۵۰۰)، رقم (۱۳۰۵)۔

(۹) تهذيب التهذيب (ج۱۰ص۱۰۹)۔

(۱۰) الثقات لابن حبان (ج۹ص۲۰۰)۔

وكان من الأئمة الأثبات"۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة حافظ"۔(۲)

بصرہ میں سب سے پہلے "مسند" لکھنے والے یہی تھے۔(۳)

۲۲۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۴) رحمه الله تعالى رحمةً واسعة

(۲) معتمر

یہ ابومحمد معتمر بن سلیمان بن طرخان تیمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ کا لقب "طفیل" تھا، بنومرہ کے مولی تھے، بنوتیم میں اقامت اختیار کرنے کی وجہ سے "تیمی" کہلاتے ہیں، ورنہ حقیقۃً بنوتیم میں سے نہیں تھے۔(۵)

یہ اپنے والد سلیمان بن طرخان، منصور بن المعتمر، ایوب سختیانی، حمید الطویل، عمرو بن دینار بصری، لیث بن ابی سلیم، خالد الحذاء، اشعث بن عبدالملک، عاصم الأحول، یونس بن عبید اور اسحاق بن سوید رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے امام عبداللہ بن المبارک، عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، امام اصمعی، یحیی بن یحیی نیسابوری، مسدد بن مسرہد، محمد بن سلام البیکندی، ابوکریب محمد بن العلاء، ابوسلمہ موسی بن اسماعیل اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔(۶)

امام یحیی بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۷)

---

(۱) سير أعلام النبلاء (ج۱۰ص۵۹۱)۔

(۲) تقريب التهذيب (ص۵۲۸)، رقم (۶۵۹۸)۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج۱۰ص۱۰۹)۔

(٤) التاريخ الكبير للبخاري (ج۸ص۷۲و۷۳)، رقم (۲۲۰۹)۔

(۵) دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲۸ص۲۵۰)۔

(۶) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲۸ص۲۵۰۔۲۵۳)۔

(۷) تهذيب الكمال (ج۲۸ص۲۵٤)۔

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة صدوق"۔(۱)

قرۃ بن خالد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما معتمر عندنا دون سليمان التيمي"۔(۲) یعنی "معتمر ہمارے نزدیک سلیمان التیمی سے کم نہیں ہیں"۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان ثقة"۔(۳)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "بصري ثقة"۔(۴)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما كان أحفظ معتمر بن سليمان، قلما كنا نسأله عن شيء إلا عنده فيه شيء"۔(۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أحد الثقات الأعلام"۔(۶)

نیز وہ فرماتے ہیں "كان رأساً في العلم والعبادة كأبيه"۔(۷) یعنی "اپنے والد کی طرح یہ علم اور عبادت میں فائق تھے"۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۸)

البتہ امام یحییٰ القطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "إذا حدثكم المعتمر بشيء فاعرضوه؛ فإنه سيئ الحفظ"۔(۹)

یعنی "معتمر جب تمہیں حدیث بیان کریں تو اس کو دوسری احادیث کے ساتھ موازنہ کرو، کیونکہ یہ حافظ

---

(۱) الجرح والتعديل (ج۸ص۴۰۲)، رقم (۱۸۵۲)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) الطبقات (ج۷ص۲۹۰)۔

(۴) تهذيب التهذيب (ج۱۰ص۲۲۸)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) ميزان الاعتدال (ج۴ص۱۴۲)، رقم (۸۶۴۸)۔

(۷) الكاشف (ج۲ص۲۷۹)، رقم (۵۵۴۶)۔

(۸) تقريب التهذيب (ص۵۳۹)، رقم (۶۷۸۵)۔

(۹) تهذيب التهذيب (ج۱۰ص۲۲۸)۔

کے اعتبار سے کمزور ہیں''۔

اسی طرح ابن دِحیہ نے بھی امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے "ليس بحجة"۔(۱)

اسی طرح ابن خراش کہتے ہیں "صدوق يخطئي من حفظه، وإذا حدث من كتابه فهو ثقة"۔(۲)

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں اس قسم کے اقوال نقل کر کے فرماتے ہیں "هو ثقة مطلقا"۔(۳)

یہ عین ممکن ہے کہ امام یحیٰی القطان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے محض حافظہ کی بنیاد پر روایت کردہ احادیث کے بارے میں فرمایا ہو، امام یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ بھی اسی پر محمول کیا جائے گا، اس لئے کہ خود ان سے ان کی توثیق منقول ہے، جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

پھر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أكثر ما أخرجه له البخاري مما توبع عليه، واحتج به الجماعة"۔(۴)

یعنی ''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے جو احادیث روایت کی ہیں اکثر کی متابعات موجود ہیں اور ان سے تمام اصحابِ اصولِ ستہ نے احتجاج کیا ہے''۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۵)

۱۸۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔(۶)

رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

---

(۱) ميزان الاعتدال (ج٤ص١٤٢)، رقم (٨٦٤٨)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) هدي الساري (ص٤٤٤)۔

(٥) الثقات لابن حبان (ج٧ص٥٢١و٥٢٢)۔

(٦) تهذيب الكمال (ج٢٨ص٢٥٥)۔

(۳) أبي

یہ معتمر بن سلیمان کے والد سلیمان بن طرخان (۱) تیمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اصلاً قبیلۂ تیم سے ان کا تعلق نہیں تھا، چونکہ ان میں ٹھہرے تھے اس لئے ''تیمی'' کی نسبت سے معروف ہوگئے۔(۲)

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ ابوعثمان نہدی، یزید بن عبداللہ بن الشخیر، امام طاؤس، ابومجلز، یحییٰ بن یعمر، بکر بن عبداللہ المزنی، حسن بصری، ثابت بنانی، قتادہ، رقبہ بن مصقلہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

جبکہ ان سے روایت کرنے والوں میں ابواسحاق سبیعی، معتمر بن سلیمان، شعبہ بن الحجاج، سفیان ثوری، حماد بن سلمہ، یزید بن زُریع، عبداللہ بن المبارک، ہشیم بن بشیر، سفیان بن عیینہ، اسماعیل بن علیہ، یحییٰ القطان، محمد بن فضیل اور یزید بن ہارون رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔(۳)

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما رأیت أحداً أصدق من سلیمان التیمي"۔(۴) یعنی ''میں نے سلیمان تیمی سے بڑھ کر کسی کو صادق نہیں پایا''۔

امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین اور امام نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۵)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "تابعي ثقة، وکان من خیار أهل البصرة"۔(۶) یعنی ''یہ تابعی اور ثقہ ہیں اور ان کا شمار اہلِ بصرہ کے صالح ترین لوگوں میں ہوتا تھا''۔

---

(۱) "طرخان" کے تلفظ کے سلسلہ میں علامہ مجدالدین فیروزآبادی اور علامہ زبیدی رحمہما اللہ فرماتے ہیں "(طرخان بالفتح ولا تضم) أنت (ولا تکسر، وإن فعله المحدثون) والصواب: الاقتصار علی الفتح"۔ تاج العروس (ج ۲ ص ۲۶۹)۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ہدی الساری میں "طا" پر صرف کسرہ ضبط کیا ہے۔ دیکھئے (ص ۴۲۰) جبکہ حافظ مغلطائی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعلی جیانی غسانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تقیید المہمل" سے نقل کیا ہے "طرخان بکسر الطاء المهملة، ویقال: بضمها"۔ دیکھئے إکمال تهذیب الکمال (ج ۶ ص ۷۰)۔

(۲) دیکھئے تهذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۵)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کے لئے دیکھئے تهذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۶-۷)۔

(۴) تهذیب الکمال (ج ۱۲ ص ۸)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) حوالۂ بالا۔

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وکان ثقة كثير الحديث"۔(۱)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حفاظ البصريين ثلاثة: سليمان التيمي، وعاصم الأحول، وداود بن أبي هند، وكان عاصم أحفظهم"۔(۲) یعنی "بصرہ کے اعلیٰ ترین حفاظِ حدیث تین ہیں ایک سلیمان تیمی، دوسرے عاصم الاحول، تیسرے داود بن ابی ہند، پھر ان میں عاصم سب سے احفظ ہیں"۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کتاب الثقات میں فرماتے ہیں "كان من عباد أهل البصرة وصالحيهم ثقة، وإتقاناً، وحفظاً، وسنةً"۔(۳)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو "ثقہ" اور "رجل حافظ" قرار دیا ہے۔(۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "الإمام احد الأثبات"۔(۵)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة عابد"۔(۶)

البتہ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ تدلیس کیا کرتے تھے۔(۷)

غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وما روي عن الحسن وابن سيرين فهو صالح إذا قال: سمعت أو قلت"۔(۸)

سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ کئی تابعین سے روایت حدیث کرتے ہیں، لیکن علماء نے تصریح کی ہے کہ ان کو ان سے سماع حاصل نہیں ہے، چنانچہ سلیمان تیمی نافع، عطاء، عکرمہ اور سعید بن المسیب سے جو روایتیں نقل کرتے ہیں وہ مراسیل ہیں۔(۹)

(۱) الطبقات الكبرى (ج۷ص۲۵۲)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۱۲ص۹)، والجرح والتعديل (ج۴ص۱۲۱)، رقم (۵۶۵۸)۔

(۳) إكمال تهذيب الكمال لمغلطاي (ج۶ص۷۰)، وتهذيب التهذيب (ج۴ص۲۰۲)۔

(۴) تعليقات تهذيب الكمال (ج۱۲ص۱۳)۔

(۵) ميزان الاعتدال (ج۲ص۲۱۲)، رقم (۳۴۸۱)۔

(۶) تقريب التهذيب (ص۲۵۲)، رقم (۲۵۷۵)۔

(۷) كما في رواية الدوري عن ابن معين۔ انظر تعليقات الكاشف (ج۱ص۴۶۱)، رقم (۲۱۰۲)۔

(۸) التاريخ الكبير (ج۴ص۲۱)، رقم (۱۸۲۸)، وفي تهذيب التهذيب (ج۴ص۲۰۲): "... إذا قال: سمعت أو حدثنا"۔

(۹) دیکھئے تهذيب التهذيب (ج۴ص۲۰۲و۲۰۳)۔

جبکہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "سلیمان عن أبي مجلز عن أنس" کے طریق سے مروی ایک روایت کے تحت فرماتے ہیں:

"قد تقدم في "باب الحمد للعاطس" لسليمان التيمي حديث عن أنس بلا واسطة، وقد سمع من أنس عدة أحاديث، وروى عن أصحابه عنه عدة أحاديث وفيه دلالة على أنه لم يدلس"۔ (۱)

یعنی "سلیمان تیمی کی ایک حدیث جو وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بلا واسطہ نقل فرماتے ہیں "باب الحمد للعاطس" میں گذر چکی ہے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بلا واسطہ کئی احادیث روایت کرتے ہیں، جبکہ کئی روایات حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے بالواسطہ بھی روایت کرتے ہیں۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تدلیس نہیں کیا کرتے تھے"۔

ان کی تدلیس ۔علی سبیل التسلیم ۔ ایسی تھی کہ علماء نے اس کا تحمل کیا ہے، چنانچہ حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تدلیس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "ہدی الساری" میں جس فصل میں متکلم فیہ رواۃ بخاری کا تذکرہ کیا ہے وہاں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنے رسالہ "تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس" میں "مرتبۂ ثانیہ" میں ذکر کیا ہے اور یہ مرتبہ ان حضرات کے لئے مخصوص ہے جو بہت کم تدلیس کیا کرتے تھے، اور ائمہ نے ان کی تدلیس کا تحمل کرتے ہوئے ان کی احادیث کی اپنی کتابوں میں تخریج کی ہے۔ (۲)

ان کے مناقب بے شمار ہیں، تفصیلی حالات وواقعات کے لئے کتب سیر اور خاص طور پر "حلیۃ الاولیاء" (۳) کی مراجعت کریں۔

۱۴۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۴) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۱) فتح الباري (ج۱۱ص۲۳)، كتاب الاستئذان، باب آية الحجاب۔

(۲) دیکھئے تعريف أهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس (ص۱۳و۳۳)، وتعليقات الكاشف (ج۱ص۴۶۱)، رقم (۲۱۰۲)۔

(۳) دیکھئے حلیۃ الاولیاء (ج۳ص۲۷-۳۷)۔

(۴) الكاشف (ج۱ص۴۶۱)، رقم (۲۱۰۲)۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب من الإیمان أن یحب لأخیه مایحب لنفسه" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

قال: ذکرلي أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال لمعاذ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

یہاں "ذُکِرلي" مجہول کا صیغہ ہے، حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کس نے بیان کیا؟ کسی طریق میں مجھے اس کی صراحت نہیں ملی (۲)، اسی طرح پیچھے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت گذر چکی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں "أخبرنا من شهد معاذاً حین حضرته الوفاة....." (۳) اس میں بھی "من شهد" کا مصداق کون ہے؟ یقینی طور پر معلوم نہیں، خود براہ راست ان دونوں حضرات کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا سماع ثابت نہیں، کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال جس وقت ملک شام میں ہورہا تھا اس وقت حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ میں تھے۔(۴)

البتہ صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں ایسی ہی ایک روایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو ان سے عمرو بن میمون اودی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں (۵) یہ مشہور مخضرمین میں سے ہیں، اسی طرح امام نسائی کی سنن کبریٰ میں اسی قسم کی روایت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نقل

---

(۱) کشف الباري (ج۲ص۶)۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص۲۲۷)۔

(۳) مسند أحمد (ج۵ص۲۳۷)، رقم (۲۲۴۱۰)۔

(۴) فتح الباري (ج۱ص۲۲۷)۔

(۵) صحیح البخاري (ج۱ص۴۰۰)، کتاب الجهاد، باب اسم الفرس والحمار، رقم (۲۸۵۶)۔

کرتے ہیں(۱)، ان دونوں روایتوں سے استیناس کیا جا سکتا ہے کہ یہاں حضرت انس اور اسی طرح حضرت جابر کے سامنے نقل کرنے والے عمرو بن میمون یا عبدالرحمٰن بن سمرہ میں سے کوئی ایک ہوگا۔ (۲)

من لقي اللّٰه لا يشرك به شيئا دخل الجنة

جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو اس نے شریک نہیں ٹھہرایا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ "من لقي الله" سے مراد ہے "من لقي الأجل الذي قدره الله، يعني الموت" گویا لقاء اللہ سے ''موت'' مراد ہے، یہ بھی امکان ہے کہ ''لقاء اللہ'' سے ''بعث'' یا ''رؤیت باری'' مراد ہو (۳)، یعنی جس دن دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے گا، یا جس روز اللہ تعالیٰ کی رؤیت حاصل ہوگی اور اس نے کبھی شرک نہیں کیا ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

پھر یہاں "لا يشرك به شيئا" میں صرف نفی اشراک پر اکتفا کیا ہے، اثبات توحید کا ذکر نہیں ہے، لیکن اقتضاء یہاں ''توحید'' ملحوظ ہے، اسی طرح ''توحید'' کے ساتھ ساتھ اثباتِ رسالت و دیگر ضروریات بھی لزوماً ملحوظ ہیں۔

اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے "من توضأ صحت صلاته"۔

اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس نے وضو کیا اور دیگر شرائط بھی ملحوظ رکھیں اس کی نماز درست ہے۔

اب مذکورہ عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس شخص کی موت اس حال میں آئی ہو کہ وہ ان تمام امور پر ایمان رکھتا ہو جن پر ایمان رکھنا ضروری ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (۴)

پھر یہاں "دخل الجنة" کے الفاظ ہیں، جس میں دخولِ جنت کی عمومی خبر ہے، خواہ قبل التعذیب داخل

---

(۱) دیکھئے سنن النسائي الكبرى (ج۶ ص۲۷۹)، كتاب عمل اليوم والليلة، باب ثواب من كان يشهد أن لا إله إلا الله، رقم (۱۰۹۷۵-۱۰۹۷۸)۔

(۲) فتح الباري (ج۱ ص۲۲۷و۲۲۸)۔

(۳) فتح الباري (ج۱ ص۲۲۸)۔

(۴) حوالہ بالا۔

ہو یا بعد التعذیب، جبکہ اس سے پہلی حدیث میں چونکہ "حرمه الله علی النار" کے الفاظ تھے، وہاں وہ مشہور اشکال پیش آیا تھا جس کی تقریر ہم کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ اس حدیث سے مرجئہ نے استدلال کیا ہے اور اس کی تردید بھی تفصیل سے آ چکی ہے، لیکن یہ اشکال اس حدیث پر نہیں ہوگا۔(۱) والله أعلم

قال: ألا أبشر الناس؟

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں لوگوں کو خوشخبری نہ سنا دوں؟

قال: لا

آپ نے فرمایا نہیں، یعنی لوگوں کو یہ خوشخبری نہ دو۔

إني أخاف أن يتكلوا

مجھے خوف ہے کہ وہ اس پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔

بعض نسخوں میں "إني" کا لفظ موجود نہیں ہے اور عبارت اس طرح ہے "لا، أخاف أن يتكلوا" اس صورت میں یاد رکھنا چاہئے کہ مطلب وہی ہے جو ابھی ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں یعنی "لا" مستقل جملہ ہے اور "أخاف أن يتكلوا" جملہ استینافیہ ہے، اور مطلب ہے "لا تبشرهم، فإني أخاف أن يتكلوا"۔ (۲)

یہی بات حسن بن سفیان کی مسند میں وضاحت کے ساتھ آئی ہے، جس کے الفاظ ہیں "قال: لا، دعهم فليتنافسوا في الأعمال، فإني أخاف أن يتكلوا"۔ (۳) یعنی ان کو خوشخبری نہ سناؤ، بلکہ ان کو اعمال میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کے لئے چھوڑ دو، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ وہ خوشخبری سن کر اس پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

مذکورہ باب کے تحت دونوں حدیثوں کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت واضح ہے کہ ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو علم کی بات بتانا اور پھر عام لوگوں کو بتانے سے منع کرنا مذکور ہے۔ والله سبحانه وتعالى أعلم

---

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) فتح الباری (ج۱ ص۲۲۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

۵۰ – باب : اَلْحَیَاءِ فِی الْعِلْمِ .

"حیا" سے متعلق جملہ امور تفصیل سے ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔(۱)

باب سابق سے مناسبت

اس باب کی سابق باب سے مناسبت یہ ہے کہ سابقہ باب میں ذکر ہے کہ مخصوص حالت میں کسی علم کے ساتھ خاص خاص لوگوں کی تخصیص کی جا سکتی ہے۔

اب اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ یہ علم کسی کے ساتھ مخصوص ہے، کہیں سوال کرنے سے حیا نہ کر بیٹھے، بلکہ اسے چاہئے کہ بہر صورت امور دینیہ و دنیویہ سے متعلق سوال کرے اور اس سلسلہ میں حیا سے کام نہ لے۔(۲) واللّٰہ أعلم۔

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس ترجمہ سے کیا بیان کرنا چاہتے ہیں؟

عام شارحین حافظ ابن حجر(۳)، علامہ سندھی(۴)، شاہ ولی اللہ(۵)، رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حیاء فی العلم کی مذمت بیان کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علم میں حیا نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ جو علم میں حیا کرتا ہے وہ علم سے محروم ہو جاتا ہے۔ امام مجاہد کا اثر اور پھر اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ اس حیا کے مذموم ہونے پر دال ہیں۔

---

(۱) دیکھئے کشف الباری (ج۱ص۶۷۱-۶۷۶) کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان۔

(۲) دیکھئے عمدۃ القاری (ج۲ص۲۱۰)۔

(۳) فتح الباری (ج۱ص۲۲۹)۔

(۴) حاشیۃ السندی علی صحیح البخاری (ج۱ص۳۱)۔

(۵) شرح تراجم أبواب صحیح البخاری (ص۱۶)۔

جبکہ ابن بطال، کرمانی، شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ عینی اور حضرت کشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ (۱) کی رائے یہ ہے کہ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض تفصیل ہے کہ بعض مواقع میں حیا کرنا مذموم ہے اور ترکِ حیا محمود ہے اور بعض مقامات میں ترکِ حیا مذموم ہے اور حیا کرنا محمود ہے۔

جہاں استعمالِ حیا مطلوب اور ممدوح ہے اس کے اثبات کے لئے حضرت ام سلمہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایتیں لے کر آئے ہیں اور جہاں ترکِ حیا مطلوب ومحمود ہے وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا اثر ذکر کیا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مؤلف نے "ترجمہ" کو مطلق رکھا، عدمِ استحباب یا استحباب وغیرہ کچھ نہیں فرمایا، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عدمِ استحباب مقصود ہے، کما صرح بہ الأعلام اور قولِ مجاہد اور قولِ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی ظاہر ہے، مگر تامل کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے ذہن میں اس کے متعلق کچھ تفصیل ہے، اس کو اشارات سے بتلانا چاہتے ہیں، اسی لئے ترجمہ کے ساتھ حکم کی تصریح نہیں فرمائی، ارشاد "إن اللہ لا یستحیي من الحق" سراسر حق اور مسلّم ہے، مگر مؤلف کا مقصود یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بوجہ حیا علم اور تفقہ سے محروم نہ رہ جاوے، یہ مطلب نہیں کہ حیا نہ کرے اور تعلم وتفقہ کے وقت حیا کو پاس نہ آنے دے، جو کچھ کہنا ہو بے تامل کہے"۔

خلاصہ یہ کہ ترجمۃ الباب "الحیاء في العلم" میں دو باتیں قابلِ لحاظ ہیں، اصل یہ کہ بوجہ حیا علم وتعلم سے محروم نہ رہے اور اس میں کسی کو تامل نہیں ہوسکتا، اس کی تائید کے لئے مؤلف نے "ترجمہ" کے ذیل میں اثرِ مجاہد اور اثرِ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کر کے اس پر قناعت کی۔

دوسرے یہ کہ تعلیم وتعلم میں بھی حتی الوسع حیا کرنا مستحسن ہے، یعنی مواقع حیا میں یہ تو ہرگز نہ کرے کہ علم ہی سے محروم رہ جاوے مگر محرومی سے بچ کر جس قدر حیا کرسکے، مستحسن ہے "الحیاء من الإیمان" اور "الحیاء خیر کله" اس جزء میں قدرے خفاء ہے اور مؤلف کے طرز سے معلوم ہوتا ہے

(۱) دیکھئے شرح صحیح البخاری لابن بطال (ج۱ص۲۱۰) — وشرح الکرمانی (ج۲ص۱۶۰) — وتحفۃ الباری (ج۱ص۱۴۵) — وعمدۃ القاری (ج۲ص۲۱۰) — وفیض الباری (ج۱ص۲۲۷)۔

کہ مقصودِ اصلی اسی جزء کا بیان کرنا ہے۔

اور اس باب میں دو حدیثیں بیان کیں، وہ دونوں اس جزء کی دلیل ہیں۔ اول حدیث میں جو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا قصہ مذکور ہے اس سے تو بالبداہت ثبوت حیا مکرر اور سہ کرر ہو رہا ہے، دیکھئے ام سلیم نے حاضر ہو کر قبل السوال جو عرض کیا ہے "يا رسول الله، إن الله لا يستحيي من الحق" یہ حیا نہیں تو کیا ہے؟! حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ہے "فغطت أم سلمة وجهها" آپ نے فرمایا "تربت يمينك فبم يشبهها ولدها" ارشاد "تربت يمينك" سے حیاءِ نبوی کی نہایت لطیف خوشبو مہک رہی ہے، مگر اس حالت حیا میں تعلیم وتعلم کے فرض کو جس طرح ہو سکا ادا فرمایا اور مقصود کو فوت نہیں ہونے دیا۔

ہماری معروضات کی تائید میں ایک قوی قرینہ یہ بھی ہے کہ اس باب کے بعد دوسرا باب "من استحيا فأمر غيره بالسؤال" منعقد فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت "كنت رجلاً مذاء..." بیان کی ہے۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ بوجہِ حیا ترکِ سوال میں کچھ حرج نہیں، البتہ یہ چاہئے کہ دوسرے کے واسطے سے حکم شرعی سے واقف ہو جاوے، علم سے محروم نہ رہ جاوے۔

اب باقی رہی روایت ثانی، یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جو ابواب العلم میں مکرر گذر چکی ہے: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن من الشجر شجرة لا يسقط ورقها ....." اس کی مطابقت میں شاید کسی کو تردد ہو، مگر معروضات سابقہ کے مطابق یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کی غرض یہی ہے کہ ابن عمر نے جو بوجہ حیا سکوت فرمایا اور جواب نہیں دیا یہ حیا بھی مستحسن ہے، یہ وہ حیا نہیں ہے جو "إن الله لا يستحيي من الحق" یا "لا يتعلم العلم مستحي ولا مستكبر" کے مخالف ہے۔ اس کے مخالف صرف وہ ہے جو بوجہِ حیا علم کو ترک کر دے۔ کسی سے سوال نہ کرے اور علم سے محروم رہ جاوے۔ حضرت ابن عمر کے سکوت میں اس کا احتمال بھی نہیں، اول تو یہ سکوت عن الجواب ہے، عن السؤال نہیں، دوسرے ابن عمر رضی اللہ عنہما جانتے تھے کہ جو واقعی جواب ہے اس کو ہر حال میں آپ ارشاد فرما دیں گے

جو سب کو معلوم ہو جاوے گا، باقی حضرت عمر کا ارشاد، وہ صرف اپنی مسرت وتمنی کا اظہار فرماتے ہیں، اس سے سکوت ابن عمر کی کراہیت اور وہ بھی شرعی، سمجھنا مستبعد ہے، کما قال بعض الأعلام، واللہ تعالیٰ أعلم"۔(۱)

وقال مجاهد: لا يتعلم العلم مستحي ولا مستكبر

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حیا کرنے والا علم حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ہی تکبر کرنے والا۔

امام مجاہد بن جبر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب العلم ہی میں "باب الفهم في العلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے اس اثر کی تخریج

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ اثر کو ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیۃ الأولیاء" میں، امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "سنن" میں، عبدالغنی بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے "أدب المحدث" میں اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "المدخل" میں موصولاً تخریج کیا ہے۔(۳)

مذکورہ اثر کا مطلب

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ اثر کا مطلب واضح ہے کہ جس شخص میں حیا ہو یا تکبر ہو، وہ علم حاصل نہیں کرسکتا۔

"حیا" کا مطلب یہ ہے کہ طالب علم اپنے دل میں یہ سمجھے کہ اگر میں نے یہ سوال کرلیا تو لوگ کیا کہیں

(۱) الأبواب والتراجم (ص۶۰۰۴)۔

(۲) دیکھئے کشف الباری (ج۳ص۳۰۱)۔

(۳) دیکھئے حلیۃ الأولیاء (ج۳ص۲۸۷)، وسنن الدارمي (ج۱ص۱۴۷) [illegible]

[illegible] (ج۲ص۹۳)۔

گے کہ اس کو تو کچھ بھی معلوم نہیں، اس کو تو اتنی سی بات بھی معلوم نہیں۔

اور متکبر آدمی سوچتا ہے اوہو! اگر میں سوال کروں گا تو لوگوں کے سامنے میری سبکی ہوگی اور میں چھوٹا سمجھا جاؤں گا، حالانکہ میرے سامنے دیگر لوگوں کی کیا حیثیت ہے!!

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وللعلم آفات، فأعظمها: الاستنكاف، وثمرته: الجهل والذلّة في الدنيا والآخرة"۔ (۱) یعنی "علم کے ساتھ بڑی آفتیں لگی ہوئی ہیں، ان میں سب سے بڑی آفت تکبر ہے اور اس کا نتیجہ جہالت کے ساتھ ساتھ دنیا و آخرت میں ذلت سے ظاہر ہوتا ہے"۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ یہ عظیم علم آپ نے کس طرح حاصل کیا؟ فرمایا "ما بخلت بالإفادة ولا استنكفت عن الاستفادة"۔ (۲) یعنی "میں نے دوسروں کو علمی فائدہ پہنچانے میں بخل سے کام نہیں لیا اور نہ ہی میں نے دوسروں سے استفادہ کرنے کو عار سمجھا"۔

وقالت عائشة: نعم النساء نساء الأنصار، لم يمنعهن الحياء أن يتفقهن في الدين

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انصار کی خواتین کیا ہی خوب ہیں! دین کی سمجھ حاصل کرنے کے سلسلہ میں ان کے واسطے حیا مانع نہیں ہوتی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مختصر حالات "بدء الوحي" کی دوسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔ (۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ اثر کی تخریج

اس اثر کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "صحیح" میں (۴)، امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن

(۱) عمدة القاري (ج۲ص۲۱۰)۔

(۲) عمدة القاري (ج۲ص۲۱۰)۔

(۳) كشف الباري (ج۱ص۲۹۱)۔

(٤) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب استحباب استعمال المغتسلة من الحيض فرصة من مسك في موضع الدم، رقم (۳۳۲)۔

میں(۱)، امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں(۲)، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مسند'' میں(۳) اور امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مصنف'' میں(۴) موصولاً تخریج کیا ہے۔(۵)

مذکورہ آثار کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

ان دونوں آثار کی مطابقت ترجمۃ الباب سے واضح ہے کہ علم کے سلسلہ میں حیا کو مانع نہیں بنانا چاہئے، چنانچہ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا اثر اس بات پر دلیل ہے کہ جو شخص حیا کو مانع بنائے گا وہ علم حاصل نہیں کر پائے گا، لہٰذا طلب علم کے سلسلہ میں ترک حیا مطلوب ومحمود ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر واضح طور پر دلالت کررہا ہے کہ علم وفقہ کے حاصل کرنے کے سلسلہ میں حیا کو مانع قرار دینا صحیح نہیں، چنانچہ انصار کی خواتین کی تعریف ومدح اس سلسلہ میں کی گئی کہ انہوں نے طلب علم میں ترک حیا سے کام لیا، جو اس مقام پر محمود ومطلوب ہے۔(۶)

''نعم'' فعل مدح ہے، اس کے ساتھ کبھی تائے تانیث لگاتے ہیں جو اس کے فعل ہونے کی دلیل اور علامت ہے اور کبھی اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے تائے تانیث کے بغیر استعمال کرتے ہیں، گویا اس میں حرف کی مشابہت پیدا ہوجاتی ہے، یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام میں اس دوسرے طریقے سے "نعم النساء ...." استعمال ہوا ہے۔(۷) واللہ أعلم۔

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الاغتسال من المحيض، رقم (٣١٦)۔

(۲) سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب في الحائض كيف تغتسل؟ رقم (٦٤٢)۔

(۳) مسند أحمد (ج٦ص١٤٨)، رقم (٢٥١٦٠)۔

(۴) مصنف عبدالرزاق (ج١ص٣١٤)، كتاب الحيض، رقم (١٢٠٨)۔

(۵) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تغلیق التعلیق (ج٢ص٩٤،٩٥)۔

(۶) عمدة القاري (ج٢ص٢١٠)۔

(۷) عمدة القاري (ج٢ص٢١١)۔

١٣٠ : حدّثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ : أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ[1] قَالَتْ : جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَسُولِ ٱللهِ ﷺ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، إِنَّ ٱللهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ ٱلْحَقِّ ، فَهَلْ عَلَى ٱلْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا ٱحْتَلَمَتْ ؟ قَالَ ٱلنَّبِيُّ ﷺ : (إِذَا رَأَتِ ٱلْمَاءَ) . فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ ، تَعْنِي وَجْهَهَا ، وَقَالَتْ : يَا رَسُولَ ٱللهِ ، وَتَحْتَلِمُ ٱلْمَرْأَةُ ؟ قَالَ : (نَعَمْ ، تَرِبَتْ يَمِينُكِ ، فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا) . [٢٧٨ ، ٣١٥٠ ، ٥٧٤٠ ، ٥٧٧٠]

تراجم رجال

(۱) محمد بن سلام

یہ ابوعبداللہ محمد بن سلام بن الفرج السُّلَمی البِیکَندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب قول النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: أنا أعلمکم باللّٰہ، وأن المعرفة فعل القلب ..." کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۲) ابومعاویہ

یہ محمد بن خازم التمیمی السعدی الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ابومعاویہ ان کی کنیت ہے، بچپن میں چار یا آٹھ

---

(١) قوله: "أم سلمة رضي الله عنها": الحديث أخرجه البخاري أيضا في صحيحه (ج١ص٤٢) كتاب الغسل (الوضوء)، باب إذا احتلمت المرأة، رقم (٢٨٢)، و(ج١ص٤٦٨ و٤٦٩) كتاب أحاديث الأنبياء، باب ﴿وإذ قال ربك للملائكة إني جاعل في الأرض خليفة﴾، رقم (٣٣٢٨)، و(ج٢ص٩٠٠) كتاب الأدب، باب التبسم والضحك، رقم (٦٠٩١)، و(ج٢ص٩٠٤) كتاب الأدب، باب ما لا يستحيا من الحق للتفقه في الدين، رقم (٦١٢١). ومسلم في صحيحه، في كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، رقم (٨١٢). والترمذي في جامعه، في كتاب الطهارة، باب ما جاء في المرأة ترى في المنام مثل ما يرى الرجل، رقم (١٢٢). والنسائي في سننه الصغرى، في كتاب الطهارة، باب غسل المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل، رقم (١٩٧)، وفي سننه الكبرى، في كتاب الطهارة، باب إيجاب الغسل على المرأة إذا احتلمت ورأت الماء، رقم (٢٠١). وابن ماجه في سننه، في كتاب الطهارة، باب في المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل، رقم (٦٠٠). وأحمد في مسنده (ج٦ص٣٠٦) مسند أم سلمة، رقم (٢٦١٤٨).

(٢) كشف الباري (ج٢ص٤٣).

سال کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے، اس لئے ابو معاویہ الضریر کہلاتے ہیں۔(۱)

یہ امام اعمش، شعبہ بن الحجاج، ھشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاری، ابو اسحاق شیبانی اور ابو مالک اشجعی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے شیخ ابن جریج، اعمش، یحییٰ بن سعید القطان، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ، ابوخیثمہ، قتیبہ بن سعید، احمد بن منیع، صدقۃ بن الفضل اور سعید بن منصور رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔(۲)

امام احمد اور امام ابن معین سے پوچھا گیا کہ ابو معاویہ اور جریر میں کون زیادہ آپ کے نزدیک قوی اور پسندیدہ ہے؟ فرمایا اعمش کی احادیث کے سلسلہ میں ابو معاویہ ہمارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہیں۔(۳)

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ ابو معاویہ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں "أما أنت، فقد ربطت رأس كيسك"۔(۴) یعنی "تم نے تو اپنی تھیلی کا منہ مضبوطی سے باندھ لیا ہے" گویا قوت حفظ کی طرف اشارہ ہے۔

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "هذا صاحب الأعمش فاعرفوه"۔(۵)

یعنی "یہ اعمش کے خاص شاگرد ہیں، ان کو اچھی طرح پہچان لو"۔

ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو معاویہ اعمش کے پاس بیس سال تک رہے۔(۶)

خود ابو معاویہ الضریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے "البصراء كانوا عيّ عيالاً عند الأعمش"۔(۷)

یعنی "اعمش کے پاس ان کی حدیثوں کے سلسلہ میں بینا حضرات میرے محتاج ہوتے تھے"۔

ابو معاویہ فرماتے تھے:

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۱۲۳و۱۲۴)۔

(۲) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۲۵ص۱۲۴-۱۲۷)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۱۲۸)۔

(۴) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۱۳۱)۔

(۵) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۱۳۱)۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) حوالۂ بالا۔

"كل حديث أقول فيه: "حدثنا" فهو ما حفظته من في المحدث، وما قلت: "وذكر فلان" فهو مالم أحفظه من فيه، وقرئ علي من كتاب، فعرفته، فحفظته مما قرئ عليّ"۔ (۱)

یعنی "جب میں "حدثنا" کے لفظ سے حدیث بیان کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے وہ حدیث براہ راست محدث کی زبان سے سنی ہے اور جب میں "ذکر فلان" کہہ کر روایت کرتا ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ میں نے وہ حدیث براہ راست نہیں سنی، میرے سامنے کسی کتاب سے پڑھی گئی ہے، جس کو میں نے یاد کرلیا ہے"۔

احمد بن عمر الوکیعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ما أدركنا أحدا كان أعلم بأحاديث الأعمش من أبي معاوية"۔ (۲)

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كوفي ثقة، يرى الإرجاء، وكان لين القول فيه"۔ (۳)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة" ۔ (۴)

ابن خراش فرماتے ہیں "صدوق، وهو في الأعمش ثقة، وفي غيره فيه اضطراب"۔ (۵) یعنی "یہ صدوق ہیں، اعمش کی احادیث میں ثقہ ہیں، ان کے علاوہ باقی حضرات کی روایتوں میں کچھ اضطراب پایا جاتا ہے"۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان حافظاً متقناً، ولكنه كان مرجئاً"۔ (۶)

یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان من الثقات، وربما دلس، وكان يرى

(۱) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۱۳۲)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج۹ص۷۶)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(٤) تهذيب الكمال (ج۲۵ص۱۳۲)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(٦) الثقات لابن حبان (ج۷ص٤٤٢)، ونقل كل من المزي والذهبي عنه "كان مرجئاً خبيثاً"، انظر تهذيب الكمال (ج۲۵ص۱۳۳) وسير أعلام النبلاء (ج۹ص۷۷) ولم أجد هذه الزيادة في نسخة عندي۔

"الإرجاء"۔ (۱) یعنی "وہ ثقات میں سے ہیں، کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں، وہ ارجاء کے قائل تھے"۔

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کان مرجئا"۔ (۲) بلکہ وہ فرماتے ہیں "أبو معاویۃ رئیس المرجئۃ بالکوفۃ"۔ (۳)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں "الإمام الحافظ الحجۃ ... أحد الأعلام"۔ (۴)

نیز وہ فرماتے ہیں "محمد بن حازم الضریر، ثقۃ ثبت"۔ (۵)

ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وکان ثقۃ کثیر الحدیث، یدلس.. کان مرجئا"۔ (۶)

حاصل تمام اقوال کا یہ ہے کہ ابو معاویہ محمد بن حازم الضریر ثقہ اور متقن راوی ہیں، امام اعمش کی احادیث میں تو ان کا درجہ بہت اونچا ہے، جبکہ دوسرے حضرات سے جو روایات وہ نقل کرتے ہیں ان میں وہ بھی غلطی کر جاتے ہیں۔

ان پر بعض حضرات نے جو کلام کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ مرجئہ میں سے بلکہ "رأس المرجئہ" تھے، کبھی تدلیس بھی کر جاتے تھے اور اعمش کے سوا باقی حضرات کی روایات میں یہ کچھ کمزور تھے۔

لیکن عامۂ محدثین نے ان کی روایات کو قبول کیا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ "رأس المرجئہ" ہونے کے باوجود ان سے ایسی کوئی روایت مروی نہیں جس سے ان کے ارجاء کی بدعت کی ترویج ہوتی ہو۔

جہاں تک تدلیس کا تعلق ہے، سو اول تو یہ زیادہ تدلیس نہیں کرتے تھے اور پھر ان کا شمار ان بڑے ائمۂ حدیث میں ہے جن کی معمولی تدلیس سے علماء نے صرفِ نظر کیا ہے۔ (۷)

جہاں تک دوسرے حضرات کی روایات میں اضطراب اور کمزوری کا تعلق ہے، سو اس سلسلہ میں حافظ

(۱) تہذیب الکمال (ج ۲۵ ص ۱۳۲)۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(۴) سیر أعلام النبلاء (ج ۹ ص ۷۳)۔

(۵) میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۵۳۳)، رقم (۷۴۶۶)۔

(۶) طبقات ابن سعد (ج ۶ ص ۳۹۲)۔

(۷) دیکھئے تعریف أهل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس (ص ۳۶)۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اول تو ان احادیث پر اعتماد کیا ہے جو اعمش سے مروی ہیں، البتہ اعمش کے علاوہ ہشام بن عروہ سے چند احادیث لی ہیں، مگر ان کی متابعات موجود ہیں، نیز برید بن ابی بردہ سے بھی ایک حدیث لی ہے، اس کی بھی متابعت موجود ہے۔ (۱)

یہی وجہ ہے کہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں واضح طور پر لکھ دیا کہ "ثقة ثبت، ما علمت فيه مقالاً يوجب وهنه مطلقاً"۔ (۲)

یعنی "یہ ثقہ اور ثبت ہیں، مجھے ان کے بارے میں کوئی ایسا کلام معلوم نہیں جو ان کی مطلق کمزوری کو مستوجب ہو۔

۱۹۴ھ یا ۱۹۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (۳) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۳) ہشام

یہ ہشام بن عروہ بن الزبیر بن العوام قرشی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے تفصیلی حالات کتاب الإیمان "باب حسن إسلام المرء" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۴)

(۴) أبيه (عروۃ بن الزبیر)

یہ حضرت عروۃ بن الزبیر بن العوام قرشی اسدی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے تفصیلی حالات بھی کتاب الإیمان، "باب حسن إسلام المرء" کے تحت گذر چکے ہیں۔ (۵)

---

(۱) دیکھئے هدي الساري (ص ۴۳۸)۔

(۲) میزان الاعتدال (ج ۳ ص ۵۳۳)، رقم (۷۴۶۶)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء (ج ۹ ص ۷۷)۔

(۴) کشف الباري (ج ۲ ص ۴۳۲)۔

(۵) کشف الباري (ج ۲ ص ۴۳۶)۔

(۵) زینب بنت ام سلمة

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی، زینب بنت ابی سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد بن ہلال مخزومیہ قرشیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ (۱)

حبشہ میں ان کی ولادت ہوئی اور ان کا نام "برۃ" رکھا گیا تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "زینب" سے بدل دیا۔ (۲)

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ام حبیبہ اور حضرت حبیبہ بنت ام حبیبہ رضی اللہ عنہن سے روایت کرتی ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام شعبی، حمید بن نافع مدنی، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، عروہ بن الزبیر، علی بن الحسین، قاسم بن محمد، ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، ان کے بیٹے ابوعبیدہ بن عبد اللہ بن زمعہ، ابو قلابہ جرمی، کلیب بن وائل، عمرو بن شعیب اور عراک بن مالک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ ہیں۔ (۳)

ان کا شمار مدینہ منورہ کی فقیہ خواتین میں ہوتا تھا۔

چنانچہ ابورافع الصائغ فرماتے ہیں "كنت إذا ذكرت امرأة فقيهة بالمدينة ذكرت زينب بنت أبي سلمة ..."۔ نیز وہ فرماتے ہیں "وهي يومئذ أفقه امرأة بالمدينة"۔ (۴)

ان کی ایک عجیب خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی بیٹی سے کہتیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلی جاؤ، وہ وہاں داخل ہوتیں تو آپ ان کے چہرہ پر پانی کے چھینٹے ڈال دیتے اور پھر لوٹا دیتے۔ کہتے ہیں کہ وہ معمر اور ضعیف ہو چکی تھیں لیکن ان کے چہرے کی شادابی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ (۵)

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۳۵ ص۱۸۵)، ومعرفة الصحابة لأبي نعيم (ج۵ ص۲۲۹)، رقم (۳۸۸٤)۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) شیوخ ورواۃ کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج۳۵ ص۱۸۵)۔

(٤) الإصابة (ج٤ ص۳۱۷)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

صحیح بخاری میں ان کی براہِ راست روایت صرف ایک ہے، جبکہ مسلم ایک حدیث میں متفرد ہیں، البتہ بالواسطہ کئی روایات ہیں، اصولِ ستہ میں ان کی روایات موجود ہیں۔(۱)

۷۳ھ میں ان کا انتقال ہوا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کے جنازہ میں حاضر ہوئے۔(۲)

رضي الله عنها وأرضاها

(۶) ام سلمہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حالات کتاب العلم ہی میں "باب العظة والتعليم بالليل" کے تحت گذر چکے ہیں۔

قالت: جاءت أم سليم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ ام سُلیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا

یہ ام سلیم بنت ملحان حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں ان کے نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

بعض نے "سہلۃ" کہا ہے، بعض نے "رمیلۃ"، بعض نے "رمیثۃ"، بعض نے "رمیصاء" بعض نے "غمیصاء"، بعض نے "ملیکہ" بعض نے "رمیساء" بعض نے "أنیثۃ" اور بعض نے "أنیفۃ" کہا ہے(۳)، جبکہ

---

(۱) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ص۲۱۱)۔ وقال الخزرجي في الخلاصة(ص۴۹۱): "صحابية لها في البخاري حديثان ومسلم فرد حديث" كذا قال، ولم أجد في صحيح البخاري من روايتها عن النبي صلى الله عليه وسلم مباشرة إلا حديثا واحدا، كما قال العيني رحمه الله، وهو حديث: "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الدباء والحنتم والمقير والمزفت ....." صحيح البخاري (ج۱ص۴۹۶) كتاب المناقب، باب قول الله تعالى: ﴿يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر و أنثى ...﴾ رقم (۳۴۹۲)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۳۵ص۱۸۶)۔

(۳) دیکھئے تهذيب الكمال (ج۳۵ص۳۶۵)، والإصابة (ج۴ص۴۶۱)، وفتح الباري (ج۱ص۴۸۹) كتاب الصلاة، باب الصلاة على الحصير۔

بعض نے کہا ہے کہ "انیفہ" اور "انیثہ" دونوں نام محرّف ہیں، صحیح "اُنیسہ" ہے۔(۱)

پھر بعض حضرات مثلاً ابن عبدالبر، عبدالحق اور قاضی عیاض کی حتمی رائے یہ ہے کہ حضرت انس کی والدہ کا نام "ملیکہ" ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے، جبکہ ابن سعد، ابن مندہ اور ابن الحصار رحمہم اللہ نے جزماً کہا کہ یہ "ملیکہ" حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نانی کا نام ہے۔ امام الحرمین اور عبدالغنی رحمہما اللہ کے کلام سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔(۲)

اس دوسرے قول کی تائید ابوالشیخ کی "فوائد العراقیین" کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "أرسلتني جدتي إلى النبي صلی اللہ علیہ وسلم، واسمها مليكة ....."۔(۳)

جبکہ پہلے قول کی تائید صحیح بخاری وغیرہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو "مالك عن إسحاق بن عبداللہ بن أبي طلحة عن أنس بن مالك" کے طریق سے مروی ہے اس روایت میں ہے "أن جدته مليكة دعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لطعام صنعته له، فأكل منه، ثم قال: قوموا فلأصل لكم، قال أنس: فقمت إلى حصير لنا قد اسود من طول ما لبس، فنضحته بماء، فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصففت، واليتيم وراءه، والعجوز من ورائنا..... "(۴)۔

اس روایت کی سند میں اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں، کیونکہ عبداللہ بن ابی طلحہ ام سلیم کے بیٹے اور حضرت انس کے اخیافی بھائی ہیں(۵)، روایت میں "جدته" کی ضمیر شارحین نے "اسحاق" کی طرف لوٹائی ہے(۶)، لہذا "ملیکہ" اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ کی دادی ہوئیں اور یہی حضرت انس کی والدہ ام سلیم ہیں کیونکہ یہی روایت "سفيان بن عيينة عن إسحاق بن عبد اللہ بن أبي

(۱) دیکھئے تعلیقات تقریب التہذیب (ص ۷۵۷)، رقم (۸۷۲۷)۔

(۲) فتح الباری (ج۱ص۴۸۹) کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی الحصیر۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(۴) صحیح البخاري (ج۱ص ۵۵)، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی الحصیر، رقم (۳۸۰)۔

(۵) فتح الباری (ج۱ص۴۸۹)۔

(۶) حوالۂ بالا۔

طلحة عن انس" کے طریق سے مختصراً مروی ہے، جس میں ہے "صففت أنا ویتیم في بیتنا خلف النبي صلی اللّٰه علیه وسلم، وأمي أم سلیم خلفنا" (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں روایتوں کو اگر ایک ہی قصہ قرار دیں تب تو یہ متعین ہے کہ ملیکہ اسحاق کی دادی اور حضرت انس کی والدہ ہیں، تاہم یہاں واقعہ میں تعدد کا امکان بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینا اور آپ کا نماز پڑھنا حضرت ام سلیم کی دعوت کی بنا پر مستقل واقعہ ہو اور ملیکہ یعنی ام سلیم کی والدہ کی دعوت کا واقعہ مستقل ہو اور حضرت انس کی نانی کا نام ملیکہ ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اسحاق کی دادی یعنی حضرت انس کی والدہ کا نام ملیکہ ہو۔ (۲) واللّٰه أعلم

حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔

جبکہ ان سے روایت لینے والوں میں حضرت انس، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ عمرو بن عاصم انصاری اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔ (۳)

حضرت ام سلیم کا نکاح جاہلیت میں مالک بن النضر سے ہوا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ولادت کے بعد یہ اور ان کی قوم مسلمان ہوگئی، انہوں نے اپنے شوہر مالک کے سامنے بھی اسلام کی دعوت رکھی، لیکن وہ ناراض ہوکر شام چلا گیا اور وہیں مرگیا۔ (۴)

اس کے بعد ابوطلحہ نے انہیں پیغام دیا، حضرت ام سلیم نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر اسلام لے آؤ تو نکاح ہوجائے گا اور انہوں نے مزید تبلیغ بھی کی۔ ابوطلحہ نے کچھ سوچنے کی مہلت طلب کی اور پھر برضا ورغبت مسلمان ہوگئے، اس طرح حضرت ام سلیم کا نکاح حضرت ابوطلحہ سے ہوگیا۔ (۵)

ان کے ہاں ایک بیٹا ہوا، بیمار ہوکر انتقال کرگیا، حضرت ام سلیم نے کمال صبر، زبردست حکمت اور مصلحت سے کام لے کر بعد میں اپنے شوہر کو یہ خبر سنائی، حضرت ابوطلحہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ

---

(۱) صحیح البخاري (ج۱ ص۱۰۱)، کتاب الأذان، باب المرأة وحدها تکون صفاً، رقم (۷۲۷)۔

(۲) دیکھئے فتح الباري (ج۱ ص۴۸۹)۔

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے تهذیب الکمال (ج۳۵ ص۳۶۵)، ومعرفة الصحابة لأبي نعیم (ج۵ ص۳۴۷)۔

(۴) تهذیب الکمال (ج۳۵ ص۳۶۶)، والإصابة (ج۴ ص۴۶۱)۔

(۵) حوالہ جات بالا۔ نیز دیکھئے معرفة الصحابة لأبي نعیم (ج۵ ص۳۴۷)۔

واقعہ بتایا تو آپ نے ان دونوں کے واسطے برکت کی دعا کی، چنانچہ ان سے ان کے دس بیٹے پیدا ہوئے، جو سب کے سب حاملینِ علم وقرآن تھے۔(۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت ہی خصوصی تعلق تھا، آپ وقتاً فوقتاً ان کے گھر جایا کرتے تھے۔(۲)

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصی تعلق تھا، جب بھی آپ ان کے ہاں جاتے تو وہ بہت ہی خصوصی اہتمام کرتیں(۳)، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ان کے ہاں سو گئے اور آپ سے پسینہ نکلنے لگا، حضرت ام سلیم نے اس پسینے کو ایک شیشی میں جمع کرنا شروع کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا کر رہی ہو؟ جواب دیا کہ میں آپ کے پسینے کو جمع کر رہی ہوں، اس کو خوشبو کے طور پر ہم استعمال کریں گے، کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کوئی خوشبو نہیں۔(۴)

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بہت باہمت اور بہادر خاتون تھیں، غزوۂ خیبر کے موقع پر اپنے شوہر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئیں اور اپنے ساتھ ایک خنجر رکھ لیا، کہتی تھیں کہ اگر کوئی مشرک قریب آیا تو اس کے ذریعہ اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔(۵)

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "دخلت الجنة فرأيت امرأة أبي طلحة"۔(۶) یعنی "میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں میں نے ابوطلحہ کی زوجہ ام سلیم کو دیکھا"۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے تقریباً چودہ احادیث مروی ہیں، ان میں سے دو تو متفق علیہ ہیں اور ایک حدیث میں امام بخاری اور دو حدیثوں میں امام مسلم متفرد ہیں۔(۷)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کا انتقال ہوا۔(۸) رضي الله عنها وأرضاها

---

(۱) تهذيب الكمال (ج۳۵ص۳۶۶)، والإصابة (ج۴ص۴۶۱)۔

(۲) الإصابة (ج۴ص۴۶۱)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(۴) معرفة الصحابة لأبي نعيم (ج۵ص۳۴۸)، نیز دیکھئے صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب طيب عرقه صلى الله عليه وسلم والتبرك به، رقم (۶۰۵۵-۶۰۵۷)۔

(۵) دیکھئے صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة النساء مع الرجال، رقم (۴۶۸۰)۔

(۶) معرفة الصحابة لأبي نعيم (ج۵ص۳۴۸)۔

(۷) خلاصة الخزرجي (ص۴۹۸)۔

(۸) تقريب التهذيب (ص۷۵۷)، رقم (۸۷۳۷)۔

فقالت: يا رسول الله، إن الله لا يستحيي من الحق

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! یقیناً اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتے۔

''حیا'' ایک نفسانی تغیر وانکسار ہے جو کسی شخص کو اس وقت لاحق ہوتا ہے جب اسے کسی عیب یا قابل مذمت چیز کے لاحق ہونے کا خوف ہو۔(۱)

ظاہر ہے کہ اللہ عزوجل تغیر اور انکسار سے منزہ اور پاک ہے، اس لئے علماء نے ایسی نصوص کی توجیہ وتاویل کی ہے۔

چنانچہ اس کی ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ "إن الله لا يستحيي من الحق": "إن الله لا يمتنع من بيان الحق" (۲) کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل حق کو بیان ضرور کرتے ہیں، اس کے بیان کو چھوڑتے نہیں۔

ایک مطلب اس کا بیان کیا گیا ہے "إن الله لا يأمر بالحياء في الحق ولا يبيحه"۔(۳) یعنی اللہ تعالیٰ حق کے سلسلہ میں نہ حیا کا حکم دیتے ہیں، نہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ اس میں تو اللہ تعالیٰ سے حیا کی نفی کی گئی ہے لہذا توجیہ وتاویل کی ضرورت ہی کیا ہے؟

لیکن یہ کہنا درست نہیں کیونکہ جہاں ہم نے "إن الله لا يستحيي من الحق" کہہ کر اللہ تعالیٰ سے حق سے حیا کی نفی کی ہے، وہیں اس سے یہ بھی لازم آتا ہے "إن الله يستحيي من الباطل" یعنی اللہ تعالیٰ حق کے بیان سے تو حیا نہیں فرماتے البتہ باطل سے حیا فرماتے ہیں، گویا ایک جہت سے اگر نفی ہے تو دوسری جہت سے اثبات ہے اور اثبات کی صورت میں توجیہ وتاویل ضروری ہے۔(۴)

(۱) دیکھئے شرح النووي على صحيح مسلم (ج۱ص۱٤٦)، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها۔ ، عمدة القاري (ج۲ص۲۱۲)۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) شرح النووي على صحيح مسلم (ج۱ص۱٤٦)۔

(۴) دیکھئے فتح الباري (ج۱ص۳۸۹) كتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة۔

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے جس حیا کا اثبات کیا جا رہا ہے، اس کی توجیہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس کو اور اس جیسی نصوص کو ظاہر پر رکھا جاتا ہے، ایسے موقعہ پر سارا اشکال ہی اس لئے ہوتا ہے کہ ہم صفاتِ حق کو صفاتِ خلق پر قیاس کرتے ہیں، یہ کیا ضروری ہے کہ مخلوق میں حیا اگر تغیر نفسانی کا نام ہے تو اللہ تعالیٰ کی حیا بھی وہی تغیر ہو؟! ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (۱) واللّٰه أعلم.

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے یہ کلام اپنے اگلے سوال کی تمہید کے لئے کیا تھا، وہ جس بات کے متعلق سوال کرنا چاہتی تھیں عورتیں اس کے متعلق پوچھنے سے شرماتی تھیں، اس لئے انہوں نے تمہیداً یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ حق بات سے حیا نہیں کرتے، ہم اللہ کی مخلوق ہیں ہم بھی حق بات کے لئے ایک سوال کر رہے ہیں جس کا تعلق حیا سے ہے۔ (۲)

فهل على المرأة من غسل إذا احتلمت؟

کیا عورت پر غسل واجب ہے اگر اسے احتلام ہو؟

''احتلام'' باب افتعال کا مصدر ہے، جو ''حُلم'' (بضم الحاء المهملة وسكون اللام) سے ماخوذ ہے، ''حلم'' دراصل خواب کو کہتے ہیں (۳)، لیکن یہاں ''خواب'' یا ''حلم'' سے ''جماع'' مراد ہے (۴)، چنانچہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے اس کے الفاظ ہیں "يا رسول الله، أرأيت إذا رأت المرأة أن زوجها يجامعها في المنام، أتغتسل؟" (۵)

قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا رأت الماء

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! جب پانی یعنی منی دیکھے۔

---

(۱) الشورى: ۱۱۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص۲۲۹)۔

(۳) دیکھئے شرح المهذب (ج۲ص۱۳۹) باب ما يوجب الغسل۔

(٤) فتح الباري (ج۱ص۳۸۹) كتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة۔

(٥) مسند أحمد (ج٦ص۳۷۷)، رقم (۲۷٦٥۹)۔

یہاں ''ماء'' سے منی مراد ہے۔(۱)

پھر یہاں ''رؤیتِ ماء'' کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ خواب دیکھنے والا کبھی خواب میں انزال ہوتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن حقیقۃً انزال نہیں ہوتا، ایسی صورت میں بالاتفاق غسل واجب نہیں ہے، غسل کے لئے تری کے دیکھنے کو شرط قرار دیا ہے، جو انزال کے یقینی ہونے کی دلیل ہے۔(۲)

کیا عورتوں میں منی نہیں ہوتی؟

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ عورتوں میں بھی منی ہوتی ہے، جمہور فقہاء کی رائے یہی ہے۔

جبکہ فلاسفہ کی ایک جماعت عورتوں میں منی کے وجود کی منکر ہے، چنانچہ ارسطو کا کہنا ہے کہ عورتوں میں منی تو نہیں ہوتی، تاہم دمِ حیض میں قوتِ تولید ہوتی ہے۔(۳)

اسی طرح ابن سینا کہتے ہیں کہ عورتوں میں ایک خاص قسم کی رطوبت ہوتی ہے، اس پر منی کی تعریف صادق نہیں آتی۔(۴)

لیکن اطباء اور فلاسفہ میں سے محققین اس بات کے قائل ہیں کہ عورتوں میں منی ہوتی ہے۔(۵)

کیا عورتوں کو احتلام ہوتا ہے؟

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو بھی اسی طرح احتلام ہوتا ہے جس طرح مردوں کو احتلام ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے احتلام نساء کا انکار

---

(۱) فتح الباري (ج۱ص۳۸۹) کتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة۔

(۲) الاستذکار لابن عبد البر (ج۱ص۳۳۶)، باب غسل المرأة إذا رأت في المنام مثل ما يرى الرجل۔

(۳) دیکھئے السعاية (ج۱ص۳۰۶) بيان موجبات الغسل۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) حوالۂ سابقہ۔

منقول ہے۔(۱)

حافظ فرماتے ہیں کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ امام نخعی کے اس انکار کو مستبعد قرار دیا ہے، تاہم ابن ابی شیبہ نے سند جید سے اس کو روایت کیا ہے۔(۲)

فغطت أم سلمة تعني وجهها

سو حضرت ام سلمہ نے ڈھانپ لیا، یعنی اپنے چہرے کو۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ام سلیم کا سوال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حیا کی وجہ سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

اس حدیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، جبکہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت عائشہ موجود تھیں اور انہوں نے کہا تھا "یا أم سلیم، فضحت النساء تربت یمینك"۔(۳)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت راجح ہے اور یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے۔(۴)

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ذہلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں، چنانچہ دونوں حدیثوں کے درمیان جمع وتطبیق کے واسطے کہا گیا ہے کہ یہ دونوں مستقل حدیثیں ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اس مجلس میں دونوں ازواج مطہرات ہوں اور دونوں ہی نے یہ نکیر کی ہو۔(۵)

پھر اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مسانید میں سے بھی ذکر کیا ہے(۶)،

---

(۱) فتح الباري (ج۱ص۳۸۸)۔

(۲) حوالۂ بالا۔ أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه (ج۱ص۵۰٤، في المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل، رقم ۵۸۸۵)، قال: "حدثنا جرير عن مغيرة قال: كان إبراهيم ينكر احتلام النساء"۔

(۳) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، رقم (۷۰۹)۔

(٤) فتح الباري (ج۱ص۳۸۸)، كتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة۔

(۵) فتح الباري (ج۱ص۳۸۸)، كتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة، وأوجز المسالك (ج۱ص۵٤٦)، كتاب الطهارة، باب غسل المرأة إذا رأت في المنام مثل ما يرى الرجل۔

(٦) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، رقم (۷۰۹-۷۱۱)۔

اس بنیاد پر بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اس مجلس میں حضرت انس بھی موجود تھے۔(۱)

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس وہاں موجود نہیں تھے، البتہ انہوں نے یہ حدیث اپنی والدہ ام سلیم سے سنی تھی۔(۲)

اسی طرح مسند احمد میں حضرت ابن عمر کی مسانید میں بھی یہ حدیث مذکور ہے(۳)، حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بھی یہی بات کی ہے کہ انہوں نے بھی یہ حدیث یا تو ام سلیم سے سنی ہے یا کسی اور سے۔(۴)

وقالت: یا رسول اللّٰہ، أو تحتلم المرأۃ؟ قال: نعم

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ، کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں!

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پتہ نہیں تھا اور ظاہر یہ ہے کہ ان کو یہ صورت پیش نہیں آئی۔

ازواج مطہرات کو احتلام ہوتا تھا یا نہیں؟

اب یہاں یہ مسئلہ پیش آ گیا کہ آیا ازواج مطہرات کو احتلام ہو سکتا ہے یا نہیں؟

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کا انکار اس بات پر دال ہے کہ عورتوں میں احتلام بہت قلیل الوقوع ہے۔(۵)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ حضرات ازواج مطہرات سے احتلام کا وقوع نہیں ہوتا، اس لئے کہ احتلام شیطانی اثر کا نتیجہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم اور آپ

(۱) فتح الباري (ج۱ ص۳۸۸)، وأوجز المسالك (ج۱ ص۵۴٦)۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) مسند أحمد (ج۲ ص۹۰) مسند عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنہ، رقم (۵٦۳۹)۔

(٤) فتح الباري (ج۱ ص۳۸۸)، وأوجز المسالك (ج۱ ص۵٤٦)۔

(۵) زهر الربى على المجتبى (ج۱ ص٤۲)، كتاب الطهارة، باب غسل المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل۔

کی برکت سے انہیں شیطانی اثرات سے محفوظ کردیا گیا، جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے شیطانی اثرات سے محفوظ کردیے گئے ہیں۔(۱)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ولی الدین کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے بعض اصحاب، درس میں مذاکرہ کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ازواج مطہرات سے احتلام کا وقوع نہیں ہوتا کیونکہ وہ بیداری یا نیند کسی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کی اطاعت نہیں کرتیں اور شیطان آپ کی شکل وصورت اختیار کر نہیں سکتا۔ اس بات کو سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔(۲)

اسی طرح علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور جگہ فرمایا کہ اس امر سے کیا مانع ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خصوصیت ہو؟(۳)

لیکن علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں مانع یہ ہے کہ خصوصیات احتمال کی بنا پر ثابت نہیں ہوا کرتیں۔(۴)

اسی طرح حافظ ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات ارشاد فرمائی وہ بھی قابل نظر ہے کیونکہ احتلام کی وجہ صرف وہی نہیں جو انہوں نے بیان کی بلکہ کبھی احتلام وعاء منی کے پُر ہوجانے کی وجہ سے بھی ہوتا ہے، اور کبھی اس کی وجہ کوئی اور بات ہوتی ہے، بعض علماء نے جو عدم احتلام کا قول اختیار کیا ہے سو وہ صرف حضرات انبیاء کرام کے بارے میں ہے۔(۵)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں قول محقق یہ ہے کہ اس مقام پر نہ تو یہ دعوی کیا جائے کہ حضرات ازواج مطہرات سے مطلق احتلام کی نفی ہی کردی جائے اور نہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ ان سے وقوع احتلام ممنوع ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ حضرات ازواج مطہرات چونکہ امہات المؤمنین ہیں اور مسلمانوں کے لئے حرام ہیں تو اللہ عز وجل اپنے دشمن ابلیس کو لوگوں کی شباہت اختیار کرکے ان پر مسلط نہیں

---

(۱) حوالۂ بالا۔

(۲) حوالۂ بالا۔

(۳) تنویر الحوالک (ص ۷۱) کتاب الطہارۃ، باب غسل المرأۃ إذا رأت في المنام مثل ما یری الرجل۔

(٤) شرح الزرقاني علی الموطأ (ج ۱ ص ۱۰۳)، غسل المرأۃ إذا رأت مثل ما یری الرجل۔

(۵) حوالۂ بالا۔

کرتا اور اس مخصوص صورت میں ان سے احتلام کا وقوع نہیں ہوتا، تاہم ان سے مطلق احتلام کی نفی یا عدم وقوع نہیں ہے۔(۱) واللہ أعلم

تربت یمینك

تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو۔

یہ جملہ بددعائیہ ہے، تاہم یہ صرف زجر کے لئے مستعمل ہے، اس کے حقیقی معنی مقصود نہیں ہوتے۔(۲)

فبم یشبهها ولدها؟!

پھر اس کی اولاد اس کے مشابہ کیسے ہوتی ہے؟!

یعنی اگر عورت کے منی نہ ہوتی تو بچہ عورت کے مشابہ نہ ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ مشابہت کا سبب یہ منی ہے۔

ولد کی مشابہت کا سبب

اور اس کی تذکیر وتانیث کا سبب

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کا علم ہوا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں، ان کا جواب کوئی نبی ہی دے سکتا ہے۔

ان میں سے ایک سوال تھا "ما بال الولد ینزع إلی أبیه، أو إلی أمه؟" یعنی "بچہ اپنے باپ یا اپنی ماں کی طرف مائل یعنی ان کے ساتھ مشابہ کیوں ہوتا ہے؟"

اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" وأما الولد فإذا سبق ماء الرجل ماء المرأة نزع الولد، وإذا سبق ماء المرأة ماء

(۱) المعلم (ج۱ص۳۰۹)۔

(۲) دیکھئے الاستذکار (ج۱ص۳۳۹) و [illegible] (ج۱ص[illegible]) و [illegible] (ج۱ص[illegible])۔

الرجل نزعت الولد"۔(۱)

یعنی "جب مرد کی منی عورت کی منی سے سابق ہوتی ہے تو وہ بچہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کی منی مرد کی منی سے سبقت کر جائے تو عورت بچہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے"۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت ہے "إذا علا ماؤها ماء الرجل أشبه الولد أخواله، وإذا علا ماء الرجل ماءها أشبه أعمامه"۔(۲)

یعنی "جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آجائے تو بچہ اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آتی ہے تو اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے"۔

اوپر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ سبب مشابہت "سبق" ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوا کہ سبب مشابہت "غلبہ" ہے۔

پھر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے:

"ماء الرجل أبيض، وماء المرأة أصفر، فإذا اجتمعا فعلا منيُّ الرجل منيَّ المرأة أذكرا بإذن الله، وإذا علا منيُّ المرأة منيَّ الرجل آنثا بإذن الله ...."۔(۳)

یعنی "مرد کی منی سفید ہے اور عورت کی منی زرد، جب دونوں جمع ہو جائیں اور مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آجائے تو اللہ کے حکم سے مذکر پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آتی ہے تو اللہ کے حکم سے بچہ مؤنث ہوتا ہے"۔

بعینہ اسی مضمون کی روایت لفظ "علو" کے ساتھ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے "يلتقي الماءان، فإذا علا ماءُ الرجل ماءَ المرأة أذكرت، و إذا علا ماءُ المرأة ماءَ الرجل آنثت ....."۔(۴) یعنی "دونوں پانی جمع ہوتے ہیں، جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب

(۱) دیکھئے صحیح البخاري (ج۱ص۵۶۱)، كتاب مناقب الأنصار، باب (بلا ترجمة، بعد باب قول النبي صلى الله عليه وسلم اللهم أمض لأصحابي هجرتهم" ومرثيته لمن مات بمكة)، رقم (۳۹۳۸)۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، رقم (۷۱۵)۔

(۳) صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب بيان صفة مني الرجل والمرأة، وأن الولد مخلوق من مائهما، رقم (۷۱۶)۔

(۴) مسند أحمد (ج۱ص۲۷٤)، مسند عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، رقم (۲٤۸۳)۔

آتا ہے تو عورت مذکر جنتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آتا ہے تو عورت مؤنث جنتی ہے''۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مذکر و مؤنث ہونے کا سبب ''غلبہ'' ہے۔

یہاں جو اشکال ہو رہا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ولد کا سبب مشابہت للاعمام او الاخوال ''سبق'' ہے یا ''علو''؟

پھر یہ ''علو'' سبب ''إذکار'' و ''ایناث'' ہے یا سبب مشابہت؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''سبق'' اپنے معنی پر ہے، اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں، اسی طرح حضرت ثوبان اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایتوں میں بھی ''علو'' اپنے اصل معنی یعنی غلبہ کے معنی میں ہے، اس میں بھی کسی تاویل کی حاجت نہیں۔

البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں جو ''علو'' مذکور ہے وہ ''سبق'' ہی کے معنی میں ہے، اب معنی یہ ہو جائیں گے کہ جب مرد کی منی رحم میں عورت کی منی سے سبقت کر جائے تو بچہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی مرد کی منی سے سبقت کر جائے تو بچہ اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔

''سبق'' ہی سبب مشابہت ہے، اس کی تائید شرح مشکل الآثار میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے "أي النطفتين سبقت إلى الرحم غلبت على الشبه"۔ (۱) یعنی ''دونوں نطفوں میں جو بھی رحم کی طرف سبقت کر جائے وہ مشابہت کے سلسلہ میں غالب رہتا ہے''۔

جہاں تک مذکر و مؤنث ہونے کا تعلق ہے سو اس کی وجہ رحم کے اندر ''علو'' یعنی غلبہ ہے، چنانچہ اس کے اندر اگر مرد کی منی عورت کی منی پر غالب ہو تو بچہ مذکر ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی مرد کی منی پر غالب ہو تو بچہ مؤنث ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ ''سبق'' سبب مشابہت ہے اور ''علو'' سبب تذکیر و تانیث۔ اس طرح تمام احادیث کے

---

(۱) شرح مشكل الآثار (ج۷ص۸۸)، باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في ماء الرجل وماء المرأة، رقم (۲۶۶۲)۔

درمیان تطبیق ہوجاتی ہے۔(۱)

دونوں قسم کی احادیث کو ملانے سے یہاں کئی صورتیں نکلتی ہیں:

۱۔ ''سبق'' و ''علو'' دونوں ماء الرجل کے لئے ہوں تو بچہ مذکر ہوگا اور باپ کے مشابہ ہوگا۔

۲۔ ''سبق'' و ''علو'' دونوں ماء المرأۃ کے لئے ہوں تو بچہ مؤنث اور ماں کے مشابہ ہوگا۔

۳۔ سبق لماء الرجل اور علو لماء المرأۃ ہو تو بچہ مؤنث ہوگا اور باپ کے مشابہ ہوگا۔

۴۔ اس کے برعکس سبق لماء المرأۃ اور علو لماء الرجل ہو تو بچہ مذکر ہوگا اور ماں کے مشابہ ہوگا۔

۵۔ اگر کسی ایک کو بھی سبقت حاصل نہ ہو، بلکہ دونوں کا پانی ساتھ خارج ہو، لیکن علو لماء الرجل ہو تو بچہ مذکر ہوگا اور ماں باپ دونوں کے مشابہ ہوگا۔

۶۔ اور اگر سبقت کسی کو حاصل نہ ہو لیکن علو ماء المرأۃ کو حاصل ہو تو بچہ مؤنث ہوگا اور ماں باپ دونوں کے مشابہ ہوگا۔(۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا تسامح

اس مقام پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جو تقریر کی ہے وہ واضح ہے اور اس کا حاصل یہی ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ تاہم انہوں نے اپنی عبارت میں جو تفریع ذکر کی ہے وہ مختل محسوس ہوتی ہے، چنانچہ وہ مذکورہ اشکال کا جواب علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قال القرطبي: يتعين تأويل حديث ثوبان بأن المراد بالعلو: السبق"۔

یعنی ''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ تاویل متعین ہے کہ اس میں ''علو'' سے مراد ''سبق'' ہے''۔

(۱) دیکھئے فتح الباري (ج۷ص۲۷۲) كتاب مناقب الأنصار، باب (بلا ترجمة) بعد باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "اللهم أمض لأصحابي هجرتهم" ومرثيته لمن مات بمكة۔ نیز دیکھئے مشكل الآثار (ج۷ص۱۸۰)، باب بيان مشكل ما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في ماء الرجل وماء المرأة، وفي عمل كل واحد منهما في الولد الذي يخلق منهما۔

(۲) دیکھئے فتح الباري (ج۷ص۲۷۳) كتاب مناقب الأنصار، باب (بدون ترجمة) بعد باب قول النبي صلى الله عليه وسلم "اللهم أمض لأصحابي هجرتهم" ومرثيته لمن مات بمكة، تحت حديث رقم (۳۹۳۸)۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"والذي يظهر: ما قدمته، وهو تأويل العلو في حديث عائشة، وأما حديث ثوبان فيبقى العلو فيه على ظاهره"۔

یعنی "ظاہر یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں "علو" کی تاویل "سبق" سے کی جائے، جبکہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "علو" اپنے ظاہر پر رہے گا"۔

اس پر تفریعاً فرماتے ہیں:

"فيكون السبق علامة التذكير والتأنيث، والعلو علامة الشبه، فيرتفع الإشكال، وكأن المراد بالعلو الذي يكون سبب الشبه بحسب الكثرة، بحيث يصير الآخر مغموراً فيه، فبذلك يحصل الشبه"۔(۱)

یعنی "سو "سبق" تذکیر و تانیث کی علامت ہوگا اور "علو" مشابہت کا سبب، اس طرح اشکال ختم ہو جائے گا، گویا "علو" جس سے مشابہت حاصل ہوگی اس سے مراد وہ "علو" ہے جو کثرت یعنی غلبہ کے ساتھ ہو۔ اس طرح کہ دوسرا پانی اس میں مغمور اور ڈوب جائے، اس سے مشابہت حاصل ہوگی"۔

لیکن ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو جائے گا کہ یہ تفریع درست نہیں اور یہ درست ہو بھی کیسے سکتی ہے حالانکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے برخلاف حدیث عائشہ میں "علو" کی تاویل کے قائل ہیں اور اس کو سبق کے معنی میں لے رہے ہیں اور حدیث عائشہ میں سبب مشابہت کا ذکر ہے نہ کہ تذکیر و تانیث کا؟!

لہذا حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اس طرح ہونی چاہئے کہ جہاں جہاں "سبق" ہو وہاں "علو" کر دیا جائے اور جہاں "علو" ہو وہاں "سبق" کر دیا جائے اور آخر میں "سبب الشبہ" کو "سبب التذکیر والتانیث" کر دیا جائے، چنانچہ عبارت اس طرح ہوگی۔

"فيكون العلو علامة التذكير والتأنيث، والسبق علامة الشبه، فيرتفع الإشكال، وكأن

(۱) فتح الباری (ج۱/ص۲۷۳)۔

المراد بالسبق الذي يكون سبب التذكير والتأنيث بحسب الكثرة "۔(۱)

والله سبحانه وتعالى أعلم

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی تاویل کی مرجوحیت

ابھی پیچھے گذرا کہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث ثوبان میں "علو" کو "سبق" کے معنی میں لینا متعین ہے۔(۲)

اس تاویل کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اصل ہے، اس کے مطابق "علو" مشابہت کا سبب ہے اور "سبق" تذکیر وتانیث کا۔

اس تاویل سے بھی اگرچہ اصل اشکال دور ہو جاتا ہے، تاہم یہ مرجوح ہے، اس لئے کہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کرنے سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت اپنی اصل پر رہتی ہے، باقی حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت ثوبان اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی تمام روایات میں توجیہ کرنی پڑتی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت میں "سبق" کو "علو" کے معنی میں لینا پڑتا ہے اور حضرت ثوبان اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایات میں "علو" سے سبق مراد لینا پڑتا ہے۔

لہذا ایک روایت میں توجیہ کرنا اور اس کو مصروف عن الظاہر قرار دینا آسان ہے، اس کے مقابلہ میں کہ ایک کو اصل بنایا جائے اور سب کو ظاہر سے ہٹا دیا جائے۔ واللہ أعلم۔

---

(۱) قال العثماني رحمه الله تعالى: "وفي العبارة قلب واختلال مع وضوح المقصود، لأن قوله: "فيكون السبق علامة التذكير والتأنيث" إلى آخره لا يصح تفريعه على قوله السابق، والصحيح والله أعلم أن يكتب "العلو" موضع "السبق"، و"السبق" موضع "العلو" في التفريع، وكذا في قوله: "وكل المراد بالعلو الذي يكون سبب الشبه بحسب الكثرة "فيصح الصدر أن يكون "يكون سبب التذكير والتأنيث" فتأمل وحقق" فتح الملهم (ج۳ص۱۰۲)، كتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، مطبوعة دار إحياء التراث العربي بيروت، الطبع الأولى ۱٤۲٦هـ-۲۰۰٦م۔

(۲) دیکھئے فتح الباری (ج۷ص۲۷۳)۔

ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت

باب کے شروع میں جہاں ترجمۃ الباب کا مقصد ذکر کیا گیا تھا وہاں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی مناسبت بھی ضمناً آ گئی تھی۔

عام شارحین نے چونکہ اس باب کی غرض یہ بیان کی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حیا فی العلم کی مذمت بیان کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علم میں حیا نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ جو علم میں حیا کرتا ہے وہ علم سے محروم رہتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ اس حیا کے مذموم ہونے پر دال ہیں۔ (۱)

ابن بطال، کرمانی، شیخ الاسلام زکریا انصاری، علامہ عینی اور حضرت کشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض بیان تفصیل ہے کہ بعض مواقع میں حیا کرنا مذموم ہے اور بعض میں ترک حیا مذموم ہے، اسی طرح بعض مقامات میں حیا کرنا محمود ہے اور بعض میں ترک حیا محمود ہے۔

حضرت ام سلمہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی روایتوں سے استعمال حیا کے مطلوب و ممدوح ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔ (۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ ترجمۃ الباب ''الحیاء فی العلم'' میں دو باتیں قابلِ لحاظ ہیں، اصل یہ کہ بوجہ حیا علم وتعلم سے محروم نہ رہے ...... دوسرے یہ کہ تعلیم وتعلم میں بھی حتی الوسع حیا کرنا مستحسن ہے، یعنی مواقع حیا میں یہ تو ہرگز نہ کرے کہ علم ہی سے محروم رہ جاوے، مگر محرومی سے بچ کر جس قدر حیا کر سکے مستحسن ہے۔

حدیث ام سلیم میں قبل السوال "یا رسول اللہ، إن اللہ لا یستحیي من الحق" کہنا حیا ہی کی دلیل ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت مذکور ہے "فغطت أم سلمۃ تعني وجھھا" اس میں بھی حیا کا

---

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج ۱ ص ۲۲۹) و حاشیۃ السندي علی البخاري (ج ۱ ص ۷۱) و شرح تراجم أبواب البخاري (ص ۱۰)۔

(۲) دیکھئے شرح ابن بطال (ج ۱ ص ۲۱۰) و شرح الکرماني (ج ۲ ص ۱۶۰) وغیرہ۔

ایک مظہر ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا "تربت یمینك" فرمانا، اس میں حیائے نبوی کی نہایت لطیف مہک ہے مگر اسی حالتِ حیا میں تعلیم وتعلم کے فرض کو جس طرح ہوسکا ادا فرمایا اور مقصود کو فوت ہونے نہیں دیا۔(۱) واللّٰہ أعلم۔

۱۳۱ : حدثنا إسماعيل قال : حدثني مالك ، عن عبد الله بن دينار ، عن عبد الله بن عمر(۲) : أن رسول الله ﷺ قال : (إن من الشجر شجرة لا يسقط ورقها ، وهي مثل المسلم ، حدثوني ما هي) . فوقع الناس في شجر البادية ، ووقع في نفسي أنها النخلة . قال عبد الله : فاستحييت ، فقالوا : يا رسول الله ، أخبرنا بها ، فقال رسول الله ﷺ : (هي النخلة) . قال عبد الله : فحدثت أبي بما وقع في نفسي ، فقال : لأن تكون قلتها أحب إلي من أن يكون لي كذا وكذا .
[ر : ٦١]

تراجم رجال

(۱) اسماعیل

یہ ابوعبداللہ اسماعیل بن ابی اویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک بن ابی عامر اصبحی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کشف الباری میں کتاب الإیمان، "باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۲) مالک

یہ امام دارالہجرہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو الأصبحی المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(۱) الأبواب والتراجم (ص ۵۹ و ۶۰)۔

(۲) قوله: "عبد الله بن عمر": وقد سبق تخريج هذا الحديث في كتاب العلم، باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا، کشف الباری (ج۳ ص ۱۲۴ و ۱۲۵)۔

(۳) کشف الباری (ج۲ ص ۱۱۳-۱۱۵)۔

ان کے حالات بھی کتاب الإیمان، "باب من الدین الفرار من الفتن" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۳) عبداللہ بن دینار

یہ ابو عبدالرحمن عبداللہ بن دینار قرشی عدوی مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب أمور الإیمان" کے تحت مختصراً(۲) اور کتاب العلم، "باب قول المحدث: حدثنا أو أخبرنا وأنبأنا" کے تحت تفصیلاً گذر چکے ہیں۔(۳)

(۴) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات کتاب الإیمان، "باب الإیمان وقول النبي صلی اللہ علیه وسلم: بني الإسلام علی خمس" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۴)

أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: ...

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلا شبہ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے گرتے نہیں ہیں، وہ مسلمان کی طرح ہے، مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگ جنگل کے درختوں میں جا پڑے اور میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں شرما گیا، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے بارے میں آپ ہمیں بتا دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب کو بتایا کہ میرے دل میں یہ بات آئی تھی، انہوں نے فرمایا کہ اگر تم بتا دیتے تو مجھے اس بات سے بھی بہت زیادہ خوشی ہوتی کہ مجھے

---

(۱) کشف الباری (ج ۲ ص ۱۸۰و۱۸۱)۔

(۲) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۵۸)۔

(۳) کشف الباری (ج ۳ ص ۱۲۵)۔

(۴) کشف الباری (ج ۱ ص ۶۳۷)۔

اتنا اتنا مل جاتا۔

یہ حدیث پیچھے کتاب العلم کے اوائل میں گذر چکی ہے اور ہم نہایت تفصیل سے اس کی شرح کر چکے ہیں۔(۱)

حدیث باب کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد "لأن تکون قلتها أحب إلي" میں ترجمۃ الباب کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے پر ان کے استحیاء کی وجہ سے نکیر کی اور ان کے سکوت پر خوش نہیں ہوئے۔(۲)

یہی بات دیگر شراح نے بھی کہی ہے۔

چنانچہ علامہ سندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ويفهم أن الحياء في العلم لا ينبغي، من حديث ابن عمر رضي الله عنهما، بسبب قول عمر رضي الله عنه"۔(۳)

یعنی "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علم میں حیا کرنا مناسب نہیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے"۔

اسی طرح حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وإنما تمنى عمر رضي الله عنه كون ابنه لم يسكت لتظهر فضيلته، فاستلزم حياؤه تفويت ذلك، وقد كان يمكنه إذا استحيا إجلالا لمن هو أكبر منه أن يذكر ذلك لغيره سرا ليخبر عنه، فجمع بين المصلحتين، ولهذا عقبه المصنف بباب من استحيا فأمر غيره بالسؤال"۔(۴)

(۱) کشف الباری (ج۳ص۱۲٤-۱۳۳)۔

(۲) لامع الدراری (مع تکملة الدراري في معاني لامع الدراري وصحيح البخاري) (ج۲ص۳۹)۔

(۳) حاشية السندي على صحيح البخاري (ج۱ص۲۱)۔

(۴) فتح الباري (ج۱ص۲۳)۔

یعنی ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات پر افسوس ہوا کہ ان کے صاحبزادے نے جواب نہیں دیا، اگر جواب دے دیتے تو ان کی فضیلت ظاہر ہوتی، ان کی حیا کی وجہ سے یہ فضیلت رہ گئی، پھر اگر ان کو مجلس میں بڑوں کی وجہ سے حیا لاحق ہوئی ہو تب بھی ممکن تھا کہ کسی کو سرا بتا دیتے، اس طرح حیا کے تقاضے پر بھی عمل ہو جاتا اور جواب دینے کی فضیلت بھی حاصل ہو جاتی۔ اسی نکتہ کے پیش نظر مؤلف نے اگلا باب قائم فرمایا ہے''۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''مؤلف کی غرض یہی ہے کہ ابن عمر نے جو بوجہ حیا سکوت فرمایا اور جواب نہیں دیا یہ حیا بھی مستحسن ہے، یہ وہ حیا نہیں ہے جو "إن الله لا یستحیي من الحق" یا "لا یتعلم العلم مستحي ولا مستکبر" کے مخالف ہو، اس کے مخالف صرف وہ ہے جو بوجہ حیا علم کو ترک کر دے، کسی سے سوال نہ کرے اور علم سے محروم رہ جائے۔ حضرت ابن عمر کے سکوت میں اس کا احتمال بھی نہیں، اول تو یہ سکوت عن الجواب ہے، عن السوال نہیں، دوسرے ابن عمر جانتے تھے کہ جو واقعی جواب ہے اس کو ہر حال میں آپ ارشاد فرمائیں گے، جو سب کو معلوم ہو جائے گا۔ باقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد، وہ صرف اپنی مسرت قلبی کا اظہار فرماتے ہیں، اس سے سکوت ابن عمر کی کراہیت اور وہ بھی شرعی سمجھنا مستبعد ہے، کما قال بعض الأعلام، واللہ أعلم''۔ (۱)

۵۱ – باب : مَنِ اسْتَحْيَا فَأَمَرَ غَيْرَهُ بِالسُّؤَالِ .

بابِ سابق کے ساتھ مناسبت

اس باب کی سابق باب سے مناسبت واضح ہے کہ سابق باب میں حیائی العلم کی کراہت مذکور ہے۔ اور

(۱) الأبواب والتراجم (ص۶۰)۔

اس باب میں یہ مذکور ہے کہ اگر ملازمتِ حیا کے ساتھ مقصود حاصل ہوجائے تو ایسی حیا میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ حیا میں خیر ہی خیر ہے۔(۱)

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أن الذي ذكر أولاً من كراهة الحياء في المسألة حيث خاف الفوت في الاستحياء، فأما إذا حصل المقصود مع ملازمة الحياء فلا كراهة، فإن الحياء خير كله"۔ (۲)

یعنی "اس سے پہلے باب میں ذکر کیا گیا کہ جہاں حیا کرنے کی وجہ سے علم سے محرومی کا اندیشہ ہو وہاں حیا فی السؤال کی کراہت ہے، البتہ اگر حیا کا التزام کرتے ہوئے محرومی کا اندیشہ نہ ہو بلکہ مقصود حاصل ہورہا ہو تو پھر ایسی حیا میں کوئی کراہت نہیں، کیونکہ حیا تو سراسر خیر ہے"۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "بوجہ حیا ترک سوال میں بھی کچھ حرج نہیں، البتہ یہ چاہئے کہ دوسرے کے واسطے سے حکم شرعی سے واقف ہوجائے، علم سے محروم نہ رہ جائے"۔ (۳)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مؤلف کی غرض اس امر کا جواز بتلانا ہے کہ اگر سوال کا مقصود حاصل ہورہا ہو تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ دوسروں کے ذریعہ سوال کرکے علم حاصل کیا جائے۔ (۴)

حاصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ماقبل میں حیا فی العلم کا مسئلہ بیان کیا تھا، اب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی بہت ہی باحیا ہو اور خود پوچھنے کی ہمت نہ ہو تو اس سے غافل اور جاہل بن کر پڑے نہیں رہنا چاہئے، بلکہ کسی بے تکلف کے ذریعہ مسئلہ معلوم کرالیا جائے، تاکہ آدمی علمی وعملی غلطی سے بچا رہے۔ واللہ أعلم

(۱) دیکھئے لامع الدراری (ج۲ص ۱/۳۰۲،۳۹۲)۔
(۲) لامع الدراری مع تعلیق الدراری (ج۲ص ۱/۳۰۲،۳۹۲)۔
(۳) الأبواب والتراجم (ص۶۰) تحت "باب الحیاء في العلم"۔
(۴) شرح تراجم أبواب البخاري (ص۱۶)۔

۱۳۲ : حدثنا مُسَدَّدٌ قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ ، عَنِ الْأَعْمَشِ ، عَنْ مُنْذِرٍ الثَّوْرِيِّ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ ، عَنْ عَلِيٍّ(۱) قَالَ : كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً ، فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَسَأَلَهُ ، فَقَالَ : (فِيهِ الْوُضُوءُ) . [۱۷۶ ، ۲۶۶]

تراجم رجال

(۱) مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسربل بن مرعبل الأسدی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے مختصر حالات "کتاب الإیمان، "باب من الإیمان أن یحب لأخیه ما یحب لنفسه" کے تحت (۲) اور تفصیلاً کتاب العلم "باب من خص بالعلم قوماً دون قوم کراهیة أن لا یفهموا" کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۲) عبداللہ بن داود

یہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن داود بن عامر بن الربیع الہمدانی ثم الشعبی المعروف بالخریبی ہیں۔ اصلاً کوفہ کے ہیں، بصرہ کے محلّہ "خریبہ" میں سکونت اختیار کی، اس لئے "خریبی" کی نسبت سے زیادہ معروف ہیں۔ (۳)

(۱) قوله: "عن علي": الحديث، أخرجه البخاري في صحيحه (ج۱ ص۳۰) في كتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين: من القبل والدبر، رقم (۱۷۸)، و(ج۱ ص۴۱) في كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه، رقم (۲۶۹) — ومسلم في صحيحه في كتاب الحيض، باب المذي، رقم (۶۹۵-۶۹۷)، والنسائي في سننه في كتاب الطهارة، باب ما ينقض الوضوء وما لا ينقض الوضوء من المذي، رقم (۱۵۲-۱۵۴)، و(۱۵۷)، وباب الغسل من المني، رقم (۱۹۳، ۱۹۴)، وكتاب الغسل والتيمم، باب الوضوء من المذي، رقم (۴۳۶-۴۴۱)، وأبوداود في سننه في كتاب الطهارة، باب في المذي، رقم (۲۰۶-۲۰۹) — والترمذي في جامعه في كتاب الطهارة، باب ما جاء في المني والمذي، رقم (۱۱۴) — وابن ماجه في سننه في كتاب الطهارة، باب الوضوء من المذي، رقم (۵۰۴) — وأحمد في مسنده (ج۱ ص۸۷) رقم (۶۶۲)، (۸۱۰، ۸۱۱)، (۸۵۰، ۸۵۱)، (۸۹۳)، (۹۷۷)، (۱۰۱۰)، (۱۰۲۹)، (۱۲۳۸)۔

(۲) کشف الباری (ج۲ ص۲)۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۱۴ ص۴۵۸، ۴۵۹)۔

یہ اسرائیل بن یونس، اسماعیل بن ابی خالد، ثور بن یزید، الحسن بن صالح، سفیان ثوری، امام اعمش، شریک بن عبداللہ نخعی، قاضی عافیہ، امام اوزاعی، عبدالملک بن جریج، فضیل بن غزوان، فطر بن خلیفہ، مسعر بن کدام اور ھشام بن عروہ رحمہم اللہ تعالیٰ، وغیرہ حضرات سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں بشر بن الحارث الحافی، زید بن اخزم الطائی، سفیان بن عیینہ، الحسن بن صالح بن حي (وهو من شيوخه)، عباس بن عبدالعظیم العنبری، علی بن المدینی، عمرو بن علی الصیرفی، عمرو بن محمد الناقد، محمد بن بشار بندار، محمد بن الفضل عارم السدوسی، محمد بن یحییٰ الذھلی، مسدد بن مسرہد اور نصر بن علی الجہضمی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بڑے بڑے محدثین ہیں۔(۱)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة، صدوق، مأمون"۔(۲)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کان ثقة ناسکاً"۔(۳)

امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے عبداللہ بن داود خریبی کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا "ثقة، مأمون" میں نے پھر پوچھا ابو عاصم النبیل کیسے ہیں؟ فرمایا "ثقة" میں نے دریافت کیا کہ ان دونوں میں آپ کے نزدیک کون زیادہ پسندیدہ ہیں؟ فرمایا "ثقتان"۔(۴)

لیکن امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "الخريبي أعلى"۔(۵)

امام ابوزرعہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۶)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة زاهد"۔(۷)

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کان ثقة"۔(۸)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تهذيب الكمال (ج:۱۴ص۴۵۹-۴۶۱)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج:۱۴ص۴۶۱)۔

(۳) طبقات ابن سعد (ج۷ص۲۹۵)۔

(۴) تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي (ص۱۸۲)، رقم (۶۵۳-۶۵۴)۔

(۵) حوالۂ بالا۔

(۶) تهذيب الكمال (ج:۱۴ص۴۶۲)، والجرح والتعديل (ج۵ص۴۶)، رقم (۷۴۴۴)۔

(۷) تهذيب الكمال (ج:۱۴ص۴۶۲)، وقال أيضاً: "من الرفعاء الثقات" عند سنن الدارقطني (ج۱ص۱۷۲)، كتاب الطهارة، باب أحاديث القهقهة في الصلاة وعللها، رقم (۴۷)۔

(۸) تهذيب التهذيب (ج۵ص۲۰۰)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة عابد"۔(۲)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة، حجة، صالح"۔(۳)

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ذاك أحد الأحدين"۔(۴) یعنی وہ یکتاؤں میں یکتا ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا "ذاك شيخنا القديم"۔(۵)

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان يميل إلى الرأي، وكان صدوقاً"۔(۶)

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "النظر إلى وجه عبد الله بن داود عبادة"۔(۷)

عبداللہ بن داود خُرَیبی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ہیں، وہ امام اعظم کے بڑے مداح تھے، چنانچہ اُن کا قول ہے "مايقع في أبي حنيفة إلا حاسد أو جاهل"۔(۸)

ایک مرتبہ ان کے سامنے کسی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ابوحنیفہ نے بہت سے مسائل سے رجوع کیا ہے، مقصد یہ تھا کہ رجوع کرنا ناپختگی کی علامت ہے۔ لیکن خُرَیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً جواب دیا "إنما يرجع الفقيه إذا اتسع علمه"۔(۹) یعنی "فقیہ اس وقت رجوع کرتا ہے جب اس کے علم میں وسعت آتی ہے"۔

عبداللہ بن داود خریبی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات، خصوصاً سنن وفقہ کی حفاظت کی

---

(۱) كتاب الثقات لابن حبان (ج۷ص۶۰)۔

(۲) تقريب التهذيب (ص۳۰۱)، رقم (۳۲۹۷)۔

(۳) الكاشف (ج۱ص۵٤۹)، رقم (۲۷۰۶)۔

(٤) تهذيب التهذيب (ج۵ص۲۰۰)۔

(۵) حوالہ بالا۔

(٦) الجرح والتعديل (ج۵ص۵۵)، رقم (۷۵٤٤)۔

(۷) تذكرة الحفاظ (ج۱ص۳۳۸)۔

(۸) سير أعلام النبلاء (ج٦ص٤۰۲)۔

(۹) تذكرة الحفاظ (ج۱ص۳۳۸)۔

خدمت کی بنیاد پر کہا کرتے تھے "يجب على أهل الإسلام أن يدعوا الله لأبي حنيفة في صلاتهم"۔ (۱) یعنی "اہل اسلام پر واجب ہے کہ اپنی نمازوں میں امام ابوحنیفہ کے واسطے اللہ تعالی سے دعا کیا کریں"۔

عبداللہ بن داود خُریبی رحمۃ اللہ علیہ بہت مشکل سے حدیثیں سناتے تھے۔ (۲)

قاضی یحیی بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ دیکھتے ہی کہہ دیا کہ میں نے جس وقت تمہیں دیکھا اسی وقت عزم کرلیا تھا کہ تمہیں حدیث نہیں سناؤں گا۔ (۳)

ایک مرتبہ ابوالعیناء ان کے پاس حدیثیں سننے کے لئے آئے، انہوں نے پوچھا کہ کیسے آئے؟ جواب دیا کہ حدیث سننے آیا ہوں، فرمایا کہ جاؤ! پہلے قرآن پڑھ کر آؤ، ابوالعیناء نے کہا کہ میں قرآن پڑھ چکا ہوں، فوراً امتحان لیا، انہوں نے فوراً جواب دے دیا، فرمایا کہ اچھا! اب جا کر فرائض سیکھو، انہوں نے کہا میں وہ بھی سیکھ چکا ہوں، فرائض کا امتحان بھی لے لیا، اس کے بعد کہا کہ اب "عربیت" سیکھ کر آؤ، جواب دیا کہ قرآن کریم اور فرائض سے پہلے "عربیت" کا علم حاصل کر چکا ہوں، فوراً ہی سوال داغ دیا، ابوالعیناء نے اس کا بھی کافی شافی جواب دیا۔ آخر میں فرمایا "لو حدثت أحدا لحدثتك" اگر میں کسی کو حدیث سناتا تو تمہیں ضرور سناتا۔ (۴)

عبد اللہ بن داود خُریبی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۵)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے سوا باقی اصحاب اصول خمسہ نے ان کی روایات کی تخریج کی ہے۔ (۶)

رحمه الله تعالى رحمة واسعة

---

(۱) الإكمال لابن ماكولا (ج۳ص ۲۸۵، ۲۸۶)۔

(۲) تذكرة الحفاظ (ج۱ص ۳۳۸)، رقم (۳۲۰)۔

(۳) تهذيب الكمال (ج ۱۴ ص ۴۶۶)۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) تهذيب الكمال (ج ۱۴ ص ۴۶۷)۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۳) الأعمش

یہ ابومحمد سلیمان بن مہران الأسدی الکوفی المعروف بالأعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب ظلم دون ظلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۴) منذر الثوری

یہ ابویعلیٰ منذر بن یعلی الثوری الکوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۲)

یہ محمد بن الحنفیۃ، الحسن بن محمد بن الحنفیۃ، الربیع بن خثیم، سعید بن جبیر، عاصم بن ضمرۃ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے سفیان ثوری، امام اعمش، فطر بن خلیفہ، الحجاج بن ارطاۃ، جامع بن ابی راشد اور محمد بن سوقہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔(۳)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقۃ، قلیل الحدیث"۔(۴)

امام یحیی بن معین، عجلی اور ابن خراش رحمہم اللہ فرماتے ہیں "ثقۃ"۔(۵)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وثقوہ"۔(۶)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقۃ"۔(۷)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۸)

---

(۱) کشف الباری (ج۲ص۲۵۱)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج۲۸ص۵۱۵)۔

(۳) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۸ص۵۱۶)۔

(٤) الطبقات لابن سعد (ج٦ص٣١٠)۔

(٥) الجرح والتعدیل (ج٨ص٢٧٦)، رقم (١٤٤٠)۔

(٦) الکاشف (ج٢ص٢٩٦)، رقم (٥٦٣٥)۔

(٧) تقریب التہذیب (ص٥٤٦)، رقم (٦٨٩٤)۔

(٨) الثقات لابن حبان (ج٧ص٤٨٠)۔

محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس قدر رہے کہ ان کے صاحبزادے کہتے ہیں "لقد غلبنا هذا النبطي على أبينا"(۱) یعنی یہ نبطی ہمارے والد پر ہمارے مقابلہ میں غالب آ گیا۔

اصحاب اصول ستہ نے ان کی روایات لی ہیں۔(۲) رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(۵) محمد بن الحنفیہ

یہ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے محمد بن علی بن ابی طالب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ابوالقاسم ان کی کنیت ہے، ابوعبداللہ بھی کہا جاتا ہے، "ابن الحنفیۃ" کے نام سے معروف ہیں۔(۳)

"حنفیہ" دراصل ان کی والدہ کی نسبت ہے، جن کا تعلق بنو حنیفہ سے تھا، ان کا اصل نام خولہ بنت جعفر بن قیس ہے، جنگ یمامہ میں قید ہو کر آئی تھیں۔(۴)

یہ اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمار بن یاسر، حضرت معاویہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے ابراہیم بن محمد بن الحنفیۃ اور حسن بن محمد بن الحنفیہ، عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ، عمر بن محمد بن الحنفیۃ، عون بن محمد بن الحنفیہ کے علاوہ سالم بن ابی الجعد، عبداللہ بن محمد بن عقیل، عبدالاعلی بن عامر ثعلبی، عطاء بن ابی رباح، عمرو بن دینار، ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بن ابی طالب، ان کے بھتیجے محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب، محمد بن قیس بن مخرمہ، محمد بن بشر الہمدانی، منذر بن یعلی الثوری اور منہال بن عمرو رحمہم اللہ تعالی وغیرہ حضرات ہیں۔(۵)

ان کا نام اور کنیت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر محمد اور ابوالقاسم رکھی تھی، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "قلت: یا رسول الله، إن ولد لي مولود بعدك

(۱) تہذیب الکمال (ج۲۰ ص۱۶ و۵۱۷)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج۲۰ ص۵۱۷)۔

(۳) تہذیب الکمال (ج۲۶ ص۱۴۷ و۱۴۸)۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) شیوخ و تلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۶ ص۱۴۸ و۱۴۹)۔

أسميه باسمك وأكنيه بكنيتك؟ قال: نعم"۔(۱)

یعنی "یارسول اللہ! اگر آپ کے بعد میرے ہاں کوئی نومولود ہو تو آپ کے نام اور آپ کی کنیت پر اس کا نام اور کنیت رکھوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اجازت ہے"۔

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "تابعي ثقة، كان رجلاً صالحاً"۔(۲)

ابراہیم بن عبداللہ بن الجنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"لا نعلم أحداً أسند عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم أكثر ولا أصح مما أسند محمد بن الحنفية"۔(۳)

یعنی "محمد بن الحنفیہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات بیان کرتے ہیں ہم نے ان سے بڑھ کر کثرت وصحت حدیث میں کسی کو نہیں پایا"۔

کسی شخص نے محمد بن الحنفیہ سے کہا "ما بال أبيك كان يرمي بك في مرام لا يرمي فيها الحسن والحسين؟"

یعنی "کیا بات ہے تمہارے والد تمہیں ایسی ایسی مشکل مہمات میں بھیج دیتے ہیں جہاں حسن اور حسین کو نہیں بھیجتے؟"

اس پر انہوں نے جواب دیا: "لأنهما كانا خديه وكنت يده، فكان يتوقى بيده عن خديه"۔(۴)

یعنی "اس لئے کہ وہ دونوں تو ان کے واسطے رخسار کی حیثیت رکھتے ہیں اور میں ہاتھ کی حیثیت رکھتا ہوں اور یہ بات فطری ہے کہ اپنے رخساروں کا بچاؤ اور دفاع ہاتھوں سے کیا جاتا ہے"۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان كثير العلم، ورعاً"۔(۵)

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الرخصة في الجمع بينهما، رقم (۴۹۶۷)، وجامع الترمذي، أبواب الأدب، باب ما جاء في كراهية الجمع بين اسم النبي صلى الله عليه وسلم وكنيته، رقم (۲۸۴۳)۔

(۲) تهذيب الكمال (ج۲۶ص۱۴۹)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(۴) تهذيب الكمال (ج۲۶ص۱۵۲)۔

(۵) الطبقات لابن سعد (ج۵ص۱۱۶)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے "كان من أفاضل أهل بيته"۔(۱)

یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے، ایک دوسرے قول کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے، بچپن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت بھی کی۔ تاریخ وفات میں ۷۲ھ، ۸۰ھ، ۸۱ھ، ۸۲ھ، ۹۲ھ اور ۹۳ھ کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔(۲)

رحمه الله تعالى رحمة واسعة

(٦) حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی بن ابی طالب کرّم اللہ وجہہ کے حالات کتاب العلم "باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔

قال: كنت رجلا مذّاء

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے کثرت سے مذی خارج ہوتی تھی۔

''مذی'' وہ پانی جو بیوی کے ساتھ ملاعبت اور دل لگی کے وقت خارج ہوا کرتا ہے۔(۳)

ثلاثی مجرد سے یہ مذى يمذي مذياً اور ثلاثی مزید سے باب افعال اور باب تفعل سے استعمال ہوتا ہے بمعنی خرج منه المذي۔ مذّاء: بروزن شدّاد، کثیر المذی شخص کو کہتے ہیں۔(۴)

پھر لفظ "مذي" میم کے فتحہ، ذال کے سکون اور یاء مخففہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، بعض حضرات نے "مذِيّ" بروزن "غنِيّ" یعنی میم کے فتحہ، ذال کے کسرہ اور یاء مشددہ کے ساتھ ضبط کیا ہے، ان میں سے پہلا ضبط افصح اور اعلیٰ ہے۔(۵)

---

(۱) كتاب الثقات لابن حبان (ج۵ص۳٤٧)۔

(۲) تهذيب التهذيب (ج۹ص۳٥٤)۔

(۳) النهاية لابن الأثير (ج٤ص۳۱۲)۔

(٤) تاج العروس (ج۱۰ص۳۳۹) مادة "مذي"۔

(٥) تاج العروس (ج۱۰ص۳۳۹) مادة "مذي"۔

فأمرت المقداد بن الأسود أن يسأل النبي صلى الله عليه وسلم فسأله

سو میں نے مقداد بن الاسود کو حکم دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم دریافت کرے، سو انہوں نے دریافت کیا۔

آگے کتاب الغسل میں روایت آرہی ہے، اس میں ہے "فـأمـرت رجلاً" (۱) اس رجل مبہم سے مراد یہی حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ (۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے متعلق سوال کرنے والا کون تھا؟

پھر یہاں سائل حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ہیں۔

سنن نسائی کی ایک روایت میں سائل حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قرار دیا گیا ہے۔ (۳)

جبکہ ابن حبان (۴)، طحاوی (۵) اور اسماعیلی (۶) کی روایت میں ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں قسم کی روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت عمار کو پوچھنے کے لئے کہا، پھر مقداد کو حکم دیا، پھر خود پوچھا۔ (۷)

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تطبیق مناسب ہے، تاہم چونکہ بعض طرق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ

---

(۱) صحيح البخاري (ج۱ص۴۱)، كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه۔

(۲) فتح الباري (ج۱ص۳۷۹)، كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه۔

(۳) سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب ما ينقض الوضوء وما لا ينقض الوضوء من المذي، رقم (۱۵۴و۱۵۵)۔

(۴) الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان (ج۳ص۱٦۳)، ذكر إيجاب الوضوء على المذي والاغتسال على المني، رقم (۱۱۰۱)۔

(۵) شرح معاني الآثار، كتاب الطهارة، باب الرجل يخرج من ذكره المذي، كيف يفعل؟ رقم (۱۰۷)۔

(٦) فتح الباري (ج۱ص۳۸۰)، كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه۔

(۷) الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان (ج۳ص۱٦۳و۱٦۴)۔

کا استحیا، مذکور ہے، اس لئے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوچھنے کو مجاز پر حمل کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ چونکہ آمر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، اس لئے بعض راویوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سوال کی نسبت کر دی۔ اس جواب پر نووی اور اسماعیلی رحمہما اللہ تعالیٰ نے جزم کیا ہے۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کو حکم دیا تھا اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "مصنف" میں نقل کی ہے

"عن عائش بن أنس أخي سعد بن ليث قال: تذاكر علي بن أبي طالب وعمار بن ياسر والمقداد بن الأسود: المذي، فقال علي: إني رجل مذاء، فاسألا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فإني أستحيي أن أسأله عن ذلك لمكان ابنته مني، لولا مكان ابنته لسألته، فقال عائش: فسأل أحد الرجلين عمار أو المقداد ..."۔(۲)

یعنی "حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم "مذی" کے حکم کے بارے میں مذاکرہ کر رہے تھے، حضرت علی نے کہا کہ میں کثیر المذی شخص ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کرو، چونکہ آپ کی صاحبزادی میرے پاس ہیں، اس لئے میں آپ سے دریافت کرتے ہوئے حیا محسوس کرتا ہوں، اگر آپ کی بیٹی نہ ہوتیں تو میں خود دریافت کرتا، عائش بن انس کہتے ہیں کہ پھر عمار یا مقداد میں سے کسی ایک نے آپ سے مسئلہ دریافت کیا"۔

ابن بشکوال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے سائل ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔(۳)

اس صورت میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی طرف سوال کی نسبت بھی مجازی ہوگی اور کہا جائے گا کہ چونکہ انہوں نے سوال کا قصد کیا تھا اس لئے ان کی طرف نسبت کر دی گئی، البتہ سوال مقداد ہی نے کیا تھا۔(۴)

واللہ اعلم

---

(۱) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۸۰)، كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه۔

(۲) المصنف لعبد الرزاق (ج ۱ ص ۱۵۵)، رقم (۵۹۷)۔ نیز دیکھئے سنن نسائی، کتاب الغسل والتيمم، باب الوضوء من المذي، رقم (۴۳۶)۔

(۳) فتح الباری (ج ۱ ص ۳۸۰)، كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه۔

(۴) حوالہ بالا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جب یہ سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت مقداد نے کرلیا تو حضرت علی کی بھی ہمت ہوئی اور مسئلے کی نزاکت کے پیش نظر مزید تسلی اور اطمینان کے لئے انہوں نے سوال کرلیا ہو۔

فقال: فيه الوضوء

آپ نے ارشاد فرمایا، مذی کی وجہ سے وضو ہے۔
یعنی خروجِ مذی موجبِ وضو ہے، اس سے غسل واجب نہیں۔

خروج مذی کی صورت میں جمیع ذکر کو دھویا جائے گا یا موضعِ اصابت کا دھونا کافی ہے؟

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ خروج مذی فقط موجب وضو ہے۔ (۱)

البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ خروج مذی کی وجہ سے صرف موضع اصابت کو دھویا جائے گا یا ذکر کے ساتھ انثیین کو بھی دھویا جائے گا؟

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خروج مذی کی صورت میں جمیعِ ذکر کا دھونا واجب ہے، صرف موضعِ اصابت کا دھونا کافی نہیں ہے۔ (۲)

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی بھی ایک ایک روایت یہی ہے۔ (۳)

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کی ایک دوسری روایت یہ ہے کہ ذکر کے ساتھ ساتھ انثیین کا دھونا بھی واجب ہے، یہی امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔ (۴)

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ خروج مذی کی صورت میں صرف موضعِ

---

(۱) أوجز المسالك (ج۱ص۴۷۳)، كتاب الطهارة، باب الوضوء من المذي۔

(۲) عمدة القاري (ج۳ص۲۱۹) كتاب الوضوء، باب غسل المذي والوضوء منه۔

(۳) المغني لابن قدامة (ج۱ص۱۱۲)، باب ما ينقض الطهارة، والاستذكار (ج۱ص۲۸۶) باب الوضوء من المذي۔

(۴) نيل الأوطار (ج۱ص۶۷) باب ما جاء في المذي۔

اصابت مذی ہی کو دھویا جائے گا، ذکر وانثیین میں سے کسی کو عدمِ اصابت کی صورت میں دھونے کی ضرورت نہیں ۔(۱)

ذکر وانثیین کے غسل کے قائلین کا استدلال حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے:

"أن علياً أمر عماراً أن يسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المذي، فقال: يغسل مذاكيره ويتوضأ"۔(۲)

یعنی "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے بارے میں دریافت کرے، آپ نے فرمایا ذکر اور اس کے ارد گرد کے تمام مقامات کو دھولے اور وضو کرلے"۔

اسی طرح ابوداود کی ایک روایت میں ہے "لیغسل ذکرہ وأنثییه"۔(۳)

حضرت عبداللہ بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "فتغسل من ذلك فرجك وأنثييك ....." (۴) یعنی "تم مذی کی وجہ سے اپنی شرمگاہ اور انثیین کو دھوو گے"۔

شرح معانی الآثار میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے بھی یہ حضرات استدلال کرتے ہیں "... إذا وجدت الماء فاغسل فرجك وأنثييك ..."۔(۵) یعنی "جب مذی پاؤ تو اپنی شرمگاہ اور انثیین کو دھولو"۔

جمہور کے دلائل

۱۔سنن نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

(۱) عمدة القاري (ج۳ص۲۱۹)، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام (ج۱ص۶۳) كتاب الطهارة، باب في المذي وغيره، وشرح النووي على صحيح مسلم (ج۱ص۱۴۳) كتاب الطهارة، باب المذي۔

(۲) سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب ما ينقض الوضوء وما لا ينقض الوضوء من المذي، رقم (۱۵۵)، وانظر السنن لأبي داود، كتاب الطهارة، باب في المذي، رقم (۲۰۷-۲۰۹)۔

(۳) السنن لأبي داود، كتاب الطهارة، باب في المذي، رقم (۲۰۸)۔

(۴) السنن لأبي داود، كتاب الطهارة، باب في المذي، رقم (۲۱۱)۔

(۵) شرح معاني الآثار، كتاب الطهارة، باب الرجل يخرج من ذكره المذي كيف يفعل، رقم (۱۴)۔

"تذاكر علي والمقداد وعمار ... فقال النبي صلى الله عليه وسلم: ذاك المذي، إذا وجده أحدكم فليغسل ذلك منه، وليتوضأ وضوءه للصلاة ..."۔ (۱)

یعنی"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مذی ہے، جب تم میں سے کوئی مذی پائے تو اسے دھولے اور نماز کے لئے جس طرح وضو کیا جاتا ہے اس طرح وضو کرلے"۔

۲۔سنن نسائی اور مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ذاك المذي، إذا وجد أحدكم فليغسل ذلك منه، وليتوضأ وضوءه للصلاة، أو كوضوئه للصلاة"۔ (۲)

یعنی"یہ مذی ہے، تم میں سے کسی کو اس طرح مذی سے سابقہ پڑے تو "اسے" دھولے اور نماز کے لئے جس طرح وضو کرتے ہیں مکمل وضو کرلے"۔

اس حدیث کو سننے کے بعد ابن جریج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "فليغسل ذلك منه" کے بارے میں عطاء سے پوچھا "حيث المذي يغسل منه أم ذكره كله؟" تو امام عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا "حيث المذي منه فقط"۔ (۳) مطلب یہ کہ جہاں مذی لگی ہے صرف اسی کو دھونا چاہئے یا جمیع ذکر کو؟ تو عطاء نے جواب دیا کہ جہاں مذی لگی ہے صرف اس کو دھویا جائے۔

۳۔شرح معانی الآثار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"كنت رجلاً مذاء، وكانت عندي بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأرسلت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: توضأ واغسله"۔ (۴)

یعنی"میں کثرت مذی کے عارضہ میں مبتلا تھا، چونکہ میرے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(۱) سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب الوضوء من المذي، رقم (۴۳۶)۔

(۲) سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب الوضوء من المذي، رقم (۴۳۶)۔ والمصنف لعبد الرزاق الصنعاني (ج۱ص۱۵۵)، رقم (۵۹۷)۔

(۳) دیکھئے الاستذکار (ج۱ص۲۸۲)، باب الوضوء من المذي، والتمهيد لابن عبد البر (ج۲۱ص۲۰۵)۔

(۴) شرح معاني الآثار، كتاب الطهارة، باب الرجل يخرج من ذكره المذي كيف يفعل؟ رقم (۵)۔

صاحبزادی تھیں اس لئے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کو مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا، آپ نے فرمایا کہ بس! وضو کرلو اور ''اس'' کو دھولو''۔

۴۔ مصنف عبدالرزاق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتوی ہے "......من المني الغسل، ومن المذي والودي: الوضوء، يغسل حشفته ويتوضأ"(۱)۔

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وأما معنى غسل الذكر من المذي، فإنه يريد غسل مخرجه وما مسّ الأذى منه، وهذا الأصح عندي في النظر"۔ (۲)

یعنی "غسل الذكر من المذي" سے مراد مخرج مذی کو اور جہاں جہاں مذی لگ جائے اس کو دھونا ہے، یہی میرے نزدیک عقلی اعتبار سے اصح ہے۔

جمہور کی طرف سے مخالفین کا جواب

جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جن میں ''ذکر'' کے ساتھ ''انثیین'' کو بھی دھونے کا ذکر ہے سو جمہور کے نزدیک یہ یا تو استحباب کے اوپر محمول ہے۔ (۳)

یا یہ حکم علاجاً ہے، جیسا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ پانی کے چھڑکاؤ کی وجہ سے تقلص ہوجاتا ہے اور خروج مذی کا انقطاع ہوجاتا ہے۔ (۴)

ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ چونکہ عام طور پر وہ لوگ یہ سمجھ کر کہ مذی کا معاملہ ''بول'' سے اخف ہے، اس قدر احتیاط نہیں کرتے تھے جس قدر کرنی چاہئے تھی، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں شدت کا حکم دیا اور فرمایا کہ ''ذکر'' کے ساتھ ''انثیین'' کو بھی دھولیا کرو۔ (۵)

---

(۱) مصنف عبدالرزاق (ج۱ص۱۵۹) كتاب الطهارة، باب المذي، رقم (۶۱۰)۔

(۲) التمهيد لابن عبد البر (ج۲۱ص۲۰۸)۔

(۳) المغني لابن قدامة (ج۱ص۱۱۲) باب ما ينقض الطهارة۔

(۴) شرح معاني الآثار كتاب الطهارة، باب الرجل يخرج من ذكره المذي كيف يفعل؟

(۵) مرقاة المفاتيح (ج۱ص۳۳۵) باب ما يوجب الوضوء۔

ابن رسلان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور نے اصل موجب کو دیکھا ہے، اس لئے کہ اصل موجب تو "خروج خارج" ہے لہذا اس کا حکم کسی اور محل کی طرف متجاوز نہیں ہوگا بلکہ صرف مخرج ہی سے متعلق رہے گا۔ (۱)
اس بات کی تائید جمہور کے دیے ہوئے دلائل سے ہوتی ہے جن میں "اغسلہ" (۲) کے الفاظ ہیں، جس کی ضمیر "مذی" کی طرف لوٹ رہی ہے۔

خروج مذی کی صورت میں پانی کا استعمال ضروری ہے یا استجمار بالاحجار کافی ہے؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ خروج مذی کی صورت میں اس کی تطہیر کے لئے پانی کا استعمال ضروری ہے یا احجار کا استعمال کافی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک احجار کے استعمال پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ (۳)

شافعیہ کے ہاں دونوں اقوال ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ پانی کا استعمال ضروری ہے۔ (۴)

جبکہ "المجموع" میں دوسرے قول یعنی اکتفا بالاحجار کے قول کو اصح قرار دیا ہے۔ (۵)

حنابلہ کے ہاں ایک روایت اکتفا بالاحجار کی ہے (۶)، ایک روایت "نضح" پر اکتفا کرنے کی ہے (۷)، جبکہ ایک روایت یہ ہے کہ غسل ضروری ہے۔ (۸)

مالکیہ کے ہاں بھی دونوں اقوال ہیں، البتہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ "غسل" ضروری ہے۔ (۹) واللہ أعلم وعلمه أتم وأحكم۔

---

(۱) أوجز المسالك (ج۱ص۴۷۵)۔

(۲) كما رواه الإسماعيلي في روايته۔ كذا في الأوجز (ج۱ص۴۷۵)۔

(۳) أوجز المسالك (ج۱ص۷۳؛ و۷۴؛) كتاب الطهارة، باب الوضوء من المذي۔

(۴) شرح النووي على صحيح مسلم (ج۱ص۱۴۳) كتاب الحيض، باب المذي۔

(۵) المجموع شرح المهذب (ج۲ص۱۴۴) باب الاستطابة۔

(۶) أوجز المسالك (ج۱ص۴۷۴)، وفتح الباري لابن رجب (ج۱ص۳۰۵)، كتاب الغسل، باب غسل المذي والوضوء منه۔

(۷) المجموع (ج۲ص۵۱۰)، باب إزالة النجاسة، وفتح الباري لابن رجب (ج۱ص۳۰۶)۔

(۸) المجموع (ج۲ص۱۴۴) باب الاستطابة۔

(۹) دیکھئے الاستذكار (ج۱ص۲۸۴) كتاب الطهارة، باب الوضوء من المذي۔

٥٢ – باب : ذِكْرِ الْعِلْمِ وَالْفُتْيَا فِي الْمَسْجِدِ .

باب سابق سے مناسبت

اس باب اور باب سابق میں مناسبت اس طرح ہے کہ سابق باب میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا ''مذی'' کے حکم کے بارے میں سوال مذکور ہے، جبکہ اس باب میں اھلال للحج کا سوال مذکور ہے، دونوں میں امرِ دینی کے متعلق استفسار ہے۔(۱)

ترجمۃ الباب کا مقصد

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ مسجد میں مباحثہ کرنے کی صورت میں رفعِ صوت لازم آئے گا، اس سلسلہ میں یہ حضرات توقف کرتے ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جواز پر متنبہ کرتے ہوئے ان کی تردید کی ہے۔(۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''افتاء، تعلیم وقضاء فی المسجد میں تنگی وکراہت کا مظنہ ہے، بعض اکابر کے اقوال بھی تنگی کی طرف مشیر ہیں(۳)، مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان امور میں توسع مستحسن ہے، اس لئے یہاں بھی اور ابواب قضاء میں بھی توسع کیا۔ واللہ اعلم''۔(۴)

---

(۱) عمدة القاري (ج٢ ص٢١٧)۔

(۲) صحيح البخاري (ج١ ص ٢٣٠)۔

(۳) چنانچہ صحیح بخاری شریف كتاب الصلاة، باب رفع الصوت في المساجد، رقم (٤٧٠) میں ہے "عن السائب بن يزيد قال: كنت قائما في المسجد، فحصبني رجل، فنظرت فإذا عمر بن الخطاب، فقال: اذهب فأتني بهذين، فجئته بهما، قال: من أنتما، أو من أين أنتما؟ قالا: من أهل الطائف، قال: لو كنتما من أهل البلد لأوجعتكما، ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم"۔

(۴) الأبواب والتراجم (ص ٦٠)۔

حاصل یہ ہے کہ بعض سلف کہتے تھے کہ مسجد نماز وذکر کے لئے وضع کی گئی ہیں تعلیم وتبلیغ مسجد کی وضع کے خلاف ہے، نیز مسجد میں جب بچے پڑھتے ہیں تو شور وشغب ہوتا ہے، مباحثہ ہوتا ہے، آوازیں بلند ہوتی ہیں، اس لئے مسجد کو اس طرح کے شور وشغب سے پاک رکھنا چاہئے۔

چنانچہ اشہب رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:

"سئل مالك عن رفع الصوت في المسجد في العلم وغيره، قال: لا خير في ذلك في العلم ولا في غيره، لقد أدركت الناس قديماً يعيبون ذلك على من يكون في مجلسه، ومن كان يكون في ذلك مسجده كان يعتذر منه، وأنا أكره ذلك، ولا أرى فيه خيراً"۔(۱)

یعنی "امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ مسجد میں علم وغیرہ کا مذاکرہ کرتے ہوئے آواز بلند کرنا کیسا ہے؟ تو فرمایا کہ علم ہو یا کوئی اور چیز، اس میں کوئی خیر نہیں، میں نے قدیم زمانے سے لوگوں کو اس پر پایا ہے کہ جس مجلس میں اس طرح ہوتا تھا اسے ناپسند کرتے تھے اور اگر اس طرح کسی کی مسجد میں ہوتو وہ اعتذار کیا کرتا تھا، میں اس کو ناپسند کرتا ہوں اور اس میں کوئی خیر نہیں پاتا"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کی تردید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ علم تو خود ایک مخصوص ذکر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد میں درس وتدریس اور مذاکرہ میں مصروف تھے کہ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا گذر وہاں سے ہوا، کہنے لگے "يا أبا حنيفة، هذا في المسجد! والصوت لا ينبغي أن يرفع فيه" یعنی اے ابوحنیفہ! مسجد میں یہ کیسی آواز ہے؟! یہاں تو آواز بلند نہیں ہونی چاہئے!! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "دعهم، فإنهم لا يفقهون إلا بهذا"۔ (۲)

یعنی ان کو اپنے حال پر چھوڑو، یہ لوگ اسی طرح علم اور فقہ حاصل کر پاتے ہیں، ان کو اسی طرح علم میں

---

(۱) جامع بيان العلم وفضله (ج۱ص۵۵٤)، باب جامع في آداب العالم والمتعلم، فصل في رفع الصوت في المسجد وغير ذلك من آداب العلم، رقم (۹۲٤)۔

(۲) جامع بيان العلم وفضله (ج۱ص۵۵۵) باب جامع في آداب العالم والمتعلم، فصل في رفع الصوت في المسجد وغير ذلك من آداب العلم، رقم (۹۲۵)۔

مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب ایک دوسرے کے مقابل میں پورے جوش میں ہوں گے تو ہر آدمی اپنی قوت فکریہ کو پوری طرح استعمال کرے گا اور قاعدہ یہ ہے کہ جب اس طرح بات شروع ہوتی ہے تو اس میں جسمانی طاقت شامل ہوجاتی ہے اور آہستہ آہستہ بولنے اور بات کرنے کے بجائے آوازیں بلند ہوجاتی ہیں۔

١٣٣ : حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ : حَدَّثَنَا نَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ[1] : أَنَّ رَجُلًا قَامَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ ، مِنْ أَيْنَ تَأْمُرُنَا أَنْ نُهِلَّ ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : (يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ ، وَيُهِلُّ أَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ ، وَيُهِلُّ أَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ) .

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ : وَيَزْعُمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ : (وَيُهِلُّ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ) . وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ : لَمْ أَفْقَهْ هٰذِهِ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ . [١٤٥٠ ، ١٤٥٣ ، ١٤٥٥ ، ٦٩١٢]

تراجم رجال

(۱) قتیبہ بن سعید

یہ ابو رجاء قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان،

---

(١) قوله: "عن عبد الله بن عمر": الحديث، أخرجه البخاري أيضا في صحيحه (ج١ص٢٠٦)، كتاب الحج، باب فرض مواقيت الحج والعمرة، رقم (١٥٢٢)، وباب ميقات أهل المدينة، ولا يهلوا قبل ذي الحليفة، رقم (١٥٢٥)، و(ج١ص٢٠٧)، كتاب الحج، باب مهل أهل نجد، رقم (١٥٢٧، ١٥٢٨)، و(ج٢ص١٠٩١) كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما ذكر النبي صلى الله عليه وسلم وحض على اتفاق أهل العلم، رقم (٧٣٤٤)، ومسلم في صحيحه، في كتاب الحج، باب مواقيت الحج، رقم (٢٨٠٥-٢٨٠٧) و(٢٨٠٩)، والنسائي في سننه، في كتاب مناسك الحج والعمرة، باب ميقات أهل المدينة، رقم (٢٦٥٢)، وباب ميقات أهل الشام، رقم (٢٦٥٣)، وباب ميقات أهل نجد، رقم (٢٦٥٦)، وأبو داود في سننه، في كتاب المناسك، باب في المواقيت، رقم (١٧٣٧)، والترمذي في جامعه، في أبواب الحج، باب ما جاء في مواقيت الإحرام لأهل الآفاق، رقم (٨٣١)، وابن ماجه في سننه، في أبواب المناسك، باب مواقيت أهل الآفاق، رقم (٢٩١٤)، والدارمي في سننه، في كتاب المناسك، باب المواقيت في الحج، رقم (١٧٩٠ و١٧٩١)، وأحمد في مسنده (ج٢ص٣)، رقم (٤٤٥٥)، و(ج٢ص٤٧)، رقم (٥٠٧٠)، و(ج٢ص٤٨)، رقم (٥٠٨٧)، و(ج٢ص٥٥)، رقم (٥١٧٢)، و(ج٢ص٦٥)، رقم (٥٣٢٣)، و(ج٢ص٨٢)، رقم (٥٥٤٢).

"باب إفشاء السلام من الإسلام" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) اللیث بن سعد

یہ امام لیث بن سعد مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ان کے حالات کتاب ''بدء الوحی'' کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۲)

(۳) نافع مولی عبداللہ بن عمر

یہ مدینہ منورہ کے مشہور عالم اور مفتی نافع مولی عبداللہ بن عمر القرشی العدوی العمری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۳)

ایک قول کے مطابق ان کا اصل تعلق ''المغرب'' سے تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اصلاً نیشاپور کے تھے، تیسرے قول کے مطابق یہ کابل کے قیدیوں میں سے تھے، چوتھا قول یہ ہے کہ ان کا تعلق طالقان سے تھا(۴)، بہر حال کسی غزوہ میں یہ قید ہوکر آئے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید لیا۔(۵)

ان کے والد کے نام میں بھی کئی اقوال ہیں، بعض نے ''ھرمز'' اور بعض نے ''کاؤس'' بتایا ہے۔(۶)

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے راویہ ہیں، ان کے علاوہ حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت رافع بن خدیج، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ام سلمہ، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہم سے روایت حدیث

---

(۱) کشف الباری (ج۲ص۱۸۹)۔

(۲) کشف الباری (ج۱ص۳۲۴)۔

(۳) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۹ص۲۹۸)۔

(۴) تہذیب الکمال (ج۲۹ص۲۹۸)۔

(۵) قال النووي في تهذيب الأسماء واللغات (ج۲ص۱۲۳)، رقم (۱۸۷): "سُبي وهو صغير، فاشتراه ابن عمر". وقال ابن أبي حاتم في الجرح والتعديل (ج۸ص۵۱۷)، رقم (۲۰۷۰/۱۵۳۷۷): "أصابه ابن عمر في بعض غزواته". والله أعلم.

(۶) دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۹ص۲۹۸)، وتهذيب الأسماء واللغات (ج۲ص۱۲۳) نقلاً عن الحاكم في تاريخ نيسابور۔

تنبيه: قال العيني في عمدة القاري: "نافع بن سرجس، بفتح السين المهملة وسكون الراء وكسر الجيم وفي آخره سين أخرى" وهذا سبق قلم منه بناءً على سبق نظر، حيث أراد ترجمة نافع مولى عبد الله بن عمر من كتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، فوقع نظره إلى ترجمة نافع بن سرجس، الذي ترجم له بعده مباشرة، فكتب الاسم ونسبه، ثم نقل عنه ترجمة نافع مولى عبد الله بن عمر. والله أعلم.

کرتے ہیں، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبید اور حضرت ابن عمر کے صاحبزادگان سالم، عبداللہ اور عبیداللہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں امام زہری، ایوب سختیانی، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر، عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر، زید بن واقد، حمید الطویل، ابن جریج، امام مالک، صالح بن کیسان، ابن عون، یحییٰ بن سعید، موسیٰ بن عقبہ، اسماعیل بن امیہ، ایوب بن موسیٰ، یونس بن یزید، جویریہ بن اسماء، لیث بن سعد، محمد بن عجلان، ابن ابی ذئب، ضحاک بن عثمان، سلیمان بن موسیٰ، برد بن سنان، ابن ابی رواد، عبدالرحمن بن السراج، عبیداللہ بن الأخنس، محمد بن اسحاق، اسامہ بن زید، عمر بن محمد، صخر بن جویریہ، ہمام بن یحییٰ، ہشام بن سعد، لیث بن ابی سُلیم، حجاج بن ارطاۃ، اشعث بن سوار، اسحاق بن ابی فروۃ، ابو معشر نجیح، عبداللہ بن نافع اور عثمان البری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ بے شمار حضرات ہیں۔(۱)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کان ثقة كثير الحديث"۔(۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أصح الأسانيد: مالك عن نافع، عن ابن عمر"۔(۳)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نافع کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے سنتا ہوں تو پھر مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوتی کہ کسی اور سے وہ حدیث نہیں سنی۔(۴)

عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مدني تابعي، ثقة"۔(۵)

ابن خراش کہتے ہیں "ثقة نبيل"۔(۶)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثقة"۔(۷)

---

(۱) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال (ج۲۹ ص۲۹۸-۳۰۳) وسیر أعلام النبلاء (ج۵ ص۹۵-۹۷)۔

(۲) تہذیب الکمال (ج۲۹ ص۳۰۳)۔

(۳) حوالۂ بالا۔

(۴) حوالۂ بالا۔

(۵) تہذیب الکمال (ج۲۹ ص۳۰۴)۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) حوالۂ بالا۔

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أي حديث أوثق من حديث نافع؟" (۱)

احمد بن صالح مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "كان نافع حافظاً نبتاً، له شأن، وهو أكبر من عكرمة عند أهل المدينة"۔ (۲)

خلیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نافع من أئمة التابعين بالمدينة، إمام في العلم، متفق عليه، صحيح الرواية، منهم من يقدمه على سالم، ومنهم من يقارنه به، ولا يعرف له خطأ في جميع ما رواه"۔ (۳)

یعنی "نافع مدینہ کے ائمہ تابعین میں سے ہیں، علم میں متفق علیہ امام ہیں، صحیح روایت کرنے والے ہیں، بعض حضرات ان کو سالم سے بھی مقدم گردانتے ہیں اور بعض حضرات ان کا ہمسر قرار دیتے ہیں، ان کی تمام روایتوں میں کوئی غلطی نہیں پائی گئی"۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "أجمعوا على توثيقه"۔ (۴)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "الإمام، المفتي، الثبت، عالم المدينة"۔ (۵)

نیز وہ فرماتے ہیں:

"وقول ميمون بن مهران: كبر، وذهب عقله، قول شاذ، بل اتفقت الأمة على أنه حجة مطلقاً"۔ (۶)

یعنی "میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا کہ نافع بڑھاپے کے بعد عقل وخرد سے بے گانہ ہوگئے تھے، یہ بالکل شاذ قول ہے، پوری امت اس بات پر متفق ہے کہ نافع مطلقاً حجت ہیں"۔

---

(۱) كتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (ج۸ص۴۵۱)، رقم (۲۰۷۰/۱۵۳۷۷)۔

(۲) تهذيب التهذيب (ج۱۰ص۴۱۴)، وتعليقات تهذيب الكمال (ج۲۹ص۳۰۶)۔

(۳) تهذيب التهذيب (ج۱۰ص۴۱۴و۴۱۵)۔

(۴) تهذيب الأسماء واللغات (ج۲ص۱۲۴)، رقم (۱۸۷)۔

(۵) سير أعلام النبلاء (ج۵ص۹۵)۔

(۶) سير أعلام النبلاء (ج۵ص۱۰۱)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔(۱)

نافع مولی عبداللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اصح قول کے مطابق ۱۱۷ھ میں ہوئی۔(۲)

رحمه الله تعالى رحمةً واسعةً

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، "باب الإيمان وقول النبي صلى الله عليه وسلم: بني الإسلام على خمس" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

أن رجلاً قام في المسجد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں کھڑا ہوا۔

یہی مقصود بالترجمہ ہے کہ ایک شخص مسجد میں کھڑا ہوا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

یہ شخص کون ہے؟ کسی نے بھی ان کا نام ذکر نہیں کیا۔(۴)

"مسجد" سے مراد مسجد نبوی ہے(۵)، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مواقیت حج کے بارے میں حدیث میں مذکور سوال مدینہ منورہ سے سفر کرنے سے پہلے کا تھا۔(۶)

فقال: يا رسول الله، من أين تأمرنا أن نهل؟ (۷)

(۱) كتاب الثقات لابن حبان (ج۵ص۴۶۷)۔

(۲) سير أعلام النبلاء (ج۵ص۱۰۱)۔

(۳) کشف الباري (ج۱ص۶۳۷)۔

(۴) قال الحافظ: "لم أقف على اسم هذا الرجل"۔ (فتح الباري ج۱ص۲۳۰)، وقال أيضاً: "لم يسم هذا الرجل"۔ (هدي الساري ص۳۹۰)۔

(۵) فتح الباري (ج۱ص۲۳۰)۔

(۶) حوالۂ بالا۔

(۷) الإهلال: هو رفع الصوت بالتلبية، يقال: أهلّ المحرمُ بالحج يُهِلُّ إهلالاً: إذا لبّى ورفع صوته، والمُهَلّ بضم الميم: موضع الإهلال، وهو الميقات الذي يحرمون منه، ويقع على الزمان، والمصدر۔ النهاية في غريب الحديث والأثر (ج۲ص۹۱۰)۔

وقال العيني رحمه الله تعالى في العمدة (ج۲ص۲۱۹): "أن نهل: أي نحرم، والإهلال في الأصل رفع الصوت، ولكن المراد هنا الإحرام مع التلبية"۔

عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہمیں کہاں سے تلبیہ پڑھنے اور احرام باندھنے کا حکم دیتے ہیں؟

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يهل أهل المدينة من ذي الحليفة، ويهل أهل الشام من الجحفة، ويهل أهل نجد من قرن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل مدینہ ذوالحلیفہ سے تلبیہ پڑھ کے احرام باندھیں گے، اہل شام جُحفہ سے احرام باندھیں گے اور اہل نجد قرن سے احرام باندھیں گے۔

ذوالحلیفہ

تصغیر کے ساتھ، یعنی حاء کے ضمہ، لام کے فتحہ کے ساتھ ہے، اس کے بعد یاء مثناۃ من تحت ساکنہ ہے، اس کے بعد فاء مفتوحہ ہے، آخر میں تاء مدورہ ہے۔ (۱)

ذوالحلیفہ مدینہ منورہ کے جنوب میں چھ یا سات میل یعنی ۹ کلومیٹر دور ایک جگہ کا نام ہے، آج کل اس کو "بئر علی" یا "آبار علی" کہا جاتا ہے۔ (۲)

الجحفه

جحفہ بالضم ثم السکون، والفاء۔

اہل شام اور اہل مصر اگر مدینہ منورہ سے ہوکر نہ گذریں تو ان کے واسطے میقات جحفہ ہے اور اگر مدینہ سے گذریں تو اہل مدینہ کا میقات ذوالحلیفہ ہے۔ (۳)

یہ جُحفہ مدینہ منورہ سے چھ مراحل کے فاصلے پر مقام "رابغ" سے جنوب مشرق کی طرف تقریباً چوبیس کلومیٹر پر واقع ہے۔ (۴)

---

(۱) معجم البلدان (ج۲ ص۲۹۵)۔

(۲) معجم البلدان (ج۲ ص۲۹۵)، وأطلس الحديث النبوي (ص۱۵۰)۔

(۳) معجم البلدان (ج۲ ص۱۱۱)۔

(٤) معجم البلدان (ج۲ ص۱۱۱)، وأطلس الحديث النبوي (ص۱۵۰)۔

اس کا اصل نام ''مہیعہ'' (بفتح المیم وسکون الھاء وفتح الیاء المثناۃ من تحت، بعدھا عین مھملۃ مفتوحۃ، وبعدھا تاء مدورۃ) تھا، ایک قوم وہاں آ کر آباد ہوئی، سیلاب نے آ کر اس کا استیصال کر دیا اس لئے اس کا نام ''جحفہ'' پڑ گیا۔(۱)

قرن

قرن (بفتح القاف وسکون الراء المھملۃ، وبعدھا نون)۔

یہ اہل نجد کا میقات ہے، اسی کو قرن المنازل بھی کہتے ہیں، مکہ مکرمہ سے اسی کلومیٹر دور ہے۔(۲) اس میں ''راء'' پر فتحہ پڑھنا غلط ہے(۳)، ''قرن'' بفتح الراء تو یمن کا ایک قبیلہ ہے، حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔(۴)

وقال ابن عمر: ویزعمون أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ویھل أھل الیمن من یلملم، وکان ابن عمر یقول: لم أفقہ ھذہ من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل یمن یلملم سے احرام باندھیں گے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو سمجھ نہیں سکا تھا۔

یلملم

اس کو ألملم بھی کہا جاتا ہے، یہ مکہ مکرمہ سے جنوب کی طرف سو کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔(۵)

---

(۱) معجم البلدان (ج۲ص۱۱۱)، وعمدۃ القاری (ج۲ص۲۱۸)، والفتح الربانی (ج۱۱ص۱۰۵)، کتاب الحج والعمرۃ، أبواب الإحرام ومواقیتہ، وصفتہ، وأحکامہ، باب مواقیت الإحرام المکانیۃ۔

(۲) معجم البلدان (ج۴ص۳۳۱) وأطلس الحدیث النبوي (ص۳۰۵)۔

(۳) فتح الباري (ج۱ص۲۳۰)۔

(۴) دیکھئے المجموع شرح المھذب (ج۷ص۱۷۰)، کتاب الحج، باب المواقیت۔

(۵) معجم البلدان (ج۵ص۴۴۱)، وأطلس الحدیث النبوي (ص۳۷۹)۔

مواقیتِ احرام کی تحدید

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں جزم کے ساتھ تین مواقیت کا ذکر ہے، ''ذات عرق'' کا ذکر تو بالکل نہیں ہے، جبکہ یلملم جو اہلِ یمن کا میقات ہے اس کا تذکرہ بلفظ ''زعم'' ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی اس روایت میں تو فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''یلملم'' کا جو ذکر فرمایا وہ میں سمجھ نہیں سکا۔ جبکہ دوسری روایات میں ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سنا ہی نہیں، البتہ دوسروں سے سنا ہے۔

چنانچہ مؤطا کی روایت میں ہے "قال عبد الله: وبلغني أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ويهل أهل اليمن من يلملم"۔ (۱)

صحیح مسلم اور سنن نسائی کی ایک روایت میں ہے "وذكر لي ــ ولم أسمع ـ أنه قال: ويهل أهل اليمن من يلملم"۔ (۲)

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مواقیت کے بارے میں براہِ راست محقق طور پر سنا تھا، جبکہ یلملم کے بارے میں یا تو آپ سے سنا لیکن سمجھ نہیں سکے، یا کسی اور صحابی کے واسطے سے سنا، چونکہ مرسلِ صحابی عن الصحابی بھی صحیح اور حجت ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ اس حدیث میں وہ چار مواقیت کا ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے:

"أن النبي صلى الله عليه وسلم وقت لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل نجد قرن المنازل، ولأهل اليمن يلملم، هن لهن ولمن أتى عليهن من غيرهن، ممن أراد الحج والعمرة، ..."۔ (۳)

---

(۱) موطا إمام مالك بشرح أوجز المسالك، كتاب الحج، باب مواقيت الإهلال، رقم (٧٢٤ ـ ٢٢)۔

(۲) صحيح مسلم، كتاب الحج، باب مواقيت الحج، رقم (٢٨٠٩)۔ وسنن النسائي، كتاب المناسك، باب ميقات أهل نجد، رقم (٢٦٥٦)۔

(۳) صحيح بخاري (ج١ ص٢٠٦)، كتاب الحج، باب مهل أهل مكة للحج والعمرة، رقم (١٥٢٤)۔

یعنی ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ کے واسطے ذوالحلیفہ، اہلِ شام کے واسطے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن المنازل اور اہل یمن کے واسطے یلملم کو میقات مقرر فرمایا ہے، یہ ان علاقوں کے باشندگان کے لئے بھی میقات ہیں اور ان لوگوں کے واسطے بھی جو حج وعمرہ کے ارادہ سے ان علاقوں سے آئیں، اگرچہ وہ ان علاقوں کے باشندے نہ ہوں''۔

اہل عراق کا میقات

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن المنازل اور یلملم کے میقات ہونے پر تو سب کا اتفاق ہے۔

البتہ اہل عراق کے میقات کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ ان کا میقات کیا ہے؟ اور یہ کہ اس کو کس نے مقرر کیا؟ آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر فرمایا یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمایا۔

امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، امام مالک اور ان کے تمام اصحاب کہتے ہیں کہ عراق اور اس جانب کے اہل مشرق کا میقات ''ذاتِ عرق'' ہے۔

جبکہ امام شافعی اور (ایک قول کے مطابق) سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر اہل عراق مقام ''عقیق'' سے احرام باندھیں تو یہ زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔ (۱)

ان میں سے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اہل عراق کے میقات ''ذاتِ عرق'' کی تعیین تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی ہے، کیونکہ عراق ان کے زمانہ میں فتح ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عراق مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا ہی نہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب اہل عراق کے میقات کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا "لا عراق یومئذ" (۲) کہ ''اس زمانے میں اہل اسلام کے پاس عراق تو تھا ہی نہیں''۔

---

(۱) الاستذکار لابن عبدالبر (ج۳ص۳۴)، کتاب الحج، باب مواقیت الإهلال، والمجموع (ج۷ص۱۹۷، ۲۰۲)۔

(۲) مسند أحمد (ج۲ص۱۴۰) رقم (۶۲۵۷)، ومصنف ابن أبي شيبة (ج۸ص۳۶۴) کتاب المناسك، باب في مواقيت الحج، رقم (۱۴۲۶۳)۔

لیکن دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ "ذات عرق" کی تعیین خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے.
چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:-

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت لأهل العراق ذات عرق"۔ (۱)

یعنی "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عراق کے لئے ذاتِ عرق کو میقات مقرر فرمایا ہے"۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے:

"وقّت رسول الله صلى الله عليه وسلم لأهل المدينة ذا الحليفة، ولأهل الطائف قرن، وهي نجد، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل اليمن يلملم، ولأهل العراق ذات عرق"۔ (۲)

یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل طائف کے لئے قرن جو نجد کا علاقہ ہے، اہل شام کے لئے جحفہ اور اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات مقرر فرمایا ہے"۔

جہاں تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے جس میں "لا عراق يومئذ" کہا تھا، جس سے یہ سمجھ میں آرہا تھا کہ "ذات عرق" کی تحدید وتوقیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں ہوئی، سو اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا تھا اور اس وقت تک عراق فتح بھی نہیں ہوا تھا اس لئے انہوں نے قیاس کرکے فرمادیا "لا عراق يومئذ" ورنہ کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ میں تو "شام" کا علاقہ بھی فتح نہیں ہوا تھا۔ ان کے باوجود آپ نے "شام" اور "مصر" کے اہالی کے واسطے "جحفہ" کی توقیت فرمائی۔

اسی طرح ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"منعت العراق درهمها وقفيزها ومنعت الشام مديها ودينارها، ومنعت مصر إردبها ودينارها"۔ (۳)

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب في المواقيت، رقم (۱۷۳۹)۔

(۲) أخرجه ابن عبدالبر بسنده في التمهيد، انظر فتح المالك بتبويب التمهيد لابن عبدالبر (ج۵ص۳۱۱)، كتاب الحج، باب مواقيت الإهلال۔

(۳) صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يحسر الفرات عن جبل من ذهب، رقم (۷۲۷۷)، وسنن أبي داود، كتاب الخراج والفيء والإمارة، باب في إيقاف أرض السواد وأرض العنوة، رقم (۳۰۳۵)، ومسند أحمد (ج۲ص۲۶۲)، مسند أبي هريرة رضي الله عنه، رقم (۷۵۵۵)۔

یعنی ''اہل عراق نے اپنے درہم اور قفیز کو روک دیا اور اہل شام نے اپنے مدی اور دینار کو روک لیا اور مصر نے اپنے اردب اور دینار کو روک لیا'' (اردب، مدی اور قفیز سب مختلف پیمانوں کے نام ہیں)۔

ظاہر ہے کہ اُس زمانے میں شام وعراق فتح نہیں ہوئے تھے، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں "منعت" کے معنی "ستمنع" کے ہیں (۱)، گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از فتح پیشین گوئی فرمائی ہے کہ آئندہ جاکر عراق وشام اسلامی حکومت کے زیرنگیں ہوں گے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عراق وشام فتح نہیں ہوئے تھے، لیکن آپ نے اس حدیث میں فرمایا کہ عراق وشام ومصر جزیہ دینا ختم کردیں گے، اس کا ایک مطلب شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ یہ ممالک مفتوح ہوکر وہاں کے باشندے اسلام لے آئیں گے، اس لئے وہاں سے جزیہ کا آنا بند ہوجائے گا۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ممالک تو اسلامی حکومت کے زیرنگیں آجائیں گے. البتہ آخر زمانے میں عجم اور کفار کا غلبہ ہوگا، عراق وشام میں جو جزیہ وخراج آیا کرتے تھے وہ نہیں آئیں گے۔ (۲) بہرصورت اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ پیشین گوئی پائی گئی کہ عراق ومصر وشام اسلامی حکومت کے زیرنگیں ہوجائیں گے۔

اسی طرح آپ نے عراق وشام کے واسطے قبل از فتح مواقیت مقرر فرمادیے، کیونکہ یہ علاقے اہل اسلام کے ہاتھ میں عنقریب آنے والے ہیں۔

جہاں تک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ''عقیق'' سے احرام باندھنے کو افضل قرار دینے کا تعلق ہے، سو اس کی وجہ ایک تو وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "وقت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لأهل المشرق العقيق" (۳) یعنی ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مشرق کے واسطے ''عقیق'' کو میقات قرار دیا ہے''۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ''ذات عرق'' میقات نہیں ہے، بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سمیت تمام

---

(۱) فتح الباری (ج۳ص ۳۸۱و۳۸۹)، کتاب الحج، باب مواقیت (اہل...)۔

(۲) دیکھئے شرح النووی علی صحیح مسلم (ج۲ص ۳۹۱)، کتاب الفتن۔

(۳) سنن أبي داود، کتاب المناسک، باب في المواقیت، رقم (۱۷۴۰)۔

اہل علم کے نزدیک "ذات عرق" میقات ہے، البتہ "عقیق" چونکہ اس سے ذرا دور ہے لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ "عقیق" سے احرام باندھیں۔(۱)

جبکہ جمہور مذکورہ حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں (۲) اور ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں "ذات عرق" کی تصریح آئی ہے۔

مواقیت کے بارے میں ان شاء اللہ تعالیٰ تمام تفصیلات کتاب الحج میں آئیں گی۔

واللّٰه سبحانه وتعالىٰ أعلم وعلمه أتم وأحكم

٥٣ - باب : مَنْ أَجَابَ ٱلسَّائِلَ بِأَكْثَرَ مِمَّا سَأَلَهُ .

بابِ سابق سے مناسبت

دونوں ابواب میں مناسبت بالکل واضح ہے کہ ہر باب میں سوال کرنا اور جواب دینا مذکور ہے۔(۳)

---

(۱) المجموع (ج۷ص۱۷۲) كتاب الحج، باب المواقيت۔ وفتح المالك (ج۵ص۳۱۱)۔

(۲) قال الزيلعي في نصب الراية(ج۳ص۱٤)، رقم (۳۹٦٤و۳۹٦۵): "قال ابن القطان في كتابه: هذا حديث أخاف أن يكون منقطعا، فإن محمد بن علي بن عبد الله بن عباس إنما عهد يروي عن أبيه عن جده ابن عباس، كما جاء ذلك في صحيح مسلم، في صلاته عليه السلام من الليل۔ وقال مسلم في كتاب التمييز: لا نعلم له سماعاً من جده، ولا أنه لقيه، ولم يذكر البخاري ولا ابن أبي حاتم أنه يروي عن جده، وذكر أنه يروي عن أبيه"۔ انتهى

وقال النووي في المجموع (ج۷ص۱٦۹):

"رواه أبو داود والترمذي، وقال: حديث حسن، وليس كما قال، فإنه من رواية يزيد بن أبي زياد، وهو ضعيف باتفاق المحدثين"۔

وقال الحافظ في التلخيص الحبير (ج۳ص۸٤٦)، كتاب الحج، باب المواقيت، رقم (۹۷۱): "قلت: في غير الانقطاع نظر، ويعرف ذلك من ترجمته، وله علة أخرى، قال مسلم في الكنى: لا يعلم له سماع من جده يعني محمد بن علي" —

وقال الحافظ في فتح الباري (ج۳ص۳۹۰): "تفرد به يزيد بن أبي زياد، وهو ضعيف"۔

(۳) عمدة القاري (ج۲ص۲۲۰)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کا مقصد اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ جواب کا سائل کے سوال کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔(۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر سائل کوئی سوال کرے تو سائل کے جواب میں مزید اضافہ کردے تو یہ جائز ہے، بلکہ بعض اوقات انسب اور بعض اوقات ضروری ہوتا ہے۔(۲)

مثلاً کسی مسئلہ میں تفصیلات ہیں اور ان تفصیلات کو ذکر کئے بغیر یہ ڈر ہو کہ مستفتی غلطی میں پڑ جائے گا تو اس کو بیان کردینا مناسب ہے۔

اور اگر یہ خطرہ ہو کہ مستفتی غلط مطلب نکال کر اپنا مقصد حل کرے گا تو مسئلہ کی شقوں کو واضح کردینا چاہئے، تاکہ وہ یہ نہ کہے کہ میں نے تو اس لفظ سے یہ مطلب سمجھا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ بہت سے اصولیین نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہونا چاہئے۔ یہاں بظاہر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اس قاعدہ کے معارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصولیین کے کلام کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس پر اضافہ نہ کیا جائے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جواب میں سوال کی ساری باتیں آجائیں، کوئی چیز نہ چھوٹے (۳)، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم کے آخر میں یہ ترجمہ منعقد کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میں نے علم کی ترغیب وتحریض اور اس کے مسائل سے متعلق ضرورت اور حاجت سے زیادہ تراجم منعقد کردیے ہیں۔(۴)

واللہ أعلم

---

(۱) المتواري (ص ٦٥)۔

(۲) الكنز المتواري في معادن لامع الدراري (ج۲ص ۳۹٤)۔

(۳) حوالۂ سابقہ۔

(۴) دیکھئے فتح الباري (ج۱ص ۲۳۱)، والكنز المتواري (ج۲ص ۳۹٥)۔

١٣٤ : حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ : حَدَّثَنَا ٱبْنُ أَبِي ذِئْبٍ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ[1] ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ . وَعَنِ ٱلزُّهْرِيِّ ، عَنْ سَالِمٍ ، عَنِ ٱبْنِ عُمَرَ ، عَنِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ : أَنَّ رَجُلاً سَأَلَهُ مَا يَلْبَسُ ٱلْمُحْرِمُ ؟ فَقَالَ : (لَا يَلْبَسِ ٱلْقَمِيصَ ، وَلَا ٱلْعِمَامَةَ ، وَلَا ٱلسَّرَاوِيلَ ، وَلَا ٱلْبُرْنُسَ ، وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ ٱلْوَرْسُ أَوِ ٱلزَّعْفَرَانُ ، فَإِنْ لَمْ يَجِدِ ٱلنَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ ٱلْخُفَّيْنِ ، وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا تَحْتَ ٱلْكَعْبَيْنِ) .
[٣٥٩ ، ١٤٦٨ ، ١٧٤١ ، ١٧٤٥ ، ٥٤٥٨ ، ٥٤٦٦ ، ٥٤٦٨ ، ٥٤٦٩ ، ٥٥٠٩ ، ٥٥١٤]

تراجم رجال

(۱) آدم

یہ آدم بن ابی إیاس خراسانی مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "بـــاب:

(١) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنهما". الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في كتاب الصلاة، باب الصلاة في القميص والسراويل والتبان والقباء، رقم (٣٦٦)، وفي كتاب الحج، باب ما لا يلبس المحرم من الثياب، رقم (١٥٤٢)، وجزاء الصيد، باب ما ينهى من الطيب للمحرم والمحرمة، رقم (١٨٣٨)، وباب لبس الخفين للمحرم إذا لم يجد النعلين، رقم (١٨٤٢)، وفي كتاب اللباس، باب لبس القميص، رقم (٥٧٩٤)، وباب البرانس، رقم (٥٨٠٣)، وباب السراويل، رقم (٥٨٠٥)، وباب العمائم، رقم (٥٨٠٦)، وباب الثوب المزعفر، رقم (٥٨٤٧)، وباب النعال السبتية، رقم (٥٨٥٢). ومسلم في صحيحه، في كتاب الحج، باب ما يباح للمحرم بحج أو عمرة لبسه وما لا يباح ... رقم (٢٧٩١-٢٧٩٣). والنسائي في سننه، في كتاب المناسك، باب النهي عن الثياب المصبوغة بالورس والزعفران في الإحرام، رقم (٢٦٦٧و٢٦٦٨)، وباب النهي عن لبس القميص في الإحرام، رقم (٢٦٧٠)، وباب النهي عن لبس السراويل في الإحرام، رقم (٢٦٧١)، وباب النهي عن أن تنتقب المرأة الحرام، رقم (٢٦٧٤)، وباب النهي عن لبس البرانس في الإحرام، رقم (٢٦٧٥و٢٦٧٦)، وباب النهي عن لبس العمامة في الإحرام، رقم (٢٦٧٧و٢٦٧٨)، وباب النهي عن لبس الخفين في الإحرام، رقم (٢٦٧٩)، وباب قطعهما أسفل من الكعبين، رقم (٢٦٨١)، وباب النهي عن أن تلبس المحرمة القفازين، رقم (٢٦٨٢). وأبو داود في سننه في كتاب المناسك، باب ما يلبس المحرم، رقم (١٨٢٣-١٨٢٨). والترمذي في جامعه، في كتاب الحج، باب ما جاء فيما لا يجوز للمحرم لبسه، رقم (٨٣٣). وابن ماجه في سننه في كتاب المناسك، باب ما يلبس المحرم من الثياب، رقم (٢٩٢٩و٢٩٣٠)، وباب السراويل والخفين للمحرم ... رقم (٢٩٣٢).

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۱)

(۲) ابن ابی ذئب

یہ محمد بن عبدالرحمن بن المغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب القرشی العامری المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات اسی جلد میں کتاب العلم، "باب حفظ العلم" کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۳) نافع

یہ نافع مولی عبداللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات پچھلی حدیث کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۴) الزہری

یہ امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ المعروف بابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات "بدء الوحی" کی تیسری حدیث کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔(۱)

(۵) سالم

یہ سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، "باب: الحیاء من الإیمان" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۲)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الإیمان، "باب الإیمان وقول النبي صلی اللہ علیه وسلم: بني الإسلام علی خمس" کے تحت گذر چکے ہیں۔(۳)

(۱) کشف الباري (ج۱ص۶۷۸)۔

(۲) کشف الباري (ج۱ص۳۲۶)۔

(۳) کشف الباري (ج۲ص۱۲۰،۱۲۹)۔

(۴) کشف الباري (ج۱ص۶۳۷)۔

سندِ حدیث کی وضاحت

یہاں صحیح بخاری کے دو نسخے ہیں:

ایک میں ہے "حدثنا آدم، قال: حدثنا ابن أبي ذئب، عن نافع عن ابن عمر، عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم، وابن أبي ذئب عن الزهري عن سالم عن ابن عمر عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم"۔

یہاں "وابن أبي ذئب" جو دوبارہ آیا ہے اس کا عطف پیچھے "حدثنا ابن أبي ذئب" پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ آدم بن ابی ایاس نے یہ حدیث ابن ابی ذئب ہی سے دو سندوں سے سنی ہے۔

دوسرا نسخہ وہ ہے جو متن میں مذکور ہے، یعنی "حدثنا آدم، قال: حدثنا ابن أبي ذئب، عن نافع، عن ابن عمر، عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم، وعن الزهري، عن سالم، عن ابن عمر، عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم......"۔

اس میں "عن الزهري" کا عطف "عن نافع" پر ہے، گویا ابن ابی ذئب کے نام کا دوبارہ اعادہ نہیں کیا۔(۱)

حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث ابن ابی ذئب شیخ شیخ البخاری دو سندوں سے روایت کرتے ہیں، ایک "عن نافع عن ابن عمر" اور دوسری سند ہے "عن الزهري عن سالم عن ابن عمر" دوسری سند پہلی سند کے مقابلہ میں ایک درجہ نازل ہے، اگرچہ دونوں سندوں کے جلیل القدر ہونے میں کوئی شک نہیں۔

أن رجلاً سأله

کہ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا۔

یہ کون شخص تھا؟ حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لم أقف علی اسمه"۔(۲) میں ان کے نام سے واقف نہیں ہوسکا۔

---

(۱) دیکھئے فتح الباری (ج۱ص۲۳۱)۔

(۲) فتح الباری (ج۱ص۲۳۱)۔

ما يلبس المحرم؟ فقال: لا يلبس القميص ولا العمامة ولا السراويل ولا البرنس، ولا ثوباً مسّه الورس أو الزعفران، فإن لم يجد النعلين فليلبس الخفين، وليقطعهما حتى يكونا تحت الكعبين۔

جوشخص احرام باندھے وہ کیا پہنے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: محرم نہ قمیص پہنے گا نہ عمامہ، نہ پاجامہ، نہ وہ کپڑا جس کے ساتھ ٹوپی بھی سلی ہوئی ہو، نہ وہ کپڑا جس میں ورس یا زعفران ہو، پھر اگر پہننے کو جوتیاں (چپل) نہ ملیں تو موزے ٹخنوں سے نیچے تک کاٹ کر پہن لے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فصیح و بلیغ جواب

سائل نے یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملبوسات کے بارے میں سوال کیا تھا کہ وہ کون سے لباس ہیں جو محرم پہن سکتا ہے؟ لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر ملبوسات کو دو وجہ سے ذکر کیا ہے۔

ایک تو اس لئے کہ جن چیزوں کے پہننے کی اجازت ہوتی ہے ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں اور جن کے پہننے کی اجازت نہیں ان کے پہننے سے ضرر ہوتا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتادیا کہ جلب منفعت سے دفع ضرر مقدم ہے، لہذا غیر ملبوسات یعنی وہ لباس جو نہیں پہننے چاہئیں، ان کے متعلق سوال کرنا چاہئے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ملبوسات کی تو کوئی حد نہیں، غیر ملبوسات محدود ہیں، یعنی جس کی اجازت ہے اس کی تو کوئی حد نہیں ہے اور جس کی اجازت نہیں وہ محدود ہے، لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محدود کو بیان فرمادیا۔

اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ فلاں فلاں چیزیں استعمال کرنا ناجائز ہے تو معلوم ہوگیا کہ باقی تمام چیزوں کا استعمال جائز ہے، یعنی مذکورات ناجائز اور غیر مذکورات جائز ہیں۔

روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

یہیں سے روایت کی ترجمۃ الباب سے مطابقت بھی نکل آئی، کہ سائل نے تو صرف جائز ملبوسات کے

متعلق سوال کیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملبوسات اور غیر ملبوسات دونوں کو بیان کردیا، غیر ملبوسات یعنی جن کے پہننے کی اجازت نہیں منطوق حدیث سے بیان کردیا اور ملبوسات یعنی جن کے پہننے کی اجازت ہے مفہومِ حدیث سے بیان فرمادیا۔(۱)

ترجمہ کے ساتھ مطابقت کی ایک اور تقریر بھی کی گئی ہے کہ سائل نے تو حالتِ اختیار کا مسئلہ پوچھا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت اضطرار کا مسئلہ بھی بیان کردیا اور یہ بتادیا کہ اگر کسی شخص کو نعلین نہ ملے تو وہ موزے کاٹ کر پہن لے۔(۲)

حدیثِ باب سے مستنبط قاعدہ

حدیثِ باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے، وہ تین قسم کی ہیں.

ایک تو وہ چیزیں ہیں جو ساترِ راس ہیں، جیسے عمامہ، اسی کے حکم میں ٹوپی بھی ہے، اس کا استعمال بھی جائز نہیں۔

دوسری وہ انواع لباس ہیں جو بدن کے مطابق سلے ہوتے ہیں، جیسے سراویل، قمیص، برنس وغیرہ اور اس کے حکم میں وہ تمام لباس آجائیں گے جو بدن کی وضع اور ہیئت کے مطابق سلے ہوئے ہوں، ان کو چاہے کسی زبان میں کچھ کہا جاتا ہو۔

تیسری نوع یہ کہ محرم نعلین پہن سکتا ہے، خفین کی اجازت نہیں، کیونکہ خفین ساترِ کعب ہوتی ہیں، اس سے معلوم ہوگیا کہ جو چیز بھی ساترِ کعب ہوگی اس کے استعمال کی اجازت نہیں ہوگی، لہذا اگر جوتا ساتر کعب ہو تو اس کی اجازت بھی نہیں ہوگی۔(۳)

السراویل

یہ عجمی لفظ ہے، معرب کر کے استعمال کیا گیا ہے، یہ اگرچہ جمع کے وزن پر ہے، لیکن واحد کے لئے

---

(۱) دیکھئے عمدة القاري (ج۲ص ۲۲۲)۔

(۲) فتح الباری (ج۱ص ۲۳۱)۔

(۳) عمدة القاري (ج۲ص ۲۲۲)۔

استعمال ہوتا ہے۔(۱)

البُرنس

بضم الباء والنون وإسكان الراء۔

بُرنس ہر ایسے کپڑے کو کہتے ہیں جس کا سر اس کے ساتھ ملا ہوا ہو، چاہے وہ جبہ ہو، یا برساتی ہو یا کوئی زرہ وغیرہ ہو۔(۲) اسی طرح ایک خاص قسم کی ٹوپی کو بھی "بُرنس" کہتے ہیں، صدرِ اسلام میں عبّاد لوگ پہنا کرتے تھے۔(۳)

الورس

ایک زرد رنگ کی گھاس ہے، یمن میں پائی جاتی ہے، کپڑے رنگنے میں کام آتی ہے۔(۴)

حدیث باب سے متعلق دیگر فقہی احکام کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب الحج میں آئے گی۔

براعتِ اختتام

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب العلم" کے آخر میں یہ حدیث ذکر کی ہے جس میں ہے "وليقطعهما حتى يكونا تحت الكعبين" یہ قطعِ اختتامِ کتاب اور نہایت پر دال ہے۔(۵)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر "کتاب" کے آخر میں انسان کی زندگی کے اختتام یعنی موت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، یہاں بھی محرم کے لباس کا ذکر ہے جو میت کے کفن کے مشابہ ہے۔(۶) واللّٰہ سبحانہ و تعالی أعلم

---

(۱) دیکھئے تهذيب الأسماء واللغات (ج۳ص۱۴۸)، وعمدة القاري (ج۲ص۲۲۱)۔

(۲) تهذيب الأسماء واللغات (ج۳ص۲۶)۔

(۳) عمدة القاري (ج۲ص۲۲۱)۔

(۴) تهذيب الأسماء واللغات (ج۴ص۱۹۰)، وعمدة القاري (ج۲ص۲۲۲)۔

(۵) فتح الباري (ج۱۳ص۵۴۳) آخر الكتاب۔

(۶) [illegible] (ج۲ص۳۹۶)۔

هذا آخر ما أردنا إيراده في شرح كتاب العلم من الجامع

الصحيح للإمام البخاري رحمه الله تعالى،

وبه تمّ المجلد الرابع

من كتاب "كشف الباري عما في صحيح البخاري"

ويليه ـ بإذن الله تعالى ـ المجلد الخامس، وأوله: كتاب الوضوء،

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، والصلاة والسلام الأتمان

الأكملان على أفضل الكائنات، وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم

بإحسان، ما دامت الأرضون والسماوات۔

مصادر و مراجع

۱۔ الأبواب والتراجم لصحيح البخاري۔حضرت شیخ الهند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، رحمة اللّٰہ علیہ، المتوفی ۱۳۳۹ھ ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان۔
۲۔ الأبواب والتراجم لصحیح البخاري۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوي رحمه اللّٰہ تعالی، متوفی ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء۔ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
۳۔ الآثار (کتاب الآثار)۔ امام أبو حنیفة نعمان بن ثابت، رحمة اللّٰہ علیه، متوفی ۱۵۰ھ روایت: امام محمد بن الحسن الشیباني، رحمة اللّٰہ علیه، متوفی ۱۸۲ھ، مکتبه امدادیه ملتان۔
۴۔ الآثار المرفوعة (مع رسائل) امام ابو الحسنات عبد الحی بن عبد الحلیم اللکنوي، رحمة اللّٰہ علیه، متوفی ۱۳۰۴ھ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔
۵۔الأجوبة المرضیة فیما سئل (السخاوی) عنه من الأحادیث النبویة۔حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاوي، رحمه اللّٰہ تعالی، المتوفی ۹۰۲ھ۔ تحقیق: دکتور محمد اسحاق محمد ابراهیم۔ دار الرایة، الریاض وجدة طبع اول ۱۴۱۸ھ۔
۶۔ الإحسان بترتیب صحیح ابن حبان۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستي، رحمه اللّٰہ تعالی،

المتوفی ۳۵۴ھ۔ مؤسسة الرسالة، بیروت۔

۷۔إحكام الأحكام، شرح عمدة الأحكام امام تقی الدین أبو الفتح الشهیر بابن دقیق العید، رحمه الله تعالی، متوفی ۷۰۲ھ، دار الکتب العلمیة بیروت، طبع ثانی ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵م۔

۸۔ أحكام القرآن، امام ابو بکر أحمد بن علی الرازی الجصاص، رحمه الله تعالی، متوفی ۳۷۰ھ،دار الکتاب العربی بیروت۔

۹۔ أحكام القرآن۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، رحمه الله تعالی، المتوفی ۱۳۹۴ھ، إدارة القرآن کراچی۔

۱۰۔اختصار علوم الحدیث۔ ابو الفداء عماد الدین إسماعیل بن شهاب الدین عمر المعروف بابن کثیر، رحمه الله تعالی، المتوفی ۷۷۴ھ، دار التراث القاهرة، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹م۔

۱۱۔ الأذکار مع الفتوحات الربانیة۔ امام أبو زکریا محي الدین یحیی بن شرف النووی، رحمه الله تعالی، متوفی ۶۷۶ھ المکتبة الإسلامیة۔

۱۲۔ إرشاد الساري شرح صحیح البخاري۔ ابو العباس شهاب الدین أحمد القسطلانی رحمه الله تعالی متوفی ۹۲۳ھ۔المطبعة الکبری الأمیریة مصر، طبع سادس ۱۳۰۴ھ۔

۱۳۔ إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء۔ حضرت شاه ولی الله محدث دهلوی رحمه الله تعالی، المتوفی ۱۱۷۶ھ سهیل اکیڈمی لاهور۔

☆ إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء مترجم۔ حضرت شاه ولی الله محدث دهلوی رحمه الله تعالی، المتوفی ۱۱۷۶ھ، قدیمی کتب خانه کراچی۔

۱۴۔ الاستیعاب فی أسماء الأصحاب (بهامش الإصابة)۔أبو عمر یوسف بن عبدالله بن محمد بن عبد البر، رحمه الله تعالی، متوفی ۴۶۳ھ۔دار الفکر بیروت۔

۱۵۔ أسد الغابة في معرفة الصحابة۔ عز الدین أبو الحسن علي بن محمد الجزري،المعروف بابن الأثیر، رحمه الله تعالی، المتوفی ۶۳۰ھ دار الکتب العلمیة، بیروت۔

١٦-أشعة اللمعات ـ شيخ عبد الحق محدث دهلوی، رحمه الله تعالی، المتوفی ١٠٥٢هـ۔ مکتبه نوریه رضویه سکهر پاکستان۔

١٧-الإصابة في تمييز الصحابة۔شهاب الدين أبو الفضل أحمد بن علی العسقلانی المعروف بابن حجر، رحمه الله تعالی، متوفی ٨٥٢هـ۔ دار الفکر بیروت۔

١٨-اصول کافی ـ محمد بن یعقوب الکلینی، متوفی ٣٢٩هـ ـ دار الکتب الإسلامیة، تهران، طبع ثالث ١٣٨٨هـ۔

١٩-أضـس الحديث النبوي من الكتب الصحاح الستة، دكتور شوقی أبو خليل، دار الفكر دمشق، طبع رابع ١٤٢٦هـ، ٢٠٠٥م۔

٢٠-الاعتبار في الناسخ والمنسوخ في الحديث، الحافظ أبو بكر محمد بن موسى الحازمی الهمدانی، رحمه الله تعالی، المتوفی ٥٨٤هـ، تحقيق: أحمد طنطاوی ـ دار ابن حزم ـ الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ ـ ٢٠٠١م۔

٢١-الاعتصام، امام أبو إسحاق إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمی الشاطبي، رحمه الله تعالی، متوفی ٧٩٠هـ، دار الفکر، بیروت۔

٢٢-أعلام الحديث۔ امام أبو سليمان حمد بن محمد الخطابی رحمه الله تعالی متوفی ٣٨٨هـ۔ مرکز إحياء التراث الإسلامی، جامعة أم القری مکه مکرمه۔

٢٣-إعلاء السنن۔ علامه ظفر أحمد عثمانی رحمه الله تعالی متوفی ١٣٩٤هـ۔ادارة القرآن کراچی۔

٢٤-إكمال تهذيب الكمال، علامه علاء الدين مغلطای بن قليج بن عبد الله المكجری الحنفي، متوفی ٧٦٤هـ، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر طبع اول ١٤٢٢هـ/٢٠٠١م۔

٢٥-الإكمال في رفع الارتياب عن المؤتلف والمختلف في الأسماء والكنى الألقاب۔ الأمير الحافظ أبو نصر علی بن هبة الله المعروف بابن ماكولا، رحمه الله تعالی، متوفی ٤٧٥هـ،

محمد أمين دمج، بيروت ۔

۲۶۔ ألفية الحديث۔ حافظ جلال الدين عبدالرحمن سيوطي، رحمه الله تعالى، متوفى ۹۱۱ھ، تصحيح وتشريح: شيخ أحمد محمد شاكر، رحمه الله تعالى، متوفى ۱۳۷۷ھ المكتبة العلمية۔

۲۷۔ الإلماع ۔ قاضي عياض بن موسى اليحصبي رحمه الله تعالى، متوفى ۵۴۴ھ تحقيق وتعليق: أحمد فريد المزيدي، دارالكتب العلمية ۔، بيروت، طبع اول ۱۴۲۵ھ۔ ۲۰۰۴ء۔

۲۸۔ الأموال (كتاب الأموال)امام ابو عبيد القاسم بن سلام، رحمه الله تعالى، متوفى ۲۲۴ھ، دار الكتب العلمية بيروت، طبع اول ۱۴۰۶ھ۔

۲۹۔الأم (كتاب الأم) امام محمد بن إدريس الشافعي، رحمه الله تعالى، متوفى ۲۰۴ھ، دارالمعرفة، بيروت ۱۳۹۳ھ۔ ۱۹۷۳ء۔

۳۰۔ الأنساب۔ أبو سعد عبدالكريم بن محمد بن منصور السمعاني رحمه الله تعالى متوفى ۵۶۲ھ۔دارالجنان بيروت طبع اول ۱۴۰۸ھ، مطابق ۱۹۸۸ء۔

۳۱۔ أوجز المسالك إلى مؤطا مالك۔ شيخ الحديث حضرت مولانا محمد زكريا صاحب كاندهلوى، رحمه الله تعالى، متوفى ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء۔ ادارۂ تاليفات اشرفيه ملتان۔ وبتحقيق الدكتور تقي الدين الندوي حفظه الله تعالى، دار القلم، دمشق، طبع اول ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

۳۲۔بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع۔ ملك العلماء علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني رحمه الله تعالى' متوفى ۵۸۷ھ۔ايچ ايم سعيد كمپنى كراچى۔

۳۳۔ بداية المجتهد ونهاية المقتصد۔ علامه قاضي أبوالوليد محمد بن أحمد بن رشد قرطبي متوفى ۵۹۵ھ، شركة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر طبع خامس ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء۔

٣٤۔البداية والنهاية۔حافظ عماد الدين أبو الفداء إسماعيل بن عمر المعروف بابن كثير رحمه اللّٰه تعالىٰ' متوفى ٧٧٤ھ۔مكتبة المعارف ببيروت'طبع ثانی١٩٧٧م۔

٣٥–البضاعة المزجاة لمن يطالع المشكاة (مطبوعه مع المرقاة) ۔ مولانا عبد الحليم چشتی حفظه اللّٰه تعالیٰ۔ مکتبه امدادیه ملتان۔

٣٦–بيان القرآن۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمه اللّٰه تعالیٰ' متوفی ١٣٦٢ھ۔شیخ غلام علی اینڈ سنز لاهور۔

٣٧–تاج العروس من جواهر القاموس۔ أبو الفيض سيد محمد بن محمد المعروف بالمرتضى الزبيدي رحمه اللّٰه تعالىٰ'متوفى ١٢٠٥ھ۔ دارمكتبة الحياة بيروت۔

٣٨–تاريخ ابن الأثير (الكامل في التاريخ) أبو الحسن عز الدين علي بن محمد بن الأثير الجزري رحمه اللّٰه تعالىٰ، متوفى ٦٣٠ھ، دار الكتاب العربي، بيروت۔

٣٩–تاريخ الأمم والملوك (تاريخ الطبري) امام محمد بن جرير الطبري رحمه اللّٰه تعالیٰ، متوفى ٣١٠، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت، طبع رابع ١٤٠٣ھ/١٩٨٣م۔

٤٠– تاريخ ابن خلدون(كتاب العبر، و ديوان المبتدأ والخبر، في أيام العرب والعجم والبربر، ومن عاصرهم من ذوي السلطان الأكبر) علامه عبد الرحمن بن محمد بن خلدون الحضرمي المغربي، رحمه اللّٰه تعالىٰ، المتوفى ٨٠٨ھ، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت۔

٤١– تاريخ الإسلام۔ حافظ شمس الدين أبو عبد اللّٰه محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي رحمه اللّٰه تعالىٰ، متوفى ٧٤٨ھ تحقيق : عمر عبد السلام تدمري، دار الكتاب العربي، بيروت، طبع اول ١٤١٠ھ۔١٩٩٠م۔

٤٢–تاريخ بغداد أو مدينة السلام۔حافظ أحمد بن علي المعروف بالخطيب البغدادي رحمه اللّٰه تعالىٰ، متوفی٤٦٣ھ۔ دار الكتاب العربي بيروت۔

٤٣ تاريخ الخلفاء ـ حافظ جلال الدين عبد الرحمن السيوطي، رحمه الله تعالى، متوفى ٩١١ه، مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت، طبع ثالث ١٤١٩ه/١٩٩٨م۔

٤٤ تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي، رحمه الله تعالى، المتوفى، ٢٨٠ه عن أبي زكريا يحيى بن معين، المتوفى ٢٣٣ه، دار المامون للتراث، ١٤٠٠ه۔

٤٥ التاريخ الكبير ـ امام محمد بن إسماعيل البخاري، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٥٦ه۔ دار الكتب العلمية بيروت۔

٤٦ تحرير تقريب التهذيب، دكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة، طبع اول ١٤١٧ه/١٩٩٧م۔

٤٧- تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف ـ أبو الحجاج جمال الدين يوسف بن عبدالرحمن المزي رحمه الله تعالى متوفى ٧٤٢ه ـ المكتب الإسلامي بيروت، طبع دوم ١٤٠٣ه مطابق ١٩٨٣م۔

٤٨ تحفة الباري بشرح صحيح البخاري، شيخ الإسلام أبي يحيى زكريا بن محمد الأنصاري، رحمه الله تعالى، المتوفى ٩٢٦ه، دار الكتب العلمية / دار ابن حزم بيروت، طبع اول ١٤٢٥ه/٢٠٠٤م۔

٤٩ تذكرة الحفاظ ـ حافظ أبو عبدالله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي رحمه الله تعالى متوفى ٧٤٨ه ـ دائرة المعارف العثمانية، الهند۔

٥٠ التذييل على كتاب تهذيب التهذيب ـ محمد بن طلعت، مكتبة أضواء السلف، الرياض، طبع أول ١٤٢٥ه ـ ٢٠٠٤م۔

٥١- ترجمان السنة ـ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، رحمه الله تعالى، ١٣٨٥، دار الاشاعت کراچی۔

٥٢ تعريف أهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس ـ حافظ أحمد بن علي المعروف

بابن حجر العسقلانی رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۸۵۲ھ، تحقیق: عاصم عبد اللّٰه القریوتی، الزرقاء، الأردن۔

۵۳ تعلیقات تقریب التهذیب۔ شیخ محمد عوامة حفظه اللّٰه تعالی، دار الرشید حلب ۱٤۰٦ھ۔

۵٤ تعلیقات جامع بیان العلم وفضله۔ أبو الأشبال الزهیری، دار ابن الجوزی، طبع رابع ۱٤۱۹ھ۔

۵۵ تعلیقات تهذیب الکمال۔ دکتور بشار عواد معروف حفظه اللّٰه تعالی۔مؤسسة الرسالة، طبع اول ۱٤۱۳ھ۔

۵٦ تعلیقات الرفع والتکمیل۔ شیخ عبد الفتاح أبو غدة رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۱٤۱۷ھ، مکتب المطبوعات الإسلامیة، حلب، طبع سوم ۱٤۰۷ھ۔ ۱۹۸۷م۔

۵۷ تعلیقات علوم الحدیث۔ دکتور نور الدین عتر حفظه اللّٰه تعالی، دار الفکر بیروت، ۱٤۰٦ھ۔۱۹۸٦ء۔

۵۸ تعلیقات الکاشف للذهبی۔شیخ محمد عوامة / شیخ أحمد محمد نمر الخطیب حفظهما اللّٰه۔مؤسسة دار القبلة/مؤسسة علوم القرآن۔ طبع اول ۱٤۱۳ھ۔۱۹۹۲م۔

۵۹ تعلیقات لامع الدراری۔ شیخ الحدیث محمد زکریا الکاندهلوی، رحمه اللّٰه تعالی، المتوفی ۱٤۰۲ھ۔۱۹۸۲م، کشمیر بکڈپو چنیوٹ بازار فیصل آباد۔

٦۰ تعلیقات معجم الصحابة۔ جماعة من العلماء والمحققین، مکتبة نزار مصطفی الباز، مکة المکرمة، الریاض۔

٦۱ تغلیق التعلیق۔ حافظ أحمد بن علی المعروف بابن حجر رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۸۵۲ھ۔المکتب الإسلامی ودار عمار۔

٦۲ تفسیر الطبری (جامع البیان عن تأویل آی القرآن)۔امام أبوجعفرمحمد بن جریر

الطبری رحمه الله تعالی، متوفی ۳۱۰ھ، مرکز البحوث والدراسات العربیة والإسلامیة بدار هجر۔ القاهرة ۱٤۲۲ھ۔ ۲۰۰۱م۔

٦٣ تفسیر القرآن العظیم۔ حافظ ابو الفداء عماد الدین إسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی رحمه الله تعالی، متوفی ۷۷٤ھ، دار إحیاء الکتب العربیة۔

٦٤ تفسیر القرطبی (الجامع لأحکام القرآن)۔امام أبو عبدالله محمد بن أحمد الأنصاری القرطبی رحمه الله تعالی، متوفی ٦۷۱ھ۔دار الفکر بیروت۔

٦٥۔ التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب) امام أبو عبد الله فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین الرازي، رحمه الله تعالی، متوفی ٦۰٦ھ، مکتب الإعلام الإسلامي، ایران۔

٦٦ التفسیر المظهری۔ قاضی محمد ثناء الله الفاني فتي، رحمه الله تعالی، ۱۲۲٥ھ، حافظ کتب خانه کوئٹه۔

٦٧۔ تقریب التهذیب۔ حافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلانی، رحمه الله تعالی متوفی ۸٥۲ھ۔دار الرشید حلب ۱٤۰٦ھ۔

٦٨ التقریب والتیسیر لمعرفة سنن البشیر النذیر (مع تدریب الراوی) امام أبو زکریا محی الدین یحیی بن شرف النووی، رحمه الله تعالی، متوفی ٦۷٦ھ، المکتبة العلمیة، المدینة المنورة۔

٦٩ تقریر بخاری شریف۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندهلوی، رحمه الله تعالی، متوفی ۱٤۰۲ھ، مکتبة الشیخ کراچی۔

۷۰ التقیید والإیضاح لما أطلق وأغلق من کتاب ابن الصلاح، حافظ أبو الفضل زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی، رحمه الله تعالی، متوفی ۸۰٦ ھ مکتبه سلفیه مدینه منوره۔ طبع أول ۱۳۸۹ھ۔

☆ التقیید والإیضاح لما أطلق وأغلق من کتاب ابن الصلاح، حافظ عراقی رحمه الله تعالی، تحقیق: دکتور أسامه بن عبد الله خیاط، دار البشائر الإسلامیة، طبع اول ۱٤۲٥ھ ۲۰۰٤م

٧١ تکملة فتح الملہم۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم۔ مکتبہ دارالعلوم کراچی۔

٧١ تکملة فتح الملہم۔ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم، دار إحياء التراث العربي بيروت، طبع اول ١٤٢٦ﻫ - ٢٠٠٦م۔

٧٢ التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير۔ حافظ أحمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ٨٥٢ﻫ، دار نشر الکتب الإسلامية لاہور۔

٧٣ تلخيص المستدرك (المطبوع بذيل المستدرك)۔ حافظ شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذہبی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ٧٤٨ﻫ۔ دارالفکر بیروت۔

٧٤ التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد۔ حافظ أبو عمر يوسف بن عبداللہ بن محمد ابن عبدالبر المالکی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ٤٦٣ﻫ۔ المکتبة التجارية مكة المكرمة۔

٧٥ تنوير الحلك في إمكان رؤية النبي والملك (ضمن: الحاوي للفتاوى للسيوطي) حافظ جلال الدين عبدالرحمن السیوطی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ٩١١ﻫ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد۔

تنویر الحوالک شرح موطأ امام مالک، حافظ جلال الدین عبدالرحمن السیوطی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ٩١١ﻫ، دارالکتب العلمیة، بیروت۔

٧٦ توضيح الأفكار لمعاني تنقيح الأنظار، امام محمد بن إسماعيل المعروف بالأمير الصنعاني رحمہ اللہ تعالی، متوفی ١١٨٢ﻫ، دارالکتب العلمیة، طبع اول ١٤١٧ﻫ ١٩٩٧م۔

٧٧ تهذيب الأسماء واللغات۔ امام محی الدین أبوزکریا یحیی بن شرف النووی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ٦٧٦ﻫ۔ إدارة الطباعة المنيرية۔

٧٨ تهذيب التهذيب۔ حافظ أحمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ٨٥٢ﻫ، دائرة المعارف النظامية، حیدرآباد الدکن ١٣٢٥ﻫ۔

۷۹ تهذیب سنن أبی داود، حافظ شمس الدین أبو عبد اللّٰه محمد بن أبی بکر المعروف بابن القیم، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۷۵۱ھ مطبعة أنصار السنة المحمدیة ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸م۔

۸۰ تهذیب الکمال۔ حافظ جمال الدین أبو الحجاج یوسف بن عبدالرحمن المزی، رحمه اللّٰه تعالی متوفی ۷۴۲ھ، مؤسسة الرسالة، طبع اول ۱۴۱۳ھ۔

۸۱ تیسیر القاری ۔ مولانا نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث دهلوی رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۱۰۷۲ھ، مطبع علوی، لکهنؤ۔

۸۲ الثقات (کتاب الثقات)۔ حافظ أبو حاتم محمد بن حبان بستی رحمه اللّٰه تعالی متوفی ۳۵۴ھ دائرة المعارف العثمانیة حیدر آباد ۱۳۹۳ھ۔

۸۳ جامع الأصول من حدیث الرسول۔ علامه مجد الدین أبو السعادات المبارک بن محمد ابن الأثیر الجزری رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۶۰۶ھ دار الفکر بیروت۔

☆جامع البیان عن تاویل آی القرآن (دیکهئے تفسیر الطبری)۔

۸۴ جامع بیان العلم وفضله، حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللّٰه بن محمد بن عبد البر المالکی، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۴۶۳ھ۔ دار ابن الجوزی، طبع رابع ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸م۔

۸۵ جامع الترمذی (سنن الترمذی)۔ امام أبو عیسی محمد بن عیسی بن سورة الترمذی رحمه اللّٰه تعالی متوفی ۲۷۹ھ۔ ایچ ایم سعید کمپنی/دار إحیاء التراث العربی/دار السلام۔

☆الجامع لأحکام القرآن (دیکهئے تفسیر القرطبی)۔

۸۶ الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع ۔ حافظ أبو بکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۴۶۳ھ دار الکتب العلمیة، بیروت، طبع اول ۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۶م۔

۸۷ الجرح والتعدیل، امام أبو محمد عبد الرحمن بن أبی حاتم محمد إدریس الرازی، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۳۲۷ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت۔ طبع اول ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲م۔

۸۸–جمع الوسائل فی شرح الشمائل، امام نور الدین علی بن سلطان القاری، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۱۰۱٤ھ، ادارہ تالیفات أشرفیہ ملتان۔

۸۹–الجوهر النقی (بذیل السنن الکبری للبیهقی)۔ علامہ علاء الدین علی بن عثمان المارديني، الشهیر بابن الترکمانی، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۸٤٥ھ، نشر السنة ملتان۔

۹۰–حاشیة سبط ابن العجمی علی الکاشف۔ امام برهان الدین أبو الوفاء إبراهیم بن محمد سبط ابن العجمي الحلبي رحمه اللّٰه تعالی متوفی ۸٤۱ھ۔شرکۃ دار القبلة/مؤسسة علوم القرآن، طبع اول ۱٤۱۳ھ/۱۹۹۲م۔

۹۱–حاشیة السندي علی البخاري۔ امام أبو الحسن نور الدین محمد بن عبد الهادي السندي رحمه اللّٰه تعالی متوفی ۱۱۳۸ھ۔قدیمی کتب خانہ۔

۹۲–الحاوی الکبیر، امام ابو الحسن علي بن محمد بن حبیب الماوردي، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ٤٥۰ھ دار الفکر، ۱٤۱٤ھ/۱۹۹٤م۔

۹۳–الحاوی للفتاوی۔ حافظ جلال الدین عبد الرحمن بن أبي بکر السیوطي، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۹۱۱ھ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد۔

۹٤–حلیة الأولیاء۔ حافظ أبو نعیم أحمد بن عبد اللّٰه بن أحمد الأصبهانی، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ٤۳۰ھ دار الفکر بیروت۔

۹٥–خلاصة تذهیب تهذیب الکمال (خلاصة الخزرجی) علامہ صفی الدین الخزرجی، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۹۲۳ھ کے بعد، مکتب المطبوعات الإسلامیة، بحلب۔

۹٦–الدرایة فی تخریج أحادیث الهدایة۔ حافظ أحمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانی، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ۸٥۲ھ، دار نشر الکتب الإسلامیة لاهور۔

۹۷–الدر المختار۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفي رحمه اللّٰه تعالی متوفی ۱۰۸۸ھ۔ مکتبة رشیدیة کوئٹہ۔

٩٨- الدر المنثور في التفسير بالمأثور۔ حافظ جلال الدین عبد الرحمن السیوطی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ٩١١ھ مؤسسة الرسالة۔

٩٩- ذخائر المواریث في الدلالة علی مواضع الحدیث۔ علامہ عبدالغنی بن إسماعیل بن عبدالغنی النابلسی رحمہ اللہ تعالی متوفی ١٣٤٣ھ دار المعرفة بیروت، دار الکتب العلمیة بیروت۔

١٠٠- رد المحتار علی الدر المختار۔ علامہ محمد أمین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین شامی رحمہ اللہ تعالی متوفی ١٢٥٢ھ۔ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

١٠١- رحماء بینہم، حضرت مولانا محمد نافع صاحب، مدظلہم، تحلیقات، لاہور۔

١٠٢- الرسالة المستطرفة لبیان مشہور کتب السنة المشرفة۔ علامہ محمد بن جعفر الکتانی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ١٣٤٥ھ، میر محمد کتب خانہ کراچی

١٠٣- رسالہ شرح تراجم أبواب البخاری (مطبوعہ مع صحیح بخاری)۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالی متوفی ١١٧٦ھ۔ قدیمی کتب خانہ کراچی۔

١٠٤- الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل۔ علامہ أبو الحسنات عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ١٣٠٤ھ، مکتب المطبوعات الإسلامیة حلب طبع سوم ١٤٠٧ھ۔

١٠٥- الروح (کتاب الروح)۔ حافظ شمس الدین أبو عبد اللہ محمد بن أبی بکر المعروف بابن القیم رحمہ اللہ تعالی، متوفی ٧٥١ھ، مکتبہ عصریہ مصر۔

١٠٦- روح فی القرآن (تالیفات عثمانی) حضرت شیخ الإسلام علامہ شبیر أحمد عثمانی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ١٣٦٩ھ۔ ادارۂ اسلامیات لاہور۔

١٠٧- روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی۔ أبو الفضل شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ تعالی متوفی ١٢٧٠ھ۔ مکتبہ امدادیہ ملتان۔

١٠٨- الروض الأنف۔ امام أبو القاسم عبد الرحمن بن عبداللہ السہیلی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ٥٨١ھ مکتبہ فاروقیہ ملتان۔ ١٣٩٧ھ۔

۱۰۹-زادالمعاد من هدي خير العباد۔حافظ شمس الدين أبو عبدالله محمد بن أبي بكر المعروف بابن القيم رحمه الله تعالی متوفی ۷۵۱ھ۔مؤسسۃالرسالۃ۔

۱۱۰-زهر الرُّبی علی المجتبی (مع سنن النسائی) حافظ جلال الدين عبدالرحمن السيوطی، رحمه الله تعالی، متوفی ۹۱۱ھ، قديمی كتب خانه كراچی۔

۱۱۱-السعاية في كشف مافي شرح الوقاية، علامه أبوالحسنات عبدالحي بن عبد الحليم اللكنوی، رحمه الله تعالی، متوفی ۱۳۰۴ھ، سهيل اكيڈمی لاهور۔

۱۱۲-سنن ابن ماجه، امام أبو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه، رحمه الله تعالی، متوفی ۲۷۳ھ قديمی كتب خانه كراچی / دار الكتاب المصری، قاهرة/ دار السلام۔

۱۱۳- سنن أبي داود۔امام أبو داودسليمان بن الأشعث السجستانی رحمه الله تعالی متوفی ۲۷۵ھ۔ايچ ايم سعيد كمپنی /دارإحياء السنة النبوية/دار السلام۔

۱۱۴-سنن الدارقطني۔حافظ أبو الحسن علي بن عمر الدارقطني رحمه الله تعالی متوفی ۳۸۵ھ۔دارنشرالكتب الإسلامية لاهور۔

۱۱۵-سنن الدارمي۔امام أبو محمد عبدالله بن عبد الرحمن الدارمی رحمه الله تعالی متوفی ۲۵۵ھ، قديمی كتب خانه كراچی۔

۱۱۶-السنن الصغری للنسائي۔امام أبو عبدالرحمن أحمد بن شعيب النسائي رحمه الله تعالی متوفی ۳۰۳ھ،قديمی كتب خانه كراچی / دارالسلام، رياض۔

۱۱۷-السنن الكبری للنسائی۔امام أبوعبدالرحمن أحمد بن شعيب النسائی رحمه الله تعالی متوفی ۳۰۳ھ۔نشر السنةملتان۔

۱۱۸-السنن الكبری للبيهقی۔امام حافظ أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقی رحمه الله تعالی متوفی ۴۵۸ھ۔نشرالسنة ملتان۔

۱۱۹-سير أعلام النبلاء۔حافظ أبو عبدالله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی

رحمه اللّٰہ تعالیٰ متوفی ۷۴۸ھ۔مؤسسۃ الرسالہ۔

۱۲۰ السیـــرہ الحلبیۃ۔ (إنسان العیون في سیرۃ الأمین المأمون)علامہ علي بن برهان الدین الحلبي رحمہ اللّٰہ تعالی المتوفی ۱۰۴۴ھ۔المکتبۃ الإسلامیۃ بیروت۔

۱۲۱ السیـــرۃ النبویۃ۔امام أبو محمد عبدالملك بن هشام المعافري رحمہ اللّٰہ تعالی، متوفی ۲۱۳ھ ،مکتبۃ فاروقیہ ملتان۔

۱۲۲ سیرت المصطفی ۔ حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللّٰہ تعالی، متوفی ۱۳۹۴ھ، مکتبہ عثمانیہ لاهور۔

☆ شرح تراجم أبواب البخاری ۔(دیکھئے رسالہ شرح تراجم أبواب البخاری)۔

۱۲۳ - شرح شرح نخبۃ الفکر، علامہ نور الدین علی بن سلطان القاری رحمہ اللّٰہ تعالی، متوفی ۱۰۱۴ھ تحقیق: محمد نزار تمیم وهیثم نزار تمیم ، دار الأرقم۔

۱۲۴ شرح شیخ الاسلام فارسی (مطبوعہ مع تیسیر القاری)

۱۲۵ شرح صحیح البخاری (لابن بطال) امام أبو الحسن علی بن خلف بن عبد الملك،المعروف بابن بطال، رحمہ اللّٰہ تعالی، متوفی ۴۴۹ھ مکتبۃ الرشد، الریاض ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰م۔

۱۲۶ شرح العقائد النسفیۃ۔علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ متوفی ۷۹۱ھ۔مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ۔

۱۲۷ شرح الکرمانی (الکواکب الدراری)۔علامہ شمس الدین محمد بن یوسف بن علي الکرمانی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ متوفی ۷۸۶ھ،دارإحیاء التراث العربی۔

۱۲۸ شرح مشکل الآثار، امام ابو جعفر أحمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی، رحمہ اللّٰہ تعالی ، متوفی ۳۲۱ھ، مؤسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۵ھ۔ ۱۹۹۵م۔

۱۲۹ شرح معانی الآثار۔ امام أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوي الحنفي، رحمہ اللّٰہ تعالی،المتوفي ۳۲۱ھ، میر محمد آرام باغ کراچی۔

☆ شرح معانی الآثار مع نثر الأزهار۔

۱۳۰ – شرح المهذب (المجموع)، امام أبو زكريا محی الدين يحيى بن شرف النووی، رحمه اللّٰہ تعالی، متوفی ۶۷۶ھ ، شركة من علماء الأزهر / دار الفكر، بيروت۔

۱۳۱ – شرح المواهب اللدنية، علامه محمد بن عبد الباقی بن يوسف الزرقانی المصری المالكی، رحمه اللّٰہ تعالی، متوفی ۱۱۲۲ھ، دار الكتب العلمية، بيروت، طبع اول ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۶م۔

۱۳۲ – شرح النووی علی صحيح مسلم۔ امام أبوزكريا محي الدين يحيى بن شرف النووي رحمه اللّٰہ تعالی المتوفی ۶۷۶ھ۔قديمی كتب خانه كراچی۔

۱۳۳ – شروط الأئمة الخمسة للحازمی، حافظ أبو بكر محمد بن موسى بن عثمان الحازمی، رحمه اللّٰہ تعالی، متوفی ۵۸۴ھ تعليقات علامه زاهد الكوثری، رحمه اللّٰہ تعالی، متوفی ۱۳۷۱ھ وتعليقات شيخ عبد الفتاح أبو غدة رحمه اللّٰہ تعالی، متوفی ۱۴۱۷ھ۔ (ضمن: ثلاث رسائل فی علوم الحديث) مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب۔

۱۳۴ – الشمائل المحمدية مع جمع الوسائل، امام أبوعيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذی رحمه اللّٰہ تعالی، متوفی ۲۷۹ھ، ادارهٔ تاليفات أشرفيه ملتان۔

☆ صحيح ابن حبان۔ (دیکھئے الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان)۔

۱۳۵ – الصحيح للبخاري۔امام أبو عبداللّٰہ محمد بن إسمعيل البخاري رحمه اللّٰہ تعالی، المتوفی ۲۵۶ھ۔قديمی كتب خانه كراچی / دار السلام رياض،وبتحقيق محمد نزار تميم وهيثم نزار تميم،دار الارقم بن أبي الأرقم۔

۱۳۶ – الصحيح لمسلم۔ امام مسلم بن الحجاج القشيری النيسابوری رحمه اللّٰہ تعالی، متوفی ۲۶۱ھ۔قديمی كتب خانه كراچی / دار السلام۔

۱۳۷ – الضعفاء الكبير (كتاب الضعفاء الكبير) امام أبو جعفر محمد بن عمرو بن موسى بن

حمد عقیلی المکی، رحمه الله تعالی، متوفی ۳۲۲ه، دار الکتب العربیة بیروت۔

۱۳۸- الضوء اللامع فی أعیان القرن التاسع، امام أبو عبد الله محمد بن عبد الرحمن السخاوی، رحمه الله تعالی، متوفی ۹۰۲ھ۔ منشورات دار مکتبة الحیاة، بیروت۔

۱۳۹- الطبقات الکبری۔ امام أبو محمد بن سعد رحمه الله تعالی متوفی ۲۳۰ھ۔دار صادر بیروت۔

☆طبقات المدلسین (دیکھئے تعریف أهل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس)۔

۱٤۰- ظفر الأمانی، امام أبو الحسنات عبدالحی بن عبد الحلیم اللکنوی رحمه الله تعالی، متوفی ۱۳۰٤ه مکتب المطبوعات الإسلامیة بحلب، طبع ثالث ۱٤۱٦ھ۔

۱٤۱- عارضة الأحوذی، امام أبو بکر محمد بن عبد الله، المعروف بابن العربی، رحمه الله تعالی، متوفی ۵٤۳ه المطبعة المصریة بالأزهر۔

۱٤۲- عقود الجواهر المنیفة فی أدلة مذهب الإمام أبی حنیفة مما وافق فیه الأئمة الستة أو أحدهم، علامه سید محمد بن محمد الحسینی، المعروف بالمرتضی الزبیدی، رحمه الله تعالی، متوفی ۱۲۰۵، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

۱٤۳- علوم الحدیث (مقدمه ابن الصلاح) امام حافظ تقی الدین أبو عمرو عثمان بن عبدالرحمن المعروف بابن الصلاح رحمه الله تعالی، متوفی ٦٤۳ ه تحقیق نور الدین عتر حفظه الله تعالی، دار الفکر، تصویر ١٤٠٦ھ۔ ١٩٨٦م۔

۱٤٤- عمدة القاری۔ امام بدر الدین أبو محمد محمود بن أحمد العینی رحمه الله تعالی، متوفی ۸۵۵ھ۔ادارة الطباعة المنیریة۔

۱٤۵- فتح الباری۔حافظ أحمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانی رحمه الله تعالی متوفی ۸۵۲ھ۔دار الفکر بیروت۔

۱٤٦- فتح القدیر۔امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الهمام رحمه الله

تعالی متوفی ٨٦١ھ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ۔

١٤٧۔ فتح المالك بتبويب التمهيد لابن عبد البر على موطأ مالك، حافظ ابو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر المالكي رحمه الله تعالى، متوفى ٤٦٣ھ مرتب: دكتور مصطفى صميدة، دار الكتب العلمية، بيروت، طبع اول ١٤١٨ھ ١٩٩٨ء۔

١٤٨۔ فتح المغيث شرح ألفية الحديث، امام ابو عبد الله محمد بن عبد الرحمن السخاوي رحمه الله تعالى، المتوفى ٩٠٢ھ دار الإمام الطبري، الطبعة الثانية ١٤١٢ھ ١٩٩٢ء۔

١٤٩۔ فتح المغيث، امام حافظ أبو الفضل زين الدين عبد الرحيم بن الحسين العراقي رحمه الله تعالى، متوفى ٨٠٦ھ دار الجيل بيروت۔

١٥٠۔ فتح الملهم، شيخ الإسلام علامه شبير أحمد عثماني رحمه الله تعالى، متوفى ١٣٦٩ھ مكتبة الحجاز حيدري كراچي، مكتبه دار العلوم كراچي، دار إحياء التراث العربي، بيروت۔

١٥١۔ الفتوحات الربانية شرح الأذكار النواوية، شيخ محمد بن علان الصديقي رحمه الله تعالى، متوفى ١٠٥٧ھ المكتبة الإسلامية۔

١٥٢۔ فقه أهل العراق وحديثهم (مقدمة نصب الراية) علامه محمد زاهد الكوثري رحمه الله تعالى، متوفى ١٣٧١ھ مكتب المطبوعات الإسلامية حلب۔

١٥٣۔ فقه اللغة وسر العربية، امام أبو منصور عبد الملك بن محمد بن إسماعيل الثعالبي، المتوفى ٤٢٩ھ، قديمي كتب خانه كراچي۔

١٥٤۔ فيض الباري، امام العصر علامه محمد أنور شاه كشميري رحمه الله تعالى، متوفى ١٣٥٢ھ، ربانی بکڈپو دہلی۔

١٥٥۔ القاموس المحيط، امام مجد الدين محمد بن يعقوب الفيروزآبادي، رحمه الله تعالى، متوفى ٨١٧ھ دار الفكر بيروت ١٤١٥ھ ١٩٩٥ء

۱۵۶- القاموس الوحيد- مولانا وحيد الزمان بن مسيح الزمان قاسمي كيرانوى، رحمه الله تعالى، المتوفى ١٤١٥ھ/١٩٩٥م، إدارہ اسلاميات لاهور / كراچى۔

۱۵۷- الكاشف للذهبي- شمس الدين أبو عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي رحمه الله تعالى، متوفى ٧٤٨ھ- شركة دار القبلة/مؤسسة علوم القرآن طبع اول ١٤١٣ھ/١٩٩٢ء۔

۱۵۸- الكاشف عن حقائق السنن (شرح الطيبي) امام شرف الدين حسين بن محمد بن عبدالله الطيبي رحمه الله تعالى متوفى ٧٤٣ھ- إدارة القرآن كراچى۔

☆ الكامل في التاريخ (دیکھئے: تاريخ ابن الأثير)۔

۱۵۹- الكامل في ضعفاء الرجال- امام حافظ أبو أحمد عبدالله بن عدي الجرجاني رحمه الله تعالى، متوفى ٣٦٥ھ، دار الفكر بيروت۔

☆ كتاب الآثار (دیکھئے: الآثار)

☆ كتاب الأم (دیکھئے: الأم)

☆ كتاب الأموال (دیکھئے: الأموال)

☆ كتاب الروح (دیکھئے: الروح)

۱۶۰- کتابت حدیث عہد رسالت وعہد صحابہ میں، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم، ادارۃ المعارف کراچی۔

۱۶۱- الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل وعيون الأقاويل في وجوه التأويل- الإمام جار الله محمود بن عمر الزمخشري، المتوفى ٥٣٨ھ، دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان۔

۱۶۲- كشف الأستار عن زوائد البزار، إمام نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي، رحمه الله تعالى، متوفى ٨٠٧ھ مؤسسة الرسالة، طبع اول ١٤٠٥ھ۔

۱۶۳- كشف الأسرار على أصول البزدوي، علامه عبد العزيز بن أحمد بن محمد البخاري، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٣٠ھ الصدف پبلشرز كراچى۔

١٦٤- كشف الأسرار علی شرح المنار، امام ابوالبرکات عبد اللّٰه أحمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفي رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ٧١٠ھ، الصدف پبلشرز کراچی۔

١٦٥- كشف الباري۔شيخ الحديث حضرت مولانا سليم اللّٰه خان صاحب مدظلهم۔مكتبة فاروقيه کراچی۔

١٦٦- كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس۔ شيخ إسماعيل بن محمد العجلوني رحمه اللّٰهتعالی، متوفی ١١٦٢ھ۔دار إحياء التراث العربي بيروت۔

١٦٧- كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، ملا كاتب جلبي مصطفى بن عبد اللّٰه المعروف بحاجي خليفه، متوفی ١٠٦٧ھ، مكتبة المثنى بغداد، آفست فوتو استنبول۔

١٦٨- الكفاية في علم الرواية، امام حافظ أبو بكر أحمد بن علي المعروف بالخطيب البغدادي، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ٤٦٣ھ۔ دار الكتب العلمية بيروت، ١٤٠٩ھ۔١٩٨٨م۔

١٦٩- كفاية المتحفظ، امام أبو إسحاق إبراهيم بن إسماعيل بن عبد اللّٰه، المعروف بابن الأجدابي الطرابلسي، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ٦٠٠ھ تقريبا۔

١٧٠- كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال۔علامه علاء الدين على متقي بن حسام الدين الهندي البرهان فوري رحمه اللّٰه تعالی متوفی ٩٧٥ھ۔ مكتبة التراث الإسلامي حلب۔

☆الكنز المتواری فی معادن لامع الدراری وصحيح البخاری (دیکھئے تعليقات لامع الدراری)۔

١٧١- الكنى والأسماء (كتاب الكنى والأسماء) امام حافظ أبو بشر محمد بن أحمد بن حماد الدولابی، رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ٣١٠ھ، المكتبة الأثرية، تصوير حيدر آباد الدكن۔

١٧٢- الكوكب الدري، حضرت مولانا رشيد أحمد گنگوهی رحمه اللّٰه تعالی، متوفی ١٣٢٣ھ ادارة القرآن كراتشي۔

☆ الكواكب الدراري (دیکھئے شرح الكرماني)۔

١٧٣- لامع الدراري۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۳۲۳ھ۔مکتبہ امدادیہ

مکہ مکرمہ/کشمیر بکڈپو، چنیوٹ بازار، فیصل آباد۔

۱۷۴ لسان المیزان۔ امام حافظ احمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانی، رحمہ اللّٰہ تعالی، متوفی ۸۵۲ھ، تحقیق: شیخ عبد الفتاح ابو غدہ، رحمہ اللّٰہ تعالی، متوفی ۱۴۱۷ھ، دار البشائر الإسلامیۃ، طبع اول، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲م۔

۱۷۵- لقط الدرر حاشیۃ نزھۃ النظر، شیخ عبد اللّٰہ بن حسین خاطر السمین العدوی (من علماء القرن الرابع عشر) مصطفی البابی مصر ۱۳۵۶ھ۔

۱۷۶ الموطأ۔امام مالک بن أنس رحمہ اللّٰہ تعالی متوفی ۱۷۹ھ۔دار إحیاء التراث العربی۔

الموطا لمحمد، إمام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللّٰہ تعالی، متوفی ۱۸۳ھ نور محمد اصح المطابع کراچی۔

۱۷۷ المتواری علی تراجم أبواب البخاری۔علامہ ناصر الدین أحمد بن محمد المعروف بابن المنیر الإسکندرانی رحمہ اللّٰہ تعالی متوفی ۶۸۳ھ۔مظہری کتب خانہ کراچی۔

۱۷۸- مجمع الزوائد۔امام نور الدین علی بن أبی بکر الہیثمی رحمہ اللّٰہ تعالی متوفی ۸۰۷ھ۔دار الفکر بیروت۔

☆ المجموع (دیکھئے: شرح المہذب)۔

۱۷۹ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، قاضی الحسن بن عبدالرحمن الرامہرمزی، رحمہ اللّٰہ تعالی، متوفی ۳۶۰ھ دار الفکر بیروت طبع ثالث ۱۴۰۴ھ۔ ۱۹۸۴م۔

۱۸۰ المحلی۔علامہ أبو محمد علی بن أحمد بن سعید بن حزم رحمہ اللّٰہ تعالی متوفی ۴۵۶ھ۔المکتب التجاری بیروت/ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔

۱۸۱ مختار الصحاح۔إمام محمد بن أبی بکر بن عبد القادر الرازی رحمہ اللّٰہ تعالی متوفی ۶۶۶ھ کے بعد۔دار المعارف مصر۔

۱۸۲- المراسیل (مع سنن أبی داود) امام أبو داود سلیمان بن الأشعث السجستانی رحمہ

الله تعالی، متوفی ۲۷۵ھ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

۱۸۳ مرقاة المفاتیح، علامہ نور الدین علی بن سلطان القاری رحمہ اللہ تعالی متوفی ۱۰۱۴ھ۔ مکتبۃ امدادیہ ملتان۔

۱۸۴ مسائل السلوک (مطبوعہ مع بیان القرآن) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ روحہ، متوفی ۱۳۶۲ھ، شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی۔

۱۸۵ المستدرک علی الصحیحین، حافظ أبو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری رحمہ اللہ تعالی متوفی ۴۰۵ھ۔ دار الفکر بیروت۔

۱۸۶ مسند أبی داود الطیالسی، حافظ سلیمان بن داود بن الجارود المعروف بأبی داود الطیالسی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ۲۰۴ھ دار المعرفۃ بیروت۔

۱۸۷ مسند أحمد، امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی متوفی ۲۴۱ھ، المکتب الاسلامی/ دار صادر بیروت/ بیت الأفکار الدولیۃ الریاض ۱۴۱۹ھ۔ ۱۹۹۸م۔

۱۸۸ مسند الحمیدی، امام أبو بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی رحمہ اللہ تعالی متوفی ۲۱۹ھ، المکتبۃ السلفیۃ مدینہ منورہ۔

۱۸۹ مشکاة المصابیح، شیخ أبو عبداللہ ولی الدین الخطیب محمد بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالی متوفی ۷۳۷ھ کے بعد، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

۱۹۰ مصباح اللغات، مولانا أبو الفضل عبدالحفیظ البلیاوی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ۱۳۹۱ھ، مکتبۂ برہان، دہلی۔

۱۹۱ المصنف لابن أبی شیبۃ، حافظ عبداللہ بن محمد بن أبی شیبۃ المعروف بأبی بکر بن أبی شیبۃ رحمہ اللہ تعالی متوفی ۲۳۵ھ، الدار السلفیۃ بمبئی الہند طبع دوم ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹م۔ وبتحقیق الشیخ محمد عوامۃ حفظہ اللہ تعالی، المجلس العلمی/ دار قرطبۃ بیروت، طبع اول ۱۴۲۷ھ۔ ۲۰۰۶م۔

۱۹۲ المصنف۔ امام عبد الرزاق بن همام الصنعانی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ۲۱۱ھ۔ مجلس علمی کراچی۔

۱۹۳ المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانیة، حافظ احمد بن علی المعروف بابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ۸۵۲ھ دار الباز مکة المکرمة۔

۱۹۴ معارف القرآن۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالی، متوفی ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء ادارۃ المعارف کراچی۔

۱۹۵ معجم البلدان، علامہ أبو عبد اللہ یاقوت حموی رومی رحمہ اللہ، متوفی ۶۲۶ھ۔ دار إحیاء التراث العربی بیروت۔

۱۹۶ معجم الصحابة، امام حافظ ابو الحسین عبد الباقی بن قانع البغدادی، رحمہ اللہ تعالی، متوفی ۳۵۱ھ، مکتبة نزار مصطفی الباز مکة المکرمة الریاض طبع اول ۱۴۱۸ھ۔

۱۹۷ المعجم المفهرس

۱۹۸ معجم مقاییس اللغة، امام أحمد بن فارس بن زکریا القزوینی الرازی، رحمہ اللہ تعالی، متوفی ۳۹۵ھ۔ دار الفکر، بیروت۔

۱۹۹ المعجم الوسیط، دکتور ابراهیم أنیس، دکتور عبد الحلیم منتصر، عطیة الصوالحی، محمد خلف اللہ أحمد، مجمع اللغة العربیة، دمشق۔

۲۰۰ معرفة الصحابة، امام الحافظ أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ الأصبهانی، رحمہ اللہ تعالی، متوفی ۴۳۰ھ، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، الطبعة الأولی ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء۔

۲۰۱ المغنی، امام موفق الدین أبو محمد عبد اللہ بن أحمد بن قدامة رحمہ اللہ تعالی، متوفی ۶۲۰ھ۔ دار الفکر بیروت۔

۲۰۲ المغنی فی ضبط أسماء الرجال، علامہ محمد طاهر الفتنی رحمہ اللہ تعالی، متوفی ۹۸۶ھ، دار نشر الکتب الإسلامیة لاهور۔

۲۰۳ مقدمة لامع الدراري۔حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۴۰۲/۱۹۸۲م ھ۔مکتبہ إمدادیہ مکہ مکرمہ/کشمیر بکڈپو چنیوٹ بازار فیصل آباد۔

☆مقدمہ نصب الرایة (دیکھئے فقہ أهل العراق وحدیثهم)۔

۲۰۴ المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، (مع شرحه للزرقاني) حافظ شهاب الدين أحمد بن محمد العسقلاني المصري الشافعي، رحمه الله تعالى، المتوفى ۹۲۳ھ، دار الكتب العلمية بيروت، ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۶م۔

۲۰۵ الموضوعات، امام أبوالفرج عبدالرحمن ابن الجوزی رحمه الله تعالى، متوفى ۵۹۷ھ قرآن محل اردو بازار کراچی۔

۲۰۶ میزان الاعتدال فی نقد الرجال۔حافظ شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذهبی رحمه الله تعالیٰ متوفی ۷۴۸ھ۔دارإحیاء الکتب العربیه مصر ۱۳۸۲ھ۔

۲۰۷ النبراس شرح شرح العقائد۔علامه عبدالعزیز بن أحمد الفرهاری رحمه الله تعالی، ۱۲۳۹ھ کے بعد۔مکتبه حبیبیه کوئٹه۔

۲۰۸ نزهة النظر فی توضیح نخبة الفكر، حافظ أبوالفضل أحمد بن علی بن حجر العسقلانی، رحمه الله تعالی، متوفی ۸۵۲ھ، الرحیم اکیڈمی۔

۲۰۹ نصب الراية، حافظ جمال الدين عبدالله بن يوسف الزيلعي رحمه الله تعالى، متوفى ۷۶۲ھ تحقيق شيخ محمد عوامة حفظه الله، مؤسسة الريان بيروت، دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة، طبع اول ۱۴۱۸ھ۔ ۱۹۹۷م۔

۲۱۰– النكت على مقدمة ابن الصلاح، حافظ أبوالفضل أحمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمه الله تعالی، متوفی ۸۵۲ھ، دار الراية الرياض، طبع ثانی ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

۲۱۱ النهاية في غريب الحديث والأثر۔علامه مجدالدين ابو السعادات المبارك بن محمد

ابن الأثير الجزري رحمه الله تعالى، متوفى ٦٠٦هـ دار إحياء التراث العربي بيروت، دار المعرفة بيروت، طبع أول ١٤٢٢هـ/٢٠٠١م۔

٢١٢- وفيات الأعيان- قاضي شمس الدين أحمد بن محمد المعروف بابن خلكان رحمه الله تعالى متوفى ٦٨١هـ دار صادر بيروت۔

٢١٣- الهداية- امام برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني رحمه الله تعالى متوفى ٥٩٣ھ، إدارة القرآن كراجي/ المصباح۔

٢١٤- هدى الساري (مقدمة فتح الباري)- حافظ أبو الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلاني رحمه الله تعالى متوفى ٨٥٢هـ دار الفكر بيروت۔

٢١٥- همع الهوامع، علامه جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر السيوطي رحمه الله تعالى، متوفى ٩١١ھ، منشورات الرضي، قم، إيران۔

